مکتوبات امام ربانی

اردو

مؤلفہ

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ

مترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

الحمد للہ ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپسِ پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اردو ترجمہ

مکتوبات امام ربّانی

حضرت مجدّد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرّہٗ

دفتر دوم ——— حصہ دوم

تصحیح و حواشی و ترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ بندر روڈ کراچی

کتابخانہ: محمد ہارون موسیٰ

طبع اول ——— آفسٹ ایڈیشن ——— سنہ ۱۹۷۲ء

طابع و ناشر: ——— مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

مطبع: ——— مشہور آفسٹ پریس کراچی

تعداد: ——— دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت: ——— ۲۱/- } حصہ ہفتم، ہشتم، نہم مجلد معہ پلاسٹک کور

ملنے کا پتہ

مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ بندر روڈ کراچی (پاکستان)

فہرست مضامین حصہ ہفتم از مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اردو ترجمہ مکتوبات شریف

دفتر دوم حصہ دوم

مکتوب نمبر ۵۱

خواجہ محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بعض کاملین کے ساتھ بالمشافہہ کلام فرماتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

میرے پیارے دوست! آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حق سبحانہ و تعالےٰ کا انسان کے ساتھ کلام کبھی بالمشافہہ بھی ہوتا ہے۔ کلام کی یہ قسم بعض انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو حاصل ہے۔ اور کبھی یہ نعمت عظمیٰ ان کے بعض کامل ترین متبعین کیساتھ تبعیت اور وراثت کے طور پر بالمشافہہ گفتگو ہوتی ہے۔ اور اگر کسی متبع کے ساتھ گفتگو زیادہ ہوتی ہو تو اس کو "محدَّث" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔

اور یہ گفتگو الہام اور دل میں القاء کرنے کے علاوہ ہوتی ہے۔ اور یہ گفتگو وہ بھی نہیں ہے۔ جو فرشتوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ بلکہ اس کلام کا مخاطب وہ انسان ہوتا ہے۔ جو عالم امر و خلق اور روح اور نفس اور عقل و خیال کا جامع ہو۔ اور اللہ تعالےٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔

اور روبرو گفتگو کرنے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ مخاطب کو متکلم نظر بھی آئے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے۔ کہ سننے والے کی نظر کمزور ہو۔ اور وہ اللہ تعالےٰ کے نور کی چمک دمک برداشت کرنے سے قاصر ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کو دیکھنے کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔ کہ وہ تو نور ہے۔ میں اسے کیسے دیکھ

۱؎ مسلم شریف بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ

سکتا ہوں۔

اور اس لئے بھی دیکھنا سننے کو لازم نہیں آتا۔ کہ بالمشافہہ گفتگو کرنے میں شہودی حجابات دور ہوتے ہیں۔ نہ کہ وجودی۔ اس فرق کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔ کہ یہ ایک عمدہ معرفت کی بات ہے۔ اس کے متعلق بہت ہی کم کسی نے گفتگو کی ہوگی۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۵۲

خواجہ مہدی علی کشمیری کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اس بلند مرتبہ جماعت کے ساتھ محبت رکھنا چاہیئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آپ کا گرامی نامہ جو کہ کمال محبت و اخلاص سے لکھا گیا تھا۔ بمع تحفہ تحائف پہنچا۔

حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ اس جماعت کی محبت پر استقامت نصیب فرمائے۔ اور انہی کے ساتھ قیامت کو اٹھائے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کے ساتھ بیٹھنے والا بد قسمت نہیں رہتا۔ ان سے محبت رکھنے والا محروم نہیں رہتا ان سے میل جول رکھنے والا بے مراد نہیں رہتا یہی لوگ اللہ تعالےٰ کے جلیس ہیں۔ جب ان پر نگاہ پڑتی ہے۔ تو خدا یاد آجاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ جو ان کو پہچان لے۔ وہ اللہ تعالےٰ کو پالیتا ہے۔ ان کی نگاہ دوا ہے۔ انکی گفتگو شفا اور ان کی صحبت نور اور رونق ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ جس نے صرف ان کے ظاہر کو دیکھا۔ وہ نامراد ہوا۔ اور گھاٹے میں پڑا۔ اور جس نے ان کے باطن پر نگاہ رکھی۔ وہ نجات پا گیا۔ اور کامیاب ہوا۔

جس نے کہا ہے۔ کیا خوب کہا ہے۔ کہ "اے خداوندو تو نے اپنے دوستوں کو کیسے بنا دیا ہے۔ کہ جس نے ان کو پہچان لیا۔ اسنے تجھے پالیا۔ اور جب تجھے نہ پایا۔ ان کو نہ پہچانا"۔

یعنی ان کا پہچان لینا اور تجھے پالینا ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ تقدم ذاتی کس طرف سے ہے ایک لحاظ سے تو "شناخت" کو ہے۔ اور ایک لحاظ سے "پالینے" کو۔ اور ترجیح اسی قول کو ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی شناخت پہلے ہے۔ کیونکہ وہی پہلے ہے۔ اور ابتدا اسی سے زیادہ اچھی اور بہتر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ۔

مکتوب نمبر ۵۳

قرب وجوار کے ایک شیخ کی طرف صادر فرمایا۔

(اس سوال کے جواب میں کہ انہوں نے دریافت کیا۔ کہ اگر میں نیکی کرتا ہوں۔ تو نفس میں غرور وتکبر پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر مجھ سے کوئی کام خلاف شریعت ہو جائے۔ یا لغزش واقع ہو جائے۔ تو ندامت اور شکستگی پیدا ہوتی ہے۔)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

آپ نے دریافت فرمایا ہے۔ کہ "اگر میں ریاضت کروں۔ تو نفس میں غرور پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے۔ کہ میرے جیسا کوئی آدمی نیک نہیں ہے۔ اور اگر خلاف شرع کروں۔ تو اپنے آپ کو محتاج اور ذلیل ترین خیال کرتا ہوں۔ اس کا کیا علاج ہے"۔

خدا تجھے توفیق بخشے! محتاجی اور عاجزی جو دوسری شق (گناہ کرنے) میں ندامت اور افسوس سے خبر دیتی ہے۔ خدا تعالےٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور پناہ بخدا کہ شریعت کے حرام کاموں سے کسی کا ارتکاب کر لینے کے بعد بھی ندامت پیدا نہ ہو۔ جو کہ توبہ کا ایک حصہ ہے کہ گناہ سے لذت گیر ہونا گناہ پر اصرار کے مترادف ہے۔ اور اگر چھوٹے صغیرہ گناہ پر اصرار ہو تو وہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اور کبیرہ پر اصرار کفر کی دہلیز ہے۔

آپ اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کریں۔ تاکہ ندامت میں اضافہ ہو۔ اور شریعت کی خلاف ورزی سے باز رکھے۔ اللہ سبحانہ وتعالےٰ فرماتا ہے۔ "اگر تم شکر کرو گے۔ تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔

سوال کے پہلے حصے کا ماحصل یہ ہے۔ کہ "نیک اعمال کی بجا آوری کے بعد غرور پیدا ہوتا ہے"۔ اور یہ غرور زہر قاتل ہے۔ اور لاعلاج اور ہلاک کرنے والا مرض ہے۔ جو نیک اعمال کو اسی طرح نیست ونابود کر دیتا ہے۔ جس طرح خشک لکڑیوں کو آتش جلا کر تباہ کر دیتی ہے۔ اور غرور اس لئے پیدا ہوتا ہے۔ کہ عمل کرنے والے کی نگاہ میں اپنے اعمال نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کو اچھا سمجھتا ہے۔ تو اس کا علاج اسکی ضد سے کرنا چاہئیے۔

چاہئیے کہ اپنی نیکیوں کو ناخالص سمجھے۔ اور نیکیوں کے پوشیدہ قبائح کو اپنی نگاہ میں رکھے۔ تاکہ اپنے آپ کو قاصر سمجھے۔ بلکہ لعنت ملامت کے قابل جانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ بہت سے قرآن پڑھنے

والے ایسے ہوتے ہیں۔ کہ خود قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ اور کتنے ہی ایسے روزہ دار ہیں۔ جن کو روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

یہ کبھی خیال نہ کرنا چاہیئے۔ کہ اس کی اپنی نیکیوں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور اگر تھوڑی بہت بھی توجہ کرے گا۔ تو خدا تعالیٰ کی توفیق سے ان میں از سرتاپا قباحتیں دیکھے گا۔ اور حسن کا شائبہ بھی محسوس نہ ہوگا۔ غرور کیسا اور نخوت کیسی۔ بلکہ اپنے اعمال میں قصور اور نقصان دیکھنے میں اتنا غلبہ ہو۔ کہ نیکی کرنے سے نادم اور شرمندہ ہو۔ نہ کہ مغرور اور بے پروا۔ اور جب اعمال میں قصور دیکھنے کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اعمال کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ اور قبولیت کے قابل ہو جاتے ہیں۔ کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ ایسی نگاہ پیدا ہو۔ اور مغرور نہ ہو۔ اس کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا الاماشاء اللہ۔

وہ لوگ جن کو پورے طور پر اپنے اعمال میں قصور دیکھنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ وہ ایسا تصوّر کرتے ہیں۔ کہ دائیں جانب کا (نیکیاں) لکھنے والا فرشتہ تو بے کار اور معطّل ہے۔ اور ان کی نیکیوں میں کوئی خوبی ایسی نہیں ہے۔ جو لکھنے کے قابل ہو۔ اور بائیں جانب والا (برائیاں) لکھنے والا فرشتہ ہمیشہ کام میں لگا رہتا ہے۔ کہ تمام برائیاں ہی برائیاں ہیں۔ اور جب عارف کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے۔ وہ حدِّ بیان و تحریر سے باہر ہے۔ ع

قلم ایں جا رسید سر بشکست

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

مکتوب نمبر ۵۴

سید شاہ محمد کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے درجات اور مراتب مختلف ہیں۔ اور اس کے سات درجے ہیں۔ اور ہر ایک درجے کی دوسرے پر فضیلت کا بیان۔ اور ان سے متعلقہ مسائل۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت جو کہ دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے۔ کئی ایک مراتب اور درجات رکھتی ہے۔

پہلا درجہ عوام اہل اسلام کا ہے۔ جو کہ شریعت کے احکام اور سنت سنیہ کی متابعت سے وابستہ ہے جب کہ اس کے ساتھ دل کی تصدیق تو ہو۔ لیکن اطمینان نفس ابھی حاصل نہ ہوا ہو کیونکہ وہ درجہ ولایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور علماء ظاہر اور وہ عابد اور زاہد لوگ جن کا معاملہ ابھی اطمینان نفس کے ساتھ وابستہ نہیں ہوا۔ سب اسی درجۂ متابعت میں شریک ہیں۔ اور اتباع کی ظاہری صورت کے حصول میں سب برابر ہیں۔ اور چونکہ نفس اس مقام میں کفر اور انکار سے آزاد نہیں ہوتا۔ تو لازمی طور پر یہ خاص درجہ صرف متابعت کی صورت رکھتا ہے۔ اور متابعت کی یہ صورت حقیقی متابعت کی طرح آخرت کی کامیابی اور خلاصی کا ذریعہ ہے۔ اور جہنم کے عذاب سے نجات اور جنت کے داخلے کی بشارت دینے والی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی کمال بخشش سے نفس کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ اور صرف دل کی تصدیق پر کفایت فرمائی ہے۔ اور نجات کا دارو مدار اسی تصدیق پر رکھا ہے۔ ۵

لہ میتوانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول اے کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانی را

متابعت کا دوسرا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کی اتباع ہے۔ جو کہ باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں اخلاق کی تہذیب اور رذیل صفات کی مدافعت اور امراض باطنی اور معنوی بیماریوں کا ازالہ ہے۔ جو کہ طریقت کے مقام سے متعلق ہیں۔ اور اتباع کا یہ درجہ ان ارباب سلوک کے ساتھ خاص ہے۔ جنہوں نے صوفیاء کے طریقہ کو اپنے مقتدا شیخ سے اخذ کیا ہو۔ اور سیر الی اللہ کے صحراؤں اور بیابانوں کو قطع کر رہے ہوں۔

متابعت کا تیسرا درجہ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال اور اذواق اور مواجید کی متابعت ہے۔ یہ درجہ ولایت خاصہ کے مقام سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ ان ارباب ولایت کے ساتھ خاص ہے۔ جو کہ مجذوب سالک ہوں۔ یا سالک مجذوب۔

جب کہ ولایت کا مرتبہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ تو نفس مطمئنہ ہو گیا۔ اور سرکشی اور نافرمانی سے باز آگیا۔ اور انکار سے اقرار میں اور کفر سے اسلام میں آجاتا ہے۔ اس کے بعد اب متابعت کی جو بھی کوشش کرے گا۔ وہ حقیقی متابعت ہو گی۔ اگر نماز ادا کرے گا۔ تو متابعت کی حقیقت بجالائے گا۔ اور اگر روزہ ہے۔ تو اس کا بھی یہی حال ہو گا۔ اور اگر زکوٰۃ ہو گی۔ تو وہ بھی اسی طریقہ پر ہو گی۔ وعلی ہذا القیاس۔ شریعت کے تمام احکام کی بجا آوری میں اتباع کی حقیقت موجود ہو گی۔

سوال :۔ نماز روزہ کی حقیقت کا کیا مطلب ہے، کیونکہ نماز روزہ مخصوص افعال ہیں۔ اگر وہ افعال ارشاد شارع

لہ اے وہ ذات کہ جس نے بارش کے ایک قطرے کو موتی بنا دیا۔ تو یہ بھی کر سکتا ہے۔ کہ میرے آنسو کے قطرے کو حسن قبول عطا فرمائے۔

کے مطابق ادا ہو جائیں گے۔ تو ان کی حقیقت ادا ہو جائے گی۔ ان کی ظاہری صورت کیا ہے۔ اور اس سے مراد حقیقت کیا ہے؟

جواب: مبتدی کا نفس جب تک امّارہ ہے۔ جو اصل میں آسمانی احکام کا منکر ہے۔ اس سے احکام شرعیہ کی ادائیگی صورت کے اعتبار سے ہوگی۔ اور منتہی کا نفس جب مطمئنہ ہو جاتا ہے اور شریعت کے احکام کو برضا و رغبت قبول کر لیتا ہے۔ تو اس سے ان احکام کی ادائیگی حقیقت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اس کی مثال منافق اور مسلمان کی سی ہے۔ کہ دونوں نماز ادا کرتے ہیں۔ منافق چونکہ باطن میں انکار رکھتا ہے۔ اس لئے صرف نماز کی صورت ادا کرتا ہے۔ اور مسلمان باطنی فرمانبرداری کے ذریعہ سے نماز کی حقیقت سے مزین ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ صورت اور حقیقت کا اعتبار باطنی انکار و اقرار کے اعتبار سے ہے یہ درجہ یعنی اطمینان نفس اور اعمال صالحہ کی حقیقت کا درجہ ولائت خاصہ کے کمالات جو درجہ سوم سے متعلق ہیں۔ کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

متابعت کا چوتھا درجہ وہ ہے۔ جو پہلے درجہ میں تھا۔ پہلے درجے میں اس کی صورت تھی۔ اور اس درجہ میں اتباع کی حقیقت ہے۔ اور یہ چوتھا درجۂ اتباع علماء راسخین شکر اللہ تعالےٰ سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو نفس کے اطمینان کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اولیاء اللہ قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم کو ہر چند تمکین قلب کے بعد ایک طرح کا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے۔ لیکن نفس کو کمال درجہ کا اطمینان کمالات نبوت کے حصول سے حاصل ہوتا ہے۔ جو کہ بطریق وراثت علمائے راسخین کو کمالات حاصل ہوتے ہیں۔

پس علمائے راسخین بواسطہ کمال اطمینان نفس شریعت کی حقیقت سے جو حقیقی اتباع ہے۔ موصوف ہیں۔ اور دوسروں کو چونکہ کمالات حاصل نہیں ہوتے۔ لہذا کبھی تو وہ شریعت کی صورت سے موصوف ہوتے ہیں اور کبھی شریعت کی حقیقت سے متّصف۔

علماء راسخین کی علامت بیان کر دیتا ہوں۔ تاکہ ہر ظاہر دان عالم راسخ ہونے کا دعویٰ نہ کر سکے۔ اور اپنے نفس امّارہ کو نفس مطمئنہ نہ سمجھنے لگے۔ عالم راسخ وہ ہے۔ جس کو کتاب و سنت کے متشابہات کی تاویل سے حصہ حاصل ہو۔ اور قرآن مجید کی سورتوں کے اوائل میں جو حروف مقطعات ہیں۔ ان کے اسرار سے بہرہ ور ہو۔ اور متشابہات کی تاویل بہت ہی دقیق اسرار میں سے ہے۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ تاویل یدؔ (ہاتھ) کی تاویل قدرت کی طرح ہے۔ اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات کی طرح کیونکہ یہ تاویلیں تو ظاہری علوم سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان اسرار کے اصل مالک تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔ اور یہ رموز انہی کے معاملات کی طرف اشارہ ہیں۔ اور یا پھر وہ لوگ ہیں۔ جن کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس دولت عظمیٰ سے سرفراز کیا جائے۔

اور اس درجۂ متابعت کا حصول جو کہ اطمینان نفس اور صاحب شریعت علیہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی حقیقت کو پالینے سے تعلق رکھتی ہے۔ کبھی تو بغیر وسیلہ فنا و بقا اور بغیر سلوک و جذبہ کے ہو جاتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات قسم کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی درمیان میں نہ آئے۔ اور یہ دولت حاصل ہو جائے۔ لیکن اس دولت تک ولایت کی راہ سے پہنچنا بہت زیادہ قریب ہے۔ بہ نسبت اس کے جو دوسری راہ سے پہنچے۔ اور وہ دوسری راہ اس فقیر کے خیال میں سنت سنیہ اعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کا التزام اور بدعت کے نام و نشان سے بھی پرہیز کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور بدعت حسنہ[1] سے بھی جب تک بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کرے گا۔ اس دولت کی خوشبو بھی اس کی جان کے دل و دماغ میں نہ پہنچے گی۔

---

[1] مکتوبات شریف کے بہت سے مقامات میں حضرت امام ربانی قدس سرہ السامی نے بدعت کی بڑی شدت سے مذمت کی ہے۔ یہاں تک کہ بعض مقامات میں آپ نے فرمایا ہے۔ کہ کوئی بدعت حسنہ نہیں۔ اور ہر بدعت سے بچنا ضروری ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرح کے الفاظ کو وہ لوگ دلیل بناتے ہیں جنہیں بدعت کا ہیضہ ہو چکا ہے۔ اور ہر چیز انہیں بدعت نظر آتی ہے۔ لیکن دراصل یہ لوگ آپ کی عبارت سے لوگوں کو دھوکے اور مغالطے میں ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ نظر انصاف سے دیکھا جائے۔ تو بات صرف اس قدر ہے۔ کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک بدعت حسنہ سرے سے بدعت میں داخل ہی نہیں۔ بلکہ وہ سنت میں داخل ہے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک ہر وہ چیز جس کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہے۔ بدعت نہیں۔ بلکہ ملحق بالسنۃ ہے۔ جیسا کہ تعامل اور قیاس فقہی کو آپ نے اسی مکتوب میں ملحق بالسنۃ قرار دیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف و مسلک کی یہ توجیہ توجیہ بما لا یرضی بہ قائلہ کے قبیل سے نہیں ہے۔ بلکہ مکتوبات کے محشین کی تصریحات کے علاوہ خود مکتوبات میں اس توجیہہ کے زبردست اور واضح شواہد موجود ہیں۔ یہ شواہد اور بدعت سے متعلق حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک دفتر اول کے مکتوب ۱۸۶ کے حاشیے میں ناچیز نے قدرے تفصیل سے تحریر کر دیا ہے۔ قارئین حضرات اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ نیز مسئلہ بدعت میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کا مسلک و موقف میں نے اپنی تالیف "مسلک امام ربانی" میں "مسئلہ بدعت" کے عنوان سے کافی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور مخالفین کے مغالطوں کی حقیقت طشت از بام کی ہے۔ اس کا مطالعہ بھی نہایت مفید ہے۔ تاکہ غلط فہمی نہ ہو۔

خاکسار محمد سعید احمد عفی عنہ

اور یہ بدعت سے اجتناب آج کل تو بہت مشکل ہو گیا ہے۔ کہ ساری دنیا بدعت کے دریا میں غرق ہو چکی ہے۔ اور بدعت کے اندھیروں میں آرام حاصل کر رہی ہے۔ کس کی مجال ہے۔ کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے۔ اور سنت کو زندہ کرنے کے لئے لب کشائی کرے۔ اس وقت کے اکثر علماء بدعت کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔ عالمگیر بدعات کو خلق کا تعامل قرار دیتے ہوئے اس کے جواز بلکہ اس کے استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اچھا یہ تو بتائیں۔ کہ کیا فتویٰ دیتے ہو اس صورت میں کہ گمراہی عام پھیل جائے۔ اور باطل متعارف ہو جائے۔ اور لوگ اس پر عمل کرنے لگیں؟ ان علماء کو شاید یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ مطلقاً تعامل استحسان کی دلیل نہیں ہے۔ اور وہ تعامل جو معتبر ہے۔ وہ ہے۔ جو کہ ابتدائی دور سے آرہا ہو۔ اور یا پھر تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہو۔ جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ شہید رحمۃ اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ

ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ ہم اپنے متقدمین اصحاب کے اقوال کو قبول کریں گے۔ کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا۔ جواز پر وہ تعامل دلالت کرے گا۔ جو کہ اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر مسلسل آرہا ہو۔ تاکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر پر دلیل ہو۔ کہ آنحضرت نے لوگوں کو اس پر چھوڑا۔ تو یہ حقیقت میں آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت ہوگا۔ اور اگر ایسا نہ ہو۔ تو پھر لوگوں کا فعل حجت نہیں ہوگا۔ ماسوائے اس صورت کے کہ تمام شہروں کے تمام آدمی اس پر عمل کریں۔ تاکہ یہ اجماع ہو جائے۔ اور اجماع حجت ہے۔ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے۔ کہ اگر کچھ لوگ شراب کی تجارت یا سود کے رواج کو تعامل بنالیں۔ تو ان کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔"

اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ تمام لوگوں کے تعامل اور تمام شہروں اور بستیوں کے عمل کا علم حاصل کرنا بشری طاقت سے باہر ہے۔ باقی رہا ابتدائی دور کا تعامل جو کہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو اس عمل پر برقرار رکھنا ہے۔ اور حقیقت میں وہ آپ ہی کی سنت ہے۔ وہ تعامل بدعت کیسے ہو سکتا ہے۔ اور بدعت حسنہ وہ کب ہے۔؟

صحابہ کرام کو تمام کمالات کے حصول میں صرف خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت ہی کافی تھی۔ اور علماء سلف میں سے جو بھی رسوخ کی دولت سے مشرف ہوا ہے۔ اور صوفیاء کے طریق کے اختیار کرنے اور سلوک اور جذبہ سے قطع مسافت کرنے کے بغیر اس دولت سے مشرف ہوا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سنیہ کی دوامی متابعت اور ناپسندیدہ بدعات سے پرہیز کرنے کی وجہ سے اس مرتبہ پر پہنچا ہے۔ اے اللہ ہمیں بحرمت صاحب سنت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام سنت کی متابعت پر ثابت قدم رکھ۔ اور بدعات کے ارتکاب سے بچا۔ آمین

متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کی اتباع کا ہے۔ کہ ان کمالات کے حصول میں علم اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے وابستہ ہے۔ اور یہ نہایت ہی بلند مقام ہے۔ پہلے ذکر شدہ مراتب کو اس مرتبہ سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

اصل میں یہ کمالات اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور تبعیت و وراثت کے طور پر جس کو بھی اس دولت سے مشرف فرمادیں

اور متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کی اتباع ہے۔ جو آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح درجہ پنجم میں کمالات کا فیضان محض فضل اور احسان سے تھا۔ اسی طرح اس چھٹے درجہ میں آنحضرت کے کمالات کا فیضان صرف محبت سے ہے۔ جو کہ پہلے فضل اور احسان سے بلند ہے۔ اور متابعت کا یہ درجہ بھی بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

پہلے درجہ کو چھوڑ کر متابعت کے باقی پانچ درجے سب کے سب عروج کے مقامات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کا حصول عروج سے وابستہ ہے

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے۔ جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے۔ اس لیے کہ اس مقام میں نزول بھی تصدیق قلب اور اطمینان نفس ہے۔ اور جسم کے عناصر اربعہ کا اعتدال بھی اس میں ہے۔ کہ وہ سرکشی اور نافرمانی سے باز آجاتے ہیں۔ یوں سمجھیں کہ پہلے درجات اس متابعت کے اجزاء تھے۔ اور یہ درجہ ان کے لحاظ سے کل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس مقام میں پہنچ کر تابع اپنے متبوع سے اس طرح کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے۔ کہ گویا پیروی (تبعیت) کا نام درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ اور تابع اور متبوع کا امتیاز دور ہو جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تابع اپنے متبوع کی طرح جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے۔ وہ اصل سے براہ راست حاصل کرتا ہے۔ گویا دونوں ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں۔ اور دونوں ایک ہی پہلو کی آغوش میں ہیں۔ اور دونوں ایک ہی بستر میں ہیں۔ اور دونوں شیر و شکر کی طرح ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ تابع کہاں ہے۔ اور متبوع کون ہے اور تبعیت کیسی؟ اتحاد نسبت میں تفاسیر نسبت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عجب معاملہ ہے۔ کہ اس مقام میں جتنا بھی گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ تبعیت کی نسبت بالکل معلوم نہیں ہوتی۔ اور تابعیت اور متبوعیت کا کوئی امتیاز نظر نہیں آتا۔ بس اتنا ہے۔ کہ تابع اپنے آپ کو طفیلی سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو نبی کے کمالات کا وارث جانتا ہے۔ (علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام) یہ تو یقینی بات ہے۔ کہ تابع اور ہوتا ہے۔ اور طفیلی اور وارث اور۔ ہر چند کہ یہ سب بظاہر تابع کی قطار میں نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ تو ظاہر ہے۔ کہ تابع میں

متبوع کی حیلولة (حائل ہونا) درکار ہے۔ اور طفیلی اور وارث کے لئے متبوع کا حائل ہونا درکار نہیں ہے۔ تابع اپنے متبوع کا بچا کھچا کھانا کھاتا ہے۔ اور طفیلی ضمنی طور پر ساتھ بیٹھ کر کھانے والا ہے۔
قصہ مختصر یہ کہ جو دولت بھی آئی ہے۔ وہ اصل میں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے لئے آئی ہے۔ اور امتوں کی سعادتمندی اس میں ہے۔ کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی طفیل اس دولت سے مستفید ہوں۔ اور ان کا پس خوردہ تناول فرمائیں۔ ے

له در قافلہ کہ اوست دانم نرسم   ایں بس کہ رسد زدور بانگ جرسم

کامل متبع وہ شخص ہے۔ جو ان سات درجات میں پوری طرح متابعت سے آراستہ ہو۔ اور جو بعض درجات میں تو متابعت رکھتا ہو۔ اور بعض میں متابعت نہ رکھتا ہو۔ وہ منجملہ تابعین میں سے ہے۔ گو ان کے درجات الگ الگ ہیں۔ علماء ظاہر پہلے درجہ میں ہی خوش ہیں۔ کاش کہ وہ اس درجہ کو ہی اچھی طرح سرانجام دیتے۔ ان لوگوں نے صرف شریعت کی صورت میں ہی متابعت کو منحصر کر رکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسرے امور کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اور صوفیاء کے طریقہ کو جو کہ درجات متابعت کے حصول کا وسیلہ ہے۔ بیکار تصور کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر مقتدا اور پیر سوائے ہدایہ[2] اور بزدوی[3] کے اور کسی کو نہیں سمجھتے۔ ے

چوں[4] آں کرمے کہ در سنگے نہاں است   زمین و آسمان او ہماں است

اللہ سبحانہ وتعالےٰ ہمیں اور تمہیں حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والبرکۃ والتحیۃ کی پسندیدہ متابعت میں پوری طرح ثابت قدم رکھے۔ اللہ تعالےٰ ان پر اور ان کے دوسرے بھائیوں انبیاء کرام اور ملائکہ عظام اور ان کے تمام تابعداروں پر قیامت تک اپنی رحمتیں اور سلامتی اور برکات نازل فرمائے۔ آمین۔

له جس قافلہ میں وہ ہے۔ میں جانتا ہوں۔ کہ میں اس میں نہیں پہنچ سکتا بس اتنا کافی ہے۔ کہ دور سے مجھے گھنٹی کی آواز آتی ہے۔ ۱۲

له[2] ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ کی مشہور و مستند تصنیف ہے۔ ۱۲

له[3] یعنی فخر الاسلام ابو الحسن علی بن محمد بن حسین بزدوی۔ ۱۲

له[4] اس کیڑے کی طرح جو کہ پتھر میں پوشیدہ ہے۔ اس کا آسمان اور زمین تو وہی پتھر ہے۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۵۵

عالی درجات مخدوم زادگاں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کیطرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ قرآن مجید شریعت کے تمام احکام کا جامع ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب اور صوفیائے کرام کی مدح اور اس بات کے بیان میں کہ تصوف کا دارو مدار شریعت پر ہے۔ اور اس بیان میں کہ الہامی احکام ہر وقت ثابت ہیں۔ اس سے مناسب امور کے بیان میں۔)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ه

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے۔ بلکہ تمام پہلی شریعتوں کا بھی جامع ہے۔ ہاں اتنی بات ہے۔ کہ اس شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں۔ جو عبارۃ النص اور اشارۃ النص اور دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اہل لغت میں سے عوام اور خواص ان کو سمجھنے میں برابر ہیں۔ اور احکام کی دوسری قسم وہ ہے۔ جو کہ اجتہاد اور استنباط کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان احکام کا سمجھنا ائمہ مجتہدین کے ساتھ خاص ہے۔ بقول جمہور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام اور آپ کی امت کے تمام مجتہد سب شامل ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو کہ وحی کا زمانہ تھا۔ اجتہادی احکام خطا اور ثواب میں متردد نہ تھے۔ بلکہ یقینی وحی سے خطا کرنے والے کی غلطی اور درست اجتہاد کرنے والے کی درستی بالکل الگ الگ ہو جاتی تھی۔ اور حق اور باطل آپس میں ملے جلے نہ رہتے تھے۔ کیونکہ غلطی پر ثابت اور برقرار رکھنا نبی کے لیئے جائز نہیں ہے۔ برخلاف ان احکام اجتہادیہ کے جو کہ وحی کے زمانہ کے بعد مجتہدین کو بطریق استنباط حاصل ہوئے ہیں۔ ان میں خطا اور ثواب دونوں کا احتمال ہے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ وہ اجتہادی احکام جو کہ وحی کے زمانہ میں ثابت ہو چکے ہیں۔ وہ موجب یقین ہیں۔ اور عمل اور اعتقاد کے اثبات کے لئے مفید ہیں۔ اور جو وحی کے زمانہ کے بعد ثابت ہوئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ موجب ظن ہیں۔ عمل کے لئے تو مفید ہیں۔ لیکن اعتقاد کے اثبات میں ناکافی ہیں۔

اور قرآن مجید کے احکام کی تیسری قسم وہ ہے۔ انسانی طاقت ان کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ جب تک خداوند تعالٰے جل سلطانہ کی طرف سے ان کی اطلاع نہ ہو۔ ان احکام کو نہیں سمجھا جا سکتا اور اس اطلاع کا حصول پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور پیغمبر کے علاوہ اور کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی

یہ احکام اگرچہ قرآن مجید سے ماخوذ ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا اظہار نبی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ تو مجبوراً ان کو سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اظہار سنت کی طرف سے ہوا ہے۔ بلکہ اسی طرح جیسے کہ احکام اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مظہر قیاس ہے۔ پس سنت اور قیاس دونوں مظہر احکام ہیں۔ اگرچہ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ کہ ان میں سے ایک (قیاس) کا اعتماد تو رائے پر ہے جس میں غلطی کا امکان ہے۔ اور دوسرے سنت کو خدا تعالیٰ کی اطلاع کی تائید حاصل ہے۔ جس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ آخری قسم اصل (قرآن مجید) کے ساتھ کمال مشابہت رکھتی ہے۔ گویا کہ احکام کی مثبت یہی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام احکام کی مثبت وہی کتاب عزیز (قرآن مجید) ہے

جان لینا چاہیے۔ کہ اجتہادی احکام میں امتی کا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اختلاف ممکن ہے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ وہ غیر نبی امتی اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچ چکا ہو۔ اور وہ احکام جو کہ عبارت النص اور اشارۃ النص اور دلالۃ النص سے ثابت ہوں۔ اور اسی طرح وہ جو سنت سے ثابت ہوں۔ ان میں کسی کو مخالفت کی مجال نہیں ہے بلکہ تمام امت پر ان کی اتباع لازم ہے۔ پس امت کے مجتہدین کے لئے اجتہادی احکام میں پیغمبر کی رائے کی متابعت لازم نہیں ہے۔ بلکہ اس مقام پر درست یہ ہے۔ کہ مجتہد اپنی رائے پر عمل کرے۔

اس جگہ ایک باریک نکتہ ہے۔ جان لینا چاہیے۔ کہ وہ پیغمبر جو اولوالعزم پیغمبر کی شریعت کے تابع ہیں۔ ان پر صرف انہی احکام کی اتباع لازم ہے۔ جو کہ ان کی کتابوں اور صحیفوں سے بطریق عبارت و اشارۃ و دلالۃ النص ثابت ہوں نہ کہ وہ احکام جو ان کے اجتہاد اور سنت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ کیونکہ اجتہادی احکام میں جب ایک امتی مجتہد کو بھی پیغمبر سے اجتہاد میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ تو متابع پیغمبر پر ان احکام کی اتباع کیسے لازم ہو سکتی ہے۔ اور وہ احکام جو سنت سے ثابت ہوئے ہوں۔ ان میں جس طرح پیغمبر اولوالعزم کو اطلاع خداوندی ہوتی ہے۔ اسیطرح غیر اولوالعزم پیغمبر کو بھی ہوتی ہے۔ پھر متابعت کیسی؟ بلکہ متابعت کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر وقت اور ہر گروہ کے اندازہ کے مطابق اللہ تعالےٰ کی طرف سے الگ الگ احکام نازل ہوتے ہیں۔ کبھی حلت مناسب ہوتی ہے۔ تو کسی وقت حرمت۔ اور یہ حل و حرمت دونوں ہی خدا تعالےٰ کی طرف سے نازل شدہ صحیفہ سے ماخوذ ہوتی ہیں جیسے کہ دو مجتہد ایک ہی ماخذ سے دو مختلف حکم اخذ کرتے ہیں۔ ایک اسی عبارت سے حل سمجھتا ہے۔ اور دوسرا حرمت۔

سوال:۔ اس اختلاف کی اجتہاد میں تو گنجائش ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کا دارومدار قیاس و رائے پر ہے۔ جس میں غلط اور صحیح دونوں کا احتمال ہے۔ لیکن یہ صورت خداوند تعالےٰ کے اعلام (اطلاع) میں گنجائش نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ وہاں غلط اور درست میں تردد جائز نہیں ہے۔ بلکہ حق جل وعلا کے نزدیک تو یقینی طور پر ایک ہی حکم ہے۔ اگر حلال ہے تو حرام کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اگر حرام ہے۔ تو حلال کی مجال نہیں ہے۔

جواب: ہوسکتا ہے۔ کہ ایک قوم کی نسبت وہی چیز حلال ہو۔ اور دوسری قوم کے لیئے وہ حرام ہو۔ پس خداوند تعالیٰ کا حکم ایک ہی واقعہ میں متعدد ہو سکتا ہے۔ جب قومیں الگ الگ ہوں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں ختم الرسل کی امت میں یہ صورت درست نہیں ہے۔ کیونکہ تمام لوگ ایک ہی شریعت کے احکام کے محکوم ہیں۔ لہٰذا ایک ہی واقعہ میں خداوند تعالیٰ کے دو حکم مختلف نہیں ہوں گے۔

سوال: پیغمبر اولوالعزم ایک چیز کی حلت کا حکم کرتا ہے۔ اور پیغمبر متابع اسی چیز کو حرام ٹھہراتا ہے۔ تو لازم آئے گا۔ کہ حکم ثانی حکم اول کا ناسخ ہو۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو منسوخ کرنا پیغمبر اولوالعزم کے ساتھ خاص ہے دوسرا پیغمبر ناسخ نہیں ہوسکتا۔

جواب: نسخ اس صورت میں لازم آتا ہے۔ کہ حکم ثانی تمام لوگوں کے لیئے عام ہو۔ تاکہ اس حکم کو رفع کرے جو ایک گروہ کی نسبت دیا گیا تھا۔ اور یہاں حکم ثانی عام نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک گروہ کی نسبت اس کو حرام کیا گیا ہے۔ اس کا پہلے حکم سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔ کہ ایک ہی واقعہ میں ایک مجتہد حلت کا فتویٰ دیتا ہے۔ اور اسی واقعہ میں دوسرا مجتہد حرمت کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان میں نسخ نہیں ہوتا۔

ہاں یہ تو صحیح ہے۔ کہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کہ اس جگہ انسانی رائے ہے۔ اور اس جگہ خداوندی اطلاع رائے میں متعدد حکم کی گنجائش ہے۔ اور اعلام میں گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن تعدد اقوام سے اس کا علاج ہو سکتا ہے۔ جیساکہ پہلے گزر چکا ہے۔ پس پہلی شریعتوں میں بھی ان احکام میں جو کہ پیغمبران اولوالعزم کی کتابوں اور صحیفوں سے بلحاظ لغت معلوم ہوتے ہیں پیغمبران متابع کو بھی ان میں مخالفت کی مجال نہیں ہے۔ اور ان احکام میں بھی جو سب لوگوں کے لیئے وارد ہوتے ہیں۔ ہر متابع پیغمبر جس قوم کو بھی وہ تبلیغ کرے گا۔ ان احکام کے خلاف تبلیغ نہ کرے گا۔ اگر حلال ہے۔ تو سب کے لیئے حلال ہے۔ اور اگر حرام ہے۔ تو سب کے لیئے حرام ہے۔ اس وقت تک کہ کوئی اور اولوالعزم پیغمبر آئے۔ اور اس حکم کو اٹھا دے۔ اس وقت نسخ متصور ہوگا۔

پس نسخ ان احکام میں ہوتا ہے۔ جو کہ بحسب لغت صحیفہ منزلہ سے ثابت ہوں۔ اور وہ احکام جو اجتہاد اور اعلام سے ثابت ہوں۔ اور سنت اور اجتہاد کی طرف منسوب ہوں۔ ان میں نسخ نہیں ہوتا کہ ایسے احکام بعض لوگوں کیلیئے ہوتے ہیں۔ اور بعض اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ پس ایک پیغمبر کا اجتہاد اور اس کی سنت دوسرے پیغمبر کے اجتہاد اور سنت کی ناسخ نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ کسی دوسری قوم کے لیئے ہوتا ہے۔ اور یہ کسی اور قوم کے لئے۔ ہاں اگر یہ اختلاف سب لوگوں کے لیئے یا کسی ایک ہی قوم کیلیئے ہو تو اس صورت میں واقعی نسخ ہوگا۔ جیساکہ اس شریعت میں ہے۔ جو کہ تمام لوگوں کے لیئے ہے۔ حکم ثانی حکم اول کے لیئے ناسخ ہوگا۔ پس ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پچھلی سنت ان کی پہلی سنت کی ناسخ ہوگی۔

اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ بعد نزول اس شریعت کی اتباع کریں گے۔ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی اتباع ہی کریں گے۔ کہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ علماء ظواہر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجتہادات کی اپنے ماخذ کے کمال اور دقیق ہونے کی وجہ سے مخالفت کریں اور ان کو کتاب و سنت کے مخالف سمجھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے۔ کہ پرہیزگاری اور تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور استنباط کے نہایت بلند درجہ پر پہنچ چکے ہیں۔ کہ دوسرے لوگ اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ اور دقت معانی کی وجہ سے ان کے اجتہادات کو کتاب و سنت کے مخالف سمجھتے ہیں۔ اور ان کو اور ان کے اصحاب کو "اصحاب الرائے" کہتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ان کے علم اور درایت کی حقیقت اور ان کے فہم پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اشاروں سے ان کی فقاہت کی دقت کو معلوم کیا۔ اور کہا "تمام فقہاء ابو حنیفہ کے عیال ہیں"۔ افسوس ان قاصر نظروں کی جماعت پر کہ اپنے قصور کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ؎

قاصرے گر کند ایں قافلہ را طعن قصور ۔۔۔ حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند ۔۔۔ روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

۱؎ غیر مقلد حضرات کم فہمی کی بنا پر آئے دن کسی نہ کسی انداز میں مسلک حنفی پر اعتراض و تنقید کرتے رہتے ہیں۔ اور اس گروہ کے متشددین بے دریغی کے ساتھ تقلید ائمہ اربعہ اور اجتہادی مسائل کو بدعت سیئہ اور بدعت ضلالت قرار دیتے ہیں

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مکتوب میں نہایت جامع انداز میں مسلک حنفی کی تصویب و تائید کی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس مکتوب میں آپ نے اپنے حنفی اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور ناقدین و معترضین کی پوری پوری خبر لی ہے۔ حضرت شیخ مجدد رضی اللہ عنہ کی تحقیق کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پرہیزگاری، تقویٰ اور متابعت سنت کی برکت سے اجتہاد و استنباط کے نہایت درجہ پر فائز ہیں۔ لوگ آپ کی بلندئ شان سمجھنے سے قاصر ہیں۔

۲۔ ناقدین و معترضین امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اور آپ کی اجتہادی اور فقہی کاوشوں پر اس وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنی کم علمی کے باعث آپ کے دقیق اصول اجتہاد اور استنباط کو نہ سمجھ سکے۔ اسی کوتاہی کے باعث آپ کے اجتہادات کو کتاب و سنت کے خلاف اور آپ اور آپ کے تلامذہ اور ساتھیوں کو اپنی رائے کی پیروی کرنے والے قرار دیتے ہیں۔

۳۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان کے اس قدر معترف ہیں۔ کہ تمام فقہاء کو آپ کا عیال کہتے ہیں کوتاہ نظر معترضین پر افسوس کہ انھیں اپنا قصور نظر نہیں آتا۔ بلا سوچے سمجھے اعتراض کرتے ہیں۔ (حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

۵ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام قریب قیامت دین محمدی کے احیاء کے لئے آسمان سے نازل ہوکر زمین پر تشریف لائیں گے۔ تو شرعی فیصلے فقہ حنفی کے مطابق کریں گے۔یعنی خدا تعالےٰ کا ایک جلیل القدر نبی بھی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد واستنباط کی صداقت پر مہر تصدیق وتوثیق ثبت کرے گا۔

۶ ارباب کشف کے مشاہدہ میں بھی یوں آتا ہے۔کہ حنفی مذہب کی نورانیت دریائے عظیم کی طرح ہے۔باقی مذاہب اس کے سامنے حوض اور چھوٹی چھوٹی نہروں کی طرح ہیں۔

۷ ظاہر دیکھنے میں بھی یہی نظر آتا ہے۔کہ اہل اسلام کی اکثریت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی پیرو ہے۔اور یہ بات بھی اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

۸ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع سنت اور اقتدائے حدیث کا یہ عالم ہے۔کہ آپ مرسل احادیث کی پیروی بھی مسند احادیث کی طرح کرتے ہیں۔اور صحابی کی رائے کو بھی اپنی رائے سے مقدم جانتے ہیں۔دوسروں کا یہ مسلک نہیں۔

۹ افسوس کہ اس قدر احتیاط کے باوجود یہ ناانصاف لوگ آپ کو اپنی رائے کا پیرو کار قرار دیتے ہیں۔اور آپ کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں۔

۱۰ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو توفیق دے۔کہ اہل اسلام کے نامور امام کی دل آزاری نہ کریں۔سواد اعظم گروہ اہلسنت کو دکھ نہ دیں۔یہ مخالفین خدا تعالےٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔لیکن اپنے اس فاسد ارادے میں انشاء اللہ تا قیامت کامیاب نہیں ہوں گے۔

۱۱ مخالفین اگر دل سے اس بات کے قائل ہیں۔کہ حنفی فقہ پر چلنے والے کتاب وسنت کے مقابلے میں اپنے امام کی رائے کے پیرو کار ہیں۔تو پھر اعلانیہ طور پر احناف کو اسلام سے خارج قرار دیں۔تاکہ دنیا صحیح صورت حال سے آگاہ ہو جائے۔

۱۲ ان کوتاہ اندیش لوگوں نے دراصل چند احادیث یاد کر رکھی ہیں۔احکام دین کو صرف انہیں میں منحصر سمجھتے ہیں۔اپنی معلومات کے ماسوا دوسری چیزوں کی نفی کرتے ہیں۔

۱۳ ہزار افسوس ان کے خشک تعصب اور فاسد نظر پر

مجھے امید ہے۔کہ حاشیہ کی صورت میں دیا گیا یہ خلاصہ مزید تازگی ایمان وایقان کا ذریعہ بنے گا۔اور ممکن ہے کہ غیر مقلد حضرات میں سے جو منصف مزاج ہیں۔انھیں بھی اللہ تعالےٰ ہدایت عطا کرے۔کہ وہ بھی سواد اعظم کے طریقہ کو اختیار کریں۔اور تعصب اور کج روی سے باز آئیں۔اللہ تعالےٰ ہی ہدایت ودرستی کی توفیق دینے والا ہے۔محمد سعید احمد عفرلہٗ

۵۲ اگر کوئی کوتاہ نظر اس قافلہ پر قصور کا طعنہ کرتا ہے۔تو خدا پاک ہے۔کہ میں زبان پر اس کا گلہ لاؤں۔

۵۳ تمام دنیا کے شیر اس سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہیں۔لومڑی حیلہ سے اس زنجیر کو کیسے توڑ سکتی ہے۔

اور اسی مناسبت سے جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ خواجہ محمد پارسا نے "فصول ستہ" میں جو لکھا ہے۔ اسی لئے لکھا ہو۔ کہ "حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں گے۔" یعنی حضرت روح اللہ کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کے مطابق ہوگا۔ نہ یہ کہ وہ اس مذہب کی تقلید کرینگے۔ کہ ان کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ کہ وہ علمائے امت کی تقلید کریں۔

بلا تعصب و تکلف یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس مذہب کی نورانیت کشفی طور پر دریائے عظیم کی طرح نظر آتی ہے۔ اور باقی دوسرے تمام مذہب اس کے مقابل حوض اور چھوٹی نہروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ اور ظاہر میں بھی جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے۔ کہ اہل اسلام کی اکثریت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی پیرو ہے۔ اور یہ مذہب کثرت متبعین کے باوجود اصل اور فروع میں دوسرے تمام مذاہب سے متمیز ہے۔ اور استنباط میں اپنا ایک الگ طریقہ رکھتا ہے۔ اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

عجیب معاملہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ سنت کی پیروی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اور مرسل احادیث کی پیروی بھی مسند احادیث کی طرح کرتے ہیں۔ اور ان کو اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح صحابی کے قول کو بھی خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کی وجہ سے اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں۔ اور دوسروں کا یہ مسلک نہیں ہے اس کے باوجود مخالف ان کو "اصحاب الرائے" کہتے ہیں۔ اور ان کی طرف ایسے الفاظ منسوب کرتے ہیں۔ جن سے سوء ادبی ظاہر ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ سب ان کے کمال علم اور تقویٰ اور پرہیزگاری کی کثرت کے بھی معترف ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو توفیق دے۔ کہ وہ دین کے سردار اور اہل اسلام کے رئیس کی دل آزاری نہ کریں۔ اور اسلام کے سواد اعظم کو ایذا نہ پہنچائیں۔ یہ لوگ خدا کے نور کو اپنی آنکھوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔

وہ لوگ جو اکابر دین کو "اصحاب الرائے" کہتے ہیں۔ اگر یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب و سنت کی متابعت نہیں کرتے تھے۔ اور اس صورت میں وہ اپنے گمان فاسد کی بنا پر اہل اسلام کے سواد اعظم کو گمراہ، اور بدعتی کہتے ہیں۔ بلکہ اپنے خیال میں ان کو اہل اسلام کی جماعت سے خارج قرار دیتے ہیں۔ تو یہ عقیدہ یا تو وہ جاہل رکھتا ہوگا۔ جو خود اپنی جہالت سے بے خبر ہے۔ یا وہ بے دین آدمی جس کا مقصد نصف دین کو باطل کرنا ہے۔

چند ایک ناقص لوگوں نے چند احادیث یاد کر رکھی ہیں۔ اور احکام دین کو انہی میں منحصر سمجھتے ہیں۔ اور اپنے معلومات کے ماسوا دوسری چیزوں کی نفی کرتے ہیں۔ اور جو ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ اس کا انکار کرتے ہیں۔ ؎

؎ چوں آں کرمے کہ در سنگے نہان است زمین و آسمان او ہمان است

ہزار افسوس ان کے خشک تعصب اور ان کی نظر فاسد پر کہ فقہ کے بانی ابو حنیفہ ہیں۔ اور لوگوں نے فقہ کا تین چوتھائی حصہ ان کے لئے مسلّم رکھا ہے۔ اور صرف باقی چوتھائی حصہ میں دوسرے فقہا ان کے شریک ہیں۔ اور فقہ میں

؎ اس کیڑے کی طرح جو کسی پتھر میں پوشیدہ ہے۔ اس کا زمین و آسمان وہی پتھر ہے۔

صاحب خانہ وہ ہے۔ اور دوسرے سب اس کے عیال ہیں۔ باوجودیکہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں۔ لیکن مجھے امام شافعی سے گویا ذاتی محبت ہے۔ ان کو بزرگ سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض نفلی اعمال میں میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔ لیکن کیا کروں۔ کہ دوسرے فقہا کو میں باوجود بے انتہا علم اور کمال تقوے کے امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح دیکھتا ہوں۔ اور حقیقت معاملہ خدا تعالےٰ کے سپرد ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اوپر گزر چکا ہے۔ کہ اجتہادی احکام میں اختلاف کرنا اگرچہ وہ اختلاف پیغمبر ہی سے صادر کیوں نہ ہو۔ نسخ کو مستلزم نہیں ہے۔ برخلاف اس اختلاف کے جو کتاب و سنت کے احکام میں ہو۔ کہ وہ موجب نسخ ہے۔ جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ احکام شریعت کے اثبات میں اصل چیز کتاب و سنت ہے۔ اور مجتہدین کا قیاس اور امت کا اجماع بھی احکام کا مثبت ہے۔ ان چار شرعی دلائل کے سوا کوئی دلیل بھی احکام شرعیہ کی مثبت نہیں ہو سکتی۔ الہام حلت و حرمت کا مثبت نہیں ہے اور اہل باطن کا کشف فرض و سنت کا اثبات نہیں کر سکتا۔ ولایت خاصہ کے مالک اور عام مومن مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ اور کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی۔ اور وہ تقلید کی زنجیر سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصری اور بایزید بسطامی اور جنید بغدادی اور شبلی احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں زید۔ عمرو بکر اور خالد کے ساتھ جو کہ عام مومنین میں سے ہیں۔ برابر ہیں۔

ہاں ان بزرگواروں کی فضیلت اور امور میں ہے۔ یہ لوگ اصحاب کشف و مشاہدہ ہیں۔ اور یہی لوگ تجلیات و ظہورات کے مالک ہیں۔ جو کہ محبوب حقیقی جل سلطانہ کی محبت کے غلبہ میں اس کے ماسوا سے تعلق توڑے ہوئے ہیں۔ اور غیر اور غیریت کو دیکھنے اور سمجھنے سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اگر یہ کچھ حاصل رکھتے ہیں۔ تو وہی ان کا حاصل ہے۔ اور اگر واصل ہیں۔ تو اسی سے واصل ہیں۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا میں نہیں ہیں۔ اور باخود ہوتے ہوئے بھی بے خود ہیں اگر یہ زندہ ہیں۔ تو اسی کے لئے زندہ ہیں۔ اور اگر یہ مرتے ہیں۔ تو اسی کے لئے مرتے ہیں۔ ان کے بلندی غلبہ محبت کے ذریعہ سے مطلوب کو دنیا کے ہر ایک ذرہ کے آئینہ میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ہر ذرہ کو اللہ تعالےٰ کے اسمائی و صفاتی تمام کمالات کا جامع سمجھتے ہیں۔ اور ان کے منتہیوں کا کیا نشان دیا جائے۔ کہ وہ بے نشان ہیں۔ ان کا پہلا قدم ماسوا کو فراموش کرنا ہے۔ اور ان کے دوسرے قدم کو کیا بیان کیا جائے۔ کیونکہ وہ آفاق و انفس سے باہر ہے۔ الہام ان کو ہوتے ہیں۔ اور کلام ان سے ہوتا ہے۔ اکابر حقیقت بیں یہی لوگ ہیں۔ یہ علوم اور اسرار بلاواسطہ اصل سے اخذ کرتے ہیں۔ اور مجتہدین کی طرح کہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد کے پابند ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بھی معارف و مواجید میں اپنے الہام اور فراست کے تابع ہیں

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے لکھا ہے۔ کہ علوم لدنی کے فیض دینے میں حضرت خضر کی روحانیت متوسط

ہے۔ علی نبینا و علی جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوٰۃ والسلام۔ ظاہراً یہ بات ابتدا اور توسط کی نسبت معلوم ہوتی ہے اور منتہی کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔ جیساکہ صاف کشف اس کی شہادت دیتا ہے۔ اور اس کی تخصیص کا مؤید حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالےٰ سرہٗ کا وہ قول ہے۔ کہ ایک روز وہ منبر پر بیٹھ کر علوم اور معارف بیان کر رہے تھے کہ اس اثنا میں حضرت خضر کا گزر ہوا۔ تو شیخ نے فرمایا۔ "اے اسرائیلی! آ کلام محمدی سن"۔ شیخ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت خضر محمدی نہیں ہیں۔ بلکہ پہلی امتوں میں سے ہیں۔ اور جب ایسا ہو تو محمدیوں کو ان سے کیا واسطہ؟

پس معلوم ہوا۔ کہ علوم اور معارف احکام شرعیہ کے علاوہ اور چیز ہیں۔ جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ کہ وہ معارف انہی احکام کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں۔ اور درخت لگانے کا مقصد انہی ثمرات کا حصول ہے۔ لیکن جب تک درخت قائم ہے۔ ثمرات کی توقع ہے۔ اور جب اصل درخت میں خلل واقع ہوگا۔ تو پھل ختم ہو جائیں گے۔ بیوقوف ہے۔ وہ آدمی جو درخت کو تو کاٹے۔ اور پھلوں کی توقع رکھے۔ جس قدر درخت کی اچھی طرح پرورش کریں گے۔ اتنا ہی وہ پھل زیادہ دے گا۔ اور پھل اگرچہ مقصود ہے۔ لیکن پھر بھی وہ درخت کی فرع ہے۔ شریعت کی پابندی کرنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے کی یہی مثال سمجھ لیں۔ جو شریعت کی پابندی کرتا ہے۔ وہ صاحب معرفت ہے۔ جتنی پابندی زیادہ کرے گا۔ اتنی ہی معرفت زیادہ ہوگی۔ اور جو سستی کرنے والا ہے۔ وہ معرفت سے بے نصیب ہے۔ اور اگر بالفرض وہ اپنے فاسد گمان کی بنا پر کچھ رکھتا ہے۔ تو وہ استدراج ہے۔ کہ جوگی اور برہمن بھی اس میں شریک ہیں۔ ہر وہ حقیقت جس کو شریعت رد کر دے۔ وہ بیدینی اور الحاد ہے۔

پس جائز ہے۔ کہ خواص اہل اللہ۔ اللہ تعالےٰ کے افعال اور ذات و صفات کے معارف میں بعضے اسرار و دقائق معلوم کریں۔ کہ ظاہر شریعت ان معارف سے خاموش ہو۔ اور حرکات و سکنات میں خداوند تعالےٰ کا اذن یا عدم اذن معلوم کریں۔ اور خدا تعالیٰ کی مرضی اور عدم کو جان لیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ بعض اوقات میں بعض نفلی عبادتوں کا ادا کرنا وہ ناپسندیدہ جانتے ہیں۔ اور ان کو ان کے چھوڑ دینے کا حکم ہوتا ہے۔ اور کبھی وہ سونے کو جاگنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ احکام شرعیہ اوقات پر مقرر ہیں۔ اور احکام الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں۔ اور چونکہ ان بزرگواروں کی حرکات و سکنات خدا تعالےٰ کے اذن سے وابستہ ہیں۔ تو لازماً دوسروں کے نوافل ان کے فرائض ہیں۔ مثلاً ایک کام ایک آدمی کی نسبت شریعت کا نفلی حکم ہے۔ اور وہی فعل کسی دوسرے کے لئے بطور الہام فرض ہے۔

پس دوسرے کبھی نوافل ادا کرتے ہیں۔ اور کبھی امور مباحہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور یہ بزرگوار چونکہ کام کو خدا تعالےٰ کی اجازت اور حکم سے کرتے ہیں۔ تو وہ سب ان کے لئے فرض ہوتے ہیں۔ دوسروں کے مباح اور مستحب ان کے فرائض ہیں۔ اس لحاظ سے ان بزرگواروں کی بلندی مرتبہ معلوم کرنا چاہیئے۔ علماء ظاہر امور دین میں غیبی اخبار کو صرف انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ اور دوسروں کی ان اخبار میں شرکت

جائز نہیں سمجھتے۔ اور یہ بات وراثت کے منافی ہے۔ اور بہت سے علوم اور معارف صحیحہ کی نفی ہے۔ جو کہ دین متین کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں شرعی احکام ادلّہ اربعہ سے وابستہ ہیں۔ کہ الہام کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔

لیکن امور دینیہ احکام شرعیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں۔ کہ جن میں پانچوا اں اصل الہام ہے۔ بلکہ کہنا چاہیئے۔ کہ تیسرا اصل الہام ہے۔ کتاب و سنت کے بعد یہ اصل قیامت تک قائم ہے۔ پس دوسروں کو ان بزرگوارں سے کیا نسبت؟ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ دوسرے لوگ بعض اوقات میں عبادت کرتے ہیں۔ اور وہ عبادت ناپسندیدہ ہوتی ہے۔ اور یہ بزرگوار بعض حالات میں عبادت چھوڑ دیتے ہیں۔ اور وہ چھوڑ دینا پسندیدہ ہوتا ہے۔ تو حق جل وعلا کے نزدیک ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے۔ اور عوام اس کے برخلاف حکم کرتے ہیں۔ اس کو عابد سمجھتے ہیں۔ اور اس کو مکار اور فریبی۔

سوال:۔ جب دین کتاب و سنت سے مکمل ہو چکا۔ تو مکمل ہونے کے بعد الہام کی کیا ضرورت پڑی۔ اور کیا نقصان رہ گیا تھا۔ جو کہ الہام سے پورا ہوا۔

جواب:۔ الہام دین کے مخفی کمالات کا مظہر ہے۔ نہ کہ کمالات زائدہ کا مثبت۔ جیسا کہ اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام دقائق و اسرار کا مظہر ہے۔ کہ اکثر لوگوں کا فہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہر چند کہ اجتہاد اور الہام میں فرق واضح ہے۔ کہ اس کا دارومدار رائے پر ہے۔ اور اس کا دارومدار خداوند تعالےٰ کی ذات پر ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہو گئی۔ جو اجتہاد میں نہیں تھی۔ الہام کی مثال نبی کی مثال کی طرح ہے۔ جو کہ سنت کا ماخذ ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ اگرچہ الہام ظنی ہے۔ اور اعلام قطعی۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ اور سلام اس پر ہو۔ جو ہدایت کی پیروی کرے۔

مکتوب نمبر ۵۶

مولانا عبدالقادر انبالی کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ دوسروں کی برائیاں اس کے حق میں نیکی کا حکم پیدا کر لیتی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔" درویش کا

معاملہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ دوسروں کی برائیاں اس کے حق میں نیکیاں بن جاتی ہیں۔ اور دوسروں کے رذائل ان کے لئے اوصاف حمیدہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ریا اور سُمعہ جو کہ برائیوں سے ہیں۔ اور اوصاف رذائل میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے حق میں وہ حسن پیدا کرتے ہیں۔ اور شکر کا حکم اختیار کرتے ہیں۔

اس لئے کہ درویش ہر قسم کی عظمت وکبریائی کو اپنے آپ سے مسلوب کر کے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کے حسن وجمال اور خیر وکمال کو اپنے آپ سے دور کر کے خدا تعالیٰ کی طرف مخصوص کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو سوائے برائی اور نقص کے اور کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ اور اپنے اندر ذلت وافتقار اور انکساری کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھتے۔ اور اگر بالفرض عظمت اور کبریائی کے افراد میں سے کوئی فرد بظاہر ان کی طرف متوجہ ہو تو وہ اس کو اپنے لئے زینہ پائے گا۔ کہ اس کے راہ سے اوپر کی طرف چڑھتا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس ذات پاک تک پہنچ جائے گا۔ جو عظمت وکبریائی کے لائق ہے۔ اور حسن وجمال اور خیر وکمال کا بھی یہی حال ہے۔ کہ انمیں سے اس کا حصہ صرف زینہ بننے کا ہے۔ باقی امانتیں امانتوں کے مالکوں کی طرف راجع ہیں۔

پس ریا اور سمعہ کی صورت میں اس کا مقصود اپنی شہرت وفخر اور رفعت وعظمت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمت کا اظہار اور اس کے احسان کی اطلاع ہے۔ جو کہ اس کی نسبت واقع ہوا ہے۔ پس اس صورت میں ریا اور سمعہ عین حمد وشکر حق سبحانہ وتعالےٰ ہوگا۔ کہ اب وہ رذالت سے نکل کر محامد میں شامل ہو گئے اور اسی پر تمام صفات کو قیاس کر لو۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کی برائیوں کو اللہ تعالےٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۵۷

ملا غازی نائب کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ حق جلا و علا کا ذکر خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے سے بہتر ہے لیکن وہ ذکر جو کہ قبولیت کے لائق ہو۔ یا وہ ذکر جو طالب اپنے شیخ مقتدا سے حاصل کرے۔ اور اس کے متعلقات)

کچھ مدت تک میں خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے میں مشغول رہا۔ اور میں کئی ایک قسم

کے درود پڑھا کرتا تھا۔ اور دنیوی ثمرات اور نتائج اس پر مرتب ہوتے محسوس کرتا۔ اور مجھے ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے دقائق اور اسرار کھلتے معلوم ہوتے۔ جب کچھ مدت اس عمل پر گزر گئی۔ تو اتفاقاً اس التزام میں سستی پیدا ہونے لگی۔ اس میں مشغول ہونے کی توفیق زائل ہو گئی۔ اور وقتی درود پر (یعنی نماز میں) اگر معاملہ رک گیا۔ اس وقت مجھے یہ پسند آتا۔ کہ تسبیح اور تقدیس اور تہلیل کا شغل اختیار کروں۔ میں نے دل میں کہا۔ کہ اس معاملہ میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی۔ دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے۔

آخر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہوا۔ کہ اس وقت ذکر کرنا درود بھیجنے سے زیادہ بہتر ہے۔ درود پڑھنے والے کے لئے بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اور اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ ہے۔ کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ "جس کو میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سے روک دیا۔ میں اسکو سوال کرنے والوں کی نسبت بہتر دوں گا"۔ اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ چونکہ ذکر پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے۔ تو اس ذکر کا ثواب جس طرح ذاکر کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس نے کوئی اچھا طریقہ رائج کیا۔ تو اس کو اپنا اجر بھی ملے گا۔ اور جو اس پر عمل کریں گے۔ ان کے برابر بھی اجر بھی ملے گا۔

اور یہی حال ہر نیک عمل کا ہے۔ جو کہ امتوں سے وجود میں آتے ہیں۔ اس عمل کا اجر جس طرح عامل کو پہنچتا ہے پیغمبر کو بھی پہنچتا ہے۔ جو کہ اس عمل کو مقرر کرنے والا ہے۔ عمل کرنے والے کے اجر میں سے کوئی چیز کم بھی نہیں ہوتی اور یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ عمل کرنے والا پیغمبر کی نیت سے عمل کرے۔ کیونکہ وہ حق سبحانہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ عمل کرنیوالے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ہاں اگر عمل کرنے والے سے پیغمبر کی نیت بھی وجود میں آئے۔ تو یہ عمل کرنیوالے کے لئے زیادتی اجر کا باعث ہوگا۔ اور یہ زیادتی پیغمبر کی طرف بھی عائد ہوگی۔ اور یہ اللہ کا احسان ہے۔ جس پر چاہے کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ ذکر کا اصلی مقصود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یاد ہے۔ اور اجر کی طلب اس کی طفیلی ہے۔ اور درود میں اصلی مقصود حاجت کی طلب ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پس وہ فیوض جو کہ ذکر کی راہ سے پیغمبر تک پہنچتے ہیں۔ وہ ان برکات سے کئی گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جو کہ درود کی راہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔

یہ جان لینا چاہیئے۔ کہ ہر ذکر کا یہ مرتبہ نہیں ہے۔ وہ ذکر جو قبولیت کے لائق ہو۔ وہ اس بزرگی کے لئے مخصوص ہے۔ اور جو ذکر اس طرح کا نہ ہو۔ درود کو اس پر فضیلت ہے۔ اور درود سے برکات کے پہنچنے کی زیادہ توقع ہے۔ لیکن وہ ذکر طالب اپنے شیخ کامل مکمل سے حاصل کرے۔ اور طریقہ کی شرائط کے مطابق اس پر مداومت کرے۔ وہ درود کہنے

سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے۔ جب تک یہ ذکر نہ کرے گا۔ اس ذکر تک نہ پہنچ سکے گا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارہم بلندی کے لئے سوائے ذکر کرنے کے اور کچھ تجویز نہیں کرتے اس کو صرف فرائض اور سنن کی ادائیگی کا حکم دیتے ہیں۔ اور نفلی امور سے منع کرتے ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہوا۔ کہ امت کا کوئی فرد بھی خواہ وہ کمالات میں کتنے ہی بلند مقام پر پہنچ چکا ہو۔ اپنے پیغمبر کے ساتھ برابر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ تمام کمالات جو اسے حاصل ہوئے ہیں۔ اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت سے حاصل ہوئے ہیں۔ پس یہ تمام کمالات اس پیغمبر کو بھی حاصل ہیں۔ اور دوسرے پیروکاروں کے کمالات بھی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور اسی طرح وہ فرد کامل کسی پیغمبر کے بھی مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ اس پیغمبر کی کسی نے بھی پیروی نہ کی ہو۔ اور اس کی دعوت کو قبول نہ کیا ہو۔ کیونکہ ہر پیغمبر بالاصل صاحب دعوت ہے۔ اور تبلیغ شریعت کا مامور اور امتوں کا انکار دعوت و تبلیغ میں کوئی قصور پیدا نہیں کرتا۔ اور یہ تو بالکل ظاہر ہے۔ کہ کوئی کمال بھی دعوت و تبلیغ کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا[1]۔ "اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سے وہ بندے سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ جو بندوں کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ کو اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بندوں کو محبوب بنا دیں۔ اور وہ دعوت دینے والے اور مبلغ لوگ ہیں"

---

[1] آج کل دعوت و تبلیغ اسلام کی اہمیت اہل اسلام کے ذہن سے نکل چکی ہے۔ ان امور کی طرف زیادہ توجہ مبذول ہو چکی ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ نفل اور مستحب کا درجہ رکھتے ہیں۔ عوام اہل سنت کی اس بے حسی سے گمراہ فرقوں کے مبلغین بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور لوگوں کو اپنی چرب زبانی اور ملمع سازی سے بدراہ کر رہے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے یہاں دعوت و تبلیغ کی عظمت و فضیلت بیان کر کے واضح فرمایا ہے۔ کہ بزرگان دین نے ہمیشہ اس پہلو پر خاص زور دیا ہے۔ اہل اللہ نے تبلیغی مشن کے تحت دور دراز کے سفر طے کیئے ہیں۔ اور طرح طرح کی صعوبتیں برداشت کیں۔ موجودہ وقت کا شدید تقاضا ہے۔ کہ دینی احساس رکھنے والے اہل سنت اس فریضے کی ادائیگی کی طرف خاص توجہ کریں۔ قرآن مجید، احادیث نبویہ اور سلف صالحین کے ارشادات دعوت و تبلیغ کی ضرورت و فضیلت سے بھرے پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے۔

آپ نے سنا ہوگا۔ کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ کل قیامت کے روز علماء کی سیاہی کو شہداء فی سبیل اللہ کے خون سے وزن کریں گے۔ اور اس سیاہی کا وزن شہیدوں کے خون سے بڑھ جائے گا" اور امتوں کو یہ دولت میسر نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ان کو ملا ہے۔ وہ طفیلی اور ضمنی ہے۔ اصل بہر حال اصل ہے۔ اور فرع اصل سے مستنبط ہے۔ اس جگہ سے اس امت کے مبلّغین اور حق کی دعوت دینے والوں کی بزرگی معلوم کرنی چاہیے۔ ہر چند کہ دعوت اور تبلیغ کے مختلف مدارج ہیں۔ اور داعی اور مبلّغ مختلف درجے رکھتے ہیں۔ علماء ظاہری تبلیغ سے مخصوص ہیں۔ اور صوفیاء باطن کا اہتمام رکھتے ہیں۔ اور جو عالم اور صوفی ہے۔ وہ کبریت احمر ہے۔ اور ظاہری اور باطنی دعوت و تبلیغ کے لائق ہے۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب اور وارث ہے۔

بعض علماء نے اس امت کے محدّثین کو جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس امت میں سے افضل ترین تسلیم کیا ہے۔ اگر مطلقاً افضل سمجھتے ہیں۔ تو اس میں تردّد ہے۔ اور اگر ظاہری مبلّغین کی نسبت کہتے ہیں۔ تو اس کی گنجائش ہے۔ مطلق فضیلت جامع مبلّغ کے لئے ہے۔ جو ظاہری تبلیغ بھی کرے۔ اور باطنی بھی۔ اور ظاہری دعوت بھی دے۔ اور باطنی بھی۔ کیونکہ مطلقاً افضل قرار دینے میں قصور ہے۔ اس نکتہ کو سمجھ۔ اور قاصرین میں سے نہ ہو۔ ہاں ظاہر ہر چند کہ عمدہ ہے۔ نجات کا دار و مدار اسی پر ہے۔ اور کثیر البرکت اور عموم المنفعت ہے لیکن اس کا کمال باطن سے وابستہ ہے۔ بغیر باطن کے ظاہر ناتمام ہے۔ اور بغیر ظاہر کے باطن بدانجام ہے۔ اور جو باطن کو ظاہر سے جمع کرے۔ وہ کبریت احمر ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش دے۔ تو یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔ اور سلام اس پر ہو۔ جو ہدایت کی پیروی کرے۔

مکتوب نمبر ۵۸

خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ انہوں نے عالم مثال کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اور اس جماعت کا ردّ جو تناسخ کی قائل ہے۔ اور اس جماعت کا ردّ جو روح کے منتقل ہونے کی قائل ہے۔ اور کمون اور بروز اور انکے متعلقات کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ۔

آپ کے اس گرامی نامہ کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ جو آپ نے بلندیٔ فطرت اور حسن نشاط سے تحریر فرمایا تھا آپ نے لکھا ہے۔ کہ شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے فتوحات مکیہ میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالٰے نے ایک لاکھ آدم پیدا کیے۔ اور ایک حکایت بھی نقل کی ہے۔ کہ عالم مثال کے بعض مکاشفات میں جب کہ میں کعبہ معظمہ کا طواف کر رہا تھا۔ ایسا ظاہر ہوا۔ کہ میرے ساتھ ایک ایسی جماعت طواف کر رہی ہے۔ جن کو میں نہیں جانتا۔ انہوں نے طواف کے دوران میں دو عربی شعر پڑھے۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ ؎

لَقَدْ طُفْنَا کَمَا طُفْتُمْ سِنِیْنًا　　بِھٰذَا الْبَیْتِ طُرًّا اَجْمَعِیْنَا

میں نے جب یہ شعر سنا۔ تو میرے دل میں خیال آیا۔ کہ یہ سب عالم مثال کے ابدال ہیں اور اس خیال کے آتے ہی ان میں سے ایک نے میری طرف نگاہ کی۔ اور کہا "میں تمہارے آباؤ اجداد میں سے ہوں"۔ میں نے پوچھا۔ "آپ کو فوت ہوئے کتنے سال گزر چکے ہیں۔ تو کہنے لگا۔ "چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے"۔ میں نے تعجب سے کہا۔ کہ "ابو البشر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شروع پیدائش سے لے کر اس وقت تک سات ہزار سال تو پورے نہیں ہوئے"۔ تو کہنے لگے۔ "تم کس آدم کی بات کرتے ہو۔؟ یہ آدم تو وہ ہیں، جو اس سات ہزار سال کے دور کی ابتدا میں پیدا ہوئے ہیں"۔ تو شیخ نے فرمایا۔ اس وقت وہ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جو پہلے تحریر ہو چکی ہے۔ میرے دل میں گزری۔ جو اس قول کی تائید کرتی ہے۔

مخدوم مکرم! خداوند تعالیٰ کی عنایت سے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ وہ تمام آدم جو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود سے پہلے گزرے ہیں۔ ان سب کا وجود عالم مثال میں تھا۔ نہ کہ عالم شہادت میں موجود ہوئے ہیں۔ جنہوں نے زمین میں خلافت پائی ہے۔ اور مسجودِ ملائکہ ٹھہرے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رحمتیں اور تسلیمات ہمارے نبی اور ان سب پر ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ چونکہ یہ آدم جامعیت کی صفت پر پیدا ہوئے ہیں۔ اور اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف اور اوصاف رکھتے ہیں۔ یہ اپنے وجود سے پہلے ایجاد خداوندی جل سلطانہ سے بہت مدت ہائے دراز تک اپنے لطائف اور اوصاف میں سے کسی ایک لطیفہ یا ایک صفت سے عالم مثال میں موجود ہوئے ہیں۔ اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اور انہی کے نام سے موسوم ہوئے ہیں۔ اور جس آدم کا انتظار تھا۔ وہ اسی آدم سے وقوع میں آیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ توالد و تناسل جو اس عالم مثال کے مناسب تھا۔ وہ بھی ظہور میں آیا۔ اور ظاہری اور باطنی کمالات جو اس عالم کے مناسب تھے۔ وہ بھی حاصل کئے اور عذاب و ثواب کا مستحق ہوا۔ بلکہ اسی کے لئے قیامت قائم ہوئی۔ اور جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے گئے۔

اور پھر کسی وقت میں اللہ سبحانہ و تعالٰے کی مشیت سے اسی عالم مثال میں آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

اپنی کسی اور صفت اور لطیفہ کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ اور وہی کوائف جو ظہور اوّل سے وجود میں آئے تھے۔ ظہور ثانی میں بھی وجود میں آئے اور جب وہ دور بھی ختم ہوا۔ تو آپ کی صفات اور لطائف میں سے تیسرے ظہور میں کوئی اور صفت اور لطیفہ حاصل ہوا۔ اور جب اس ظہور نے بھی اپنا دور ختم کیا۔ تو چوتھا ظہور حاصل ہوا۔ اور جب تک اللہ تعالےٰ نے چاہا۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔

پھر جب ظہورات مثالیہ کے وہ تمام دور جو کہ اس کی صفات اور لطائف سے تعلق رکھتے تھے۔ پورے ہو گئے تو بالآخر وہ نسخہ جامعہ ایجاد خداوندی جل سلطانہ سے عالم شہادت میں وجود میں آگیا۔ اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے معزز و محترم ہوا۔ اگر ایک لاکھ آدم بھی ہوں۔ تو وہ اسی آدم کے اجزاء ہیں۔ اسی آدم کے ہاتھ پاؤں ہیں۔ اور اسی کے وجود کے مبادی و مقدمات ہیں۔ اور شیخ بزرگوار کے وہ دادا جن کو چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ فوت ہوئے گزر چکا ہے۔ وہ عالم مثال میں شیخ بزرگوار کے دادا کا کوئی لطیفہ تھے۔ جو کہ عالم شہادت میں موجود ہوئے۔ اور بیت اللہ شریف کے وہ طواف جو انہوں نے کیے۔ وہ بھی عالم مثال میں کیے۔ کیونکہ کعبہ معظمہ کی بھی عالم مثال میں ایک شبیہ اور صورت تھی۔ جو اس عالم مثال کا قبلہ تھی۔

اس فقیر نے اس مسئلہ میں دور دور نظر دوڑائی ہے۔ اور بہت غور کیا ہے۔ عالم شہادت میں کوئی دوسرا آدم نظر نہیں آیا۔ اور عالم مثال کی اعجوبہ کاریوں کے سوا اور کوئی چیز نہ مل سکی۔ اور وہ جو مثالی جسم نے کہا۔ کہ میں تمہارے آباؤ اجداد سے ہوں۔ اور مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ یہ اس بات پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ اس آدم سے پہلے کئی ایک آدم گزر چکے ہیں۔ جو اس آدم کے صفات اور لطائف تھے۔ یہ نہیں کہ وہ علیحدہ پیدائش رکھتے تھے۔ اور اس آدم سے الگ تھے۔ کیونکہ جو الگ ہے۔ اس کی اس آدم سے کیا نسبت ہے۔ اور وہ شیخ کا دادا کیوں ہونے لگا۔ اور عالم شہادت کے آدم کی پیدائش کو تو ابھی سات ہزار سال بھی پورے نہیں ہوئے۔ چالیس ہزار سال کی گنجائش کہاں ہے۔؟

اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے۔ اس حکایت سے تناسخ کو درست سمجھتے ہیں۔ اور قریب ہے کہ کائنات کے قدیم ہونے کے قائل ہوں۔ اور قیامت کبریٰ سے انکار کر دیں۔ اور بعض بے دین لوگوں نے جنہوں نے بزعم باطل خویش شیخی کی مسند حاصل کر رکھی ہے۔ تناسخ کے جواز کا حکم کرتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ جب تک نفس اپنے کمال تک نہ پہنچے۔ اسے مختلف ابدان تبدیل کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جب نفس اپنے کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ تو مختلف جسموں کے تبدیل کرنے سے بلکہ بدن کے تعلق ہی سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائش کا مقصود جو کہ اس کا کمال تک پہنچنا ہے۔ حاصل ہو جاتا ہے۔

اور یہ بات صاف کفر ہے۔ اور ان چیزوں کا انکار ہے۔ جو دین سے بہ تواتر ثابت ہیں۔ جب بالآخر تمام نفوس اپنی

حد کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو دوزخ کس کے لئے ہے۔ اور سزا کسے ملے گی۔ دوزخ کا انکار ہے۔ اور آخرت کے عذاب کا انکار ہے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق نفس کو کسی جسم کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ جو کہ اس کے کمالات کا آلہ ہے۔ کہ وہ کسی جسم سے دوبارہ جی اُٹھے۔ اس جماعت کا عقیدہ فلاسفہ کے عقیدہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ کہ وہ بھی اجسام کے حشر کا انکار کرتے ہیں۔ اور ثواب و عذاب کو روحانی سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کا عقیدہ فلاسفہ کے عقیدہ سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ وہ تناسخ کا رد کرتے ہیں۔ اور عذاب روحانی کے قائل ہیں۔ اور یہ لوگ تناسخ کا اثبات بھی کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک عذاب صرف دنیا کا عذاب ہے۔ جس کا وہ تہذیب نفوس کے لئے اثبات کرتے ہیں۔

سوال:۔ حضرت علی امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے اولیاء اللہ سے بھی منقول ہے۔ کہ ان سے بعض نادر افعال اور عجیب و غریب افعال ان کے وجود عنصری کے ساتھ عالم شہادت میں آنے سے بہت مدت پہلے وجود میں آئے۔ اگر یہ صحیح ہے۔ تو پھر یہ تناسخ کے بغیر کیسے ممکن ہے۔؟

جواب:۔ ان اعمال و افعال کا صدور ان بزرگوں کی ارواح سے ہوا ہے۔ جو کہ اللہ سبحانہ و تعالےٰ کی مشیت سے مختلف اجساد سے متجسد ہو کر ان افعال عجیبہ کے مصدر و مورد بنے۔ ان کا کوئی دوسرا جسم نہیں ہے۔ جس سے وہ تعلق رکھیں۔ تناسخ یہ ہے۔ کہ روح اس جسم کے تعلق سے پہلے کسی اور چیز سے تعلق رکھتی ہو۔ جو کہ اس روح سے الگ ہو۔ اور جب روح خود ہی کوئی جسم اختیار کرے۔ تو یہ تناسخ کیسے ہوا۔ جن مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ اور ان سے عجیب و غریب اعمال جو کہ ان اشکال اور اجساد سے مناسبت رکھتے ہیں۔ وقوع میں آتے ہیں۔ اور پھر بھی کوئی تناسخ اور کوئی حلول نہیں ہے۔ جنوں کو اللہ سبحانہ و تعالےٰ نے یہ طاقت دے رکھی ہے۔ کہ وہ مختلف شکلیں اختیار کر کے عجیب و غریب اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اگر کاملین کی ارواح کو بھی اللہ تعالےٰ یہ طاقت دے دیں۔ تو تعجب کا کیا مقام ہے۔ اور دوسرے بدن کی کیا ضرورت ہے۔؟

اور اسی قسم کے وہ واقعات ہیں۔ جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک ہی وقت میں وہ کئی ایک مقام پر حاضر ہوتے ہیں۔ اور ان سے مختلف افعال وقوع میں آتے ہیں۔ اس جگہ بھی ان کے لطائف مختلف اجسام اور مختلف اشکال اختیار کرتے ہیں۔ اور اسی طرح کے وہ واقعات ہیں۔ کہ مثلاً کوئی عزیز ہندوستان میں اپنی رہائش رکھتا ہے۔ اور اس جگہ سے کبھی باہر نہیں گیا۔ ایک جماعت مکہ معظمہ سے آتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے۔ اور اس اس طرح کے واقعات ہمارے اور ان کے درمیان گزرے ہیں۔ اور کچھ لوگ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم نے اس کو روم میں دیکھا ہے۔ اور ایک دوسری جماعت نے اس کو بغداد میں دیکھا ہے۔ یہ سب کچھ اس عزیز کے لطائف کی شکلیں ہیں۔ جو مختلف اشکال میں ظاہر ہوتی ہیں۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس عزیز کو ان تشکلات کی اطلاع بھی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس جماعت کے جواب میں

کبھی وہ کہتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ مجھ پر الزام ہے۔ میں تو اپنے گھر سے باہر ہی نہیں نکلا۔ نہ کبھی میں نے حرم کعبہ دیکھا ہے۔ اور نہ ہی روم اور بغداد کو پہچانتا ہوں۔ اور میں نہیں جانتا۔ کہ تم کون لوگ ہو۔ اور اسی طرح حاجتمند لوگ اولیاء اللہ سے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی مخالف و مہالک میں امداد طلب کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں۔ کہ ان اولیاء اللہ کی صورتیں حاضر ہو جاتی ہیں۔ اور ان مصائب کو دور کر دیتی ہیں۔ اور پھر ان اولیاء اللہ کو بھی کبھی اس کی اطلاع ہوتی ہے۔ اور کبھی نہیں ہوتی۔ ؎

از ما و شما بہانہ بر ساختہ اند[1]

اور یہ بھی ان عزیزوں کے لطائف کا تشکل ہے۔ اور یہ تشکل کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے۔ اور کبھی عالم مثال میں چنانچہ ایک ہی رات میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہزاروں لوگ مختلف صورتوں میں خواب دیکھتے ہیں۔ اور انسے استفادہ کرتے ہیں۔ اور یہ بھی آنحضرت کے صفات و لطائف کی مختلف مثالی شکلیں اور اسیطرح پیروں کی مثالی صورتوں سے مرید استفادہ کرتے ہیں۔ اور اپنی مشکلات حل کرتے ہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر ہو جانا جو بعض مشائخ نے کہا ہے۔ اس کا تناسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ تناسخ میں نفس کا تعلق دوسرے بدن سے ثبوت حیات اور اس بدن کے حس و حرکت کے حصول کے لئے ہوتا ہے۔ اور بروز میں نفس کا تعلق دوسرے بدن سے اس غرض کے حصول کے لئے ہوتا ہے۔ اور بروز میں نفس کا تعلق دوسرے بدن سے اس غرض کے حصول کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے مقصود اس بدن کے لئے کمالات کا حصول اور درجات تک وصول ہوتا ہے۔ جیساکہ جن کسی انسان سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے جسم میں ظاہر ہوتا ہے۔ تو یہ تعلق اس آدمی کی زندگی کے لئے نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تو اس تعلق سے پہلے بھی زندہ اور حساس اور متحرک ہے۔ اور وہ چیز جو اس تعلق سے اس میں نئی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس جن کی حرکات و سکنات اور اس کی صفات کا ظہور ہوتی ہے۔

اور صحیح الاحوال مشائخ تو بروز اور کمون (ظاہر اور پوشیدہ ہو جانا) کے متعلق بھی زبان نہیں کھولتے۔ اور ناقصوں کو فتنہ اور مصیبت میں نہیں ڈالتے۔ اور اس فقیر کے نزدیک تو کمون اور بروز کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر کوئی کامل کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہیئے۔ تو وہ اس ملک کا بھی ظاہر ہونے کے بغیر بھی خداوند تعالیٰ کی قدرت سے اپنی صفات کاملہ اس ناقص مرید میں منعکس کر سکتا ہے۔ اور توجہ و التفات سے اس انعکاس کو ثبات اور استقرار بھی دے کر مرید ناقص کو کمال میں لے آتا ہے۔ اور اس کی بری صفات کو اچھی صفات سے تبدیل کر دیتا ہے۔ اور اس کے باوجود کمون بروز کا کوئی واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس پر چاہے کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

---

[1] یہ ہم اور تم پر الزام رکھ دیا گیا ہے۔

اور کچھ لوگ روح کے منتقل ہونے کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ روح کو کمال حاصل ہونے کے بعد ایسی طاقت مل جاتی ہے۔ اگر وہ چاہے۔ تو اپنے بدن کو چھوڑ کر کسی دوسرے بدن میں داخل ہو سکتا ہے۔

بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک عزیز کو یہ کمال اور قدرت حاصل تھی۔ اس کی ہمسائیگی میں ایک جوان آدمی فوت ہو گیا۔ تو اس عزیز نے اپنے بدن کو جو کہ بڑھاپے تک پہنچ چکا تھا۔ چھوڑ دیا اور اس جوان کے بدن میں داخل ہو گیا۔ یہانتک کہ پہلا جسم مر گیا۔ اور اسکا دوسرا جسم زندہ ہو گیا" تو یہ قول بھی تناسخ کو مستلزم ہے۔ کہ دوسرے بدن سے تعلق اس بدن کی زندگی کے لیئے ہے۔ بس فرق ہے تو صرف اتنا کہ تناسخ کا قائل نفس کے نقصان کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور تناسخ کا اثبات اس نفس کی تکمیل کے لئے کرتا ہے۔ اور جو روح کے منتقل ہونے کا قائل ہے۔ وہ روح کو کامل سمجھتا ہے۔ اور روح کے کمال کے بعد منتقل ہونے کا اثبات کرتا ہے۔

اس فقیر کے نزدیک روح کے منتقل ہونے کا قول تناسخ کے قول سے بھی کمتر اور گرا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ تناسخ کے قائل تکمیل نفس کے لیئے ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ اعتبار بھی باطل ہے۔ اور روح کے منتقل ہونے کو حصول کمال کے بعد خیال کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ جب ان لوگوں نے ابدان کی تبدیلی کمالات کے حصول کے لیئے قرار دی ہے۔ تو کمال کے حاصل ہونے کے بعد دوسرے بدن میں منتقل ہونا کس لیئے ہے۔ اہل کمال تماشائی نہیں ہیں۔ ان کی ہمت تو یہ ہے۔ کہ حصول کمال کے بعد ابدان سے فارغ ہوتے ہیں۔ نہ کہ دوسرے ابدان سے تعلق قائم کرتے ہیں کیونکہ جو کچھ بدن کے تعلق سے مقصود تھا۔ وہ تو حاصل ہو چکا۔

اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ روح کے منتقل ہونے میں پہلے جسم کی موت اور دوسرے جسم کی زندگی ہے۔ تو پہلے بدن کو برزخ کے احکام کے حصول سے چارہ نہیں ہوگا۔ اور قبر کے عذاب و ثواب سے مفر نہ ہوگا۔ اور دوسرے بدن کو جب دوسری زندگی کا اثبات کرتے ہیں۔ تو اس کے حق میں حشر دنیا ہی میں ثابت ہو گیا۔ میں نہیں سمجھتا۔ کہ روح کے منتقل ہونے کا عقیدہ رکھنے والے اس کے عذاب و ثواب قبر کے قائل بھی ہوں۔ اور حشر و نشر کا اعتقاد رکھتے ہوں۔ افسوس ہزار افسوس۔ کہ اس قسم کے جھوٹے لوگ اپنے آپ کو شیخی کی مسند کے لائق سمجھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں۔ یہ خود بھی گمراہ ہیں۔ اور لوگوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔

اے اللہ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

ذیلی بحث

(بعض ان علوم و معارف کے بیان میں۔ جو کہ عالم مثال سے تعلق رکھتے ہیں۔)

جاننا چاہیئے۔ کہ عالم مثال تمام عوالم سے فراخ تر ہے۔ جو کچھ بھی تمام عوالم میں ہے۔ اس کی صورت عالم مثال میں موجود ہے۔ معقولات و معانی بھی اس عالم میں صورت رکھتے ہیں۔ اہل علم نے کہا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ و تعالےٰ کی کوئی مثل نہیں ہے۔ لیکن مثال ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ تعالےٰ کے لئے بلند مثال ہے۔) اس فقیر نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے۔ کہ تنزیہ خالص کے مرتبہ میں جس طرح مثل نہیں ہے۔ مثال بھی نہیں ہے۔ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (اللہ تعالےٰ کے لئے مثال نہ بیان کرو۔) اور عالم صغیر میں عالم مثال کا نمونہ خیال ہے۔ کہ خیال میں تمام اشیاء کی صورتیں منصور ہیں۔ سالک کے مقامات و احوال کی کیفیتوں کو خیال ہی متصور کرکے دکھاتا ہے۔ اور اہل علم سے بنا دیتا ہے۔ اور اگر خیال نہ ہو۔ یا وہ کوتاہی کرے۔ تو جہل لازم آئے گا۔ اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ مرتبہ ظلال کے اوپر جہل و حیرت ہے۔ کیونکہ خیال کی دوڑ دھوپ تو صرف مراتب ظلال تک ہے۔ جس جگہ ظل (سایہ) نہ ہوگا۔ وہاں خیال کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اور جب صورت تنزیہی عالم مثال میں نہ ہوگی۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ تو خیال میں بھی جو کہ عالم مثال کا پرتو ہے۔ کس طرح صورت تنزیہی متصور ہو سکتی ہے۔ تو لازمی چیز ہے۔ کہ اس جگہ سوائے جہالت اور حیرت کے کچھ نہ ہوگا۔ اور جس جگہ علم نہیں ہوتا۔ وہاں گفتگو بھی نہیں ہوتی۔ (جس نے اللہ کو پہچان لیا۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی ؎ اس کا نشان ہے۔ اور جس جگہ علم ہوگا۔ وہاں گفتگو بھی ہوگی۔ (جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان لمبی ہو گئی۔) اس کا بیان ہے۔

پس زبان کی درازی ظلال میں ہوتی ہے۔ اور ظلال کے مراتب سے اوپر زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ فعل ہو یا صفت۔ اسم ہو یا مسمیٰ پس جو کچھ بھی خیال نے تراشا ہے۔ وہ چونکہ ظلال ہے۔ اور علت سے معلول اور جعل مجعول ہے۔ اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے۔ کہ چونکہ وہ مطلوب کے آثار و علامات سے ہے۔ لہٰذا یقینی علم کا فائدہ دیتا ہے۔ عین الیقین اور حق الیقین ظلال اور خیال سے بہت اوپر ہیں۔

خیال کی تراشیدہ چیزوں سے اس وقت خلاصی میسر آتی ہے۔ جب کہ سیر انفسی کو بھی سیر آفاقی کی طرح پیچھے چھوڑ جائے۔ اور آفاق و انفس سے اوپر جولانی دکھانے لگے۔ یہ مقام اکثر اولیاء کو موت کے بعد میسر آتا ہے۔ جب تک زندگی رہتی ہے۔ خیال ان کا دامنگیر رہتا ہے۔ اور اکابر اولیاء میں سے بہت کم لوگوں کو یہ دولت اس دنیا میں میسر ہوتی ہے۔ وہ دنیوی زندگی کے باوجود خیال کے غلبہ کے تصرف سے باہر آ جاتے ہیں۔ اور خیال کی تراش و خراش کے بغیر اپنے پہلو میں لے لیتے ہیں۔ اور اس وقت ان بزرگواروں کے حق میں تجلی ذاتی برقی۔ دائمی ہو جاتی ہے۔

اور عریان وصل پر توڑ اتا ہے۔

هَنِيْئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

سوال:۔ کچھ لوگ اپنے مکاشفات اور خوابوں میں عالم مثال وخیال میں دیکھتے ہیں۔ کہ ہم بادشاہ بن گئے ہیں اور اپنے نوکروں چاکروں کا معائنہ کر رہے ہیں۔ اور ایسا بھی دیکھتے ہیں۔ کہ ہم قطب ہو چکے ہیں۔ اور تمام دنیا کی توجہ ہماری طرف ہے۔ اور بیداری اور ہوش کے عالم میں جو کہ عالم شہادت میں ہے۔ ان کمالات میں سے کوئی بھی ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ کیا یہ رویت کچھ صداقت رکھتی ہے۔ یا محض باطل ہے۔؟

جواب:۔ یہ رویت کچھ صداقت رکھتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے۔ کہ بادشاہت اور قطبیت کے معنی اس جماعت میں موجود ہیں۔ لیکن یہ معنی ان میں بہت کمزور ہے۔ اس قابل نہیں ہے۔ کہ عالم شہادت میں ظاہر ہو۔ اور اس کے بعد دو حال سے خالی نہیں ہے۔ اگر یہ معنی اللہ سبحانہ وتعالےٰ کی عنایت سے طاقت پیدا کرے۔ تو اس لائق ہو جاتا ہے کہ عالم شہادت میں ظاہر ہو تو وہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے عالم شہادت میں بھی بادشاہ بن جاتا ہے۔ اور قطب بھی ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس معنی طاقت نہ پیدا ہو۔ کہ عالم شہادت میں ظاہر ہو سکے۔ تو پھر اسی ظہور مثالی پر جو کہ سب سے کمزور ظہور ہے۔ کفایت کرنی پڑتی ہے۔ اور اپنی طاقت کے مطابق ظاہر ہوتا ہے۔

اور اسی قسم کے وہ واقعات ہیں جو اس راہ کے طالب دیکھتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بلند مقام پر پاتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں۔ کہ ارباب ولایت کے مناصب سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اگر عالم شہادت میں بھی یہ ظاہر ہو جائے۔ تو یہ بہت بڑی دولت ہے۔ اور اگر ظہور مثالی پر ہی کفایت ہو تو پھر بے فائدہ اور سراسر مصیبت ہے

کیونکہ ہر ایک جولاہا اور حجام بھی خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھتا ہے۔ اور اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور سوائے نقصان اور خسارہ کے اس کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ پس واقعات پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ اور عالم شہادت میں جو کچھ بھی میسر ہو۔ وہی اس کی ملکیت ہے۔

چوں غلام آفتابم ہم ز آفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

یہی وجہ ہے۔ کہ اکابر نقشبندیہ مکاشفات کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ اور طالبین کے مکاشفات کی تعبیر کی طرف کچھ توجہ نہیں دیتے۔ کہ ان چیزوں کا نفع بہت کم ہے۔ معتبر وہی ہے۔ جو بیداری اور ہوش کے عالم میں میسر ہو۔ اسی لئے دوام شہود کو معتبر سمجھتے ہیں اور استمرار حضور کو دولت جانتے ہیں۔ وہ حضور جس کے پیچھے غیبت لگی ہوئی ہو۔ ان بزرگواروں کے نزدیک اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ نسیان ماسوا ان کے حق میں دائمی ہو

ف نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔ اور عاشق مسکین کے لئے تو وہی ہے۔ جو وہ گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۱۲

چکا ہے۔ اور غیر کا خیال ان کے دل سے ہر وقت زائل رہتا ہے۔ ہاں وہ آدمی جس کی ابتداء میں انتہاء مندرج ہو یہ کمالات اس سے کیا دور ہو سکتے ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ۔ والسلام

اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور اپنے کام میں ہماری زیادتیاں معاف کر دے۔ اور ہمارے قدم مظبوط رکھ۔ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد اور غلبہ عنایت فرما۔ والسلام

مکتوب نمبر ۵۹

پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالےٰ کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ معقول و موہوم اور مکشوف و مشہود یہ سب کچھ ماسوی میں داخل ہے۔ اور اس کے متعلقات)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

وہ مکتوب شریف جو آنکھوں کی ٹھنڈک نے ارسال کیا تھا۔ پہنچا۔ لکھا تھا۔ کہ حق سبحانہ و تعالےٰ کی عنایت سے وہ شعبدے بہر طرف ہو چکے ہیں۔ اور اس جنس کی کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے۔ اب ہمت کی توجہ اس پر ہے کہ اثبات سے کوئی چیز بھی حاصل نہ ہو۔ موہوم اور معقول سب لا کے تحت داخل ہو جائیں۔ اور اسی طرح کی باتیں اور لکھی تھیں۔ اور یہ سب کچھ ابھی تکلف سے ہے۔ امید ہے کہ بے تکلف بھی نصیب ہو جائے گا۔

اے نجابت آثار! معقول اور موہوم بلکہ مشہود اور مکشوف بھی خواہ وہ آفاقی ہوں۔ یا انفسی سب ماسوا کے دائرہ میں داخل ہے۔ اور لہو و لعب کا سامان ہے۔ اور اس کی حقیقت شعبدہ بازی میں گرفتار ہونے سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر اس گرفتاری کا زوال تکلف سے ہے۔ تو طریقت میں داخل ہے۔ اور منجملہ علم الیقین میں سے ہے۔ بہر تقدیر اگر یہ دولت بے تکلف میسر ہو جائے۔ اور نفی کے تکلف سے ماسوی کی نفی تک پہنچ جائے۔ تو طریقت کی تنگنائے سے آزاد ہو جانا ہے۔ اور علم کے کوچہ سے باہر چلا جاتا ہے۔ اور فنا سے مشرف ہو جاتا ہے۔ یہ بات کہنا تو آسان ہے۔ اور یہاں تک پہنچنا بڑا مشکل ہے۔ بہت ہی مشکل۔ مگر جس پر اللہ سبحانہ و تعالےٰ آسان کریں۔

وہ کاروبار جو حقیقت سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ آگے ہے۔ اور نفی سے گزرنے بلکہ مقام اثبات کی نفی کرنے اور علم عین الیقین سے باہر ہے۔

جان لینا چاہیئے۔ کہ حقیقت کے مقابل طریقت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور نفی کو اثبات سے کوئی نسبت نہیں

ہے۔ کیونکہ نفی کے متعلقات ممکنات سے ہیں۔ اور اثبات کے متعلقات واجب۔ اور اثبات کے مقابل نفی کی وہی حیثیت ہے۔ جو دریائے بے کنار کے مقابل ایک قطرے کی ہے۔ اور جب یہ نفی واثبات حاصل ہو جاتا ہے تو ولایت خاصہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر ولایت خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد یا تو عروج ہے۔ یا نزول۔ اور اگر نزول ہے۔ تو وہ بھی اس عروج کے لیئے لازم ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمارے گناہ بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اور تم پر اور ان سب لوگوں پر سلام ہو۔ جو ہدایت کی پیروی کریں۔ اور مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کو لازم پکڑیں۔

مکتوب نمبر ۶۰

محمد تقی کی طرف صادر فرمایا۔

(ان کے خط کے جواب میں اور اس بیان میں کہ دین کے زائد امور کی طرف سے منہ پھیر کر ضروریات دین کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اور اسکے متعلقات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

صحیفہ شریفہ سے مشرف ہوا۔ وہ دلائل جن کی راہنمائی آپ کو ہوئی ہے۔ اور جو کچھ آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ اسلام کے پہلے دور جو کہ بہترین دور ہے۔ کے اہل حل وعقد کے اجماع سے منعقد ہوئی۔ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی افضلیت کے بارے میں کہ ان کی خلافت کی ترتیب سے ان کی افضلیت ہے۔ اور اصحاب خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اختلافات اور جھگڑوں کے متعلق خاموشی اختیار کرنے کے متعلق جو کہا ہے۔ ان چیزوں سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ امامت کی بحث میں یہی عقیدہ کافی ہے اور اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالےٰ سعیہم کے موافق ہے۔

میرے مخدوم شفقت آثار! امامت کی بحث دین کے فروعات میں سے ہے۔ نہ کہ اصول شریعت سے۔ ضروریات دین اور چیزیں ہیں۔ جو عقیدہ اور عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور جن کی تفصیل علم کلام اور علم فقہ میں ہے۔ ضروریات کو چھوڑ کر زائد چیزوں کی طرف توجہ کرنا اپنی عمر کو بے فائدہ چیزوں میں صرف کرنا ہے۔

اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ بندہ سے خدا تعالےٰ کے اعراض کی علامت یہ ہے۔ کہ بندہ بے مقصد کاموں میں مشغول ہو جائے۔

اگر امامت کی بحث ضروریات دین اور اصول شریعت سے ہوتی۔ جیساکہ شیعہ کہتے ہیں۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی بزرگ کتاب میں خلافت کا تعین کرتا۔ اور کسی خلیفہ کو نامزد کر دیتا۔ اور حضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام بھی کسی ایک آدمی کی خلافت کے متعلق کہہ جاتے۔ اور صراحتاً ایک آدمی کو خلیفہ بنا جاتے۔ اور جب کتاب و سنت میں اس امر کا اہتمام مفہوم نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ امامت کی بحث دین کے زائد امور میں سے ہے۔ نہ کہ اصول دین میں سے کسی فضول آدمی ہی کو زائد چیزوں میں مشغول ہونا چاہیئے۔

دین کی ضروریات اتنی درپیش ہیں۔ کہ زائد چیزوں کی طرف توجہ کرنے کی نوبت ہی نہیں پہنچتی۔ سب سے پہلے تو عقیدہ صحیح کرنے سے کوئی چارہ نہیں ہے۔ جو کہ خدا تعالےٰ کی ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کے بعد یاد رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام خدا تعالےٰ کی طرف سے لائے ہیں۔ اور یقین اور تواتر سے ثابت ہو چکا ہے۔ مثلاً حشر و نشر اور آخرت کا دائمی عذاب و ثواب اور تمام سنی ہوئی چیزیں سب حق ہیں۔ ان میں عدم وجود کا احتمال ہی نہیں ہے۔ اور اگر ایسا عقیدہ حاصل نہ ہو تو نجات نہیں ہوگی۔

دوسرے درجہ پر احکام فقہیہ پر عمل کرنے سے بھی چارہ نہیں ہے۔ اور فرائض اور واجبات بلکہ سنن و مستحبات کی ادائیگی کے بغیر بھی گذارہ نہیں ہو سکتا۔ شریعت کے حرام و حلال کی رعایت بھی اچھی طرح کرنی چاہیئے۔ اور حدود شریعت میں احتیاط کرنی چاہیئے۔ تاکہ آخرت کے عذاب سے نجات و رہائی کی صورت نظر آئے۔ اور جب عقیدے اور عمل کو درست کرے گا۔ تو صوفیاء کے طریقہ کی نوبت پہنچے گی۔ اور ولایت کے کمالات کا امیدوار ہوگا۔ اور ضروریات دین کے مقابل امامت کی بحث تو ایسی ہے۔ جیسے کوئی راستے میں پھینکی ہوئی چیز۔

مختصر یہ کہ جب مخالفوں نے اس باب میں غلو کیا ہے۔ اور اصحاب خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق طعنہ زنی کی ہے۔ تو ضرورت کے مطابق ان کے رد میں لمبے چوڑے مقدمات ضرور لکھنے چاہئیں۔ کہ دین متین سے فساد کے لزوم کو رفع کرنا ضروریات دین میں سے ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۶۱

(مولانا احمد برکی کی تعزیت اور دوستوں کو نصیحت اور مولانا حسن کو اس حلقہ کا سردار مقرر کرنے اور اسکے

مناسبات کے متعلق صادر فرمایا۔)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض ہے۔ اور مغفرت پناہ مولانا احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت کرتے ہوئے لکھتا ہوں۔ کہ مولانا کا وجود شریف اس وقت مسلمانوں کے لئے خداوند تعالےٰ کی آیات میں سے ایک نشان تھا۔ اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھی۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ۔ اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کر۔ اور اس کے بعد فتنہ میں نہ ڈال۔

دار فانی سے گزر جانے والوں کو دوستوں اور یاروں سے امداد اور اعانت کی امید اور خواہش ہوتی ہے۔ اور مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت اور دلجوئی دوستوں اور محبت کرنے والوں پر لازم ہے۔ کوشش کریں۔ کہ مرحوم کے فرزند پڑھیں۔ اور علوم شرعی سے آراستہ ہوں۔ مرحوم کے احسانات کا بدلہ اس کے فرزندوں سے احسان کرنا ہے۔ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ (احسان کا بدلہ احسان ہے۔) اور مرحوم کے اوضاع و اطوار کی رعایت ملحوظ رکھیں۔ اور ان کے احوال و اوقات کی رعایت کریں۔ اور ذکر کے طریقہ اور مشغولی کے حلقہ میں قصور واقع نہ ہونا چاہئے۔ تمام دوست مل کر بیٹھیں۔ اور ایک دوسرے میں فانی ہوں۔ تاکہ صحبت کا اثر ظاہر ہو۔

اس فقیر نے اس سے پہلے محض اتفاقیہ طور پر لکھا تھا۔ کہ اگر مولانا سفر پر روانہ ہوں۔ تو اپنی جگہ شیخ حسن کو مقرر کر جائیں۔ تقدیر میں یہ سفر مراد تھا۔ اب جب کہ ہم دوبارہ ملاحظہ کرتے ہیں۔ تو شیخ حسن ہی کو اس کام کے لئے متعین پاتے ہیں۔ یہ بات بعض دوستوں کو ناگوار نہ گزرے۔ کہ یہ معاملہ ہمارے اور ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ فرمانبرداری لازمی ہے۔ شیخ حسن کا طریقہ مولانا کے طریقہ سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ پھر آخری بات یہ بھی ہے۔ کہ مولانا نے آخر میں جو نسبت اس جگہ سے حاصل کی ہے۔ شیخ حسن کو بھی اس نسبت میں شرکت ہے۔ اور دوسرے دوستوں کو اس سے بہت کم حصہ ملا ہے۔ ہر چند کہ وہ کشف و شہود پیدا کریں۔ اور توحید و اتحاد سے آراستہ ہوں۔ لیکن پھر بھی یہ دولت دوسری ہے۔ اور یہ کاروبار علیحدہ ہے۔ اور ان کشوف کی اس جگہ ایک جو کی قیمت بھی نہیں ہے۔ اور اس توحید و اتحاد سے استغفار کرتے ہیں۔

قصہ مختصر چاہیئے۔ کہ دوست شیخ حسن کو سردار مقرر کرنے میں توقف نہ کریں۔ اور ان کو اپنے حلقہ کا سردار سمجھیں اور اپنے کام میں مشغول ہو جائیں۔ میرے بھائی خواجہ ویس اس معنی کو دوستوں کے ذہن نشین کرائیں۔ اور مشغولی کے حلقہ کی دلالت کریں۔ اور شیخ حسن کو ترغیب فرمائیں۔ اور شیخ حسن کو بھی چاہیئے۔ کہ وہ بزرگوں کی دلجوئی کریں۔ اور اخوت اسلامی کے حقوق بجا لائیں۔ اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ چھوڑیں۔ اور شریعت کے احکام کی اشاعت کریں۔ اور سنت

سنیہ کی پیروی کی ترغیب دیں۔ اور بدعات سے ڈرائیں۔ اور عاجزی اور زاری کے طریق کو نہ چھوڑیں۔ ایسا نہ ہو کہ نفس امارہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں پر تقدم وریاست کی وجہ سے ہلاکت میں ڈال دے۔ اور تباہ و برباد کردے۔ ہر وقت اپنے آپ کو ناقص اور نا مکمل سمجھیں۔ اور اپنے کمال کے طالب رہیں۔ نفس اور شیطان دو طاقتور دشمن گھات میں بیٹھے ہیں۔ ایسا نہ ہو۔ کہ وہ راہ سے بھٹکا دیں۔ اور خائب و خاسر بنا ڈالیں۔ ۔

ہمہ اندرز من بہ تو ایں است[۱] کہ تو طفلی او خانہ رنگین است

ہندوستان آپ سے دور ہے۔ اور سال بھر میں ایک قافلہ آتا ہے۔ اور خبر لاتا اور لے جاتا ہے۔ اپنے حالات لکھتے رہیں۔ اگر ہم تک نہ بھی پہنچ سکیں۔ تو بھی لکھنے میں غفلت نہ کریں۔ میاں شیخ یوسف ہم سے قریب ہیں۔ وہ کافی مدت تک یہاں رہے ہیں۔ اور انہوں نے بہت سے فائدے حاصل کئے ہیں۔ اور فنا کی حقیقت سے مطلع ہو چکے ہیں۔ وہ واپس آنے کے وعدے پر گھر گئے تھے۔ وہ ایک مستعد اور مخلص آدمی ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالےٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

چونکہ آپ دور ہیں۔ لہذا نصیحتوں میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ ہوشیار رہنا اور سرداری کو اپنی جان کے لئے مصیبت سمجھنا۔ اور ترساں ولرزاں رہنا ایسا نہ ہو۔ کہ اس ریاست میں لذت پیدا ہو جائے۔ اور ہمیشہ کی ہلاکت تک پہنچا دے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ۔ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور اپنے کام میں ہماری زیادتیوں کو بخش دے۔ اور ہمارے قدم ثابت رکھ۔ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد عطا فرما۔ تیرا رب جو عزت کا رب ہے مشرکوں کی بکواس سے پاک ہے۔ اور سلام ہو پیغمبروں پر اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ جو تمام جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے

مکتوب نمبر ۶۲

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ اور بنی نوع کے ساتھ مل کر رہنے اور زندگی گذارنے کے لئے محتاج ہے۔ اور انسان کی خوبی اسی احتیاج میں ہے۔ اور اس کے مناسبات کے متعلق)

---

[۱] میری تجھے تمام نصیحتیں یہی ہیں۔ کہ تو ایک بچہ ہے۔ اور مکان بڑا رنگین ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

حق سبحانہ وتعالےٰ سے آپ کی ظاہری اور باطنی ترقیات کا سوال کرتا ہوں۔ کہ آپ کی درستی اور خیریت مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کی دلجمعی اور آرام کی متضمن ہے۔ آپ کے لئے دعا گویا ان سب کے لئے دعا ہے اللہ سبحانہ وتعالےٰ آپ کو بحرمت سید المرسلین علیہ وعلی آل کل من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا تمام ایسی چیزوں سے محفوظ رکھے۔ جو آپ کی جناب کے لائق نہ ہوں۔

چونکہ میں آپ کی سلسلہ علیہ نقشبندیہ کے اکابرین قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم سے بہت ہی محبت وارادت واخلاص کی نسبت کو جانتا ہوں۔ لہذا آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔

میرے مخدوم مکرم! اس سلسلہ علیہ والے اس ملک میں مسافروں کی طرح ہیں۔ اور اس علاقہ کے لوگوں کو بدعات کی کثرت کی وجہ سے اس طریقہ کے اکابرین سے جو کہ سنت کا التزام رکھتے ہیں۔ بہت ہی تھوڑی مناسبت ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس سلسلہ کے بعض آدمی اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے اس طریقہ علیہ میں بھی بدعات اختیار کرنے لگے ہیں اور بدعت کے اختیار کرنے کی وجہ سے اس علاقہ کے آدمیوں کے دل، اپنی جانب مائل کرنے لگے ہیں۔ اور اس کام کو اپنے فاسد خیال کی بنا پر اس طریقہ علیہ کی تکمیل سمجھتے ہیں۔ پناہ بخدا۔ بلکہ اس جماعت نے اس طریقہ علیہ کو ضائع کرنے اور بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ اس طریقہ کے اکابرین کے معاملہ کی حقیقت تک نہیں پہنچے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالےٰ انہیں سیدھے راستے کی راہنمائی کرے۔

چوں کہ اس سلسلہ علیہ والے اس ملک میں بہت تھوڑے لوگ ہیں۔ لہذا اس سلسلہ میں محبت رکھنے والوں اور مریدوں پر لازم ہے۔ کہ ان اکابرین کے خلفاء۔ اور مریدین کی امداد واعانت کریں۔ کیونکہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ وہ اپنے بنی نوع کے ساتھ زندگی گذارنے کا محتاج ہے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا ہے: یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ[۱] (اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے۔ اور جو ایمانداروں میں سے آپ کے تابع ہیں) جب کہ خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی مہمات میں بھی ایمانداروں کو داخل فرمایا ہے۔ تو دوسروں کے لئے کیا مضائقہ ہے۔

اکثر دولتمند لوگ اس وقت درویشی کے لئے محتاجی کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ انسان اپنی ذات میں محتاج ہے۔ بلکہ تمام کائنات فطرتاً محتاج ہے۔ بلکہ انسان کی خوبی ہی اسی محتاجی میں ہے۔ اور اس کی بندگی اور مسکینی اسی راہ سے پیدا ہوتی ہے۔ فرض کرو۔ اگر محتاجی انسان سے زائل ہو جائے۔ اور استغنا آجائے تو سوائے گناہ

---

[۱] سورہ انفال پارہ ۱۰۔

اور سرکشی اور طغیانی اور نافرمانی کے اور کیا چیز اس کو حاصل ہو گی۔ اللہ سبحانہ وتعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى۔ (انسان جب اپنے آپ کو غنی دیکھتا ہے۔ تو سرکشی کرتا ہے۔)

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ فقر اء ماسوی کی گرفتاری سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور وہ محتاجی جو اسباب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کو مسبب الاسباب کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اور اگر دولت وسیع ہو جائے۔ تو اسے اللہ تعالےٰ کے خوانِ نعمت سے سمجھتے ہیں۔ اور دینے والا اور روک لینے والا حقیقت میں اسی سبحانہ وتعالےٰ کو سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ اسباب کو حکمتوں اور مصلحتوں کا واسطہ بنا دیا گیا ہے اور خوبی اور برائی کو اسباب کیطرف منسوب کیا گیا۔ تو یہ بزرگ وار بھی شکر اور شکایت کو اسباب کی طرف راجع سمجھتے ہیں۔ اور نیک وبد کو بظاہر انہی اسباب سے جانتے ہیں۔ کیونکہ اگر اسباب کا دخل نہ سمجھا جائے۔ تو اس کارخانہ عظیم کا ابطال لازم آتا ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ (اے اللہ تو نے اس کو بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔

سیادت پناہ۔ حقائق ومعارف آگاہ میرے بھائی اور میرے عزیز میر محمد نعمان کا وجود شریف آپ کے علاقہ میں بہت غنیمت ہے۔ اور ان کی دعا اور توجہ کبریت احمر ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ آپ کی دولت کی پختگی اور پائیداری انہی کی توجہات کے فیوض وبرکات سے ہے۔ اور میں غائب اور حاضر میں۔ ان کو آپ کا ممد ومعاون پاتا ہوں۔ ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ کہ انہوں نے آپ کی خوبیاں غائبانہ طور پر اس فقیر کو لکھ بھیجی تھیں۔ اور جو آپ کو اس فقیر کی نسبت محبت اور اخلاص ہے۔ وہ بھی درج کیا تھا۔ اور اظہار کیا تھا۔ کہ اس علاقہ کی صوبہ داری کسی اور کو سپرد کر رہے ہیں۔ یہ وقت توجہ اور دستگیری کا ہے۔ فقیر کو اس خط کے مطالعہ کے دوران میں اس کے متعلق توجہ حاصل ہوئی۔ تو اس وقت آپ کا بہت بلند مرتبہ دیکھا۔ اور ظاہر طور پر اسی وقت میں ایک شخص جا رہا تھا۔ تو اس خط کے متعلق میں نے یہ عبارت لکھی تھی۔ کہ مجھے "خانخاناں بہت بلند مرتبہ نظر آتے ہیں۔ اور معاملہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔" والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۳

نور محمد انبالی کی طرف صادر فرمایا۔

۱؎ سورۃ اقرا سپارہ ۱۲۔

(ان کے اس استفسار کے جواب میں جو انہوں نے پوچھا تھا۔ کہ پیر کی زندگی میں اگر کوئی طالب کسی اور شیخ کے پاس چلا جائے۔ اور اس سے حق جل و علا کی طلب کرے۔ تو یہ جائز ہے۔ یا نہیں؟)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

حمد اور صلوۃ اور دعا گوئی کے بعد عرض ہے۔ کہ جو مکتوب آپ نے ارسال کیا تھا آپ نے پوچھا تھا۔ کہ پیر کی زندگی کے باوجود اگر کوئی طالب کسی اور شیخ کے پاس چلا جائے۔ اور اس سے خداوند تعالےٰ کی طلب کرے۔ تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مقصود حق سبحانہ وتعالےٰ ہے۔ اور پیر حق تعالےٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔ اگر کوئی طالب اپنی بھلائی دوسرے شیخ کے پاس دیکھے۔ اور اپنے دل کو اس کی صحبت میں حق سبحانہ وتعالےٰ سے جمع پائے۔ تو جائز ہے۔ کہ پیر کی زندگی میں پیر کی اجازت کے بغیر اس شیخ کے پاس چلا جائے۔ اور اس سے بھلائی طلب کرے۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ پہلے پیر سے انکار نہ کرے۔ اور اس کو نیکی سے یاد کرے۔

خصوصاً اس وقت میں کہ پیری اور مریدی اب رسم اور عادت کے سوا اور کچھ نہیں رہی ہے۔ اس وقت کہ اکثر پیر اپنے آپ کی خبر نہیں رکھتے۔ اور ایمان اور کفر میں کوئی امتیاز نہیں کر سکتے۔ وہ خداوند تعالےٰ سے کیا خبر دے سکیں گے۔ اور مرید کو کونسی راہ دکھائیں گے۔ ؎

لہ آگاہ از خویشتن چوں نیست جنین کے خبر دارد از چناں چنین

اس مرید پر افسوس ہے۔ جو ایسے پیر پر اعتماد کر کے بیٹھ جائے۔ اور دوسرے پیر کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور خدا جل شانہ کی راہ معلوم نہ کرے۔ شیطانی وسوسے ہیں۔ جو کہ پیر ناقص کی زندگی کے ذریعہ آتے ہیں۔ کہ وہ طالب کو خداوند تعالےٰ کی طرف سے روک دیں۔ جس جگہ بھی بھلائی اور جمعیت خاطر حاصل ہو۔ بے تامل اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور شیطانی وساوس سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۴

محمد مومن ولد مرحوم خواجہ علی خاں کی طرف صادر فرمایا۔

لہ ماں کے پیٹ کا بچہ جب اپنی خبر بھی نہیں رکھتا۔ تو وہ اور کسی کی کیا خبر رکھے گا۔ ۱۲

(اس مضمون میں کہ حالات کی تبدیلی اور کمینی دنیا کی امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے تنگ دل نہیں ہونا چاہیئے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر اس چیز سے محفوظ رکھے۔ جو آپ کے حال کے لائق نہ ہو۔ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ (دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے۔) اور قیدیوں کے حال کے مناسب یہاں درد و الم اور اندوہ اور مصیبت ہے۔ حالات کی تبدیلی سے تنگ دل نہ ہونا چاہیئے۔ اور امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے دلگیر نہ ہونا چاہیئے۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ (ایک تنگی کے ساتھ دو فراخیاں ملا دی گئی ہیں۔ شائد ان سے دنیا اور آخرت کی فراخی مراد ہو۔ ؎

با کریماں کارہا دشوار نیست

باقی اس علاقہ کے حالات سیادت مآب توفیق آثار میرے بھائی میر سید عبدالباقی زبانی بیان کر دیں گے۔ وہ آپ کے حقوق اور شفقتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کی ملاقات کی طرف متوجہ ہوں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۵

مولانا محمد ہاشم خادم کی جانب صادر فرمایا

اس بیان میں کہ بے فائدہ امور سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

حمد و صلوۃ اور دعاگوئی کے بعد عرض ہے۔ کہ اس مدت میں آپ نے اپنے باطنی احوال کی کوئی معتدبہ خبر نہیں لکھی۔ کہ وہ خوشی کا باعث ہوتی۔ دنیا کے امور بے فائدہ ہیں۔ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں اتنی قیمت نہیں رکھتیں کہ احوال آخرت کو یاد کرنا چھوڑ دیا جائے۔ اور آدمی لغویات میں مشغول ہو جائے۔ ہر چند کہ آپ کی نیت ٹھیک

۱؎ شرح السنہ بروایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲

۲؎ سورہ الم نشرح پارہ عم ۱۲

۳؎ سخی لوگوں پر کوئی کام مشکل نہیں ہوتا۔ ۱۲

ہوگی۔ لیکن حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کی برائیوں کی طرح ہیں) آپ نے سنا ہوگا۔

بہر حال احوال باطن کی طرف متوجہ ہوں۔ اور دنیا کے ضروری کام بھی پورے کریں۔ اور ضرورت کا اندازہ تو ضرورت کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰے کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ کہ اس جگہ کے فقراء اگرچہ مقرر روزینہ نہیں رکھتے لیکن بے محنت و کوشش اتنا آجاتا ہے۔ کہ فراخی سے وقت گزر رہا ہے۔ اور بقدر کفایت سے زیادہ پہنچ جاتا ہے۔ نیا دن اور نئی روزی پر ہماری گزر ہے۔ باقی اس علاقہ کے دوسرے حالات قابل تعریف ہیں۔ ان چند مہینوں میں وبا پھوٹ پڑی تھی۔ جس کی موت کا وقت آچکا تھا۔ وہ فوت ہوگیا۔ اور اب وبا دور ہو گئی ہے۔ اللہ تعالٰی کی تمام نعمتوں پر اس کی حمد اور تعریف ہے۔ اور اسی کا احسان ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۶

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا۔

(توبہ و انابت اور تقویٰ و پرہیزگاری اور اسکے متعلقات کے بیان میں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

چونکہ عمر عزیز گناہوں۔ لغزشوں اور تقصیرات اور بیہودگیوں میں گذاری ہے۔ لہذا چاہتا ہوں۔ کہ توبہ اور انابت کی بات کروں۔ اور پرہیزگاری اور تقویٰ کی طرف توجہ کروں۔ اللہ تبارک و تعالٰے فرماتا ہے۔

سلہ وَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ — اے ایماندارو سب اللہ تعالٰے کی طرف توبہ کرو۔ تاکہ تم نجات پاؤ۔

اور اللہ تعالٰے نے فرمایا۔

سلہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ — اے ایماندارو اللہ تعالٰے کی طرف خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے۔ اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے۔ جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں

اور اللہ تعالٰے نے فرمایا۔

سلہ سورۃ نور پارہ قد افلح ۱۲۔ سلہ سورۃ تحریم قد سمع اللہ ۱۲

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ۔ ظاہری اور باطنی سب گناہ چھوڑ دو۔

توگناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص کے لئے فرض عین اور ضروری ہے۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ کوئی انسان اس سے بے نیاز ہو۔ کیسے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ حالانکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات بھی توبہ سے بے نیاز نہ ہوئے۔ خاتم النبیین اور پیغمبروں کے سردار علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات نے فرمایا۔ ”میرے[۲] دل پر کچھ غبار سا آجاتا ہے اور میں دن رات میں اپنے اللہ سے ستر مرتبہ بخشش مانگتا ہوں“۔

پھر اگر گناہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ کے حقوق سے متعلق ہوں۔ اور بندوں کے حقوق اور مظالم سے تعلق نہ رکھتے ہوں جیسے زنا کرنا۔ شراب پینا۔ راگ سننا اور غیر محرم کی طرف دیکھنا اور قرآن مجید کو بغیر وضوء کے چھونا یا بدعت کا عقیدہ رکھنا تو ان کی توبہ یہ ہے۔ کہ گناہوں پر ندامت اور حسرت وافسوس ہو۔ اور اللہ تعالےٰ کی جناب میں معافی کی درخواست کرے۔ اور اگر اس نے فرائض چھوڑے ہوں۔ تو ان کا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

اور اگر گناہ لوگوں کے مظالم اور حقوق سے تعلق رکھتے ہوں۔ تو ان کی توبہ اس طرح ہے۔ کہ وہ حقوق ادا کرے اور انسے معافی لے۔ اور ان سے اچھا سلوک کرے۔ اور ان کے لئے دعا مانگے۔ اور اگر صاحب حق فوت ہو چکا ہو۔ تو اس کے لئے استغفار کرے۔ نیکی کر کے اسے بخشے۔ اور مال اس کی اولاد اور وارثوں کے سپرد کرے۔ اور اگر اس کے وارث معلوم نہ ہوں۔ تو گناہ اور مال کے اندازے کے مطابق صاحب مال کی نیت سے یا جسے بغیر حق کے تکلیف دی ہے۔ فقیروں اور مسکینوں پر مال صدقہ کرے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ کہتے تھے۔ اور وہ سچے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۳]۔ جو آدمی کوئی گناہ کرے۔ پھر کھڑا ہو اور وضوء کرے۔ اور نماز پڑھے۔ اور اللہ تعالےٰ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگے۔ تو اللہ تعالےٰ پر حق ہے۔ کہ اس کو معاف کر دے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے فرمایا ہے۔ ”اور جو آدمی[۴] کوئی برائی کرے۔ یا اپنی جان پر ظلم کرے۔ پھر اللہ تعالےٰ سے بخشش مانگے۔ تو اللہ تعالےٰ کو غفور رحیم پائے گا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے۔ ”جو آدمی[۵] کوئی گناہ کرے۔ پھر اس پر اسکو ندامت

---

[۱] سورہ انعام پارہ ۸ ۱۲۔

[۲] مسلم شریف ۱۲

[۳] سنن اربعہ۔ اور ابن حبان اور ابن السنی

[۴] سورہ نساء پارہ والمحصنات ۱۲۔ [۵] احمد طبرانی۔ بیہقی بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ ۱۲

ہو تو وہ ندامت اس گناہ کا کفارہ ہے"۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ "جب بندہ کہتا ہے"۔ میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں[۱] اور تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں"۔ پھر گناہ کرتا ہے۔ اور پھر اسی طرح کہتا ہے۔ پھر تیسری مرتبہ گناہ کرتا ہے۔ اور معذرت کرتا ہے۔ پھر چوتھی مرتبہ بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ تو اس وقت اس کا یہ قول کبیرہ گناہوں میں لکھا جاتا ہے۔

اور حدیث نبوی میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسوف لوگ ہلاک ہو گئے۔ جو کہتے ہیں۔ کہ عنقریب توبہ کر لیں گے۔

اور لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔ اے بیٹا توبہ کو کل پر موخر نہ کر دینا۔ کیونکہ موت ناگہانی طور پر آجاتی ہے۔

اور مجاہد نے کہا۔ جو آدمی صبح و شام توبہ نہ کرے۔ وہ ظالمین میں سے ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ حرام کا ایک پیسہ واپس کرنا حلال کے سو پیسے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

اور کہا گیا ہے۔ کہ چاندی کی ایک دمڑی واپس کرنا اللہ تعالے کے نزدیک چھ سو حج مقبول سے زیادہ افضل ہے۔

اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہمیں نہ بخشے گا۔ اور ہم پر رحم نہ کرے گا۔ تو ہم خسارہ اٹھانے والوں سے ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ میرے بندے تو میرے فرائض ادا کر۔ تو سب سے زیادہ عبادت گذار ہوگا۔ اور میرے نواہی سے باز آجا۔ تو سب سے زیادہ پرہیزگار رہوگا۔ اور تو میرے دیئے ہوئے رزق پر صبر کر۔ تو سب سے زیادہ غنی ہوگا۔

اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا۔ تو پرہیزگار بن جا۔ تو سب سے زیادہ عبادت گذار ہوگا۔

اور حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا۔ پرہیزگاری کا ایک ذرہ نماز روزے کے ہزار مثقال سے زیادہ بہتر ہے۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کل کو اللہ تعالے کے ہمنشین پرہیزگار اور زاہد لوگ ہوں گے۔

اللہ تعالے نے موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی فرمائی۔ کہ پرہیزگاروں کو جتنا میرا قرب حاصل ہوگا

ف۱ دیلمی شریف بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

ف۲ یہ حدیث دیلمی کے مسند الفردوس، امام بخاری کی تاریخ میں ہے۔ اور خطیب بغدادی نے بھی اسے روایت کیا ہے ۱۲

اتنا کسی کو نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے جاننے والوں میں سے بعض نے کہا ہے۔ جب تک آدمی اپنے اوپر دس چیزوں کو فرض نہ کرے اس کی پرہیزگاری پوری نہیں ہوتی۔ پہلی یہ کہ اپنی زبان کو غیبت سے بچائے۔ دوسری یہ کہ برے گمان سے پرہیز کرے۔ تیسری یہ کہ ٹھٹھے اور مذاق سے بچے۔ چوتھی یہ کہ حرام چیزوں سے اپنی نگاہ بند رکھے۔ پانچویں یہ کہ سچ بولے۔ چھٹی یہ کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات سمجھے۔ تاکہ وہ مغرور نہ ہو جائے۔ ساتویں یہ کہ اپنے مال کو حق میں خرچ کرے۔ باطل میں خرچ نہ کرے۔ آٹھویں یہ کہ اپنے لئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے۔ اور نویں یہ کہ نمازوں کی حفاظت کرے۔ اور دسویں یہ کہ سنت اور جماعت پر استقامت رکھے۔

اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

میرے مخدوم مکرم اور شفقت و مکرمت آثار اگر تمام گناہوں سے توبہ میسر ہو۔ اور تمام حرام اور مشتبہ چیزوں سے پرہیزگاری نصیب ہو جائے۔ تو یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اور انتہا درجے کی دولت ہے۔ ورنہ بعض گناہوں سے توبہ اور بعض محرمات سے پرہیز بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کے انوار و برکات دوسرے بعض میں بھی سرایت کریں۔ اور تمام گناہوں سے توبہ اور پرہیز کی توفیق نصیب ہو جائے۔ جو چیز ساری نہ مل سکے۔ وہ ساری نہ چھوڑنی چاہیئے۔

اے اللہ ہمیں بحرمت سید المرسلین وقائد غر المحجلین علیہ وعلیہم وعلی آل کل من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ اور اپنی رضامندی کے کاموں کی توفیق عطا فرما۔

مکتوب نمبر ۶۷

خانجہاں کی طرف صادر فرمایا۔

(اہل سنت وجماعت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عقائد اور ارکان خمسۂ اسلام اور کلمۂ حق کہنے کی ترغیب یعنی سلطان وقت کے سامنے اسلام پیش کرنے اور ان کے مناسبات کے بیان میں۔)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰی۔

گرامی نامہ جو از روئے کرم و التفات فقیران نامراد کے نام روانہ فرمایا پہنچا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف ہے۔ کہ ایسے پرشبہ واشتباہ وقت میں اغنیائے سعادتمند کو اپنی اچھی فطرت کی وجہ سے بے مناسبتی کے باوجود فقیران دوراں

کار سے نیاز مندی کا خیال ہے۔ اور اس جماعت کے ساتھ ایمان حاصل ہے۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ کہ مختلف تعلقات اس دولت کے حاصل کرنے میں رکاوٹ نہیں بنے۔ اور پراگندہ توجہات نے ان کی محبت سے باز نہیں رکھا۔ اس بہت بڑی نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ اور امید رکھنی چاہیے۔ کہ "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ کہ جس سے اس کی محبت ہوگی"۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

اے نجابت و سعادت آثار! سب سے پہلے آدمی کو فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی رائے کے مطابق جو کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت ہے کے عقیدے کا درست کرنا لازمی ہے۔ تاکہ آخروی نجات و کامیابی متصور ہو سکے۔ اور بد اعتقادی جو اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ سم قاتل ہے۔ جو ابدی موت اور دائمی عذاب تک پہنچاتی ہے۔ اور اگر عمل میں کچھ کوتاہی اور سستی ہو تو اس کی بخشش کی امید ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر عقیدہ میں سستی ہو تو اس کی معافی کی امید نہیں ہے۔ "اللہ تعالےٰ و تبارک شرک کو معاف نہیں کریں گے۔ اور اسکے علاوہ جو گناہ ہیں۔ وہ جسے چاہیں۔ معاف کر دیں۔" (سورہ نساء)

اہل سنت و جماعت کے عقائد کو مختصر طور پر لکھا جاتا ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق اپنے عقیدہ کی تصحیح کریں اور اس دولت پر اللہ سبحانہ و تعالےٰ سے عاجزی اور زاری سے استقامت کی دعا کریں

جان لیں کہ اللہ تعالےٰ اپنی قدیم ذات کے ساتھ موجود ہے۔ اور تمام اشیاء اس کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے پیدا کرنے سے عدم سے وجود میں آئی ہیں۔ پس اللہ تعالےٰ قدیم و ازلی ہیں۔ اور باقی تمام اشیاء حادث اور نئی پیدا شدہ ہیں۔ اور جو قدیم و ازلی ہے۔ وہ باقی اور ابدی ہے۔ اور جو حادث اور نیا پیدا شدہ ہے۔ وہ فانی اور ہلاک ہونے والا ہے۔ یعنی وہ زوال کے میدان میں ہے۔

اور اللہ سبحانہ و تعالےٰ اکیلا ہے۔ ان کا کوئی شریک نہیں۔ نہ وجوب وجود میں۔ اور نہ عبادت کے مستحق ہونے میں۔ وجوب وجود (لازمی طور پر قائم رہنا) اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کے لئے لائق نہیں اور عبادت کا استحقاق اس کے سوا کسی کے لئے درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ صفات کاملہ رکھتا ہے۔ جن میں سے حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر کلام اور تکوین بھی ہیں۔ یہ صفات ازلی اور قدیمی ہیں۔ اور اللہ جل سلطانہ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

حوادث کے ساتھ تعلقات کا ہونا صفات کے قدیم ہونے میں خلل نہیں ڈالتا۔ اور متعلق کا حدوث ان صفات کی ازلیت کے لئے مانع نہیں ہے۔ فلاسفہ نے اپنی بیوقوفی سے اور معتزلہ نے اپنے اندھاپن سے متعلق کے حدوث کو متعلق کے حدوث سے وابستہ کر دیا ہے۔ اور وہ صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کو جزئیات کا جاننے والا نہیں

---

۱ بخاری و مسلم شریف ۱۲

سمجھتے۔ کہ وہ تغیر کو مستلزم ہے۔ جو کہ حدوث کی علامت ہے۔ ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ صفات ازلی ہوتی ہیں۔ اور متعلقات حادثہ کے ساتھ صفات کا تعلق حادث ہوتا ہے

اور نقائص کی صفات خدا تعالےٰ کی جناب سے مسلوب ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ جواہر و اجسام و اعراض کے لوازمات وصفات سے پاک ہے۔ زمان و مکان اور جہت کو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ سب اس کی مخلوق ہیں۔ وہ آدمی بے خبر ہے۔ جو اللہ سبحانہ وتعالےٰ کو عرش کے اوپر کہتا ہے۔ اور اس کے لئے فوق کی جہت تجویز کرتا ہے۔ عرش اور اس کے علاوہ اور بھی تمام چیزیں سب حادث ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہیں۔ مخلوق اور حادث کی کیا مجال ہے۔ کہ وہ خالق قدیم کا امکان ٹھہرے۔ اور اس کی قرار گاہ بنے۔

ہاں اتنا ضرور ہے۔ کہ عرش خدا تعالےٰ کی سب سے اشرف مخلوق ہے۔ اور اس میں نورانیت اور صفائی تمام ممکن سے زیادہ ہے۔ وہ لازمی طور پر آئینہ کا حکم رکھتا ہے۔ کہ خالق جل و علا کی عظمت اور کبریائی کا ظہور اس جگہ ظاہر ہوتا ہے۔ اسی ظہور کے تعلق کی وجہ سے اسے اللہ تعالےٰ کا عرش کہتے ہیں۔ ورنہ عرش اور دوسری چیزیں اللہ تعالےٰ کے ساتھ برابر کی نسبت رکھتی ہیں۔ کہ سب اس کی مخلوق ہیں۔ ہاں عرش میں نمائندگی کی قابلیت موجود ہے۔ جو دوسروں میں نہیں ہے آئینہ جو آدمی کی شکل دکھاتا ہے۔ اس کے متعلق یہ نہیں کیا جاسکتا۔ کہ وہ شخص آئینہ میں ہے۔ بلکہ اس آدمی اور دوسری تمام سامنے آنے والی چیزوں کی آئینہ سے نسبت برابر ہے۔ فرق ہے تو صرف قبول کرنے والے کی طرف سے ہے آئینہ کسی چیز کی صورت دکھا سکتا ہے۔ اور دوسری چیزوں میں یہ قابلیت نہیں ہے۔

اور اللہ تعالےٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے۔ جوہر اور عرض نہیں ہے۔ محدود اور متناہی نہیں ہے۔ طویل اور عریض نہیں ہے۔ دراز اور کوتاہ نہیں ہے۔ فراخ اور تنگ نہیں ہے۔ بلکہ وہ فراخی والا ہے۔ لیکن وہ وسعت نہیں جو ہمارے فہم میں آئے۔ وہ محیط ہے۔ لیکن وہ احاطہ نہیں۔ جس کا ادراک کیا جاسکے۔ وہ قریب ہے۔ لیکن وہ قرب نہیں۔ جو ہماری سمجھ میں آتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن معیت متعارفہ نہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں۔ کہ وہ فراخی والا ہے۔ احاطہ کرنے والا ہے۔ قریب ہے۔ اور ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن ان صفات کی کیفیات کو ہم نہیں جان سکتے۔ کہ وہ کیسی ہیں۔ اور ہم جو کچھ جانتے ہیں۔ اس کے متعلق جانتے ہیں۔ کہ مجسمہ کے مذہب میں قدم رکھنا ہے۔

اور اللہ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی کوئی اور چیز ان سے متحد ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کسی چیز میں حلول بھی نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کوئی چیز اللہ تعالےٰ میں حلول کرتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے لئے اجزا اور حصص کا ہونا بھی محال ہے۔ اور ترکیب و تحلیل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ممنوع ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل اور کفو نہیں ہے بیوی بچے نہیں ہیں۔ اس کی ذات وصفات بے چون و بے چگون اور بے شبیہ اور بے نمونہ ہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ ہے اور اپنے اسماء وصفات کاملہ سے جن سے اپنے آپ کی تعریف کی ہے۔ ان سے متصف ہے لیکن

ان میں سے جو چیز بھی ہمارے فہم و ادراک میں آئے۔ اور ہم اسے سمجھ سکیں۔ اور تصور کریں۔ کہ وہ اس سے پاک اور بلند ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ ۔ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔) ؎

ل؎ دور بینانِ بارگاہ الست بیش ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

جاننا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔ یعنی صاحب شریعت سے سننے پر موقوف ہیں۔ ہر وہ نام جس کا اطلاق شریعت میں اللہ سبحانہ وتعالےٰ پر ہوا ہے۔ اس کا اطلاق کرنا چاہیئے۔ اور جو نہیں بولا گیا۔ اسے خدا تعالیٰ کے لئے نہ کہنا چاہیئے۔ اگرچہ اس اسم میں کمال کے معنی پائے جائیں۔ مثلاً جواد کا لفظ اللہ تعالےٰ کے لئے کہنا جائز ہے کیونکہ شریعت میں آیا ہے۔ اور سخی کا لفظ نہ کہنا چاہیئے۔ کہ نہیں آیا ہے۔

✓ قرآن مجید اللہ تعالےٰ کا کلام ہے۔ جو کہ حروف اور آواز کے لباس میں آیا ہے۔ اور ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا ہے۔ اور اس کے ذریعہ بندوں کو امر اور نہی کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے کلام نفسی کو اپنے حلق اور زبان کے ذریعہ حروف اور آواز کے لباس میں لاکر ظاہر کرتے ہیں۔ اور اپنے پوشیدہ مقاصد کو ظہور کے میدان میں لاتے ہیں۔ اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کو حلق اور زبان کے وسیلہ کے بغیر اپنی قدرت کاملہ سے حرف اور آواز کا لباس پہنا کر بندوں کے لئے بھیجا ہے۔ اور اپنے مخفی اوامر اور نواہی کو حروف اور آواز کے ضمن میں لاکر منصۂ ظہور پر جلوہ گر فرمایا ہے۔ پس دونوں قسم کے کلام اللہ تعالیٰ ہی کے کلام ہیں نفسی اور لفظی بھی اور کلام کا اطلاق ان دونوں قسموں پر بطریق حقیقت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے دونوں طرح کے کلام نفسی اور لفظی بطریق حقیقت ہمارے ہی کلام ہیں۔ اس طرح نہیں۔ کہ پہلی قسم حقیقت ہے۔ اور دوسری قسم مجاز۔ اس لئے کہ مجاز کی نفی جائز ہے۔ اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اسے خدا کا کلام نہ کہنا کفر ہے۔

اور اسی طرح وہ کتابیں اور صحیفے جو پہلے انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات پر نازل فرمائے تھے۔ وہ سب خدا تعالےٰ کا کلام ہیں۔ اور جو کچھ قرآن اور ان کتابوں اور صحیفوں میں درج ہے۔ وہ خدا تعالےٰ ہی کے احکام ہیں کہ اپنے وقت کے مطابق بندوں کو ان کے ادا کرنے کی تکلیف دی ہے۔

اور مومنوں کا خدا تعالےٰ کو بہشت میں بے جہت اور بے مقابلہ اور بے کیف اور بے احاطہ دیکھنا برحق ہے۔ ہم آخرت کی رویت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ اس کی رویت بے چون ہے۔ اور اس دنیا میں اس کی حقیقت "ارباب چون" پر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اور ایمان کے بغیر ان کو خدا تعالےٰ کا دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ افسوس ہے۔ فلاسفہ اور معتزلہ اور دوسرے تمام بدعتی فرقوں پر کہ وہ اپنی محرومی اور اندھاپن

ل؎ بارگاہ الست کے دوربین بھی صرف اتنا ہی جان سکے ہیں "کہ وہ ہے"۔ ۱۲

سے اُخروی رویت کا انکار کرتے ہیں۔ اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتے ہیں۔ اور اس پر بھی ایمان کی دولت سے مشرف نہیں ہوتے۔

اور اللہ تعالےٰ جیسے بندوں کا خالق ہے۔ ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ وہ فعل اچھے ہوں یا برے سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔ لیکن وہ اچھے کاموں سے راضی ہے۔ اور برے کاموں سے خوش نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ دونوں اسی کے ارادہ اور مشیت سے ہیں۔ لیکن جاننا چاہیئے۔ کہ تنہا شر کو سوء ادبی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہیئے۔ خالق الشر (برائی کو پیدا کرنے والا) نہ کہنا چاہیئے۔ بلکہ خالق الخیر والشر (بھلائی اور برائی کو پیدا کرنے والا) کہنا چاہیئے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ کہ حق تعالےٰ کو "ہر چیز کا خالق" تو کہنا درست ہے۔ "اور گندگیوں اور خنزیروں کو پیدا کرنے والا" نہیں کہنا چاہیئے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

معتزلہ جو اپنے اندر بت پرستی کا اثر رکھتے ہیں۔ افعال کا خالق بندہ کو جانتے ہیں۔ اور اچھے اور برے فعل کی نسبت اس کی طرف کرتے ہیں۔ شریعت اور عقل دونوں ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ ہاں علماء حق نے بندہ کی قدرت کو اسکے فعل میں دخل انداز جانا ہے اور بندہ کے لئے کسب کا اثبات کیا ہے۔ اس لئے کہ رعشہ والے کی حرکت اور اختیار والے کی حرکت میں واضح فرق ہے۔ رعشہ والے کی حرکت میں بندے کی قدرت اور کسب کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور اختیاری حرکت میں دخل ہے۔ اور اتنا فرق ہی مواخذہ کا باعث ہوتا ہے۔ اور عذاب و ثواب کا اثبات کرتا ہے۔ اکثر آدمی بندے کی قدرت اور اختیار میں شک رکھتے ہیں۔ اور بندے کو مجبور اور عاجز جانتے ہیں۔ ان لوگوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا ہے۔

بندے میں قدرت اور اختیار کا یہ معنی نہیں ہے۔ کہ جو بندہ چاہے کرے۔ اور جو چاہے نہ کرے۔ یہ تو خود بندگی ہی سے دور ہے۔ بلکہ اختیار کا یہ مطلب ہے۔ کہ جس چیز کی بندہ کو تکلیف دی گئی ہے۔ وہ اسے کر سکتا ہے۔ مثلاً پنج وقت نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ اور بارہ مہینوں میں سے ایک ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے۔ اور اپنی عمر میں سواری اور خرچ کے ہوتے ہوئے حج کر سکتا ہے۔ وعلی ہذا القیاس شریعت کے باقی احکام بھی ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ و تعالےٰ نے اپنی کمال مہربانی سے بندہ کے ضعف اور کمزوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے سہولت اور آسانی کی رعایت رکھی ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔[۱] یعنی اللہ تعالےٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے۔ تمہیں تنگ نہیں کرنا چاہتا۔

---

[۱] سورہ بقر، پارہ ۲-۱۲

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔[1] اللہ تعالےٰ تم سے تکالیف شاقہ کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ کہ وہ شہوات سے صبر نہیں کر سکتا۔ اور نہ تکالیف شاقہ کو برداشت کر سکتا ہے۔

انبیاءؑ علیہم الصلوات والتسلیمات خدا تعالےٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے ہیں۔ تاکہ وہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔ اور گمراہی سے راہ پر لائیں۔ اور جو ان کی دعوت کو قبول کرے۔ اسے بہشت کی خوشخبری دیں۔ اور جو انکار کرے۔ اسے دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں۔ جو کچھ انہوں نے خدا تعالےٰ کی طرف سے بیان کیا ہے۔ اور جسکی تبلیغ کی ہے سب حق ہے۔ اور سچ ہے۔ اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہٖ علیہم اجمعین تمام نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔ اور آپ کا دین پہلے دینوں کا ناسخ ہے۔ اور آپ کی کتاب پہلی کتابوں سے بہت ہی بہتر ہے۔ آپ کی شریعت کو کوئی منسوخ کرنے والا نہ ہوگا۔ بلکہ آپ کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔ اور عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو نزول فرمائیں گے۔ تو آپ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے۔ اور آپ کی امت کی حیثیت سے رہیں گے۔

اور جو کچھ بھی انہوں نے آخرت کے حالات کے متعلق خبریں دی ہیں۔ وہ سب صحیح ہیں۔ عذاب قبر اور اسکی تنگی اور قبر میں منکر و نکیر کے سوال اور دنیا کا فنا ہونا اور آسمانوں کا پھٹنا اور ستاروں کا گرنا اور زمین اور پہاڑوں کا اٹھالیا جانا اور ان کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا اور حشر و نشر اور روح کا جسم میں واپس آنا اور قیامت کا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکیاں اور اعمال کا محاسبہ اور کئے ہوئے اعمال کے متعلق اعضاء کی شہادت اور نیکیوں اور برائیوں کے اعمالناموں کا دائیں اور بائیں اڑنا اور ترازو کا رکھا جانا کہ اس پر نیکیوں اور برائیوں کا وزن کریں۔ اور نیکی اور بدی کی کمی و زیادتی معلوم کریں۔ اگر نیکیوں کا پلڑا بوجھل ہوگا۔ تو یہ نجات کی علامت ہے۔ اور اگر ہلکا ہوگا۔ تو یہ خسارے کا نشان ہے اس ترازو کا ہلکا اور بوجھل ہونا دنیا کے ترازو کے برخلاف ہے۔ وہاں جو پلہ اوپر چلا جائے گا۔ وہ بوجھل ہوگا۔ اور جو نیچے رہے گا وہ ہلکا ہوگا۔

اور انبیاءؑ وصلحاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شفاعت باذن اللہ قیامت کے روز مومنوں کے لیئے ثابت ہے۔ پہلے نبیوں کی اور پھر صلحاء کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ "میری شفاعت میری امت میں سے اہل کبائر کے لئے ہے"۔

اور پل صراط کو دوزخ کی پشت پر رکھیں گے۔ اور مومن اس سے گذر کر بہشت میں چلے جائیں گے۔ اور کافروں

---

[1] سورۃ نساء پارہ ۵ ع ۲

کے پاؤں لڑکھڑا جائیں گے۔ اور دوزخ میں گر پڑیں گے۔ یہ حق اور ثابت ہے۔ اور بہشت جو کہ مومنوں کی نعمتوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اور دوزخ جو کافروں کو سزا دینے کے لئے بنائی گئی ہے۔ دونوں مخلوق ہیں۔ اور ہمیشہ ہمیشہ تک باقی رہیں گی۔ اور کبھی فنا نہ ہوں گی۔

اور حساب [۱۴] و کتاب کے بعد مومن جب بہشت میں چلے جائیں گے۔ تو وہ ہمیشہ بہشت ہی میں رہیں گے۔ اور اس سے کبھی باہر نہ آئیں گے۔ اور اسی طرح کافر جب دوزخ میں چلے جائیں گے۔ تو وہ دوزخ ہی میں رہینگے۔ ان کو ہمیشہ ہمیشہ تک سزا ملتی رہے گی۔ ان کی سزا میں تخفیف جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ "ان سے کبھی عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا۔ اور نہ ہی وہ مہلت دیے جائیں گے"۔ اور جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔ وہ اگر اپنے گناہوں کی زیادتی کے سبب دوزخ میں چلا بھی جائے گا۔ تو اپنے گناہوں کے اندازہ کے مطابق اسے سزا ملے گی اور بالآخر اسے دوزخ سے نکال لیں گے۔ اور اس کے چہرے کو ایمان کی عزت کی وجہ سے سیاہ بھی نہ کریں گے۔ جیسا کہ کفار کے چہروں کو سیاہ کیا جائے گا۔ اور کافروں کی طرح انہیں طوق اور زنجیریں بھی نہیں پہنائی جائیں گی۔

اور فرشتے [۱۵] خداوند تعالے کے مکرم بندے ہیں۔ اور خدا تعالی کے حکم کی نافرمانی ان کے حق میں جائز نہیں انہیں جو حکم دیا جاتا ہے۔ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ وہ عورت اور مرد ہونے سے پاک ہیں۔ اور ان میں توالد و تناسل بھی نہیں ہے ان میں سے بعض کو خدا تعالے نے پیغامبری کے لئے انتخاب کیا ہے۔ اور تبلیغ وحی سے مشرف کیا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی کتابوں اور صحیفوں کے پہنچانے والے ہیں۔ جو کہ خطا اور خلل سے محفوظ اور دشمن کے مکر اور تدبیر سے معصوم ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالے کی طرف سے جو کچھ پیغام دیے ہیں۔ سب سچ اور درست ہے۔ اس میں احتمال اور اشتباہ کا شائبہ تک نہیں۔ اور یہ بزرگوار اللہ تعالی کی عظمت اور جلال سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور اوامر کی تعمیل کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں ہے۔

ایمان دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ہے۔ کہ جو کچھ تواتر اور یقین سے ہم تک پہنچا ہے۔ خواہ اجمالاً خواہ تفصیلاً اس کو سچ مانا جائے۔ اور اس کا اقرار کیا جائے۔ اور اعضاء کے اعمال نفس ایمان سے خارج ہیں۔ ہاں وہ ایمان میں کمال بڑھاتے ہیں۔ اور حسن پیدا کرتے ہیں

امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے۔ کہ ایمان کمی بیشی کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ دل کی تصدیق نفس یقین سے عبارت ہے۔ کہ اس میں زیادتی اور نقصان کی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو فرق کو قبول کرے۔ وہ ظن اور وہم کے دائرہ میں داخل ہے۔ ایمان میں کمال اور نقص طاعات و حسنات کے اعتبار سے ہے۔ جتنی طاعت زیادہ ہوگی۔ اتنا ہی ایمان کا کمال

---

[۱۵] آخر پارہ تلک الرسل۔ ۱۲۰

زیادہ ہوگا۔ پس عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان کی مثل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا ایمان طاعت کے ہونے کی وجہ سے اس کمال کی چوٹی تک پہنچا ہوا ہے۔ کہ عام مومنوں کا ایمان اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا اگرچہ دونوں نفس ایمان میں شرکت رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے ایمان نے طاعت بجالانے کی وجہ سے ایک دوسری حقیقت پیدا کرلی ہے گویا کہ دوسرے لوگوں کا ایمان ان سے ایمان کا فرد نہیں ہے۔ اور ان میں مماثلت و مشارکت مفقود ہے۔

عام انسان اگرچہ نفس انسانیت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک ہیں۔ لیکن دوسرے کمالات نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بہت بلند درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ اور ان کی حقیقت ہی اور ہو چکی ہے۔ کہ وہ حقیقت مشترکہ سے بلند[۱] اور برتر ہیں۔ بلکہ وہی انسان ہیں۔ اور عوام نسناس اپنی مانس کا حکم رکھتے ہیں۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

(میں یقینی طور پر مومن ہوں) اور امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ "میں انشاء اللہ مومن ہوں"۔ ہر ایک کی ایک توجیہ ہے حالیۃ ایمان کے لحاظ سے تو کہا جاسکتا ہے۔ "میں پکا مومن ہوں" اور خاتمے اور انجام کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں"۔ لیکن یہ قول جس توجیہ سے بھی کہا جائے۔ بہرصورت انشاء اللہ کہنے سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔ گناہوں کے ارتکاب سے اگرچہ وہ کبیرے گناہوں سے کوئی مومن ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اور کفر کے

---

[۱] حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بشر مثلکم کی رٹ لگانے والے حضرات غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے حضرت امام ربانی قدس سرہ کے دفتر اوّل مکتوب نمبر ۲۶۶ کی مندرجہ ذیل عبارت تو پڑھتے اور پیش کرتے ہیں۔

"یعنی کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات با عامہ در نفس انسانیت برابر اند و در حقیقت و ذات متحد"۔

لیکن افسوس کہ دفتر دوم کے اس مکتوب کی اس عبارت پر غور نہیں کرتے۔ عوام انسان ہرچند با انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات در نفس انسانیت شریک اند۔ اما کمالات دیگر مر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بدرجات علیہ رسانیدہ است۔ است۔ و حقیقت دیگر ثابت کردہ گویا از حقیقت مشترکہ عالی و برتر اند۔ بلکہ انسان ایشانند۔

یعنی اگرچہ عوام انسان انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ نفس انسانیت میں شریک ہیں۔ لیکن دوسرے کمالات نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو درجات علیا تک پہنچا دیا ہے۔ اور ان کے لئے دوسری حقیقت ثابت کردی ہے۔ گویا یہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حقیقت مشترکہ انسانی سے بلند و برتر ہیں۔ بلکہ انسان ہی صرف یہی ہیں۔

اس عبارت میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ خصوصی کمالات کی بنا پر انبیاء علیہم الصلوت والسلام کی حقیقت عوام کی حقیقت سے الگ ہے۔

یہ تو عام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے متعلق فرمایا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تو امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ آپ کی حقیقت نور ہے۔ آپ اللہ تعالےٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور آپ اس امکان سے پیدا نہیں

باقی بر صفحہ آئندہ

دائرہ میں داخل نہیں ہوتا۔ منقول ہے کہ ایک دن امام اعظم علماء کبار کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک شخص نے آکر پوچھا۔ کہ ایسے مومن فاسق کے حق میں کیا کہتے ہو۔ جو اپنے باپ کو ناحق قتل کرے۔ اور اس کے سر کو تن سے جدا کرے۔ اور اس کے سر کی کھوپڑی میں شراب ڈال کر پیئے۔ اور شراب پینے کے بعد اپنی ماں سے زنا کرے۔ آیا یہ مومن ہے۔ یا کافر سب علماء نے اس کے حق میں غلط کہا۔ اور معاملہ دور دراز تک پہنچا دیا۔ امام اعظم نے اس اثناء میں فرمایا۔ کہ "وہ مومن ہے۔ اور ان کبائر کی وجہ سے ایمان سے باہر نہیں ہوا ہے"۔ امام کا یہ قول علماء پر گراں گزرا اور طعن و تشنیع میں ان کی زبان دراز ہو گئی۔ بالآخر چونکہ امام کی بات برحق تھی۔ سب نے اس کو قبول کیا۔ اور اعتراف فرمایا۔

ہوئے۔ جس سے باقی تمام مخلوقات بنی ہے۔ مکتوب شریف کے ہر سہ دفتر میں سے ایک ہی لفظ ایسا بتایا جائے۔ جو صراحۃً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہو۔ کہ آپ بھی نفس انسانیت میں عامۃ الناس کے ساتھ برابر اور متحد ہیں۔ اس کے برعکس ہم مکتوبات شریف سے متعدد ایسی عبارات دکھاتے ہیں۔ جن میں صراحۃً مذکور ہے۔ کہ آپ کی حقیقت عام انسانوں کی حقیقت سے بالکل الگ ہے۔

اسی بات کو خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے۔

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۴۷ سطر ۲ مصری میں وارد ہے۔ لست کاحد منکم کہ میں تمہارے کسی آدمی کی مانند نہیں ہوں۔

اس حدیث کے ماتحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ای لافی الذات ولافی الصفات۔ یعنی نہ ذات میں۔ نہ صفات میں

(۲) صحیح بخاری جلد اول مطبوعہ مصر ص ۲۴۶ سطر ۳ میں ہے۔ انی لست مثلکم۔ بیشک میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔

(۳) صحیح بخاری جلد اول مطبوعہ مصر ص ۲۴۷ سطر ۲ میں ہے۔ انی الست کھیئتکم میں تمہاری ہیئت اور شکل پر نہیں ہوں۔

(۴) صحیح بخاری جلد اول صفحہ مذکور پر ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو وصال کے روزوں سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔ انی لست کھیئتکم میں تمہاری شکل و ہیئت کی طرح نہیں ہوں۔

(۵) صحیح بخاری جلد اول صفحہ مذکور مطبوعہ مصر پر ہے۔ کہ حضور نے روزہ وصال سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کی۔ آپ تو روزہ وصال رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ ایکم مثلی۔ تم میں میری مثل کون ہو سکتا ہے۔

(۶) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر جلد دوم مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴۰ میں فرماتے ہیں۔

واعلم ان تمام الکلام فی ہذا الباب ان النفس القدسیہ النبویہ مخالفۃ بماھیتہا۔ سائر الناس والنفوس یعنی نفس قدسیہ نبویہ کی حقیقت ماہیت باقی تمام نفوس کی ماہیت سے الگ اور مخالف ہے۔

(۷) تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۹۶ لم مطبوعہ مصر سورہ کہف میں ہے۔ (حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) فنقول جواہر النفس الناطقہ مختلفۃ بالماہیۃ۔ یعنی جواہر نفوس مختلف الماہیۃ ہیں۔

(۸) تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۴۳۹، ۴۴۰ مطبوعہ مصر میں ہے۔
ذکر الحلیمی فی کتاب المنہاج ان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لابد وان یکونوا مخالفین لغیرھم فی القوی الجسمانیۃ والقوی الروحانیۃ

(۹) علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مواہب لدنیہ جلد اول ص۲۴۶ جلد ثالث میں فرماتے ہیں۔ اعلم ان من تمام الایمان بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الایمان بان اللہ تعالیٰ جعل بدنہ الشریف علی وجہ لم یظہر قبلہ ولابعدہ خلق آدمی مثلہ۔ یعنی اس بات کو ذہن میں رکھو۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کمال ایمان یہ ہے۔ کہ بندہ اللہ تعالےٰ پر یہ لائے۔ کہ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدن شریف کو ایسا پیدا فرمایا۔ جس کی مثل نہ کوئی آپ سے پہلے پیدا ہوا۔ اور نہ آپ کے بعد پیدا ہوگا۔

(۱۰) حضرت امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۰۰ مطبوعہ امرتسر ص۵۷ میں فرماتے ہیں۔
باید دانست کہ خلق محمدی در رنگ سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے۔ از افراد عالم مناسبت ندارد کہ او صلی اللہ علیہ وسلم باوجود نشاء عنصری از نور حق جل وعلا مخلوق گشتہ است۔ کما قال علیہ وعلی علیہ الصلوٰۃ والسلام خلقت من نور اللہ و دیگراں را ایں دولت میسر نشدہ است۔
جاننا چاہیئے۔ کہ حضور علیہ السلام کی خلق وپیدائش دوسرے افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ افراد عالم میں سے کسی بھی فرد کے ساتھ آپ کی پیدائش کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ آپ نشاء عنصری کے باوجود حق جل وعلا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا۔ میں اللہ تعالےٰ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں۔ اور دوسرے کسی کو بھی یہ دولت میسر نہیں ہوئی ہے۔ اسی مکتوب میں ان مذکورہ سطور کے بعد پورا صفحہ مطالعہ کے لائق ہے۔
مختصر یہ کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا۔ کہ آپ نفس انسانیت میں عوام انسانوں کے ساتھ برابر و متحد ہیں۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موقف و مسلک کے خلاف ہے۔ احادیث صحیح اور مستند مفسرین کے اقوال بھی اس عقیدے کے بیان میں صریح ہیں۔ اللہ تعالےٰ بدعقیدگی سے بچائے۔ اور ادب و احترام کی توفیق عطا کرے۔

محمد سعید احمد عفرلہٗ

اگر گناہگار مومن سکرات موت سے پہلے توبہ کی توفیق پالے۔ تو نجات کی بہت بڑی امید ہے۔ کہ توبہ قبول کرنے کا وعدہ ہے۔ اور اگر توبہ و انابت سے مشرف نہ ہوا تو اس کا معاملہ خدا تعالےٰ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے۔ اور جنت میں بھیج دے۔ اور اگر چاہے۔ تو گناہ کے مطابق سزا دے۔ آگ سے یا بغیر آگ کے لیکن آخر کار اس کی نجات ہے۔ اور اس کا انجام بہشت ہے۔ کیونکہ آخرت میں خدا تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کافروں کے ساتھ خاص ہے۔ اور جس میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہوگا۔ وہ رحمت کا امیدوار ہے۔ اگر اپنے گناہوں کی وجہ سے ابتدا میں خدا کی رحمت تک نہ پہنچا۔ تو آخر میں اسکو اللہ تعالےٰ کی عنایت سے میسر ہو جائے گی۔ اَے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

امامت اور خلافت کی بحث اگرچہ اہل سنت شکر اللہ سعیہم کے نزدیک اصول دین سے نہیں ہے۔ اور یہ عقیدے سے تعلق نہیں رکھتی۔ لیکن چونکہ شیعہ اس باب میں غلو کرتے ہیں اور افراط و تفریط کرتے ہیں۔ تو اس ضرورت کی بنا پر علماء اہل حق رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے اس بحث کو علم کلام سے ملحق کر دیا ہے۔ اور حقیقت حال سے آگاہ کر دیا ہے۔ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

حضرات شیخین کی افضلیت اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اسکو اکابر ائمہ نے نقل کیا ہے۔ کہ ان میں سے ایک امام شافعی ہیں۔ شیخ ابو الحسن اشعری جو کہ اہل سنت کے سردار ہیں۔ فرماتے ہیں کہ باقی امت پر شیخین کی افضلیت یقینی ہے۔ دوسرے صحابہ پر شیخین کی افضلیت کا انکار کوئی جاہل یا متعصب ہی کرے گا۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ جو آدمی مجھے حضرت ابو بکر اور عمر پر فضیلت دیتا ہے۔ وہ مفتری ہے۔ میں اسے تہمت لگانے والے کیطرح کوڑے لگاؤں گا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اپنی کتاب غنیہ میں فرماتے ہیں۔ اور ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جب مجھے معراج ہوا۔ تو میں نے خدا تعالےٰ سے دعا کی۔ کہ "میرے بعد خلیفہ حضرت علی ہوں"۔ تو فرشتوں نے کہا۔ اَے محمد جو کچھ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے۔ وہ ہوتا ہے۔ "آپ کے بعد خلیفہ حضرت ابو بکر ہیں"۔ اور شیخ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس وقت تک رخصت نہیں ہوئے۔ جب تک کہ انہوں نے مجھ سے عہد نہ لے لیا۔ کہ میری وفات کے بعد خلیفہ حضرت ابو بکر ہوں گے اور ان کے بعد عمر اور ان کے بعد عثمان اور ان کے بعد تم خلیفہ ہو گے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اور حضرت امام حسن حضرت امام حسین سے افضل ہیں۔ رضی اللہ عنہما اور علمائے اہل سنت علم اور اجتہاد میں حضرت عائشہ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ غنیہ میں حضرت

عائشہ کو مطلقاً فضیلت دیتے ہیں۔ اور اس فقیر کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ حضرت عائشہ علم اور اجتہاد میں افضل ہیں۔ اور حضرت فاطمہ زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے رغبت ہونے میں بہتر ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت فاطمہ کو بتول کہتے ہیں جو کہ دنیا سے منقطع ہونے میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور حضرت عائشہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتاویٰ کا مرجع تھیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر علم میں کوئی مشکل ایسی پیش نہ آئی۔ جس کا حل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس نہ ہو۔

اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان جو جھگڑے اور جنگیں ہوئی ہیں۔ مثلاً جنگ جمل و جنگ صفین تو ان کو اچھے معانی پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور خواہشات اور تعصب سے دور رہنا چاہیئے۔ کہ ان بزرگواروں کے نفوس خیر البشر علیہ الصلوات والتسلیمات کی صحبت میں خواہشات اور تعصب سے پاک ہو چکے تھے۔ اور حرص و کینہ سے بالکل صاف تھے۔ وہ اگر صلح کرتے تھے۔ تو حق کے لئے اور اگر جھگڑا کرتے تھے۔ تو وہ بھی حق کے لئے ہر گروہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرتا تھا۔ اور خواہشات اور تعصب کے شائبہ سے پاک ہو کر مخالف کی مدافعت کرتا تھا۔ پھر جس کا اجتہاد درست ہوا۔ اسے دو درجے اور ایک قول کے مطابق دس درجے کا ثواب ملتا ہے۔ اور جس کا اجتہاد درست نہ ہوا اسے بھی ایک درجہ ثواب مل گیا۔ پس خطا کرنے والا بھی درست اجتہاد کرنے والے کی طرح ملامت کا مستحق نہیں ہے وہ بھی درجات ثواب میں سے ایک درجہ کی امید رکھتا ہے۔

علماء نے کہا ہے۔ کہ ان جنگوں میں حق حضرت امیر کی طرف تھا۔ کرم اللہ وجہہ اور مخالفوں کا اجتہاد درست نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ طعن کرنے کے مستحق نہیں ہیں۔ اور ملامت کی گنجائش نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ ان کو کافر یا فاسق کہا جائے۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ کہ "ہمارے بھائی ہم پر باغی ہوئے ہیں۔ وہ نہ کافر ہیں۔ نہ فاسق کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر اور فسق سے روکتی ہے"۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو اختلاف میرے صحابہ میں ہوں۔ ان میں زبان کشائی سے بچنا" پس پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کو بزرگ سمجھنا چاہیئے۔ اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیئے۔ اور ان میں سے کسی بزرگ کے حق میں برا نہ ہونا چاہیئے۔ اور نہ ہی بدگمانی کرنی چاہیئے اور ان کے جھگڑوں کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر سمجھنا چاہیئے۔ نجات اور خلاصی کا صرف یہی طریقہ ہے۔

کیونکہ صحابہ کرام کی دوستی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کی وجہ سے ہے۔ اور ان سے دشمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی تک لے جاتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی عزت نہ کی۔ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کوئی ایمان نہیں ہے۔

اور قیامت[۱۹] کی علامتیں جن کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ وہ سب برحق ہیں۔ ان میں خلاف ہونے کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ مثلاً خلاف عادت سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا۔ اور حضرت مہدی علیہ

الرضوان کا ظہور اور حضرت روح اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اور دجّال کا نکلنا۔ اور یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا۔ اور دابۃ الارض کا نکلنا اور ایک دھوئیں کا آسمان سے پیدا ہونا جو تمام لوگوں کو گھیرے گا۔ اور دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ آدمی بیقراری میں کہیں گے۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس عذاب سے بچالے ہم ایمان لاتے ہیں۔ اور آخری علامت آگ ہے۔ جو عدن سے اُٹھے گی۔

اور ایک جماعت نے اپنی بیوقوفی سے ایک ایسے آدمی کو مہدی موعود تسلیم کر لیا ہے۔ جس نے ہندوستان میں اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ پس ان کے خیال کے مطابق تو مہدی ہو چکا۔ اور فوت ہو گیا۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اسکی قبر فرّہ میں ہے۔ اور صحاح کی احادیث میں جو شہرت کی حد بلکہ معنیً تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ ان کی تکذیب موجود ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی کی علامات بیان کر دی ہیں۔ اور اس شخص میں جسکو انہوں نے مہدی سمجھ رکھا ہے۔ یہ علامات مفقود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں آیا ہے۔ کہ مہدی موعود ظاہر ہوں گے۔ اور ان کے سر پر بادل کا ایک ٹکڑا ہو گا۔ اور اس بادل میں ایک فرشتہ ہو گا۔ جو آواز دے گا۔ کہ یہ شخص مہدی ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[1]۔ کہ چار آدمی تمام زمین کے مالک ہوئے ہیں۔ ان میں سے دو مومن ہیں۔ اور دو کافر۔ مومنوں میں سے ذوالقرنین اور سلیمانؑ۔ اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر اور پانچواں آدمی جو تمام زمین کا مالک ہو گا۔ وہ میرے اہل بیت میں سے ہو گا۔ یعنی مہدی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے اس وقت تک دنیا ختم نہ ہو گی۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ایک ایسا آدمی پیدا نہ کرے۔ جس کا نام میرے نام جیسا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام جیسا ہو گا۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جیسا کہ وہ پہلے ظلم اور جفا سے بھری ہو گی۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ اصحاب کہف حضرت مہدی کے مددگار ہوں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے زمانہ میں نزول فرمائیں گے۔ اور وہ دجال کے ساتھ جنگ کرنے میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ دیں گے۔ اور ان کی سلطنت کے ظہور کے زمانہ میں چودہ رمضان شریف کو سورج گرہن ہو گا۔ اور اس مہینہ کی ابتداء میں چاند گرہن ہو گا۔ اور یہ منجموں کے حساب اور زمانہ کی عادت کے برخلاف ہو گا۔

انصاف کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ کہ یہ علامات اس مرنے والے (سید محمد جونپوری) شخص میں موجود ہیں۔ یا نہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی علامات ہیں۔ جو مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہیں۔ شیخ ابن حجر مکی نے

---

[1] ابن جوزی نے اپنی تاریخ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اسے روایت کیا ہے۔ ۱۲

مہدی موعود کی علامات میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ جن کی تعداد دو سو تک پہنچ جاتی ہے۔ نہایت ہی جہالت ہے کہ مہدی موعود کا معاملہ اتنا واضح ہونے کے باوجود ایک جماعت گمراہی میں پڑ گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ انکو سیدھے راستے کی راہنمائی فرمائے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] ہے۔ کہ بنی اسرائیل اکہتر[71] فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ان میں صرف ایک فرقہ جنتی ہے۔ باقی سب دوزخی ہیں۔ اور قریب ہے۔ کہ میری امت تہتر[73] فرقوں میں تقسیم ہو جائے۔ وہ سب دوزخی ہوں گے۔ صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ صحابہ نے پوچھا۔ کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سے لوگ ہوں گے۔؟ تو آں حضرت نے فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کا طریقہ وہی ہوگا۔ جو میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ ہے۔ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور وہ نجات پانے والا ایک فرقہ اہل سنت وجماعت ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے ہوئے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں اہلسنت وجماعت کے عقیدہ پر ثابت قدم رکھ۔ اور انہیں کی جماعت میں ہماری موت ہو۔ اور انہیں میں ہم کو اٹھا۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

عقیدے کی تصحیح کے بعد شریعت کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب بھی نہایت ضروری ہے۔ اس سے چارہ نہیں ہے۔ پنج وقت بغیر سستی کے تعدیل ارکان کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کفر اور اسلام میں فرق کرنے والی یہی نماز ہے۔ اور جب مسنون طریقہ پر نماز کی ادائیگی میسر ہو گئی۔ تو سمجھو کہ اسلام کی مضبوط رسی ہاتھ میں آگئی۔ کیونکہ اسلام کے پنجگانہ ارکان میں سے نماز دوسرا رکن ہے۔ اور پہلا رکن اللہ جل شانہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے۔ اور دوسرا رکن نماز ہے۔ اور تیسرا رکن زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ اور چوتھا رکن رمضان شریف کے روزے ہیں۔ اور پانچواں رکن بیت اللہ شریف کا حج ہے

پہلا اصل ایمان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور باقی چار اصول اعمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان میں جامع ترین اور بہترین عبادت نماز ہے۔ قیامت کے روز حساب کتاب کی ابتدا اسی نماز سے ہوگی۔ اگر نماز درست ہوئی۔ تو خدا تعالیٰ کی مہربانی سے باقی حساب آسانی سے ہو جائے گا۔

اور جہاں تک ہو سکے۔ شرعی ممنوعات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور خدا تعالےٰ کی ناپسندیدہ چیزوں کو سم قاتل سمجھنا چاہیئے۔ اور اپنی کوتاہیوں کے مواد کو نظر میں رکھنا چاہیئے۔ اور ان کے ارتکاب سے شرمندہ و منفعل ہونا چاہیئے

---

[1] یہ حدیث ترمذی مسند احمد اور ابوداؤد میں بروایت کثیر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما موجود ہے۔ ۱۲۰

اور ندامت وحسرت وافسوس کرنا چاہیئے۔ کہ بندگی کا طریقہ یہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ اور جو آدمی خدا تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں کا بے تحاشا ارتکاب کرے۔ اور اپنی اس بد اعمالی سے شرمندہ بھی نہ ہو تو ایسا آدمی متکبر اور سرکش ہے۔ اس کا یہ اصرار اور سرکشی قریب ہے۔ کہ اسے اسلام کے دائرہ سے باہر لے جائے۔ اور دشمنوں کے دائرہ میں داخل کردے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کردے۔

ایک ایسی دولت جس سے حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے۔ اور آدمی اس دولت سے بے خبر ہیں بلکہ ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کو بھی وہ دولت معلوم نہ ہو۔ وہ دولت یہ ہے۔ کہ وقت کا بادشاہ جو کہ سات پشت سے مسلمان چلا آرہا ہے۔ اور اہل سنت سے ہے۔ اور حنفی مذہب رکھتا ہے اگرچہ کچھ سال ہوئے ہیں۔ کہ ایسے وقت میں کہ قرب قیامت کا وقت ہے۔ اور عہد نبوت سے دور کا زمانہ ہے۔ بعض طالب علم طمع کی نحوست سے جو کہ خبث باطن سے پیدا ہوتا ہے۔ بادشاہوں کے امرا کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کی خوشامد کرتے ہیں۔ اور دین متین میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔ اور سادہ لوح لوگوں کو سیدھی راہ سے بھٹکا دیتے ہیں۔ ایسا عظیم الشان بادشاہ جب کہ آپ کی بات کو اچھی طرح سنتا ہے۔ اور اسے قبول بھی کرتا ہے۔ تو یہ کتنی بڑی دولت ہے۔ کہ اس کے کانوں میں صراحتاً یا اشارۃً آپ کلمہ حق یعنی اسلام کا کلمہ جو کہ اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے عقیدہ کے موافق ہو ڈالتے رہیں اور جتنی بھی آپ گنجائش پائیں۔ اہل حق کی بات بادشاہ کے سامنے پیش کریں۔ بلکہ ہمیشہ اس جستجو میں رہیں۔ کہ کوئی موقعہ ایسا پیدا ہو۔ کہ مذہب وملت کی بات چل نکلے۔ تاکہ اسلام کی حقانیت کا اظہار ہو سکے۔ اور کفر اور کافری کی برائی اور بطلان ظاہر کیا جا سکے۔

کفر خود ظاہر البطلان چیز ہے۔ کوئی عقلمند آدمی اسکو پسند نہیں کرتا۔ اور اس کے بطلان کو بے تحاشا ظاہر کرنا چاہیئے۔ اور ان کے معبودان باطل کی بے توقف نفی کرنا چاہیئے۔ سچا خدا جل شانہٗ بے شک وبے شبہ آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ کبھی آپ نے یہ سنا ہے۔ کہ ان کے باطل معبودوں نے ایک مچھر پیدا کیا ہو۔ اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں۔ اور اگر کوئی مچھر ان کو کاٹ جائے۔ یا تکلیف پہنچائے۔ تو ان کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ وہ دوسروں کی حفاظت کریں کافر لوگ اس امر کی برائی کو محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ یہ معبود خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں۔ اور ہمیں خدا تعالیٰ کے نزدیک کر دیتے ہیں۔ یہ بے وقوف لوگ ہیں۔ انہوں نے کہاں سے سمجھ رکھا ہے۔ کہ یہ بے جان بت شفاعت کی مجال رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان شریکوں کی سفارش کو جو کہ حقیقت میں اس کے دشمن ہیں۔ دشمنوں کے بندوں کے حق میں قبول کرلیں گے۔

اس کی مثال تو ایسی ہے۔ کہ کچھ باغی لوگ بادشاہ کے برخلاف بغاوت کریں۔ اور بیوقوفوں کی ایک جماعت اس خیال سے ان باغیوں کی امداد کرنے لگے۔ کہ مشکل کے وقت میں یہ باغی بادشاہ کے پاس ہماری سفارش کردیں گے۔ اور ان کے وسیلہ سے ہم بادشاہ کا قرب حاصل کر سکیں گے۔ کتنے بڑے بے وقوف ہیں۔ کہ باغیوں کی خدمت کرتے

ہیں۔ اور باغیوں کی سفارش سے بادشاہ سے معافی چاہتے ہیں۔ اور اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ بادشاہ برحق کی خدمت کیوں نہیں کرتے۔ اور باغیوں کو شکست کیوں نہیں دیتے تاکہ اہل قرب اور اہل حق سے ہو جائیں۔ اور امن و امان میں رہیں۔

یہ بیوقوف لوگ ایک پتھر کو لیتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے اس کو تراشتے ہیں۔ اور کئی سال تک اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اس سے امیدیں رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ کافروں کا دین ظاہر البطلان ہے۔ اور مسلمانوں میں سے جو بھی راہ حق اور سیدھی راہ سے دور چلا گیا ہے۔ وہ خواہش کا بندہ اور بدعتی ہے۔ اور وہ سیدھی راہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہ وسلم اجمعین کی راہ ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ اپنی کتاب غنیہ میں فرماتے ہیں۔ کہ بدعتی لوگوں کے گروہ کہ جن کے اصول نو جماعتیں ہیں۔ یہ لوگ ہیں۔ خوارج[۱]۔ شیعہ[۲]۔ معتزلہ[۳]۔ مرجیہ[۴]۔ مشبہہ[۵]۔ جہمیہ[۶]۔ ضراریہ[۷]۔ بخاریہ[۸]۔ کلابیہ[۹]۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے۔ اور نہ ہی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی خلافت کے زمانہ میں تھے۔ ان جماعتوں کا اختلاف اور فرقہ بندی صحابہ و تابعین اور فقہائے سبعہ رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین کی وفات کے بعد کئی سال بعد ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو آدمی میرے بعد زندہ رہے گا۔ وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا پس تم لوگ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ اور دین میں نئے پیدا ہونے والے امور سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور جو کچھ بھی میرے بعد دین میں نیا پیدا ہوگا۔ وہ مردود ہے۔

پس وہ مذہب جو آنحضرت اور خلفائے راشدین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے زمانہ کے بعد پیدا ہو۔ وہ اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ توجہ کے قابل ہے۔ اس دولت عظمی کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ کہ محض اپنے فضل و کرم سے اس نے ہمیں فرقہ ناجیہ میں داخل فرمایا ہے۔ کہ یہ لوگ اہل سنت و جماعت ہیں۔ اور اہل ہوا اور بدعتی فرقوں میں پیدا نہ کیا۔ اور ان کے فاسد اعتقادات میں مبتلا نہ کیا۔ اور اس جماعت سے نہ بنایا۔ جو بندہ کو اللہ تعالے کی خاص صفات میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ اور بندے کے افعال کا خالق بندہ کو سمجھتے ہیں۔ اور آخرت میں رویت خداوند کے منکر ہیں۔ جو کہ دینی و دنیاوی دولتوں کا سرمایہ ہے۔ اور واجب تعالے سے صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں۔

اور ان دو جماعتوں سے بھی نہ بنایا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی توہین کرتے ہیں۔ اور اکابرین سے بدگمانی رکھتے ہیں۔ اور ان کو آپس میں ایک دوسرے کا دشمن سمجھتے ہیں۔ اور ان پر بغض اور اندرونی کینہ کی تہمت لگاتے ہیں۔ اللہ تعالے ان بزرگواروں کے حق میں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (آپس میں رحم دل ہیں۔) فرماتے ہیں اور یہ دونوں جماعتیں خدا تعالے کے کلام کو جھٹلاتی ہیں۔ اور ان بزرگواروں میں کینہ و عداوت و بغض ثابت کرتے ہیں۔ اللہ

تعالیٰ ان کو توفیق دے۔ اور انہیں سیدھا رستہ دکھائے۔

اور یہ اس کا احسان ہے۔ کہ ہمیں اس جماعت سے بھی نہ بنایا۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے جہت اور مکان ثابت کرتے ہیں اور اسے جسم اور جسمانی سمجھتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ میں حدوث اور امکان کی علامات ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ آپ کو یہ تو معلوم ہے۔ کہ بادشاہ کی مثال روح کی طرح ہے اور باقی انسان جسم کی طرح ہیں۔ اگر روح درست ہے۔ تو تمام جسم درست ہے۔ اور اگر روح فاسد ہے۔ تو سارا بدن فاسد ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرنا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے۔ اور اصلاح اسلام کے کلمہ کے اظہار میں ہے۔ بہرصورت جس وقت بھی گنجائش ملے۔ اور کلمۂ اسلام اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق کہنے کا موقع ملے۔ وقتاً فوقتاً بادشاہ کے کان میں ڈالتے رہیں۔ اور مخالفین کے مذہب کی تردید کریں۔ اگر یہ دولت میسر ہو جائے۔ تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت عظمیٰ ہاتھ آجائے۔ آپ کو یہ دولت مفت میں ملی ہوئی ہے۔ اس کی قدر کو سمجھیں۔ زیادہ مبالغہ نہ کیا جائے۔ اگرچہ اس جگہ جتنا بھی مبالغہ اور تاکید کی جائے۔ اچھی ہے۔ اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۶۸

خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا۔

نورانی ستون اور دمدار ستارہ جو کہ مشرق کی جانب سے طلوع ہوا تھا۔ اور علامات قیامت اور اس کے متعلقات کے بیان میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں۔ جس نے اس اسلام کی طرف ہماری راہنمائی کی۔ اور اگر ہمیں اللہ تعالیٰ راہنمائی نہ کرتا۔ تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے۔ ہمارے رب کے رسول (علیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات والبرکات) حق لے کر آئے۔

فرزند عزیز نے جو گرامی نامہ مولانا ابوالحسن کے ہاتھ ارسال کیا تھا۔ انہوں نے پہنچایا۔ بہت خوشی ہوئی۔ اس نورانی ستون کے متعلق جو کہ مشرق کی جانب ظاہر ہوا ہے۔ دوبارہ سوال کیا ہے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ حدیث میں آیا ہے

کہ جب عباسی بادشاہ جو کہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کے ظہور کے مقدمات میں سے ہوگا۔ خراسان پہنچے گا۔ تو مشرق کی جانب دو دانتوں والی ایک شاخ طلوع ہوگی۔ اور حاشیہ میں لکھا ہے۔ یعنی نورانی ستون کہ جس کے دو سر ہوں گے۔ اور اس کا پہلا طلوع حضرت نوح علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے ہلاک ہونے کے وقت ہوا تھا۔ پھر حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں طلوع ہوا۔ جب کہ ان کو کافروں نے آگ میں پھینکا۔ پھر فرعون اور اس کی قوم کی غرقابی کے وقت ظاہر ہوا۔ اور پھر جب حضرت یحییٰ علیہ السلام قتل ہوئے۔ اس وقت ظاہر ہوا۔

پس جب اس کو دیکھو تو خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے اس روشنی کے شر سے پناہ مانگو۔ جو کہ مشرق کی طرف نمودار ہوئی ہے۔ پہلے یہ ستون کی صورت میں روشن ہوئی۔ اس کے بعد ٹیڑھی ہوگئی۔ اور سینگ کی شکل و صورت کے مثل ہوگئی۔ اور دو سر اس لحاظ سے فرمائے ہوں گے۔ کہ اس شاخ کے دونوں کنارے باریک ہوگئے تھے۔ جو دانتوں سے مشابہت رکھتے تھے۔ پس دونوں اطراف کو دو سر اعتبار کیا۔ جیسا کہ نیزہ کہ اس کی دونوں طرفیں باریک ہوتی ہیں۔ ان کو دو سر کہتے ہیں۔

میرے بھائی شیخ محمد طاہر بدخشی جونپر سے آئے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ اس ستون کے بھی اوپر جا کر دو سر تھے۔ جیسے دو دانتوں کی طرح جن میں کچھ فاصلہ ہو۔ انہوں نے چٹیل میدان میں اس کو صاف طور پر ایسا دیکھا ہوگا۔ اور کچھ اور لوگوں نے بھی ایسی ہی اطلاع دی ہے۔ یہ طلوع اس طلوع کے علاوہ ہے۔ جو حضرت مہدی کے آنے کے وقت ظاہر ہوگا۔ کیونکہ مہدی علیہ الرضوان کی آمد صدی کے شروع پر ہوگی۔ اور اس وقت سو سے اٹھائیس برس اوپر ہو چکے ہیں۔ اور حدیث میں مہدی کے علامات میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ مشرق کی طرف سے ایک ستارہ طلوع ہوگا۔ جسکی نورانی دم ہوگی۔ یہ ستارہ وہ ہے۔ یا مثل اس کی۔ اس ستارہ کو بھی دمدار ہونا چاہیئے۔ جس کے لئے کہتے ہیں۔ کہ فلاسفہ یونان نے کہا ہے۔ ثوابت ستاروں کی سیر مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ پس یہ ستارہ بھی اپنی طبعی سیر میں مشرق کی جانب منہ رکھتا ہے۔ اور اس کی پشت مغرب کی طرف ہے۔ پس یہ سفیدی کی درازی اس کی پیٹھ کے پیچھے ہے جو دُم کے مناسب ہے۔ اور وہ جو مشرق سے مغرب کی طرف ہر روز بلند ہوتا جاتا ہے۔ وہ اس کی غیر طبعی سیر ہے۔ جو فلک اعظم کی سیر کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے

مختصر یہ کہ حضرت مہدی کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ آغاز صدی تک جو کہ ان کا ظہور کا وقت ہے۔ دیکھو کتنے مقدمات و مبادی ظہور میں آتے ہیں۔ حضرت مہدی علیہ الرضوان کے ظہور کے مقدمات و مبادی ہمارے پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات کے ارہاصات[ل۱] کی طرح ہیں۔ جو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور سے

ل۱ ارہاصات وہ خارق عادت امور ہیں۔ جو نبی سے دعویٰ نبوت سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں۔

پہلے ظاہر ہوئے تھے۔ چنانچہ علماؒ نے کہا ہے۔ کہ جب حضرت عبداللہ کے نطفہ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں آمنہ کے رحم میں قرار پکڑا۔ تو تمام روئے زمین کے بت اوندھے گر پڑے۔ اور تمام شیطان اپنے کام سے رک گئے۔ اور ابلیس علیہ اللعنۃ کے تخت کو فرشتوں نے الٹ دیا۔ اور اسے سمندر میں پھینک دیا۔ اور چالیس روز تک اسے سزا ملتی رہی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات میں کسریٰ کا محل کانپ گیا۔ اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ اور فارس کی وہ عظیم آگ جو برابر ایک ہزار سال سے روشن تھی۔ یک بیک بجھ گئی۔

اور چونکہ حضرت مہدی بہت بزرگ آدمی ہوں گے۔ اور ان کے سبب سے اسلام اور مسلمانوں کو عظیم تقویت حاصل ہوگی۔ اور ان کی ولایت ظاہر و باطن میں عظیم تصرف رکھے گی۔ اور ان سے بہت سی کرامات اور خوارق ظاہر ہوں گے اور ان کے زمانہ میں عجیب و غریب حالات ظہور پذیر ہوں گے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ان کے وجود سے پہلے بھی کچھ چیزیں ارہاصات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ظاہر ہوں۔ اور آپ کے ظہور کی تمہید بنیں۔ جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

جان لینا چاہیئے۔ کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ مہدی اس وقت تک ظاہر نہ ہوں گے۔ جب تک کہ کفر غالب نہ آجائے۔ اور برملا کفر اور کافری نہ ہونے لگے۔ پس اس وقت میں کفر اور کافری کے غلبہ اور اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی کی توقع ہے۔ یہ وہ وقت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غربائے اہل اسلام کو مبارک باد دی ہے۔ اور بشارت سنائی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ ”فتنہ[۲] کے زمانہ میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کی طرح ہے“۔

یہ تو آپ جانتے ہیں۔ کہ فتنہ و فساد کے غلبہ کے وقت اگر کچھ سپاہی تھوڑی سی بھی جرأت فرمائیں۔ تو ان کا اعتبار بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اور پر سکون حالات میں اگر ہزار تردد بھی کریں۔ تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ پس کام کرنے اور اسکے قبول ہونے کا یہی فتنوں کا وقت ہے۔ کلی طور پر اپنے آپ کو خداوند تعالےٰ کے پسندیدہ کاموں میں لگائے رکھیں۔ اور سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کے بغیر کسی چیز کو اختیار نہ کریں۔ اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ مقبولین بارگاہ میں آپ کا حشر ہو۔ اصحاب کہف ایک ہجرت کے سبب جو فتنہ کے غلبہ کے وقت ان سے وجود میں آئی تھی۔ بہت بلند مقام پر پہنچ گئے۔ تم تو خود محمدی ہو۔ اور خیر الامم میں داخل ہو۔ اپنا وقت لہو لعب میں ضائع نہ کرو۔ اور بچوں کی طرح اخروٹ اور منقے کر بے وقوف نہ بنو۔

داد یم ترا ز گنج مقصود نشاں ۔۔۔ گر ما نرسیدیم تو شاید برسی[۳]

---

[۱] ان روایات کو امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ شریف میں ذکر کیا ہے۔ نیز ان کی تخریج اور ان کے اسناد بھی بیان کئے ہیں۔۱۲

[۲] مسلم شریف بروایت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ۔۱۲

(باقی برصفحہ آئندہ)

اور وہ نورانی ستون جو کہ اس دیدار ستارہ سے پہلے ظاہر ہوا تھا۔ اس میں کوئی ظلمت و کدورت معلوم نہیں ہوتی اور سوائے خیر و برکت کے اور کچھ نظر نہیں آتا لیکن یہ دمدار ستارہ کدورت کا شائبہ رکھتا ہے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالےٰ ہی نافع اور ضار ہے۔ کسی ستارہ میں بھی کسی آدمی کی موت یا کسی کی زندگی ودیعت نہیں کی گئی ہے۔ جو کچھ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ اغراض جو ستاروں سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ صرف تین چیزیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اور وہ جنگلوں اور سمندروں کے سفر میں ستاروں سے راہ پاتے ہیں" (سورہ نحل) اور فرماتے ہیں۔ اور بے شک ہم نے ستاروں سے آسمان دنیا کو زینت دی۔ اور انہیں شیطانوں کے رجم کا سبب بنایا" (سورہ ملک) یعنی دوسری غرض آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کرنا ہے۔ اور تیسری غرض شیطانوں کا رجم ان سے وابستہ ہے۔ تاکہ وہ چھپ کر باتیں نہ سن سکیں۔ ان تین اغراض کے علاوہ جو کچھ بھی لوگ کہتے ہیں۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ وہ اوہام اور خیالات میں داخل ہے۔ یقیناً ظن حق سے کچھ بھی کفایت نہیں کرتا" بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ "بعض ظن گناہ ہیں"۔

فرزند عزیز! دوبارہ لکھتا ہوں۔ کہ توبہ و انابت کا وقت ہے۔ اور دنیا سے علیحدگی اور انقطاع کا وقت ہے کہ فتنوں کے درود کا زمانہ ہے۔ اور نزدیک ہے کہ برسات کے موسم کی بارش کی طرح فتنے گریں۔ اور دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیں۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ قیامت سے پہلے سیاہ رات کے ٹکڑے کی طرح فتنے ہونگے ان میں آدمی صبح کے وقت مومن ہوگا اور شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا۔ تو صبح کو کافر اس میں بیٹھ رہنے والا کھڑے سے بہتر ہوگا۔ اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ ان کی تانتیں کاٹ ڈالنا۔ اور اپنی تلواروں کو پتھروں پر مار کر ناکارہ کر دینا۔ اگر کوئی تم پر غلبہ کر کے حملہ کرے تو آدم کے دونوں بیٹوں میں سے بہتر بیٹے کی طرح ہونا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ صحابہ نے پوچھا۔ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا" اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ اپنے گھروں کی کوٹھڑیوں میں چلے جانا"۔

آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا۔ کہ انہیں دنوں میں دار الحرب کے کافروں نے نگرکوٹ کے گرد و نواح میں مسلمانوں پر اور ان کے شہروں پر کیا کیا ظلم کئے ہیں۔ اور ان کی کتنی اہانت کی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالےٰ ان کو ذلیل کرے۔ آخری زمانہ کے تقاضا کے مطابق اس طرح کے بدبودار کتنے ہی پھول کھلیں گے۔ اللہ سبحانہ و تعالےٰ ہم کو بھی اور تمہیں بھی اور تمام مومنوں کو سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات و علی آل کل و علی الملائکۃ المقربین کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

۳ے (حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہم نے تجھے مقصود کے خزانے کا پتہ دیدیا ہے۔ اگر ہم نہیں پہنچ سکے تو شائد تو پہنچ جائے

۱ے (حاشیہ صفحہ ہذا) ابو داؤد و ترمذی۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۶۹

محمد مراد بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔
نماز کے ارکان کی تعدیل اور صفوں کی درستی اور اس بیان میں کہ جو آدمی کفار سے جہاد کے لئے جائیں۔ وہ نیت صحیح کریں۔ تاکہ اس پر نتیجہ مرتب ہو اور نماز تہجد کا حکم دینا اور خوراک میں احتیاط کرنا۔ اور ان کے مناسبات کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

گرامی نامہ جو آپ نے ارسال کیا تھا چونکہ اس میں دوستوں کے ثبات اور استقامت کے متعلق لکھا تھا۔ لہذا بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالٰے آپ کو زیادہ سے زیادہ ثبات و استقامت عطا فرمائے۔ لکھا تھا۔ کہ خادم جس امر کا مامور ہے۔ دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ جو کہ طریقہ میں داخل ہیں۔ اس پر ہمیشگی کرتا ہے۔ اور پنج وقت نماز باجماعت پچاس ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ ادا کرتا ہے۔

اس پر اللہ سبحانہ و تعالٰے کی تعریف ہے۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ کہ باطن ذکر الٰہی سے معمور ہو اور ظاہر احکام شرعی سے آراستہ چونکہ اکثر آدمی اس زمانہ میں نماز کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں۔ اور طمانیت اور تعدیل ارکان کی پابندی نہیں کرتے۔ اس لئے دوستوں کو اس کے متعلق تاکید اور مبالغہ سے لکھتا ہوں۔ غور سے سنیں۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "بدترین[1] چور وہ ہے۔ جو نماز کی چوری کرے"۔ صحابہ نے پوچھا۔ "اے اللہ کے رسول نماز کس طرح چراتا ہے"۔ تو آنحضرت نے فرمایا۔ وہ نماز کے رکوع اور سجود کو پورا نہیں کرتا"۔ اور یہ بھی فرمایا ہے۔ "اللہ[2] تعالٰے اس بندے کی نماز کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ جو اپنے رکوع و سجود میں پیٹھ کو ثابت نہ رکھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک[3] آدمی کو دیکھا۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اور رکوع و سجود پورا نہیں کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تو اسی حالت پر مر گیا۔ تو تو دین

---

[1] احمد و مالک و دارمی مشکوٰۃ شریف ۱۲۔
[2] مسند احمد بروایت طلق بن علی رضی اللہ تعالٰے عنہ ۱۲۔
[3] بخاری شریف ۱۲

محمد پر نہیں مرے گا"۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے"۔ تم میں[1] سے کسی کی اس وقت تک نماز پوری نہیں ہو سکتی۔ جب تک رکوع کے بعد پوری طرح کھڑا نہ ہو جائے۔ اور اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرے۔ اور اس کا ہر عضو اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑے"۔ اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ "جب تک دونوں سجدوں کے درمیان نہ بیٹھے۔ اور اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرے۔ اور ثابت نہ رکھے۔ اس کی نماز پوری نہیں ہو سکتی"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نماز پڑھتے ہوئے آدمی کے پاس سے گزرے دیکھا۔ کہ وہ قومہ۔ جلسہ کے ارکان و احکام پوری طرح بجا نہیں لاتا۔ تو آپ نے فرمایا۔ "اگر تو اسی حالت میں مرا۔ تو قیامت کے روز تجھے میری امت نہ کہیں گے"۔ اور ایک اور روایت میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے"۔ اگر تو اسی حالت پر مرا۔ تو دین محمد پر نہ مرے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ "کوئی ایسا آدمی ہوتا ہے۔ کہ ساٹھ سال تک نماز پڑھتا ہے۔ اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ یہ وہ شخص ہے۔ جو رکوع و سجود کو پوری طرح بجا نہیں لاتا"۔ کہتے ہیں۔ کہ زید بن وہب نے ایک آدمی کو دیکھا۔ کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ اور رکوع و سجود پوری طرح نہیں کرتا۔ تو آپ نے اس آدمی کو بلایا۔ اور کہا کتنی مدت سے تو اسطرح نماز پڑھ رہا ہے۔ اسنے کہا چالیس سال سے تو کہا۔ تو نے اس چالیس سال میں ایک بھی نماز نہیں پڑھی۔ اگر تیری موت ہو گئی۔ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر نہیں ہوگی

منقول ہے۔ کہ مومن بندہ جب نماز پڑھتا ہے۔ اور اس کے رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرتا ہے۔ تو وہ نماز خوش ہوتی ہے۔ اور نورانی ہوتی ہے۔ اور فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اور نماز اپنے نماز پڑھنے والے کے لئے اچھی دعا کرتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ جس طرح تو نے میری حفاظت کی۔ اللہ تیری حفاظت کرے"۔ اور اگر نماز اچھی طرح نہ پڑھے۔ تو وہ نماز اندھیری ہوتی ہے۔ اور فرشتوں کو اس سے کراہت ہوتی ہے۔ اور اس نماز کو آسمان پر نہیں لے جاتے۔ اور نماز اپنے نماز پڑھنے والے کے لئے بددعا کرتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا۔ اللہ تجھے برباد کرے[2]"۔

بس نماز اچھی طرح پڑھنی چاہیئے۔ اور ارکان کی تعدیل پوری طرح کرنی چاہیئے۔ رکوع۔ سجود۔ قومہ جلسہ اچھی طرح بجالانا چاہیئے۔ اور دوسروں کو بھی پوری نماز پڑھنے کی ہدایت کرنی چاہیئے۔ اور ارکان کو تعدیل و طمانیت سے ادا کرنا چاہیئے۔ کہ اکثر آدمی اس دولت سے محروم ہیں۔ اور یہ عمل متروک ہو چکا ہے۔ اس عمل کو زندہ کرنا بھی اسلام کے

---

[1] ابو داؤد وغیرہ۔ ۱۲۔

[2] طبرانی شریف۔ ۱۲۔

اہم کاموں میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص میری کسی سنت کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرے۔ اس کے لئے سو شہید کا ثواب ہے۔ (بیہقی شریف)

اور یہ بھی جاننا چاہیئے۔ کہ با جماعت نماز میں صفوں کو برابر کرنا چاہیئے۔ تاکہ کوئی بھی نمازی آگے پیچھے کھڑا نہ ہو۔ کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ سب نمازی ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے صفیں درست فرماتے۔ اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہتے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ صفوں کا برابر کرنا بھی اقامت نماز سے ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

اے سعادت آثار! عمل نیت سے درست ہوتا ہے۔ جب آپ دار الحرب کے کافروں سے جہاد کے لئے گئے ہیں۔ تو پہلے نیت درست کریں۔ تاکہ اس پر نتیجہ پر مرتب ہو۔ چاہیئے۔ کہ اس جنگ و جدال کا مقصد کلمۂ اسلام کی بلندی اور دشمنان دین کی بربادی اور توہین ہو۔ کہ ہمیں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جہاد کے حکم کا مقصود بھی یہی ہے۔ دوسرے امور کے ساتھ اپنی نیت کو باطل نہ کریں غازیوں کی تنخواہ تو بیت المال سے مقرر ہے۔ جو جہاد کے منافی نہیں ہے۔ اور نہ اس سے غازیوں کے اجر میں کچھ کمی ہوتی ہے۔ بدنیت اعمال کو برباد کرتی ہے نیت صحیح رکھیں۔ اور بیت المال سے تنخواہ لیں۔ اور جہاد کریں۔ اور شہیدوں اور غازیوں کے اجر کے امیدوار رہیں۔

آپ کی حالت پر رشک آتا ہے۔ کہ باطن میں حق سے مشغول ہو۔ اور ظاہر میں بہت بڑی جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہو۔ اور اس کے بعد دار الحرب کے کافروں سے جہاد سے بھی مشرف ہو۔ جو بچ رہے گا۔ وہ غازی اور مجاہد ہے اور جو ہلاک ہو جائے گا۔ وہ شہید پاک ہے۔ لیکن یہ سب کچھ نیت کی درستی کے بعد ہی متصور ہے۔ اگر نیت کی حقیقت متحقق نہ ہو۔ تو تکلف سے بھی اپنے آپ کو اس نیت پر لائیں۔ اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالےٰ سے عاجزی اور زاری سے دعا کریں۔ تاکہ نیت کی حقیقت میسر ہو۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسری نصیحت جو دوستوں کو کی جاتی ہے۔ وہ نماز تہجد کا التزام ہے۔ کہ وہ طریقہ کی ضروریات سے ہے بالمشافہہ بھی آپ سے کہا ہے۔ کہ اگر یہ چیز دشوار ہو۔ اور خلاف عادت بیداری میسر نہ ہو۔ تو اپنے متعلقین میں سے کچھ لوگوں کو اس پر مقرر کر دینا چاہیئے۔ تاکہ اس وقت تم کو خوشی یا ناخوشی سے جگا دیا کریں۔ اور اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑیں۔ جب تک کہ تم اٹھ نہ بیٹھو۔ چند روز اس طرح کریں۔ امید ہے۔ کہ بے تکلف اس دولت پر ہمیشگی میسر ہو جائے گی۔

اور ایک اور نصیحت کھانے میں احتیاط کی ہے۔ کیا ضروری ہے۔ کہ جو کچھ بھی اور جہاں سے بھی آئے۔ اسے کھایا جائے۔ اور شرعی حرام حلال کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ کہ یہ شخص اپنے منہ سر نہیں ہے۔ کہ جو چاہے۔ کرتا پھرے۔ بلکہ

اس کا ایک مالک ہے۔ جل سلطانہ جس نے اس کے لئے امرونہی کی تکلیف مقرر کی ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی معرفت جو کہ سراسر دنیا والوں کے لئے رحمت ہیں۔ اپنی خوشی اور ناخوشی کی اطلاع دی ہے۔ بڑا بد نصیب ہے۔ وہ آدمی جو اپنے مالک کی مرضی کے خلاف خواہش کرے۔ اور مالک کی اجازت کے بغیر مالک کے مُلک اور مِلک میں تصرف کرے۔

شرم کرنی چاہیئے۔ کہ مجازی مالک کی رضامندی کا خیال رکھتے ہو۔ اور نہیں چاہتے۔ کہ کوئی دقیقہ بھی اس باب میں چھوڑا جائے۔ اور حقیقی مالک تاکید اور مبالغہ سے اپنے ناپسندیدہ امور سے روکتا ہے۔ اور سرزنش بھی کرتا ہے۔ لیکن تم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہ اسلام ہے۔ یا کفر اچھی طرح سوچو۔ ابھی کچھ نہیں گیا ہے۔ اور پہلی کوتاہیوں کا تدارک ممکن ہے۔ کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا"۔ یہ کوتاہی کرنے والوں کے لئے بشارت ہے۔ اور اس کے باوجود اگر کوئی گناہ پر اصرار کرے۔ اور اس پر خوش ہو تو وہ منافق ہے۔ صرف اسلام کی صورت اس کو سزا سے نہ بچا سکے گی۔ اور عذاب کو نہ روک سکے گی۔ زیادہ تاکید اور مبالغہ کیا کروں۔ عقلمند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔

دوسری یہ بات ہے۔ کہ خوفناک جگہوں اور دشمنوں کے غلبہ کے مقامات پر امن اور فاہیت کے لئے سورہ لایلاف کی قرأت مجرب ہے۔ کم از کم ہر روز اور ہر رات میں گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھیں اور حدیث نبوی علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے۔ کہ جو آدمی کسی مقام پر اترے۔ پھر یہ کلمے کہے۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ — میں اللہ تعالےٰ کے پورے کلمات کے ساتھ ہر مخلوق کی برائی سے پناہ لیتا ہوں۔

تو اسے کوئی چیز تکلیف نہ دے گی۔ یہاں تک کہ وہ اس منزل سے کوچ کرے۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

مکتوب نمبر ۷۰

مولانا عبد الواحد لاہوری کی طرف صادر فرمایا۔

کعبہ معظمہ کے اسرار و حقائق کے بیان میں کہ جس طرح انسان میں عرش کا نمونہ ہے اسی طرح کعبہ معظمہ کا بھی ہے۔ اور اس کے مناسبات کے متعلق

انسان کے اندر جیسا کہ اس کا دل عرش رحمان جل شانہٗ کا نمونہ ہے۔ اور اس کا ظہور قلبی ظہور عرشی کا نمونہ

ہے۔بیت اللہ شریف کا بھی انسان میں نشان ہے۔جو درمیان ہے۔اور دائیں بائیں سے بیگانہ ہے۔اور حسن سبقت کے لحاظ سے بے مثال ہے۔اس دولت عظمٰی کے اصل مالک تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔اور ان بزرگواروں کی امتوں میں سے بطور تبعیّت و وراثت جس کو بھی چاہیں۔اس دولت سے مشرف فرمائیں۔اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے اصحاب میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے یہ دولت بہت زیادہ تھی۔اور صحابہ کے زمانہ کے بعد کم ہو گئی۔اور پھر اب لمبی مدت کے بعد اگر کسی ایک کو اس دولت سے بطور وراثت و تبعیّت مشرف فرمائیں۔تو وہ غنیمت ہے۔اور کبریت احمر ہے۔اور یہ شخص صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جماعت میں داخل ہے۔اور سابقین سے ہے۔اور اس بلند نسبت کا مالک مرکز مطلوب کی دولت سے ممتاز ہے۔

یہ درست ہے۔کہ نفس مرکز میں بھی کئی درجے ہیں۔لیکن یہ سبقت کی دولت سے بھی مشرف ہے۔اس سے زیادہ اس معما کو کیا کھولوں۔اور اس رمز کی اس سے زیادہ کیا شرح کروں۔اور جب اللہ کے فضل و کرم سے یہ بلند نسبت سر نکالتی ہے۔تو تمام پہلی نسبتیں زائل ہو جاتی ہیں۔اور ان کا نام و نشان نہیں رہتا۔دل کی نسبت کیا اور غیر دل کی نسبت کیا؟ جب اللہ کی نہر آجاتی ہے۔تو عیسٰی کی نہر ختم ہو جاتی ہے۔یہ اس جگہ کا نشان ہے۔

اس دولت والے صراط مستقیم پر ہیں۔جو کہ مطلوب کے وصول کے برابر ہے۔اور جو صراط مستقیم سے دائیں بائیں ہے۔تو اس کا وصول ظلال میں سے کسی ظل تک ہے۔اگرچہ ظل میں بھی مختلف مدارج ہیں۔لیکن سب داغ ظلیت سے داغدار ہیں۔

لہ فراق دوست اگر اندک است اندک نیست — درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

جو آدمی صراط مستقیم سے ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی جدا ہو جائے۔تو وہ جب تک چلا جائے گا۔دور سے دور ہوتا جائے گا۔اور مطلوب کے وصول سے بہت دور جا پڑے گا۔ے

ےہ ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی — کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

لہ دوست کا فراق اگر تھوڑا بھی ہو تو وہ تھوڑا نہیں ہے۔آنکھ کے اندر اگر آدھا بال بھی ہو تو وہ بہت زیادہ ہے۔۱۲۔

ےہ اے اعرابی میں ڈرتا ہوں۔کہ تو کعبہ کو نہیں پہنچے گا۔کہ یہ راہ جس پر تو جا رہا ہے۔ترکستان کی راہ ہے۔۱۲۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۱۷

(مخدوم زادہ جامع علوم عقلی و نقلی خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے بیان میں)

کلمہ طیبہ کا پہلا جز مرتبۂ وجوب کے اثبات کا متضمن ہے۔ اور مرتبۂ وجوب کا ظہور مثالی صورت میں نقطہ کی صورت سے بہت زیادہ قریب ہے۔ اس مرتبہ کے ظہور کی نسبت جو طویل و عریض ظاہر ہوتا ہے اگرچہ اس مرتبہ میں نہ نقطہ کی گنجائش ہے۔ نہ دائرہ کی نہ اس جگہ طول کی مجال ہے۔ نہ عرض و عمق کی لازمی طور پر کشفی صورت میں مثبت کلمہ نقطہ کے رنگ میں نظر آتا ہے۔ اور کلمہ محمد رسول اللہ جو کہ دعوت خلق کی خبر دینے والا ہے۔ جو اجسام اور جواہر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور طول اور عرض کے قدم اس جگہ راسخ و مضبوط ہیں۔ تو ناچار مثالی صورت میں یہ مقام کشفی نظر میں طویل اور عریض معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام میں سالک اپنے کچھ سکر کی وجہ سے جو کہ ابھی تک اس میں موجود ہوتا ہے۔ کلمہ ثانیہ کو دریائے محیط کی صورت میں دیکھتا ہے۔ اور پہلے کلمہ کو اس دریا کے مقابلہ میں ایک نقطہ سمجھتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ اس فقیر نے بھی بقیہ سکر کی وجہ سے جو کہ ابھی تک تھا۔ حکم لگایا تھا۔ اور لکھا تھا۔ کہ کلمہ ثانیہ ایک ایسا دریا ہے۔ کہ اس کے پہلو میں کلمہ اولیٰ ایک نقطہ کی طرح ہے۔ اور اس مقام میں صاحب فتوحات مکیہ نے بھی کہا ہے۔ کہ جمع محمدی زیادہ وسیع تر ہے۔ بہ نسبت جمع بے پایاں الٰہی جل سلطانہٗ کے اور پھر جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بے چوں مرتبہ وجوب تعالت و تقدست کی وسعت پر نوڑا التی ہے۔ اور اس مرتبہ مقدسہ کا بے کیف احاطہ ظاہر ہوتا ہے۔ تو تمام کائنات باوجود اس طول اور عرض کے ایک خورد ترین ذرہ کا حکم بہ نسبت اس دریائے بے پایاں کے رکھتی ہے۔

جس چیز کو ابتداء میں ایک نقطہ پاتا تھا۔ اس وقت اس کو بے کنار سمندر پاتا ہے۔ اور پہلے دریائے محیط کو سب سے چھوٹے ذرہ سے بھی بہت کمتر دیکھتا ہے۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے۔ کہ ولایت نبوت سے بہتر ہے۔ کیونکہ ولایت کو پہلے کلمہ سے مناسبت ہے۔ اور نبوت کا تعلق دوسرے کلمہ سے ہے۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ نبوت دونوں مقدس کلمات کا حاصل ہے۔ نبوت کا عروج پہلے کلمہ سے تعلق رکھتا

اور اس کا نزول کلمہ ثانیہ سے پس دونوں کلموں کا مجموعہ مقام نبوت کا حاصل ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کر رکھا ہے۔ اور کلمہ اولیٰ کو ولایت سے مخصوص کر رکھا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کلمے باعتبار عروج و نزول مقام ولایت کا حاصل ہیں۔ اور اسی طرح عروج و نزول کے اعتبار سے مقام نبوت کا حاصل بھی ہیں

خلاصہ کلام یہ کہ مقام ولایت مقام نبوت کا ظل ہے۔ اور کمالات ولایت نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔ سکر کے مقام میں جو کچھ بھی لوگ کہہ جائیں۔ وہ معذور ہیں۔ اور یہ فقیر بھی سکریات میں ان کا شریک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے خطوط میں کلمہ اولیٰ کو مناسب مقام ولایت لکھا ہے۔ اور دوسرے کلمہ کو مقام نبوت کے مناسب سکر بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ بشرطیکہ اس کے بعد صحو نصیب ہو جائے۔ اور طریقت کے کفر سے حقیقت کے اسلام میں آجائے۔ اے ہمارے رب بحرمت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم بھول جائیں۔ یا خطا کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور اللہ اس آدمی پر رحم کرے۔ جو آمین کہے۔

مکتوب نمبر ۷۲

مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ بیت اللہ المقدس کا معاملہ تجلیات و ظہورات اور ظہور عرشی سے بلند تر ہے۔ اور حقیقت کعبہ کے وصول و الحاق اور اپنی ظاہری صورت سے خانہ کعبہ کی صورت کی زیارت کے شوق میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

ظہور عرشی اگرچہ تمام ظہورات سے بلند تر ہے۔ لیکن وہ معاملہ جو بیت اللہ المقدس سے وابستہ ہے۔ ظہورات و تجلیات سے بلند تر ہے۔ اس کے مقابلہ میں ظہور اور تجلی کا نام لینا ننگ ہے۔ تجلیات و ظہورات محیط دائرہ کا حکم رکھتے ہیں۔ اور یہ معاملہ اس دائرہ کے مرکز کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ محیط دائرہ اپنی فراخی کے باوجود دائرہ کے مرکز کا ظل ہے۔ اس لئے کہ اسی مرکز کے نقطہ نے اپنے سائے کو فراخ کیا ہے۔ اور سینکڑوں نقطوں کی صورت میں ظاہر ہو کر محیط دائرہ ہوا ہے۔

اور ہم جس بحث میں ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ نقطہ سے تعبیر کرنا اقرب شئے کی تعبیر کے قبیل سے ہے۔ ورنہ اس جگہ نقطہ بھی دائرہ کی طرح مفقود ہے۔ نہ ظاہر کو اس جگہ مجال ہے۔ نہ مظہر کو اور اس مقام میں نہ اصل کی گنجائش ہے نہ ظل کی کہ اس دولت سرا سے اصل بھی ظل کی طرح راہ میں عاجز پڑا ہے۔

ؔچہ گویم با تو از مرغے نشانہ ‏ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ؔز عنقا ہست نامے پیش مردم ‏ ز مرغ من بود آں نام ہم گم

بنی اسرائیل کے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے کعبہ جو کہ بیت المقدس کا صخرہ ہے کے کمالات وظہورات بھی بالآخر اس کعبہ معظمہ کے کمالات سے مل جاتے ہیں۔ کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملنے سے کوئی چارہ نہیں ہے راستے جب تک مرکز تک نہ پہنچیں۔ جو کہ صراط مستقیم ہے۔ مطلب و مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہائے کعبہ معظمہ کی ملاقات کا شوق! اللہ تبارک وتعالے نے فرمایا ہے۔

ؔاِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔

یقیناً سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور تمام جہانوں کے لئے ہدایت اس میں کھلے کھلے نشان ہیں۔ اور مقام ابراہیم بھی ہے۔ اور جو اس میں داخل ہوگیا۔ وہ امن میں ہوگیا۔ اور لوگوں پر اللہ تعالے کا حق ہے۔ کہ جس آدمی کو وہاں جانے کی طاقت ہو وہ بیت اللہ کا حج کرے۔ اور جو انکار کرے۔ تو اللہ تعالے تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اگرچہ خدا تعالے کی مہربانی سے کعبہ کی حقیقت سے تو الحاق میسّر ہے۔ اور اس الحاق کے بعد بھی بے اندازہ ترقیات حاصل ہوئی ہیں۔ لیکن کعبہ کی صورت کو ظاہر میں دیکھنے کا شوق ہے۔ حج فرض ہو چکا ہے۔ اور رستے کا امن بھی سلامتی کے غلبہ کے سبب ثابت ہے۔ اور ادائے فرض کا شوق بھی کمال درجہ کا ہے۔ لیکن تاخیر در تاخیر ہے۔ سفر کے متعلق استخارہ کم ہی املا کرتا ہے۔ جتنی بھی اچھی طرح توجہ کرتا ہوں۔ جانے کی راہ نہیں کھلتی۔ اور کعبہ تک پہنچنا نظر نہیں آتا۔ کیا کیا جائے۔ اور ادائے فرض میں تاخیر کرنے کے لئے یہ تمام عذر فائدہ مند نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔ فرض حج کی ادائیگی کے لئے گھر سے نکلنا ہی چاہیئے۔ اور سر آنکھوں سے ان منازل کو قطع کرنا چاہیئے۔ اگر وہاں تک پہنچ جائیں۔ تو یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور اگر راستہ ہی میں رہ جائے۔ تو اجر کی امید تو کہیں گئی ہی نہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر دے اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وصلی اللہ تعالے علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

ۓ میں اس پرندے کا نشان تجھ کو کیا بتاؤں جو عنقا کا ہم آشیاں ہے۔ ۱۲

ۓ آدمی عنقا کا نام تو جانتے ہی ہیں۔ اور میرے پرندے کا نام بھی معلوم نہیں ہے۔ ۱۲

ۓ سورہ آل عمران پارہ لن تنالوا۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۳۷

مخدوم زادہ مجد الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالی کی طرف صادر فرمایا۔
انسان کامل کے ظاہر و باطن اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

انسان عالم امر و عالم خلق کے مجموعہ سے عبارت ہے۔ عالم خلق کو انسان کا ظاہر اور صورت میں تصور فرماتے ہیں اور عالم امر کو انسان کا باطن و حقیقت جانتے ہیں۔ اور اعیان ثابتہ (صور علمیہ) کو جو ممکنات کی حقیقت کہتے ہیں۔ تو وہ اس اعتبار سے ہے۔ کہ ممکنات ان اعیان کے ظلال ہیں۔ اور وہ اعیان ان کے اصول ہیں۔ کیونکہ ممکنات کی ماہیت و حقیقت وہی اعیان کے ظلال ہیں۔ کہ ممکنات ان ظلال سے ممکنات بنی ہیں۔ اور اپنا وجود ظلی پیدا کیا ہے۔ برخلاف ان اعیان کے کہ تعینات وجوبیہ کا اس جگہ اثبات کرتے ہیں۔ اور اس کو امکان کے مراتب سے بلند سمجھتے ہیں۔

کیونکہ تعین وحدت اور تعین واحدیت کو جو کہ اعیان ثابتہ کا مرتبہ ہے۔ تعین وجوبی کہتے ہیں۔ اور تعین اور تعینات کو بھی جو کہ تعین روحی اور تعین مثالی اور تعین حسی ہیں۔ تعین امکانی سمجھتے ہیں۔ پس تعین وجوبی کو جو کہ تعین امکانی کی حقیقت کہتے ہیں۔ تو یہ بر سبیل مجاز ہو گا۔ کیونکہ حقیقت امکانی عالم امکان سے ہو گی۔ نہ کہ مرتبہ وجوب سے۔ اصل شے گویا حقیقت شے ہے۔ پس وہ جو کہتے ہیں۔ کہ صوفی کائن اور بائن ہے۔ یعنی ان کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہے۔ اور باطن ان سے جدا ہے۔ کہ وہ حق تعالے کے ساتھ ہے۔ تو ظاہر سے مراد اس کا عالم خلق سمجھتے ہیں۔ اور باطن سے اس کا عالم امر جانتے ہیں۔

اور اس مقام کو جو کہ دونوں وجوہ کا جامع ہے۔ بہت بلند کہتے ہیں۔ اور اس کو مقام تکمیل و ارشاد سمجھتے ہیں۔ اور تنزل دعوت کہتے ہیں۔ اور اس فقیر کو اس مقام کی معرفت خاصہ حاصل ہے۔ اور وہ وہ ہے۔ اور جو اخص الخواص شخص ہے۔ کہ جس کی نسبت عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے صورت اور ظاہر سے ہے۔ اور اس کا باطن وہ اسم ہوتا ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہے۔ دوسرے اسماء اور شیونات کے ساتھ جو کہ اس اسم کا اصل ہیں۔ یہاں تک کہ شیون اور اعتبارات سے خالی ذات کی بارگاہ تک ان کی انتہا ہوتی ہے۔

یہ پوری معرفت والا عارف جب تمام امکانی مراتب کو طے کر لیتا ہے۔ تو اس کو اس اسم تک رسائی ہو جاتی ہے۔ جو اس کا قیوم ہے۔ اور اس کی عین امکانی مراتب سے الگ ہو کر اس اسم کے ساتھ منطبق ہو جاتی ہے۔ اور ترتیب

کے ساتھ بر سبیل عروج وہ "ہیں"۔ اس اسم کے اوپر کئی مراتب تک جو کہ اس اسم کے اصل کی طرح ہیں۔ انطباق حاصل کرتی ہے۔ اور اسی طریقہ سے احدیت مجردہ تک پہنچتی ہے۔ پس یہ مراتب تمام انطباق اس کی "ہیں"۔ کے اس کی حقیقت ہو جاتی ہیں۔ کہ اس کا عالم امر اس کے عالم خلق کی طرح اس حقیقت کی صورت ہو جاتا ہے۔ اور یہ صورت اس حقیقت کے لئے لباس کی طرح ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص اس جامہ کو پہننے والا ہے۔ اور چونکہ دوسروں کا "انا" (میں) کا اطلاق کرنا صرف عالم خلق اور عالم امر پر بس ہے۔ تو لازمی طور پر ان کی صورت و حقیقت یہی عالم خلق اور عالم امر ہوتا ہے۔ اور وہ اسماء جو ان تعینات کے مبادی ہیں۔ ان کے قیوم سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

سوال :۔ عارف جتنا بھی کمال معرفت پیدا کرے۔ وہ ممکنات ہی سے ہے۔ اور امکان سے نکل کر وہ وجوب سے متصف نہیں ہو سکتا۔ پس وہ اسم جو اس کا قیوم ہے۔ اور مرتبہ وجوب سے ہے۔ وہ کس طرح اس کی حقیقت اور اس کا جزو ہو گا۔

جواب :۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ حقیقت شہود کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ وجود کے اعتبار سے تاکہ استحالہ لازم آئے جیسا کہ بقا باللہ کہتے ہیں۔ یہ شہود صرف تخیل نہیں ہے۔ اس پر ثمرات اور نتائج بھی مرتب ہوتے ہیں۔ ؎

فریادِ[1] حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست ! ہم قصہ غریب و حدیثِ عجیب ہست۔

پس محقق ہوا۔ کہ دوسروں کی حقیقت اور مجموعی صورت اس عارف کی مجرد صورت ہے کہ اس کی حقیقت کی نسبت سے یہ صورت ایک اکہرے لباس کی مانند ہے۔ بہ نسبت اس لباس کے پہننے والے کے پس دوسرے اس کی حقیقت سے کیا معلوم کر سکتے ہیں۔ اور کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اور اپنی حقیقتوں اور صورتوں کے مماثل ہونے کے سوا اور تصور[2] بھی کیا کر سکتے ہیں۔ اس عارف کی معرفت حق سبحانہ کی معرفت کو مستلزم ہے۔ إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللهُ۔ (جب وہ دیکھے جاتے ہیں۔ تو اللہ یاد آجاتا ہے۔) ان عارفوں کا نشان ہے۔ اے خداوند! یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ تو نے اپنے دوستوں کو کیسے بنایا ہے۔ کہ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھ کو پایا۔ اور جب تک تجھ کو نہ پایا۔ ان کو نہ پہچانا۔

اور وہ جو اس فقیر نے اپنی بعض کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے۔ کہ پوری معرفت والا عارف رجوع کے بعد کلی طور پر اپنے آپ کو دنیا والوں کی دعوت کے لیئے متوجہ کر دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ کہ اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہو۔ اور اس کا باطن حق جل و علا کے ساتھ۔ اس کلیت سے مراد اس کا عالم امر اور عالم خلق ہے جس طرح کہ

---

[1] حافظ کی یہ تمام فریاد آخر بے مقصد نہیں ہے۔ قصہ ہی بڑا نادر اور بات بڑی عجیب ہے۔ ۱۲

[2] اسی عبارت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اولیائے کرام بھی عوام انسانوں کی مانند ہیں۔ بلکہ اللہ تعالے نے ان کو کئی اعتبار سے فوقیت دی ہے۔ (حاشیہ صفحہ از مترجم)

ان لوگوں میں متعارف ہے۔ یعنی عالم خلق و عالم امر دونوں کی طرف دعوت کے لئے متوجہ ہوتا ہے۔ اور وہ حقیقت و باطن جو اس فقیر نے اوپر لکھا ہے۔ تو اس سے مراد اسم قیوم اور اس کا مافوق ہے۔ اور اس کا حق جل و علا کے ساتھ توجہ کا کوئی معنی نہیں ہے۔ کہ وہ تو عالم وجوب سے ہے۔ جیسا کہ پہلے گذرا۔

بہر صورت رجوع کے وقت عارف کامل کی توجہ پوری طرح خلق کی جانب ہوتی ہے۔ اور جس کا ایک رخ مخلوق کی طرف ہو۔ وہ توسط سیر میں ہے۔ لیکن اس سالک شخص سے بلند تر ہے۔ جس کی تمام توجہ خدا تعالےٰ کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ آدمی بندوں کے حقوق ادا کرنے میں ناقص ہے۔ اور وہ دونوں کے حقوق یعنی خالق جل و علا کے حقوق اور جتنا ہو سکے مخلوق کے حقوق بھی پورے کرتا ہے۔ اور خلق کو خدا تعالےٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ تو وہ اس کی نسبت زیادہ کامل ہوگا۔

معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حق جل شانہ کی طرف توجہ بُعد کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور اس عارف کے حق میں بُعد دوسروں کا نصیب ہو چکا ہے۔ جو کہ توجہ کا محتاج ہے۔ کبھی تم نے کوئی ایسا آدمی بھی دیکھا ہے۔ جو اپنے آپ کی طرف متوجہ ہو۔ پھر اس کی طرف متوجہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو اپنے آپ سے بھی نزدیک تر ہے۔ کہ اس کی طرف توجہ کی کوئی صورت ہی نہیں ہے اور یہ توجہ نہ کرنا اس عارف کے کمالات کی خصوصیات سے ہے۔ اور دور بین لوگ ہو سکتا ہے۔ کہ اس کو نقص سمجھ لیں۔ اور توجہ کو عدم توجہ سے زیادہ کمال تصور کریں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالےٰ ان کو انصاف کی توفیق دے۔ اور یہ اپنے جہل مرکب کا حکم نہ کریں۔ اور ہنر کو عیب نہ جانیں۔

مکتوب نمبر ۴۷

خواجہ ہاشم کی طرف صادر فرمایا۔

اس آیت کے معنی میں فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ اور اس آیت کے معنی میں اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ الآیۃ اور انسان کامل کی خلافت کے بیان میں کہ اس کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ اس کو تمام اشیأ کا قیوم بنا دیتے ہیں۔ اور یہ اپنے نفس کے لئے ظالم ہے اور مُقۡتَصِد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کرتے ہیں اور سابق الخیرات کو محب اور محبوب سے کہ جن کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے[1]

[1] سورۃ فاطر پارہ ۲۲-۱۲

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ

پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا۔ جن کو ہم نے اپنے بندوں سے انتخاب کیا پھر کچھ تو ان سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور کچھ میانہ رو ہیں۔ اور کچھ خدا کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔
[لہ] اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔

یقیناً ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا۔

دونوں آیتوں کی مراد وہی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ چاہے۔ اور ہم اپنی معلومات کے مطابق ان کا مطلب بیان کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں۔ یا غلطی کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ جاننا چاہیے۔ [لہ] اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ خداوند تعالےٰ صورت سے پاک اور بلند ہے۔ پس آدم کی خدا تعالےٰ کی صورت پر پیدائش کا یہی معنی ہو سکتا ہے۔ کہ اگر مرتبہ تنزیہ کے لئے عالم مثال میں کوئی صورت فرض کر لی جائے۔ تو وہ یہی صورت جامع ہو گی۔ کہ انسان اس صورت جامع پر موجود ہوا ہے۔ دوسری کسی صورت کو اس کی قابلیت نہیں ہے۔ کہ اس مرتبہ مقدسہ کی تمثال ہو سکے۔ اور اس کا آئینہ بن سکے یہی وجہ ہے۔ کہ انسان اللہ تعالےٰ کی خلافت کے لائق ہو گیا ہے۔ کیونکہ جب تک وہ کسی شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو۔ اس شے کی خلافت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خلیفہ شے اس شے کا جانشین ہے۔ اور اس شے کے قائم مقام ہے۔ اور جب انسان رحمٰن کا خلیفہ ہوا۔ تو لازمی طور پر بار امانت کے اٹھانے کے لئے متعین ہوا۔ "بادشاہوں کے انعامات کو اسی کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں"۔

آسمان و زمین اور پہاڑ وہ جامعیت کہاں سے لائیں۔ کہ اللہ کی صورت میں مخلوق ہوں۔ اور اس کی خلافت کے حقدار ٹھہریں۔ اور اس کی امانت کا بوجھ اٹھائیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ اگر بالفرض اس امانت کے بوجھ کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں کے حوالہ کر دیتے۔ تو وہ پارہ پارہ ہو جاتے۔ اور ان کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہتا۔ اور وہ امانت اس حقیر کے خیال کے مطابق نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے۔ جو کہ انسان کے کامل افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی

[لہ] سورہ احزاب پارہ من یقنت ۱۲۔

[لہ] اس حدیث کا مفہوم صحیح دفتر اول کے مکتوب کے حاشیہ میں بیان کیا ہے اس کا مطالعہ فرمائیں۔ ۱۲۔

کامل انسان کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ بحکم خلافت اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں[۱]۔ اور تمام مخلوق کو وجود اور بقا اور تمام کمالات ظاہری و باطنی کے فیوض اس کے واسطہ سے پہنچاتے ہیں۔ اگر فرشتہ ہے تو اسی سے متصل ہے۔ اگر انسان و جن ہیں۔ تو اسی کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ اور حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اسی کی جانب ہے اور تمام اسی کو دیکھنے والے ہیں۔ اسی معنی کو سمجھیں بیان فرمایا ہے۔

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔ یعنی اپنے نفس پر بہت ظلم کرنے والا اس قدر کہ اپنے وجود اور وجود کے توابع میں سے کوئی بھی اثر اور حکم نہیں رکھتا۔ اور جب تک اپنے اوپر اس قدر ظلم نہ کرے۔ امانت کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جَهُولًا بہت زیادہ جہالت والا اتنا کہ اسے اپنے مطلوب کا کوئی ادراک اور علم نہیں ہوتا۔ بلکہ ادراک سے عاجز اور مقصود کے علم سے جاہل ہوتا ہے۔ اور یہ عجز و جہل اس کمال کے مقام میں معرفت ہے۔ کیونکہ یہاں جو سب سے زیادہ جاہل ہے۔ وہ سب سے بڑا عارف ہے۔ اور اس میں تو شک نہیں۔ کہ جو سب سے بڑا عارف ہو۔ وہی امانت اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے۔ یہ دونوں صفتیں گویا بار امانت کے اٹھانے کا سبب ہیں۔

یہ عارف جو قیومیت اشیاء کے منصب پر مقرر ہوا ہے۔ یہ وزیر کا حکم رکھتا ہے۔ کہ مخلوقات کی مہمات اس کی طرف راجع ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ کہ انعامات بادشاہ کی طرف سے ہیں۔ لیکن ان کی وصولی وزیر کے توسط سے وابستہ ہے۔ اس دولت کے سردار ابو البشر حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور یہ بلند منصب اصل میں تو انبیاء اولو العزم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور ان بزرگواروں کی تبعیت اور وراثت میں جس کو چاہیں۔ اس دولت سے مشرف کریں۔ ؎

با کریماں[۲] کارہا دشوار نیست

اور وارثان کتاب میں سے جو کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ پہلی جماعت یہی اپنی جان پر ظلم کرنے والی ہے جو کہ وزارت و قیومیت کے منصب سے مشرف ہوتی ہے۔

اور ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسری جماعت جس کو مقتصد سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو خلت کی دولت سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور صاحب سر اور اہل مشورہ ہیں۔ اگرچہ بادشاہت کے کاروبار اور معاملہ کا تعلق وزیر سے وابستہ ہے۔ لیکن خلیل ہم نشین ہے۔ اور صاحب الانس و الفت ہے۔ یہ اپنی خوشی کے لئے ہے۔ اور وہ (وزیر) دوسروں کی مہمات کے لئے۔ ان دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ اور اس بلند مقام کے سردار حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علی نبینا و علیہ

---

[۱] اولیاء اللہ کے کمالات و تصرفات کے منکرین حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کردہ معنی قیومیت میں غور فرمائیں۔ [۲] سخی لوگوں پر بہت سے کام مشکل نہیں ہوتے۔

الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور ان کے بعد جس کو بھی اس بلند مقام سے مشرف کردیں۔

اور خلت کے مقام سے بالاتر محبت کا مقام ہے۔ کہ وہ تیسری جماعت سابق بالخیرات ہیں۔ جو اس مقام عالی پر مشرف ہوئے ہیں۔ مددگار اور ہم نشین اور ہے۔ اور دوست اور محبوب اور وہ اسرار و معاملات جو کہ محب اور محبوب کے درمیان گزرتے ہیں۔ یار و ندیم کو اس جگہ کیا دخل ہے۔ ؟ ہر چند انس والفت کے کمال کے وقت محبت کے مخفی اسرار کو خلیل جلیل القدر سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کو محب اور محبوب نہیں بنایا جاسکتا۔ محبوں کے حلقہ کے سردار حضرت کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور محبوبوں کی جماعت کے سردار حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔ اور ان صاحب دولتوں کی تبعیت و وراثت میں جس کو بھی ان دو مقامات سے مشرف کریں۔

اور وہ مقامات جو مقام محبت سے اوپر ہیں۔ ان کو بھی اس فقیر نے اپنے مکتوبات میں سے ایک مکتوب میں لکھا ہے۔ اور اس جگہ بھی صدر نشین حضرت محمد رسول اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یہ سب مقام سابقین میں داخل ہیں۔ جو کہ وارثان کتاب میں سے تیسرے فرقہ کا حصہ ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے معاملہ میں بھلائی مہیا کر۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

مکتوب نمبر ۷۵

مرزا مظفر خاں کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ مصیبتیں اور سختیاں دوستوں کے لئے کفارہ ہیں۔ اور تضرع اور عاجزی سے معافی اور عافیت طلب کرنا چاہیئے۔ اور اسکے مناسبات

اللہ تعالیٰ آپ کو ان چیزوں سے محفوظ رکھے۔ جو تمہاری جناب کے لائق نہیں ہیں۔ دنیوی مصیبتوں اور سختیوں کا ورود دوستوں کے لئے ان کی لغزشوں کا کفارہ ہے۔ تضرع و زاری و التجا و انکساری سے جناب قدس سے معافی اور عافیت طلب کرنا چاہیئے۔ اور اسوقت تک طلب کرنا چاہیئے۔ جب تک کہ قبولیت کا اثر ظاہر ہو۔ اور فتنے بیٹھ جائیں۔

اگرچہ دوست اور خیر خواہ بھی اسی کام میں ہیں۔ لیکن اس کام کا سب سے زیادہ حقدار صاحب معاملہ ہے۔ دوا کھانا اور پرہیز کرنا بیمار کا کام ہے۔ اور دوسرے تو بیماری کے ازالہ میں صرف اس کے مددگار ہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے۔ کہ جو کچھ بھی محبوب حقیقی سے پہنچے۔ اسے خندہ پیشانی اور فراخ سینہ سے اس کے احسان کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔ بلکہ

اور اللہ وہ ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا) بلکہ پانی کی پیدائش بھی اس آیت سے ان چیزوں سے پہلے معلوم ہوتی ہے۔ پس عرش مجید جس طرح کہ زمین کی جنس سے بھی نہیں ہے۔ آسمانوں کی جنس سے بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عالم امر سے بھی بہت سا حصہ رکھتا ہے۔ اور یہ چیزیں اس سے کوئی حصہ نہیں رکھتیں۔

خلاصہ کلام چونکہ عرش کو آسمانوں سے زمین کی نسبت بہت زیادہ مناسبت ہے۔ تو لازمی طور پر اسے آسمانوں میں شمار کیا گیا" ورنہ فی الحقیقت وہ جیسے زمین سے نہیں ہے۔ آسمانوں سے بھی نہیں ہے۔ تو لازمی طور پر زمین و آسمان کے احکام و آثار علیحدہ ہوں گے۔ باقی رہا کرسی کا معاملہ تو وہ آیت کریمہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کرسی بھی آسمانوں سے الگ ہے۔ اور ان سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اور شک نہیں ہے۔ کہ کرسی عالم امر سے نہیں ہے کیونکہ کرسی کو عرش سے نیچے کہتے ہیں۔ اور عالم امر کا معاملہ عرش سے اوپر ہے۔ اور چونکہ کرسی عالم خلق سے ہے۔ اور اسکی پیدائش آسمانوں سے جدا ہے۔ تو چاہیئے کہ اس کی پیدائش ان چھ دنوں کے علاوہ ہو۔ اور اس معنی میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ تمام عالم خلق کو ان چھ دنوں میں ہی پیدا نہیں کیا ہے۔ کہ پانی کی پیدائش جو کہ عالم خلق سے ہے۔ ان چھ روز کے علاوہ ہے۔ اور ان چھ دنوں سے پہلے ہے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور چونکہ کرسی کا معاملہ ہم پر اچھی طرح نہیں کھلا ہے لہذا اس کی تحقیق کو دوسرے کسی وقت پر ڈالتے ہیں۔ اور اللہ کی نوازش سے ہم اس کی امید رکھتے ہیں۔ اے میرے رب مجھے علم زیادہ عطا فرما۔

اس تحقیق سے دو قوی اعتراض خود بخود رفع ہو گئے۔ ایک تو یہ کہ جب زمین اور آسمان نہیں تھے۔ تو چھ دن کی تعین و تشخیص کس طرح ہو گئی۔ اور اتوار کا دن سوموار سے کیونکہ جدا ہوا۔ اور منگل بدھ سے کس طرح الگ ہوا۔ اور جمعرات کا دن کیسے ممتاز ہوا۔؟۔

جب عرش کی پیدائش زمین و آسمانوں کی پیدائش سے پہلے معلوم ہو چکی۔ تو زمانہ کا حصول متصور ہو گیا۔ اور ایام کا ثبوت واضح طور مہیا ہو گیا۔ اور اعتراض ختم ہوا۔ یہ کب ضروری ہے۔ کہ مخصوص ایام کا امتیاز آفتاب کے طلوع و غروب سے ہو۔ کیونکہ بہشت میں طلوع و غروب نہیں ہے۔ اور دونوں کا امتیاز ثابت ہے۔ جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔

دوسرا اعتراض جو رفع ہوا ہے۔ اور اس فقیر کے علوم سے مخصوص ہے۔ یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ میرے آسمان اور میری زمین مجھے نہیں سما سکتیں۔ لیکن مجھ سماسکتا ہے۔ میرے مومن بندے کا دل"۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ظہور تام مومن بندے کے دل سے مخصوص ہے۔ اور اس کے علاوہ اور

سلہ سورہ بقر پارہ ۳-۱۲

کسی کو یہ دولت میسر نہیں ہے۔ اور تم نے اپنے مکتوبات میں اس کے برخلاف لکھا ہے۔ کہ ظہور اتم عرش مجید کے لئے ہے۔ اور ظہور قلبی ایک چمک ہے۔ ظہور عرشی سے۔

اور اس سابق تحقیق سے معلوم ہے۔ کہ عرش مجید کے آثار و احکام سے علیحدہ ہیں۔ زمین اور آسمانوں میں گنجائش نہیں ہے۔ اور عرش میں ہے۔ ہاں زمین اور آسمان اور ان کے اندر کی موجودات اس وسعت کی قابلیت نہیں رکھتے۔ سوائے مومن بندے کے دل کے کہ وہ اس دولت کے لئے مستعد ہے۔ پس وسعت قلبی کا حصر زمین اور آسمانوں کی نسبت سے ہے۔ نہ کہ تمام مخلوقات کی نسبت سے جو کہ عرش مجید کو بھی شامل ہو۔ تاکہ حدیث قدسی کے مفہوم کے خلاف متصور ہو۔ پس دوسرا اعتراض بھی رفع ہوا

جاننا چاہیئے۔ کہ عرش مجید جو کہ ظہور تام کا محل ہے۔ جب آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ ان سب کو عرش کے مقابل لاتے ہیں۔ تو بلاشبہ وہ ناچیز اور نابود ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ مگر انسان کا دل جو کہ خدا تعالےٰ کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ باقی رہتا ہے۔ اور محض لاشئے نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح وہ ظہور جو کہ عرش سے اوپر کی جانب سے تعلق رکھتا ہے۔ جو کہ صرف عالم امر سے ہے۔ عرش کا اس مرتبہ کی نسبت وہی حکم ہے۔ جو کہ زمین اور آسمانوں کو عرش سے نسبت ہے۔ اور اسی طرح ہر بلند کو اپنے پست سے یہی نسبت ہے۔ یہاں تک کہ عالم امر ختم ہو جائے۔ اس دائرہ کے ختم ہونے کے بعد معاملہ حیرت اور جہل کا ہے۔ اگر کچھ معرفت ہے تو وہ بھی مجہول الکیفیت ہے۔ جو کہ حادث عقل و فہم کے لائق نہیں ہے۔ اب ہم انسانی کمالات اور انسان کے دل کے متعلق کچھ بیان کرتے ہیں سے

عیب[۱] مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

عرش مجید اگرچہ فراخ تر اور مظہر اتم ہے۔ لیکن وہ اس دولت کے حصول کا علم نہیں رکھتا۔ اور اسکو اپنے کمالات کا ظہور حاصل نہیں ہے۔ برخلاف قلب انسانی کے کہ وہ صاحب شعور ہے۔ اور اپنی معرفت اور علم سے معمور ہے۔ اور دل کو دوسری فضیلت وہ ہے۔ جو ہم بیان کرتے ہیں۔ اچھی طرح سنو۔

مجموع انسان جسے عالم صغیر کہتے ہیں۔ ہر چند کہ عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہے۔ لیکن اس کو اجتماعی حقیقی صورت حاصل ہے۔ کہ اس ہیئت پر احکام و آثار مرتب ہوتے ہیں۔ اور عالم کبیر کو یہ ہیئت حاصل نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف اعتباری ہے۔ پس وہ فیوض جو اس ہیئت وحدانی کی راہ سے انسان تک اور اس کے ذریعہ قلب انسانی تک پہنچتے ہیں۔ عالم کبیر اور عرش مجید جو کہ اس عالم کبیر میں دل کی طرح ہے۔ ان کو ان فیوض و برکات سے کچھ حصہ نہیں ہے۔

---

[۱] تو نے شراب کے تمام عیب بیان کئے ہیں۔ اس کا ہنر بھی بیان کر ۱۲

اور ایک یہ فضیلت بھی ہے۔ کہ جزو ارضی جو کہ حقیقت میں مخلوقات کا خلاصہ ہے۔ دوری کے باوجود اقرب ظہور بات ہے۔ اس کے کمالات نے مجموعہ عالم صغیر میں سرایت کی ہے۔ اور عالم کبیر میں چونکہ وہ مجموعہ نہیں ہے۔ یہ سرایت اس جگہ مفقود ہے۔ پس عرش مجید کے برخلاف انسان کا دل یہ کمالات بھی رکھتا ہے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ یہ فضائل و کمالات جو کہ قلب میں ثابت کیئے گئے ہیں۔ اگر ان کو اچھی طرح دیکھا جائے۔ تو یہ جزوی فضیلت میں داخل ہیں۔ کلی فضیلت ظہور عرشی ہی کو حاصل ہے۔ عرش اور قلب کی مثال اس طرح معلوم ہوتی ہے۔ کہ گویا ایک وسیع آتش ہے۔ جس نے دشت و صحرا کو منور کر رکھا ہے۔ اور اس آگ سے ایک مشعل روشن کی ہے۔ جس نے بعض امور کے الحاق سے ایک الگ نورانیت پیدا کر لی ہے۔ جو اس آگ میں نہیں ہے۔ اور شک نہیں ہے۔ کہ یہ زیادتی سوائے جزوی فضیلت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالے ہی تمام امور کے حقائق کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش یقینا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وصلی اللہ تعالے علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین وسلم وبارک وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین اجمعین۔

مکتوب نمبر ۷۷

مولانا حسن برکی کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے خط کے جواب میں جس میں انہوں نے صوفیہ کے کلام پر کچھ اعتراضات کیئے تھے۔ اور مکتوب کے آخر میں لکھا تھا۔ کہ احکام شرعیہ میں سے ہر حکم گویا کہ ایک دریچہ ہے۔ جو مقصود کے شہر کو پہنچانے والا ہے۔ اور کچھ اور بھی استفسار کیے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

بھائی شیخ حسن کا گرامی نامہ پہنچا۔ اللہ ان کے حال کو اچھا کرے۔ چونکہ اس میں تشرع اور استقامت کی خوشبو تھی۔ طبیعت خوش ہوئی

آپ نے لکھا ہے۔ کہ وہ سلوک جو مشہور ہے۔ اور جس کا سالک اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جو ہمارے مفہوم میں ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مبتدی کو اس وقت تک ذکر کرنا چاہیئے۔ جب تک کہ دل ذکر کرنے لگے۔ اور پھر اس وقت ذکر کرے جب کہ دل ذکر کرنے سے رک جائے۔ یہاں تک کہ الہامات و تجلیات کا محل ہو جائے۔ اور سالک فنا کے مقام میں پہنچ جائے۔ جو کہ ولایت کا پہلا قدم ہے۔ اور صوفیاء نے کہا ہے۔ کہ فناء وہ ہے۔ کہ سالک کی دید و دانش ہر اس چیز

سے "جو غیر" کے نام کے ساتھ موسوم ہے۔ اپنا رخت سفر باندھے۔ اور سالک کی دید و دانش میں سوائے خداوند تعالےٰ کے اور کوئی چیز باقی نہ رہے۔ اس کو شہود اور مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔ مقصود یہ ہے۔ کہ وہ اپنے خیال میں اللہ تعالےٰ کو دیکھتا ہے۔ اور مسمّٰی بالغیر کو نہیں دیکھتا۔ اور دو دیکھنے والے کو طریقت کا مشرک کہتے ہیں۔

اور آپ نے لکھا ہے۔ کہ فقیر کو یہ معارف اور اس جیسے اور معارف بدظن کر رہے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کا مقصود یہ ہے۔ کہ حق جل سلطانہ دنیا میں ظاہری آنکھ یا بصیرت سے دیکھا جائے۔ اگر وہ اس شہود سے علم کی رویت مراد لیتے ہیں تو یہ بھی طریقت کے مشرک ہیں۔ اور اگر اس معنی سے شعور مراد نہیں رکھتے۔ تو یہ کس کی خبر دیتے ہیں۔ اور کون خبر دیتا ہے۔

اور لکھا ہے۔ کہ جو کچھ وہ دیکھتے ہیں۔ ہر لحاظ سے خواہ وہ تجلی صوری ہو۔ خواہ معنوی اور خواہ نوری ہو۔ یا اس کے علاوہ اور اس نظر آنے والی چیز کو خداوند تعالےٰ کی ذات سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بلند و بالا ہے۔ کہ جو کچھ مسمّٰی بالغیر ہے۔ اس کا ظہور جانتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک تو یہ سب کچھ بے حاصل اور بے فائدہ ہے۔ اور نص کریمہ کے خلاف ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اور اس آیت کے بھی خلاف ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ پس یہ لوگ کیا دیکھتے ہیں۔ اور کیا جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہم اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو نہیں دیکھتے۔ اور نہیں جانتے۔ اور اس کو شہود اور مشاہدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ تمام افکار جو وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی تدبیر میں رکھتے ہیں۔ یہ غیر ہے۔ یا نہیں۔؟

جان لیں اور آگاہ ہو جائیں۔ کہ یہ تمام طول طویل گفتگو اور نامناسب اعتراضات جو کہ تم نے مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارہم پر کئے ہیں۔ ان کا سبب ان بزرگواروں کے مطلب کو نہ سمجھنا ہے۔ توحید شہودی جو کہ "ایک" کو دیکھنا ہے اور ماسوی کے نسیان سے وابستہ ہے۔ ان بزرگواروں کی طریقت کے ضروریات سے ہے۔ جب تک یہ نہ ہو۔ اغیار کی گرفتاری سے خلاصی نہیں ملتی۔ اور تم اس دولت اور اس کے مالکوں کو ٹھٹھا اور مذاق کر رہے ہو۔ وہ شہود و رویت جو کہ ان اکابر مشائخ قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم کی عبارتوں میں واقع ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کے بیچون حضور سے عبارت ہے۔ جو کہ مرتبہ تنزیہ کے مناسب ہے۔ اور ادراک کے حیطہ سے جو کہ "چون" کے عالم سے ہے۔ باہر ہے۔ اور اس حضور کی دولت کو دنیا میں باطن سے مخصوص رکھا ہے۔ ظاہر میں دو دیکھنے سے چارہ نہیں ہے۔ اسی طرح کہا ہے۔ کہ جس طرح عالم کبیر میں مشرک اور موحد ہے۔ اسی طرح عالم صغیر میں بھی مشرک و موحد جمع ہے۔ کامل کا باطن ہر وقت موحد ہے اور اس کا ظاہر مشرک ہے۔ پس باطن کامل خدا تعالےٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کا ظاہر اہل و عیال کی تدبیر میں اور اس میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ اعتراض بے سمجھی کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ ہرگز اس قسم کی باتیں نہ کریں۔ اور خداوند تعالےٰ کی غیرت سے ڈریں۔

اس وقت کے ظاہری دعوی داروں نے آپ کو پریشان کر دیا ہے۔ بزرگوں کا ملاحظہ ضروری ہے۔ اگر آپ جھوٹے مدعیوں کے محدثات و اختراعات کے متعلق کہتے ہیں۔ تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن وہ جو صوفیا کی قوم میں مقرر ہے۔ اور اس راہ میں لازمی ہے۔ اس کے متعلق بات کہنا مناسب نہیں ہے۔ آپ نے اس فقیر کے مکتوبات اور رسائل میں دیکھا ہوگا۔ کہ توحید شہودی کے متعلق کتنا لکھا جا چکا ہے۔ اور ان کو ضروریات راہ سے قرار دیا ہے۔ تمہیں چاہئے تو یہ تھا۔ اس معنی کے متعلق استفسار کرتے۔ اور حسن ادب سے سوال کرتے۔ یہ وہ پھول ہے۔ جو مولانا احمد مرحوم کی مفارقت کے بعد کھلا ہے۔ مولانا کی زندگی میں اس قسم کی باتیں آپ سے کبھی ظاہر نہ ہوتی تھیں۔ اچھا ہوا کہ تم نے لکھا اور تنبیہ پائی۔ اور آئندہ بھی جو کچھ ظاہر ہو۔ لکھو۔ اور صحیح و غلط کا لحاظ نہ کرو۔ اگر صحیح ہو تو خوشی کا باعث ہے۔ اور اگر غلط ہو تو انتباہ کا سبب ہے۔ بہر حال لکھنے سے سستی نہ کریں:

ایک سال کے بعد آپ کا خط قافلہ کے ہمراہ آتا ہے۔ اور سال میں ایک بار ضروری نصائح بہت ضروری ہیں۔ جب تک ان کے متعلق نہ لکھو گے۔ اور کچھ نہ لکھو گے۔ تو گفتگو کی راہ نہ کھلے گی۔ آپ نے پوچھا ہے کہ قلب ظاہری اشیا میں سے ہے۔ یا باطنی اشیاء میں سے عارف کے ظاہر و باطن کو تو ایک مکتوب میں تفصیل سے لکھا ہے ملا عبدالحی سے کہوں گا۔ کہ اس کی نقل آپ کو بھیج دیں۔ اس جگہ ملاحظہ فرمائیں۔ اور یہ بھی پوچھا تھا۔ کہ وہ طریقہ جو کشف اور تجلی کے بغیر ہے۔ اس میں متوسط اور منتہی کی شناخت کا کونسا طریقہ ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اگر یہ سالک جو اپنے احوال کا علم نہیں رکھتا۔ شیخ کامل مکمل کی خدمت میں ہے۔ جو راہ دان اور راہ بین ہے۔ تو اس کے حال کے متعلق اس شیخ کا علم کافی ہے۔ اور وہ اس کے بتانے سے اپنے توسط اور انتہا کو معلوم کرے گا۔

اور اگر شیخ نے اس کو ایک طرح کی ارشاد خلق کی اجازت دے رکھی ہے۔ تو اس کے مریدوں کے حالات اس کے کمالات کا آئینہ ہوں گے۔ اور اس جگہ سے اپنے نقص و کمال کو جان لے گا۔ اور معرفت کی انتہا کو جاننے کا ایک طریقہ وہ ہے کہ سالک کا اللہ سبحانہ و تعالٰے کے بغیر کوئی مقصود نہ رہے۔ اور اس کا سینہ تمام ماسوا مقصودات سے صاف اور خالی ہو جائے۔ انتہا کے بہت سے مراتب ہیں۔ جن میں سے بعض بعض سے بلند تر ہیں۔ اور نہایت میں پہلا قدم یہی ہے جو ذکر ہوا۔ اور اللہ سبحانہ و تعالٰے ہی توفیق دینے والا ہے۔

آپ نے لکھا تھا۔ کہ وہ علوم جو اس بے بضاعت کو تسلی دیتے ہیں۔ وہ علوم شرعیہ ہیں۔ گویا کہ شریعت کے احکام میں ہر حکم ایک دریچہ ہے۔ جو شہر مقصود کو پہنچانے والا ہے۔ اور اس شاہ بے نشاں کا ایک نشان ہے۔ اور یہی بیت نصب العین ہے۔ ؂

ما بسفر میروِیم[1] عزم تماشا کراست ما بر او مے رویم کز ہمہ عالم وراست

[1] ہم سفر پر جاتے ہیں۔ کس کا دیکھنے کا ارادہ ہے۔ ہم اس کے سامنے جا رہے ہیں۔ جو تمام جہان سے پرے ہے

آپ کی یہ معرفت بہت اصلی ہے۔ اور بہت بلند ہے۔ اور مل جانے کی توقع ہے۔ اس معرفت کے مطالعہ نے بہت محفوظ کیا۔ اور خط کی ابتدائی نامناسبت کو اس نے زائل کر دیا۔ اللہ سبحانہ وتعالے اسی راہ سے مقصود پر پہنچائے۔ اور آپ نے پوچھا تھا۔ کہ بعض مرد اور بعض عورتیں آتی ہیں۔ اور طریقہ کی درخواست کرتی ہیں۔ اور وہ سوُد کے کھانے پینے اور لباس سے پرہیز نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہم شرعی حیلہ سے اس کو جائز کر لیتے ہیں۔ ان کو طریقہ تعلیم کرنے کی اجازت ہے۔ یا نہیں۔؟

تم ان کو طریقہ کی تعلیم کرو۔ اور محرمات سے پرہیز کرنے کی ترغیب دو۔ شائد اس طریقہ کی برکت سے وہ اس اشتباہ سے باہر آجائیں۔ اور آپ نے ان دو سفید جھنڈوں کے متعلق جو کہ مشرق کی جانب ایک دوسرے کے پیچھے ظاہر ہوئے ہیں۔ سوال کیا ہے۔ فقیر نے دوسرے دوستوں سے استفسار کے بعد اس کے متعلق ایک مکتوب ملا عبدالحی کو لکھا ہے۔ انہیں انشاء اللہ کہا جائے گا۔ کہ اس کی نقل بھی آپ کو بھیج دیں۔

اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا۔ کہ کلام اللہ کا ختم کرنا اور نفل نماز پڑھنا اور تسبیح وتہلیل کرنا اور اس کا ثواب والدین کو یا استاد کو یا بھائیوں کو بخش دینا بہتر ہے۔ یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے۔ جان لینا چاہیئے۔ کہ ثواب بخش دینا بہتر ہے۔ کہ اسمیں دوسروں کا بھی نفع ہے۔ اور اپنا بھی فائدہ ہے۔ اور نہ بخشنے میں صرف اپنا ہی فائدہ ہے۔ اور یہ بھی ہے۔ کہ شائد دوسرے کی طفیل اس کے عمل کو قبول کر لیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۸۷

دارا ب خاں کی طرف صادر فرمایا۔

اس طائفہ علیہ کی محبت واخلاص کے بیان میں کہ یہ محبت واخلاص فنافی اللہ اور بقا باللہ کا زینہ ہے۔ اور اس کے متعلقات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

وہ خوشگوار دولت جو آپ کے خاندان میں باوجود دولتمندی اور باوجود حصول مواد استغناء کے محسوس ہوتی ہے یہ ہے۔ کہ فقراء سے نیازمندی اور اس طبقہ علیہ کی خدمت گزاری ہے۔ جو اس طبقہ سے محبت واخلاص کی علامت ہے۔ اس فرقہ ناجیہ سے دوستی اور اختصاص کی نشانی ہے۔ اس جماعت سے محبت رکھنے والوں کے لئے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کی محبت ہوگی۔) کی خوشخبری کافی ہے۔ اور اس طبقہ کے ہم نشینوں کے لئے ھُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ (وہ ایسی قوم ہیں۔ جن کے ہم نشین بدبخت نہیں ہوتے)

کی بشارت پوری ہے۔

اور جب خدا تعالیٰ کی مہربانی سے یہ محبت غلبہ پیدا کرتی ہے۔ اور اس طرح غالب آجاتی ہے۔ کہ اس محبت کے علاوہ اور کوئی چیز دل میں نہیں رہتی۔ اور دوسروں کی گرفتاری پوری طرح دل سے چلی جاتی ہے۔ اور محبت کے لوازمات جو کہ محبوب کی اطاعت اور محبوب کی مراد پر قائم رہنا اور اس کے اخلاق و اوصاف سے متخلق ہونا ہے ظاہر ہوتا ہے۔ اس وقت محبوب میں فنا حاصل ہو جاتی ہے۔ کہ پھر اس پر بقا باللہ مترتب ہوتی ہے۔ جو کہ ولایت کا حاصل ہے۔ مختصر یہ کہ اگر ابتدا ہی میں بغیر کسی کے واسطہ محبوب حقیقی کی محبت و جذبہ حاصل ہو جائے۔ تو یہ ایک بہت بڑی دولت ہے۔ جو فنا و بقا کا حاصل ہے۔ ورنہ کامل مکمل واسطہ سے چارہ نہیں۔ پہلے اپنی مرادات کو اس کی مرادیں ختم کر دینا چاہیئے۔ اور اس میں فانی ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ وہ فنا۔ فنا فی اللہ کا وسیلہ ہو جائے۔ اور ماسوی کی گرفتاری سے پوری طرح آزاد کرے۔ اور ولایت کے درجات تک پہنچا دے۔ ؎

برشکر غلطید اے سوداٸیاں   از برائے کوری سوداٸیاں۔

اس طرح کی باتیں طالبوں اور شائقوں کو بلانے اور شوق دلانے کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ اور اللہ سبحانہ وتعالےٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

باقی مقصد یہ ہے۔ کہ فقیروں کا خطے جانے والے محمد قاسم ایک بزرگ زادہ ہیں۔ اور فقیروں کی خدمت میں رہے ہیں۔ لیکن اپنے بڑے بھائی کی آغوش تربیت میں ناز و نعمت میں پل کر بڑے ہوئے ہیں۔ اور زمانے کی محنتیں کم دیکھی ہیں۔ آپ کی ملازمت کا شوق رکھتے ہیں۔ اگر ان کو اپنی سرکار کے ملازمین میں داخل کر لیں۔ اور ان کی حالت پر توجہ رکھیں۔ تو یہ آپ کے کرم سے بعید نہ ہوگا۔ زیادہ کیا تکلیف دوں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۷۹

یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا۔
ان کے خط کے جواب میں جو کہ کفر سے منہ پھیرنے اور اسلام کی طرف توجہ کرنے پر مشتمل تھا۔ اور اس کے مناسبات میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

آپ نے جو خط لکھ کر مولانا عبدالحی کے حوالہ کیا تھا۔ کہ وہ مجھے پہنچائیں۔ اس مدت میں انہوں نے نہ پہنچایا پھر

جس دن بابو جانے لگے۔ تو وہ اس خط کو لے آئے۔ جب اس کا مطالعہ کیا گیا۔ تو خوشی کا باعث ہوا۔ کہ وہ کفر سے روگردانی اور اسلام کی طرف توجہ کرنے پر مشتمل تھا۔ جس طرح اسلام مجازی کفر مجازی سے بہتر ہے۔ اسلام طریقت بھی کفر طریقت سے بہتر ہے۔ طریقت کے کفر میں سب مستی ہی مستی ہے۔ اور اسلام طریقت میں سب صحو (ہوش) ہے۔ پھر جس طرح مجازی صحو مجازی سکر (مستی) سے بہتر ہے۔ صحو طریقت بھی کفر طریقت سے بہتر ہے۔

طریقت کے کفر کا نتیجہ تشبیہ ہے۔ اور طریقت کے اسلام کا نتیجہ تنزیہ ہے۔ جتنا فرق تشبیہ اور تنزیہ میں ہے۔ اتنا ہی فرق طریقت کے اسلام اور کفر میں ہے۔ جن لوگوں نے تشبیہ اور تنزیہ کو اکٹھا کرنا چاہا ہے۔ اور اس کو کمال خیال کیا ہے۔ وہ تنزیہ بھی تشبیہ کا ایک حصہ ہے۔ جو کہ ان کی نظر میں تنزیہ معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ تشبیہ کی کیا مجال ہے۔ جو تنزیہ حقیقی کے ساتھ جمع ہو سکے۔ اور اس کے نور کے غلبہ میں مضمحل اور نابود نہ ہو جائے۔ ؎

بلے[1] ہر جا شود مہر آشکارا   سہا را چیست پنہاں بودن چہ یارا

اللہ سبحانہ و تعالیٰ حقیقی اسلام کی حقیقت سے بحرمت النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات مشرف فرمائے۔ مولانا بابو چونکہ جا رہے تھے۔ لہٰذا چند کلمات پر اختصار کرنا پڑا۔ والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔

مکتوب نمبر ۸۰

شیخ احمد تہاری کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ انہوں نے سوال کیا تھا۔ کہ تمہیدات میں عین القضاۃ لکھتے ہیں۔ کہ جس کو تم خدا جانتے ہو۔ ہمارے نزدیک وہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور جن کو تم محمد سمجھتے ہو۔ وہ ہمارے نزدیک اللہ جل سلطانہ ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

گرامی نامہ جو آپ نے کمال محبت و اخلاص اور جوش مودت و اخلاص سے لکھ کر ارسال کیا تھا۔ پہنچا۔ بہت خوشی ہوئی۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس دولت پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ کہ ہر جماعت کی محبت رکھنے والا اسی

---

[1] ہاں جہاں چاند طلوع کر آئے۔ وہاں سہا ستارے کے لئے روپوش ہونے سے چارہ نہیں۔ ۱۲

جماعت کے ساتھ ہوگا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے

آپ نے تمہیدات عین القضاۃ کی عبارت کے معنی کے متعلق پوچھا ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ "جس کو تم خدا جانتے ہو۔ ہمارے نزدیک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جنہیں تم محمد جانتے ہو۔ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام وہ ہمارے نزدیک خدا جل سلطانہ ہے"۔

میرے مخدوم! اس جیسی عبارتیں جو توحید اور اتحاد کی خبر دیتی ہیں۔ یہ غلبہ سکر ہیں جو کہ جمع کا مرتبہ ہے۔ اور جسے کفر طریقت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مشائخ قدس اللہ تعالےٰ اسرارہم سے صادر ہوتی ہیں۔ اور جدائی اور دوئی ان کی نظر سے اٹھ جاتی ہے۔ اور ممکن کو عین واجب پاتے ہیں۔ بلکہ ممکن کو وہ پاتے ہی نہیں۔ اور سوائے واجب تعالےٰ کے ان کے مشہود میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔

اس تقدیر پر اس عبارت کا معنی اس طرح ہوگا۔ کہ جدائی اور دوئی جو تمہارے نزدیک اللہ تعالےٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حاصل ہے۔ ہمارے نزدیک وہ امتیاز ثابت نہیں ہے۔ اور نہ مغایرت حاصل ہے۔ بلکہ وہ ایک ہی ہے۔ جو وحدت سے پاک ہے۔ اور دوسرے کا عین بھی ہے۔ جب کہ تمام ممکنات سے مغایرت کی نسبت ختم ہو جاتی ہے۔ اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اللہ تعالےٰ کے کمالات کے مظہر اتم ہیں۔ تو انسے امتیاز کی نسبت کیسے ثابت ہوگی۔ اور یہ دیکھنا مرتبہ جمع سے مخصوص ہے۔

اور جب سالک اس مقام سے بلند ہو جاتا ہے۔ اور افراط سکر سے آنکھیں کھولتا ہے۔ تو محمد کو بندہ پاتا ہے اور اسے خدا تعالےٰ کا رسول سمجھتا ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں جانتا تھا۔ "نہایت بدایت کی طرف رجوع کا نام ہے"۔ یہ مقولہ آپ نے سنا ہوگا۔ جان لیں کہ مبتدی و منتہی کا اشتراک صرف صورت میں ہے۔ جو کہ منتہی کے پوشیدہ ہونے کا باعث ہے۔ ورنہ۔ ع

چہ[۱] نسبت خاک را با عالم پاک

جب کہ وہ متوسط کو بھی منتہی سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ تو مبتدی کو جو معاملہ سے دور ہے۔ اسکے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ والسلام علیکم وعلی من لدیکم

---

[۱] خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت ہے ۱۲۔

مکتوب نمبر ۸۱

محمد مراد قوربیگی کی طرف صادر فرمایا۔

پند و نصائح اور کمینی دنیا کی خوشنما چیزوں سے پرہیز کرنے اور اس کے مناسبات کے بیان میں۔)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

میں ڈرتا ہوں۔ کہ نیک انجام دوست کمینی دنیا کی آرائش میں جو کہ بظاہر تازگی اور شیرینی رکھتی ہیں۔ بچوں کی طرح فریفتہ نہ ہو جائیں۔ اور دشمن لعین کی راہنمائی سے مباح سے مشتبہ میں۔ اور مشتبہ سے حرام میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور اپنے مولا جل سلطانہ سے شرمندہ اور نادم ہونا پڑے۔ توبہ و رجوع الی اللہ میں قدم مضبوط رکھنا چاہیے۔ اور شریعت کے نواہی کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے۔

ہمہ اندرزمن بہ تو این است[1] کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے بندوں پر اپنی مہربانی سے مباحات کا دائرہ بڑا وسیع کیا ہے۔ وہ بڑا ہی کوئی بدنصیب ہوگا۔ جو کہ سینہ کی تنگی کی وجہ سے اس دائرہ کو تنگ سمجھے۔ اور وسیع دائرہ سے باہر قدم رکھے۔ اور حدود شریعت سے تجاوز کرے۔ اور مشتبہ اور حرام میں مبتلا ہو جائے۔ شریعت کی حدود کا التزام کرنا چاہیئے۔ اور ان سے سر مو تجاوز نہ ہونا چاہیے رسم اور عادت کے طور پر نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے بہت ہیں۔ لیکن ایسے پرہیزگار جو حدود شریعت کی حفاظت کریں۔ بہت کم لوگ ہیں۔ اور نیک و بد میں فرق کرنے والی چیز یہی پرہیزگاری ہے۔ کیونکہ نماز اور روزہ تو بظاہر دونوں ہی ادا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مِلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ (تمہارے دین کا سب کچھ پرہیزگاری ہے) اور آن حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے۔ لَا تَعْدِلْ بِالرِّعَةِ شَيْئًا (پرہیزگاری کے ساتھ کسی کو برابر نہ کر۔)

دوست جتنے بھی پرتکلف کھانے کھائیں۔ اور جتنے بھی خوبصورت لباس پہنیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اصلی لذت فقیروں کے کھانے اور لباس میں ہے۔ ؎

آں کہ آں داد بہ شاہاں بہ گدایاں ایں داد[2]

[1] میری تمام تر نصیحت تجھے یہی ہے۔ کہ تو بچہ ہے۔ اور یہ گھر بڑا رنگین ہے ۱۲۔

[2] جس نے بادشاہوں کو وہ دیا ہے۔ اس نے فقیروں کو یہ دیا ہے ۱۲۔

وہاں سے لے کر یہاں تک بڑا فرق ہے۔ کہ وہ اللہ جل سلطانہ کی رضا سے دور ہے۔ اور یہ اس کی رضا سے قریب ہے۔ اور پھر اس کا حساب بھی ثقیل ہے۔ اور اس کا حساب ہلکا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے لئے ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

برخوردار سلطان مراد نے توبہ وانابت کی توفیق پائی ہے۔ اور طریقہ اخذ کیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالےٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ اسے ثبات و استقامت عطا فرمائے۔ والسلام علیکم وعلی سائر الاخوان

مکتوب نمبر ۸۲

خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا

(رنگینی دنیا سے پرہیز کرنے اور روشن شریعت پر ترغیب دینے اور اس کے متعلقات کے بیان میں)

اے اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل دنیا کو ہماری نگاہ میں حقیر اور آخرت کو بڑا کر۔ عزیز با تمیز بیٹے کمینی دنیا کی آرائشوں کی طرف کبھی رغبت نہ کرنا۔ اور فانی کرّ و فرّ پر کبھی فریفتہ نہ ہونا۔ کوشش کرو۔ کہ اپنی تمام حرکات وسکنات میں روشن شریعت کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور نورانی مذہب کے مطابق زندگی گزر جائے۔ سب سے پہلے علماء اہل سنت کی رائے کے مطابق اعتقاد درست کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد فقہی عملی احکام کا معاملہ ہے۔ فرائض کی ادائیگی میں اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور حلال حرام میں بہت احتیاط کرنا چاہیئے۔ نفلی عبادتیں فرضی عبادتوں کی نسبت بالکل بے حقیقت ہیں۔ اور اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔

اس وقت کے اکثر آدمی نوافل کی ترویج اور فرائض کی تخریب میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ نفلی عبادات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور فرائض کو توجہ کے لائق نہیں سمجھتے۔ اور انہیں حقیر و بے اعتبار جانتے ہیں۔ تمام دولت وقت یا بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں۔ لیکن ایک دمڑی بھی ان کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں دینا جو کہ صحیح مصرف ہے۔ بڑا مشکل ہے۔ یہ نہیں جانتے۔ کہ زکوٰۃ میں ایک دمڑی دینا نفلی صدقہ میں ایک لاکھ روپے دینے سے بہتر ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں صرف خدا تعالےٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور نفلی صدقہ میں بسا اوقات نفسانی خواہشات شامل ہوتی ہیں اس لئے فرض کی ادائیگی میں ریا کی گنجائش نہیں ہے۔ اور نفل میں دکھلاوے کا میدان وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ادائے زکوٰۃ میں اظہار بہتر ہے۔ کہ اپنے آپ سے الزام کو دور کر سکے۔ اور نفلی صدقہ پوشیدہ طور پر دینا بہتر ہے۔ کہ وہ قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔ مختصر یہ کہ شرعی احکام کے التزام سے چارہ نہیں ہے۔ تا کہ دنیا کی تکالیف سے خلاصی

متصور ہو۔ اور اگر حقیقی طور پر دنیا کا چھوڑنا میسر نہ ہو سکے۔ تو دنیا کو حکمی طور پر چھوڑنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اور وہ اقوال و افعال میں شریعت کا التزام ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالےٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدی۔

مکتوب نمبر ۸۳

میر ماہ محمود کی طرف صادر فرمایا۔

اس طائفہ علیہ کی محبت میں جو تمام سعادتوں کا سرمایا ہے۔ اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

اس علاقہ کے فقراء کے حالات بحمد اللہ تعریف کے قابل ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت اور ثبات اور شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والبرکۃ والتحیہ کی شاہراہ پر استقامت کی دعا ہے۔

میرے عزیز اور ارشد بھائی نے جو اس فقیر سے طریقہ اخذ کیا تھا۔ چونکہ صحبت کا بہت ہی کم موقع ملا تھا۔ جو کہ ان بزرگواروں کے نزدیک ایک بہت بڑا اصل ہے۔ خیال ہے۔ کہ اس پر برکات وثمرات لائقہ مترتب نہ ہوئے ہوں گے لیکن اگر محبت کا کچھ تھوڑا بہت ربط جو کہ اس طریقہ کے سیکھنے کے لوازمات میں سے ہے۔ باقی ہے۔ تو یہ بہت بڑی دولت ہے۔ کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ ہو گا۔ جس کے ساتھ اس کی محبت ہو گی" پہلی برکت جو پہلی ہی صحبت میں اس طریقہ کے بلندی رشید کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ مطلوب حقیقی جل سلطانہ کے ساتھ دل کی توجہ کا دوام ہے۔ اور تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ دوام ماسوی کے نسیان کی طرف توجہ کو لے جاتا ہے۔ کہ اگر بالفرض طالب کی عمر ہزار سال ہو جائے۔ تو اس کے دل میں اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی چیز کا گذر نہ ہو۔ اس نسیان کی وجہ سے جو اسے ماسوا سے حاصل ہوا ہے۔ اور اگر بہ تکلف بھی اس کو ماسوی کی یاد دلائیں۔ تو اسے یاد نہ آئے

اور جب یہ نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو اس راہ میں پہلا قدم اٹھتا ہے۔ اور دوسرے اور تیسرے اور چوتھے قدم اور پھر جہاں تک بھی اللہ تعالےٰ چاہے۔ اس کے متعلق کیا لکھوں۔ تھوڑی چیز کثیر پر دلالت کرتی ہے۔ اور قطرہ بے پایاں سمندر کا پتہ دیتا ہے۔ مقصود دوستوں کو ترغیب دلانا ہے حضرت حق سبحانہ و تعالےٰ اسکو نافع بنائیں۔ میاں عبد العظیم نے آپ کی محبت واخلاص کی کیفیات کی اطلاع زبانی بیان کی۔ اور اس گفتگو پر لائے۔ والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الہدی والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام

وہاں سے ہے کہ یہاں تک بڑا فرق ہے۔ کہ وہ اللہ جل سلطانہ کی رضا سے دور ہے۔ اور یہ اس کی رضا سے قریب ہے۔ اور پھر اس کا حساب بھی ثقیل ہے۔ اور اس کا حساب ہلکا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے لئے ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

برخوردار سلطان مراد نے توبہ وانابت کی توفیق پائی ہے۔ اور طریقہ اخذ کیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالےٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ اسے ثبات واستقامت عطا فرمائے۔ والسلام علیکم وعلی سائر الاخوان

مکتوب نمبر ۸۲

خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا

(رنگینی دنیا سے پرہیز کرنے اور روشن شریعت پر ترغیب دینے اور اس کے متعلقات کے بیان میں)

اے اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل دنیا کو ہماری نگاہ میں حقیر اور آخرت کو بڑا کر عزیز با تمیز بیٹے رنگینی دنیا کی آرائشوں کی طرف کبھی رغبت نہ کرنا۔ اور فانی کرّ و فر پر کبھی فریفتہ نہ ہونا۔ کوشش کرو۔ کہ اپنی تمام حرکات وسکنات میں روشن شریعت کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور نورانی مذہب کے مطابق زندگی گزر جائے۔ سب سے پہلے علماء اہل سنت کی رائے کے مطابق اعتقاد درست کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد فقہی عملی احکام کا معاملہ ہے۔ فرائض کی ادائیگی میں اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور حلال حرام میں بہت احتیاط کرنا چاہیئے۔ نفلی عبادتیں فرضی عبادتوں کی نسبت بالکل بے حقیقت ہیں۔ اور اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔

اس وقت کے اکثر آدمی نوافل کی ترویج اور فرائض کی تخریب میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ نفلی عبادات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور فرائض کو توجہ کے لائق نہیں سمجھتے۔ اور انہیں حقیر وبے اعتبار جانتے ہیں۔ تمام دولت وقت یا بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں۔ لیکن ایک دمڑی بھی ان کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں دینا جو کہ صحیح مصرف ہے۔ بڑا مشکل ہے۔ یہ نہیں جانتے۔ کہ زکوٰۃ میں ایک دمڑی دینا نفلی صدقہ میں ایک لاکھ روپے دینے سے بہتر ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں صرف خدا تعالےٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور نفلی صدقہ میں بسا اوقات نفسانی خواہشات شامل ہوتی ہیں اس لئے فرض کی ادائیگی میں ریا کی گنجائش نہیں ہے۔ اور نفل میں دکھلاوے کا میدان وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ادائے زکوٰۃ میں اظہار بہتر ہے۔ کہ اپنے آپ سے الزام کو دور کر سکے۔ اور نفلی صدقہ پوشیدہ طور پر دینا بہتر ہے۔ کہ وہ قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔ مختصر یہ کہ شرعی احکام کے التزام سے چارہ نہیں ہے۔ تا کہ دنیا کی تکالیف سے خلاصی

منصور ہو۔ اور اگر حقیقی طور پر دنیا کا چھوڑنا میسر نہ ہو سکے۔ تو دنیا کو حکمی طور پر چھوڑنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اور وہ اقوال و افعال میں شریعت کا التزام ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالےٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔

مکتوب نمبر ۸۳

میر ماہ محمود کی طرف صادر فرمایا۔

اس طائفہ علیہ کی محبت میں جو تمام سعادتوں کا سرمایا ہے۔ اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

اس علاقہ کے فقراء کے حالات بحمداللہ تعریف کے قابل ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت اور ثبات اور شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والبرکۃ والتحیہ کی شاہراہ پر استقامت کی دعا ہے۔

میرے عزیز اور ارشد بھائی نے جو اس فقیر سے طریقہ اخذ کیا تھا۔ چونکہ صحبت کا بہت ہی کم موقع ملا تھا۔ جو کہ ان بزرگواروں کے نزدیک ایک بہت بڑا اصل ہے۔ خیال ہے۔ کہ اس پر برکات و ثمرات لائقہ مترتب نہ ہوئے ہوں گے لیکن اگر محبت کا کچھ تھوڑا بہت ربط جو کہ اس طریقہ کے سیکھنے کے لوازمات میں سے ہے۔ باقی ہے۔ تو یہ بہت بڑی دولت ہے۔ کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ ہو گا۔ جس کے ساتھ اس کی محبت ہو گی" پہلی برکت جو پہلی ہی صحبت میں اس طریقہ کے بلندی رشید کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ مطلوب حقیقی جل سلطانہ کے ساتھ دل کی توجہ کا دوام ہے۔ اور تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ دوام ماسوی کے نسیان کی طرف توجہ کو لے جاتا ہے۔ کہ اگر بالفرض طالب کی عمر ہزار سال ہو جائے۔ تو اس کے دل میں اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی چیز کا گذر نہ ہو۔ اس نسیان کی وجہ سے جو اسے ماسوا سے حاصل ہوا ہے۔ اور اگر بہ تکلف بھی اس کو ماسوی کی یاد دلائیں۔ تو اسے یاد نہ آئے

اور جب یہ نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو اس راہ میں پہلا قدم اٹھتا ہے۔ اور دوسرے اور تیسرے اور چوتھے قدم اور پھر جہاں تک بھی اللہ تعالےٰ چاہے۔ اس کے متعلق کیا لکھوں۔ تھوڑی چیز کثیر پر دلالت کرتی ہے۔ اور قطرہ بے پایاں سمندر کا پتہ دیتا ہے۔ مقصود دوستوں کو ترغیب دلانا ہے حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ اسکو نافع بنائیں۔ میاں عبدالعظیم نے آپ کی محبت و اخلاص کی کیفیات کی اطلاع زبانی بیان کی۔ اور اس گفتگو پر لائے۔ والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام

مکتوب نمبر ۸۴

شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا۔
بعض مواعظ کے بیان میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی۔

میرے ہدایت یافتہ بھائی۔ میاں شیخ عبد الحمید نے عجیب طرح کی گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ کہ اسمیں سلام و پیام کی بھی بہت کم گنجائش ہے۔ ان سات آٹھ سالوں میں آپ کی طرف سے ایک خط پہنچا ہے۔ وہ بھی ناتمام اور نامکمل اور وہ خطوط جو اس جانب سے جاتے ہیں معلوم نہیں کہ وہ آپ کو ملتے ہیں۔ یا نہیں۔ میرے عزیز بھائی شیخ عبد الحی چونکہ اپنے وطن جا رہے ہیں۔ ان سے کہا ہے۔ کہ ایک بار وہ تم سے ملیں۔ اور آپ کے حالات پر مطلع ہوں۔ شیخ عبد الحی قریباً پانچ سال تک خدمت میں رہے ہیں۔ اور حاضری کی اکثر خدمات انہیں سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ فقیر کے علوم و معارف سے سیراب ہیں۔ اور جذبہ و سلوک کے احوال سے آگاہ ہیں۔ مشار الیہ سے کہا ہے۔ کہ وہ چند روز آپ کے ہاں ٹھہریں۔ اور وہ علوم و معارف جو مناسب وقت و حال ہوں۔ درمیان میں لائیں۔ گزرے ہوئے اور موجودہ وقت کے جو بھی احوال و مواجید ہوں۔ سب مشار الیہ سے کھول کر بیان کر دیں۔ اور جو وہ نصیحت کریں اس پر یقین رکھیں۔ باقی حالات شیخ عبد الحی آپ سے بالمشافہ کہیں گے۔ انشاء اللہ تعالٰے۔ والسلام علیکم و علی سائر من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۸۵

شیخ نور محمد کی طرف صادر فرمایا۔
(شیخ عبد الحی کے بعض کمالات کے بیان)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی۔

اس علاقہ کے فقراء کے احوال واطوار قابل تعریف ہیں۔اور اللہ تعالے سے آپ کی استقامت کی دعا ہے۔
میرے بھائی میاں شیخ عبدالحی آپ کے شہر کے رہنے والے ہیں۔ اور آپ کے ہمسایہ میں آئے ہیں۔اس راہ کی ضروری چیزوں اور علوم و معارف عزیزہ کا نسخہ ان کے پاس ہے۔دور کے دوستوں کے لئے ان کی ملاقات غنیمت ہے۔کہ وہ ابھی ابھی آئے ہیں۔اور نئی خبریں لائے ہیں۔ ان کے پاس فنا و بقا کا نشان ہے۔اور جذبہ و سلوک کا بیان بلکہ فنا و بقا سے اوپر بھی مشہور ہیں۔اور جذبہ و سلوک جو قوم میں مقرر ہے۔اس کی سرگذشت سے آگاہ ہیں۔بلکہ کہا جا سکتا ہے۔کہ ان کی اس جگہ میں گذر گاہ ہے۔ مکتوبات کے بہت سے معارف عزیزہ ان کے گوش زد ہیں۔اور اپنی ہمت کے مطابق استفسار کر کے بھی انہوں نے دریافت کیا ہے۔اور اللہ سبحانہ و تعالے توفیق دینے والا ہے۔ اپنے حالات تفصیل سے ان کو سنائیں۔اب زائد چیزوں میں کیا مشغول ہوں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۸۶

شیخ طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔
ان کے خط کے جواب میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

میرے عزیز بھائی کا صحیفہ گرامی پہنچا۔ان احوال و معارف سے جو اس میں لکھے تھے۔واضح طور پر معلوم ہوئے اور خوش ہوا۔کتنی بڑی دولت ہے۔کہ محبوں اور مخلصوں نے تمام چیزوں سے ہاتھ اٹھا کر جناب قدس تعالے و تقدس کی طرف توجہ کر لی ہے۔اور ماسوا کو پاؤں کی ٹھوکر لگا کر پوری طرح پر اللہ تعالے کی طرف متوجہ ہیں۔باقی اس علاقہ کی کیفیات شائد شیخ عبدالحی تفصیل سے بیان کریں گے۔اور زبانی اور لکھے ہوئے علوم و معارف انکے پاس بہت ہیں۔اسی لئے ان کو نہیں لکھا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل اللہ تعالے تمام امور کا انجام بخیر کرے

مکتوب نمبر ۸۷

فتح خاں افغان کی طرف صادر فرمایا۔

کچھ نصائح کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

مکتوب شریف جو کہ فقیروں کے ساتھ کمال محبت و اخلاص کا پتہ دیتا تھا۔ پہنچا۔ حق سبحانہ و تعالے ان کی محبت عطا فرمائے۔ وہ نصیحت جو سعادت مند دوستوں سے کہی جاتی ہے۔ سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کرنا ہے۔ جو آدمی بھی سنتوں میں سے کسی مردہ سنت کو جو متروک العمل ہو چکی ہو زندہ کرتا ہے۔ اس کو سو شہید کا ثواب ملتا ہے۔

پھر اس کے اجر کا اندازہ کرو۔ جو فرضوں میں سے کسی فرض یا واجبات میں سے کسی واجب کو زندہ کرتا ہے۔ پس نماز میں تعدیل ارکان جو کہ اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے۔ اور بعض علمائے احناف کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔ اور اکثر آدمیوں میں اس پر عمل متروک ہو چکا ہے اس ایک عمل کے زندہ کرنے کا اجر سو شہید کے ثواب سے جو کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو چکے ہوں۔ زیادہ ہو گا۔ اور شریعت کے تمام احکام۔ حلال۔ حرام مکروہ وغیرہ کو اسی پر قیاس کر لو۔

علماء نے کہا ہے۔ اس آدمی کو ایک دمڑی واپس کرنا جس پر ظلم کر کے بلا توجیہہ شریعت چھین لی تھی۔ دو سو درہم صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور علماء نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اگر کسی آدمی کے پاس پیغمبر جتنے بھی نیک عمل ہوں۔ اور اس پر کسی کا آدھی دمڑی حق رہ گیا ہو تو اس آدمی کو بہشت میں نہ لے جائیں گے۔ جب تک کہ وہ آدھی دمڑی ادا نہ کرے گا مختصر یہ کہ ظاہر کو احکام شرعیہ سے مزین کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ غفلت آلودہ نہ ہو۔ اور احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا باطن کی امداد کے بغیر مشکل ہے۔ علماء فتوی دیتے ہیں۔ اور اللہ والے کام کرتے ہیں۔ کہ باطن کا اہتمام ظاہر کے اہتمام کو مستلزم ہے۔ اور جو باطن میں مشغول ہو۔ اور ظاہر سے عاجز ہو۔ وہ بے دین ہے۔ اور اس کے باطن کے احوال اس کا استدراج ہیں۔ حال باطن کی صحت کی علامت احکام شریعت سے ظاہر کا آراستہ ہونا ہے۔ استقامت کا طریقہ یہی ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالے توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۸۸

ملا بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا۔

رضا بالقضاء اور مولا کے فعل سے لذت حاصل کرنے کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

مقبول بندہ وہ ہے۔ جو اپنے مولا کے فعل پر راضی ہو۔ اور جو اپنی رضا کے تابع ہے۔ وہ آپ اپنا بندہ ہے۔ اگر مالک بندہ کے گلے پر چھری چلائے۔ تو بندہ کو چاہیئے۔ کہ اس وقت شاداں و خنداں ہو۔ اور مالک کے اسی فعل کو اپنی مرضی سمجھے۔ بلکہ اس فعل سے لذت حاصل کرے۔ اور اگر معاذ اللہ اس کو اس فعل سے کراہت پیدا ہو اور اس کا سینہ تنگ ہو تو وہ بندگی کے دائرہ سے دور ہے۔ اور مولا کے قرب سے راندا ہوا ہے۔

جب طاعون اللہ تعالٰے کی مراد ہے۔ تو چاہیئے۔ کہ اس کو اپنی مراد سمجھیں۔ اور خوش و خرم ہوں۔ اور طاعون کے غلبہ سے پیشانی پر بل نہ ڈالیں۔ اور دل تنگ نہ ہوں۔ بلکہ جب وہ محبوب کا فعل ہے۔ تو اس سے لذت حاصل کریں ہر ایک کی اجل مقرر ہے۔ جس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں ہے۔ پھر یہ پریشانی کیسی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مصیبت سے عافیت طلب کریں۔ اور اس کی ناراضگی سے پناہ ڈھونڈیں۔ کہ اللہ تعالٰے کی مرضی بندے کے سوال و دعا میں ہے۔ "تمہارے رب نے فرمایا ہے۔ تم مجھے پکارو۔ میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا"

مولانا عبدالرشید آئے ہیں۔ اور انہوں نے اس علاقہ کے حالات بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالٰے آپ کو تمام ظاہری اور باطنی آفتوں سے محفوظ رکھے

مکتوب نمبر ۸۹

سیادت پناہ میر محب اللہ کی طرف نصائح کے متعلق صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

اللہ تعالٰے ہمیں اور آپ کو آپ کے آباء کرام کی راہ پر بطفیل اپنے حبیب سید الانام علیہ و علیہم الصلوۃ والسلام ثابت قدم رکھے۔

اس علاقہ کے فقراء کے احوال و اطوار تعریف کے لائق ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ تک اللہ سبحانہ و تعالٰے کی حمد اور احسان ہے۔ اور ان کے نبی پر ہمیشہ ہمیشہ تک درود اور سلام ہو۔ آپ کی سلامتی۔ عافیت۔ ثبات اور استقامت کے لئے دست بدعا ہوں۔

مخدوم مکرم شفقت آثار کام کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ اور ہر لحظہ جو گزر جاتا ہے۔ عمر کو کم کر جاتا ہے۔ اور وقت مقرر کو قریب کر دیتا ہے۔ آج اگر آگاہ نہ ہوتے۔ تو کل سوائے حسرت و ندامت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اہتمام کرنا چاہیئے

کہ ان چند دنوں میں روشن شریعت کے مطابق زندگی گزر جائے۔ تاکہ نجات متصور ہو۔ یہ وقت عمل کا وقت ہے۔ عیش وآرام کا وقت آگے ہے۔ جو کہ اس عمل کا پھل ہے۔ کام کے وقت عیش کرنا اپنی کھیتی کو برباد کرنا ہے۔ اور اسکے پھل سے محروم رہنا زیادہ کیا تکلیف دوں۔ خدا کرے آپ کو ظاہری اور باطنی دولت نصیب ہو۔

مکتوب نمبر ۹۰

مرزا عرب خاں کی طرف سفارش کے متعلق صادر فرمایا۔

اللہ سبحانہ وتعالےٰ آپ کو آفاقی اور انفسی دشمنوں پر مدد اور غلبہ عطا فرمائے۔ اور آپ کو تمام ظاہری اور باطنی مصیبتوں سے محفوظ رکھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مخلوق اللہ تعالےٰ کے عیال ہیں۔ اور مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالےٰ کو وہ پیارا ہے۔ جو اس کے عیال سے اچھا سلوک کرے۔[۱] حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ مخلوق کے رزق کا کفیل ہے۔ پس مخلوق اس کے عیال کی طرح ہے۔ جو آدمی کسی کے عیال سے غمخواری کرے۔ اور اس کے بوجھ کو برداشت کرے تو یہ شخص اس عیال والے کا محبوب ہو جائے گا۔ کہ اس نے اس کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اور اس کی مشقت کو اپنے اوپر ڈال لیا۔ اس بنا پر تکلیف دینے کی جرأت کرتا ہوں۔ کہ حافظ حامد نیک آدمی اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ بال بچہ کی کثرت نے ان کو پریشان کر رکھا ہے۔ وہ ان کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ آپ کے کرم سے درخواست ہے۔ کہ ان کی امداد و اعانت کریں۔ سخی لوگوں کو سخاوت کے لئے بہانہ کافی ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۹۱

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا۔
قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے اسرار کے بیان میں

---

[۱] بیہقی شریف ۱۲ مشکوۃ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

مقام قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی سے ایک سر عظیم سنو۔ کہ حبیب الشان کامل سیر الی اللہ پوری کرنے کے بعد سیر فی اللہ سے متصف ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے اخلاق سے متخلق ہوتا ہے۔ اور مجمل طور پر اس سیر کو بھی پورا کر لیتا ہے۔ اور اسماء وصفات کے پرتو کے ظہور کے دائرہ کو جو سیر فی اللہ سے وابستہ ہے۔ ختم کر لیتا ہے۔ تو اس لائق ہو جاتا ہے۔ کہ معشوق بلا واسطہ ظلیّت کے شائبہ اور حلول اور محلیّت کے توہم کے بغیر اس میں ظہور فرمائے اور چونکہ معشوق کی صفات ذاتیہ اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہیں۔ تو لازمی طور پر صفات کے ساتھ ذات کا ظہور بھی عاشق کے عین میں ہوگا۔ اور دو قوس تک پہنچ جائے گا۔ جو کہ قوس صفات اور قوس ذات ہیں۔ یہ مقام قاب قوسین کے مقامات میں سے نہایت بلند ہے۔ جو ظلیت کے شائبہ کے بغیر ظہور اصلی سے تعلق رکھتا ہے۔

اور اگر خدا تعالےٰ کی مہربانی سے عاشق صادق کو معشوق کی ذات سے اس درجہ تک گرفتاری ہو جائے۔ کہ اس کا کوئی اسم اور صفت باقی نہ رہے۔ تو اس وقت فضل خداوندی جل سلطانہٗ سے اسم اور ذات اس کی نظر سے اٹھ جاتے ہیں۔ اور سوائے ذات کے کوئی چیز اس کے سامنے ملحوظ اور مشہود نہیں رہتی۔ اگرچہ صفات ہوتی ہیں۔ لیکن کو مشہود نہیں ہوتیں۔ اس حالت میں او ادنیٰ کا راز ظاہر ہوتا ہے۔ اور قوسین کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ اس بلند مقام سے جب ہبوط ہوتا ہے۔ تو پہلا قدم عالم خلق میں پڑتا ہے۔ بلکہ عنصر خاک میں بیٹھ جاتا ہے۔ کہ وہ عنصر پاک دوری اور مہجوری کے باوجود موجودات میں عالم قدس سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ عجیب معاملہ ہے اگر ہم عروج اور صعود کا اعتبار کرتے ہیں۔ تو عالم امر کو اقرب موجودات جانتے ہیں۔ بلکہ عالم قدس سے لطیفہ اخفی عالم امر کو سب سے زیادہ قریب پاتے ہیں۔ اور جب نزول وہبوط پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو قرب کی دولت عالم خلق کے نصیب میں پاتے ہیں۔ بلکہ عنصر خاک کے حصہ میں جانتے ہیں

ہاں چونکہ دائرہ سے جانب عروج اس کو پہلا نقطہ ہم ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور اس سے اقرب نقطہ عروج کی جانب میں اس دائرہ سے نقطہ ثانیہ ہے۔ اور ہبوط کی جانب میں جو ملاحظہ کیا جاتا ہے۔ تو اس پہلے نقطہ سے سب سے قریب نقطہ اس دائرہ کا آخری نقطہ ہے۔ اس قدر فرق ضرور ہے۔ کہ وہ نقطہ ثانیہ عروج میں نقطہ اولیٰ سے مخالف سمت میں ہے۔ اور یہ آخری نقطہ اس پہلے نقطہ کے مقابل اور سامنے ہے۔ مخالف سمت اور موافق سمت میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ نقطہ ثانیہ نقطہ اولیٰ کے ظہورات سے میلان رکھتا ہے۔ اور نقطہ اخیر ظہورات سے پشت دکھا کر ذات ظاہر کا خواہاں ہے۔ سو یہ کہاں اور وہ کہاں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۹۲

سیادت مآب میر محمد نعمان کی جانب صادر فرمایا۔
اس بیان میں کہ ولایت قرب الٰہی سے عبارت ہے۔ اور خوارق وکرامات اس کی شرط نہیں ہیں۔ اور بادشاہوں کو تعظیمی سجدہ کرنے اور اسکے مناسبات کے بیانمیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

سیادت مآب میرے عزیز بھائی میر محمد نعمان خوش رہیں۔ اور جان لیں کہ خوارق وکرامات کا ظہور ولایت کیلئے شرط نہیں ہے۔ اور جس طرح علماء خوارق وکرامات کے حصول کے مکلف نہیں ہیں۔ اولیاء بھی ظہور خوارق کے مکلف نہیں ہیں۔ کیونکہ ولایت قرب الٰہی جل سلطانہ سے عبارت ہے۔ جو ماسوی کے نسیان کے بعد اپنے دوستوں کو مرحمت فرماتے ہیں۔ کسی شخص کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں۔ اور اسے نئے پیدا ہونے والے غیبی احوال کی کوئی اطلاع نہیں دیتے اور کسی شخص کو یہ قرب بھی دیتے ہیں۔ اور مغیبات پر اطلاع بھی بخشتے ہیں۔ اور تیسرے آدمی کو قرب سے تو کچھ نہیں دیتے لیکن اسے مغیبات کی اطلاع دے دیتے ہیں۔

یہ تیسرا شخص استدراج والوں میں سے ہے۔ اور اس کے نفس کی صفائی نے اس کو کشف مغیبات میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور گمراہی میں ڈال دیا ہے۔ اس آیت میں ان کے حال کا نشان ہے۔

وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ عَلٰی شَیْءٍ اَلَا اِنَّھُمْ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (مجادلہ ۲۵

وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ بھی کسی چیز پر ہیں۔ خبردار وہ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان غالب آیا۔ اور ان کو اللہ کی یاد بھلائی۔ یہ یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں۔ خبردار شیطان کا لشکر ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔

اور پہلا اور دوسرا شخص جو کہ قرب کی دولت سے مشرف ہے۔ اولیاء اللہ سے ہے۔ کشف مغیبات نہ تو ان کی ولایت میں کچھ اضافہ کرتا ہے۔ اور نہ عدم کشف ان کی ولایت میں نقصان پیدا کرتا ہے۔ ان کا فرق آپس میں درجات قرب کے اعتبار سے ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ جس کو غیبی صورتوں کا کشف نہیں ہے۔ وہ ان صورتوں کے کشف والے سے افضل ہوتا ہے۔ اور اس سے آگے ہوتا ہے۔ اس قرب کی فضیلت کی وجہ سے جو کہ اس کو حاصل ہے۔ صاحب عوارف جو کہ شیخ الشیوخ ہیں۔ اور تمام صوفیاء میں مقبول ہیں۔ اپنی کتاب عوارف میں اس معنی کی تصریح کرتے

ہیں۔اگر کوئی آدمی میری اس بات کا یقین نہ کرے۔ تو اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔وہ کرامات و خوارق کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔اور یہ تمام خوارق و کرامات اللہ تعالےٰ کی بخشش ہیں۔کبھی ایسا ہوتا ہے۔کہ کچھ لوگوں کو ان کا کشف عنایت فرماتے ہیں۔اور یہ دولت ان کے سپرد کرتے ہیں۔اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔کہ کچھ لوگ ان سے بھی بلند مرتبہ ہوتے ہیں۔اور ان کو کرامات و خوارق میں سے کچھ بھی نہیں دیتے۔اس لئے کہ سب کرامات یقین کی تقویت کے لئے عطا فرماتے ہیں۔اور جب آدمی کو خالص یقین دیا گیا ہے۔اس کو ان کرامات کی حاجت نہیں ہوتی۔اور یہ تمام کرامات ذکر ذات سے کمتر ہیں۔اور اسی طرح جوہر قلب سے بھی کمتر ہیں۔جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

اور امام طائفہ خواجہ عبداللہ انصاری جو شیخ الاسلام سے ملقب ہیں۔اپنی کتاب "منازل السائرین" میں لکھتے ہیں۔کہ "فراست دو قسم ہے۔ایک فراست اہل معرفت کی ہے۔اور ایک فراست اہل جوع و اہل ریاضت کی اہل معرفت کی فراست طالبین کی استعداد اور اولیائے حق سبحانہ و تعالےٰ کو پہچاننے سے متعلق ہے۔جو جمع سے واصل ہو چکے ہیں۔اور اہل ریاضت و ارباب جوع کی فراست غیبی احوال و صور کے کشف سے مخصوص ہے۔ جو مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں۔

چونکہ اکثر لوگ خدا تعالےٰ کی جناب سے منقطع ہو چکے ہیں۔اور دنیا میں مشغول ہیں۔ان کے دل کشف صور اور مخلوقات کے مغیبات کی خبروں کی طرف مائل ہیں۔ تو یہ معاملہ ایسے لوگوں کے نزدیک بہت بڑا ہے۔وہ خیال کرتے ہیں کہ یہی اللہ والے ہیں۔اور یہی اس کے خواص ہیں۔اور اہل حقیقت کے کشف سے منہ پھیرتے ہیں۔اور اہل حقیقت پر ان خبروں کے متعلق جو وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں۔تہمت لگاتے ہیں۔اور کہتے ہیں۔کہ اگر یہ اللہ والے ہوتے۔جیسا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں۔تو لازمی طور پر یہ ہمارے غیبی حالات اور تمام مخلوقات کے غیبی احوال بیان کرتے۔ جب ان کو ہمارے احوال کے کشف کی بھی قدرت نہیں ہے۔ تو ان امور کے کشف پر ان کو کیسے قدرت حاصل ہوگی جو مخلوقات کے احوال سے بلند تر ہیں۔

اور اہل معرفت کی فراست کا انکار کرتے ہیں۔جو خداوند تعالےٰ کے افعال و صفات و ذات سے تعلق رکھتی ہے۔اور اپنے اس فاسد خیال کی بنا پر وہ ان بزرگواروں کے علوم اور صحیح معارف سے محروم رہتے ہیں۔اور یہ نہیں جانتے۔کہ حضرت حق سبحانہ و تعالےٰ نے ان بزرگواروں کو ملاحظہ مخلوق سے بچایا ہے۔اور ان کو اپنی جناب قدس جل و علا کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔اور ان کو اپنے ماسوی سے الگ کر کے اپنی جانب مشغول کر لیا ہے۔محض ان کی حمایت اور اس غیرت کی وجہ سے جو اللہ ان پر رکھتا ہے۔اور اگر یہ لوگ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے۔ تو جناب قدس کی حضوری کی صلاحیت ان میں نہ رہتی۔" آپ کا کلام ختم ہوا۔ اور اس طرح کی اور بھی کئی

باتیں کہی ہیں۔

اور میں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ قدس سرہ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے۔ کہ بعض اولیائے کرام کہ ان سے بکثرت خوارق و کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ اپنے آخری وقت میں ان کرامات کے ظہور سے نادم ہوئے ہیں۔ اور تمنا کرتے تھے۔ کہ کاش یہ تمام خوارق ہم سے ظہور میں نہ آتے۔ اور اگر فضیلت خوارق کے ظہور کی کثرت کے اعتبار سے ہوتی۔ تو وہ اس معنی پر نادم نہ ہوتے۔

سوال:۔ جب خوارق کا ظہور ولایت میں شرط نہیں ہے۔ تو ولی کو غیر ولی سے کس طرح تمیز کیا جائے گا۔ اور حق والا باطل والے سے کس طرح جدا ہوگا۔

جواب:۔ اگرچہ یہ امتیاز نہ ہو سکے۔ اور اگرچہ حق اور باطل والے جدا نہ ہوں۔ تو کیا حرج ہے۔ کیونکہ اس دنیا کے عالم میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور ولی کی ولایت کے علم ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہت سے ولی اللہ ایسے ہیں جو اپنی ولایت کی اطلاع بھی نہیں رکھتے۔ تو پھر دوسروں کو ان کی ولایت کی اطلاع ہونا کیسے لازمی ہوگا۔ ہاں نبی میں خوارق سے چارہ نہیں ہوتا۔ تاکہ نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہو سکے۔ کیونکہ نبی کی نبوت کا علم واجب ہے۔ اور ولی چونکہ اپنے نبی کی شریعت کی دعوت دیتا ہے۔ تو نبی کا معجزہ ہی اسے کافی ہے۔ ہاں اگر ولی اپنے نبی کی شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی دعوت دیتا۔ تو پھر خوارق سے چارہ نہ ہوتا۔ اور جب کہ اس کی دعوت نبی کی شریعت سے مخصوص ہے۔ تو کسی کرامت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

علماء شریعت کے ظاہر کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اولیاء شریعت کے ظاہر کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ اور شریعت کے باطن کی بھی دعوت دیتے ہیں۔ سب سے پہلے تو وہ مریدوں اور حق کے طالبوں کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی راہنمائی کرتے ہیں۔ اور احکام شریعت کی تعمیل کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور دوسرے درجہ پر اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنے کی راہنمائی کرتے ہیں۔ اور تاکید کرتے ہیں۔ کہ اپنے تمام اوقات کو ذکر الٰہی میں مستغرق رکھیں۔ اس حد تک کہ یہ ذکر غالب آجائے۔ اور مذکور کے علاوہ کوئی چیز بھی دل میں نہ چھوڑے۔ یہاں تک کہ ماسویٰ سے ایسا نسیان حاصل ہو جائے۔ کہ اگر وہ تکلف سے بھی کوئی چیز یاد کرے۔ تو اس کو یاد نہ آئے۔

یقین ہے کہ ولی کو اس دعوت کے لئے جو کہ ظاہر شریعت اور باطن شریعت سے تعلق رکھتی ہے۔ کرامات کی کیا ضرورت ہے۔ پیری اور مریدی اسی دعوت سے عبارت ہے۔ جو کہ کرامت سے کوئی کام نہیں رکھتی۔ اور خوارق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے باوجود ہم کہتے ہیں۔ کہ مرید رشید اور مستعد طالب ہر وقت سلوک طریق میں پیر کی کرامات و خوارق کا احساس کرتا ہے۔ اور غیبی معاملہ میں ہر وقت اس سے مدد چاہتا ہے۔ اور مدد پاتا ہے۔ اور دوسروں کے لئے ظہور خوارق کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مریدوں کے لئے کرامت در کرامت اور خوارق در خوارق ہے۔

مرید اپنے پیر کی کرامات کا احساس کیوں نہ کرے۔ کہ پیر نے اسکے مردہ دل کو زندہ کر دیا ہے۔ اور مشاہدہ اور کشف تک پہنچایا ہے

عوام کے نزدیک تو جسم کو زندہ کرنا عظیم الشان ہے۔ اور خواص کے نزدیک روحانی اور قلبی طور پر زندہ کرنا بڑی بلند مرتبہ دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ اپنے رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ جسم کا زندہ کرنا چوں کہ اکثر آدمیوں کے نزدیک معتبر ہے۔ اللہ والوں نے اس طرح زندہ کرنے سے منہ موڑا۔ اور روحانی طور پر زندہ کرنے میں مشغول ہوئے۔ اور طالب کے مردہ دل کو زندہ کرنے کی طرف توجہ فرمائی"۔

اور صحیح بات تو یہ ہے۔ کہ جسم کو زندہ کرنا دل کو زندہ کرنے کی نسبت بالکل بے کار چیز ہے۔ اور اس پر نگاہ ڈالنا بھی عبث ہے۔ کیونکہ جسمانی چند روزہ زندگی کا سبب ہے۔ اور قلبی زندگی حیات دائمی کا وسیلہ ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ فی الحقیقت اللہ والوں کا وجود بذات خود کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ اور ان کا لوگوں کو خدا تعالے کی طرف دعوت دینا اللہ تعالے کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔ اور مردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالے کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ یہ لوگ زمین والوں کے لئے امان ہیں۔ اور زمانے کے لئے غنیمت ہیں۔ بِهِمْ يُرْزَقُوْنَ وَبِهِمْ يُمْطَرُوْنَ (انہیں کے ذریعہ سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔ اور انہیں کے سبب سے بارشیں ہوتی ہیں) انہی کی شان میں ہے ان کی گفتگو دوا ہے۔ اور ان کی نظر شفا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالے کے ہم جلیس ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا۔ اور نہ ان سے دوستی رکھنے والا نامراد ہوتا ہے۔

وہ علامت جس سے حق والے باطل والوں سے جدا ہوتے ہیں۔ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو۔ اور اس کی مجلس میں دل کو اللہ تعالے کی طرف رجحان اور توجہ ہو۔ اور ماسوی سے دل سرد ہو جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ یہ آدمی حق والا ہے۔ اور علی اختلاف الدرجات اولیاء اللہ میں سے ہے۔ اور یہ علامت بھی نسبت والوں کے لحاظ سے ہے۔ اور بے نسبت پوری طرح محروم ہے۔ ؎

ہر کہ او روئے بہ بہبود نہ داشت[۱] دیدن روئے نبی سود نہ داشت

آپ نے اپنے مکتوب میں بادشاہ وقت کی خدا طلبی کی حسن نشاۃ کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے۔ اور احکام شرعیہ کے التزام اور انصاف پروری کے متعلق لکھا ہے۔ اس کو پڑھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ اور لذت پیدا ہوئی اللہ تعالے نے جس طرح دنیا کو بادشاہ وقت کے عدل و انصاف سے روشن کیا ہے۔ شریعت و ملت محمدیہ کو بھی انہیں کے حسن اہتمام سے مدد اور عزت بخشی ہے۔

---

[۱] جس کی توجہ بہبود کی طرف نہ ہو۔ اس کو نبی کا منہ دیکھنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ۱۲

اے محبت آثار! اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ - (شریعت کا غلبہ تلوار کے نیچے ہے۔) کے مطابق شریعت غرّا کا رواج سلاطین عظام کے اچھے اہتمام سے وابستہ ہے۔ کچھ مدت گذری ہے۔ کہ اس بات میں ضعف پیدا ہو چکا ہے۔ تو لازماً اسلام کمزور ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے کافر بے تحاشا مسجدوں کو گرا رہے ہیں۔ اور ان کی جگہ اپنی عبادت گاہیں بنا رہے ہیں۔ تھانیسر کرکھیت حوض کے اندر ایک مسجد تھی۔ اور کسی بزرگ کا مقبرہ تھا۔ ان کو گرا کر اس جگہ میں ایک بہت بڑا گوردوارہ تعمیر کیا ہے۔ اس کے علاوہ کافر کفر کی رسمیں بر ملا بجا لاتے ہیں۔ اور مسلمان اسلام کے اکثر احکام کے نافذ کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ وہ اہتمام کرتے ہیں کہ اس دن مسلمانوں کے شہروں میں بھی کوئی مسلمان بازار میں روٹی نہ پکائے۔ اور نہ فروخت کرے۔ اور نہ کھانا پکائیں اور نہ بیچیں۔ اور رمضان المبارک کے مہینہ میں کھلم کھلا روٹی اور کھانا پکاتے ہیں۔ اور بیچتے ہیں۔ اور کوئی بھی ان کو اسلام کی کمزوری کی وجہ سے منع نہیں کر سکتا۔

افسوس ہزار افسوس! وقت کا بادشاہ مسلمان ہے۔ اور ہم فقیر اس کمزوری اور خرابی میں ہیں۔ ان بادشاہوں کے اکرام و اعزاز کی وجہ سے اسلام رونق رکھتا تھا۔ اور علماء اور صوفیاء معزز و محترم تھے۔ اور ان کی امداد سے شریعت کے نافذ کرنے میں کوشش کرتے تھے۔ میں نے سنا ہے۔ کہ ایک دن صاحب قران امیر تیمور گورگان رحمۃ اللہ علیہ بخارا کے بازار میں سے گذر رہا تھا۔ اتفاقاً خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خانقاہ کے درویش اسی بازار میں خواجہ کی خانقاہ کی چٹائیوں کو جھاڑ رہے تھے۔ اور گرد و غبار سے صاف کر رہے تھے۔ امیر تیمور اپنی مسلمانی کی اچھی حالت کے سبب سے اسی بازار میں ٹھہر گیا۔ اور خانقاہ کی گرد کو اپنے لئے عنبر اور صندل بنایا۔ آخر اس کا خاتمہ اچھا ہو گیا۔

منقول ہے۔ کہ خواجہ نقشبند قدس سرہ امیر کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ تیمور مر گیا۔ لیکن باایمان مرا جانتے ہو۔ کہ جمعہ کے روز خطبہ میں بادشاہوں کے نام نیچے کے زینہ پر کھڑے ہو کر لیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ وہ یہ تواضع ہے۔ جو سلاطین عظام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بالمقابل اختیار کر رکھی ہے۔ اور انہوں نے یہ جائز نہیں سمجھا ہے۔ کہ بادشاہوں کے نام اکابرین دین کے ناموں کے ساتھ ایک درجہ میں مذکور ہوں۔ شکر اللہ تعالےٰ سعیہم

ذیلی بحث

اے بھائی سجدہ جو کہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے۔ نہایت درجہ کی ذلت اور انکساری کا متضمن ہے۔ اور کمال درجہ کی عاجزی اور تواضع پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس قسم کی تواضع کو اللہ تعالےٰ جل سلطانہ کی عبادت سے مخصوص کر رکھا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہیں رکھا ہے۔

منقول[۱] ہے۔ کہ حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام ایک دن راستہ میں جا رہے تھے۔ ایک بدوی نے آکر معجزہ طلب کیا۔ تاکہ ایمان لائے۔ آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اس درخت سے جا کر کہو۔ کہ تجھے پیغمبر بلاتے ہیں۔ وہ درخت اپنی جگہ سے ہلا۔ اور آنحضرت کی خدمت کی طرف متوجہ ہوا۔ اس بدوی نے جب یہ حال دیکھا۔ تو مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول۔ اگر آپ حکم دیں۔ تو میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ نے فرمایا۔ خداوند تعالےٰ کے سوا اور کسی کو سجدہ کرنا لائق نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا تو عورت سے کہتا۔ کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

بعض فقہانے اگرچہ بادشاہوں کے لئے تعظیم کا سجدہ جائز قرار دیا ہے۔ لیکن سلاطین عظام کے حال کے لائق یہ ہے۔ کہ اس امر میں خداوند تعالیٰ کے سامنے تواضع کریں۔ اور اس درجہ کی ذلت وانکساری خدا کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہ رکھیں۔ خداوند تعالےٰ نے دنیا کو انکے تابع فرمان بنا دیا ہے۔ اور ان کا محتاج کیا ہے۔ اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ بجالائیں۔ اور اس طرح کے ادب کو جو کمال عجز وانکساری کا مظہر ہے۔ خداوند تعالےٰ کی جناب کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہ رکھیں۔ اور اس معاملہ میں خداوند تعالےٰ کے شریک نہ بنیں۔ اگرچہ فقہاء کی ایک جماعت نے اس صورت کو جائز رکھا ہے۔ لیکن ان کی حسن تواضع یہ ہونی چاہیئے۔ کہ اپنے لیے اس کو جائز نہ سمجھیں۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ احسان کا بدلہ احسان ہے۔

چونکہ بادشاہ وقت اپنے ممالک کے دور دراز علاقوں سے واپس آگرہ دار الخلافہ میں پہنچا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ فقیر بھی حق سبحانہ وتعالےٰ کی مشیئت سے جلد ہی دار الخلافہ میں پہنچنے کی کوشش کرے۔ باقی عند الملاقات والسلام علی من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات العلی

مکتوب نمبر ۹۳

خواجہ ہاشم بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ جتنے بھی عالم خلق اور عالم امر کے لطائف ہیں ان کا ظاہر بھی ہے۔ اور باطن بھی اور اس باطن کا الحاق عارف کے اسم قیوم کے ساتھ ہے۔

---

[۱] داری شریف ومشکوٰۃ ۱۲۔

اور اس بیان میں کہ نزول کے وقت عارف کلی طور پر اپنے ظاہر و باطن سے بندوں کی دعوت و عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔)

پوری معرفت والے عارف کے عالم خلق و عالم امر ہر چند کہ دونوں اس کی صورت و ظاہر ہیں۔ بہ نسبت اسم قیوم کے جو کہ اس عارف کی خاص وجہ ہے۔ کہ حقیقت میں وہ اس عارف کی حقیقت و باطن ہیں۔ جیسا کہ اسکی تحقیق ایک مکتوب میں لکھی جا چکی ہے۔ لیکن جب اس ظاہر و صورت کو باریک نگاہ سے جو کہ محض اللہ تعالے کے فضل و کرم سے عنایت ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ تو اس جگہ بھی ظاہر و باطن معلوم ہوتے ہیں۔ اور صورت و حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ عالم خلق کو ہم پورے طور پر ظاہر پاتے ہیں۔ اور عالم امر کو باطن جیسا کہ ایک جماعت نے خیال کر رکھا ہے۔ بلکہ عالم خلق اور عالم امر کے ہر لطیفہ میں ظاہر بھی ہے۔ اور باطن بھی۔ عنصر خاک بھی ظاہر اور باطن رکھتا ہے۔ اور اسی طرح اخفی کا ظاہر بھی ہے۔ اور باطن بھی

اور یہ باطن جو کہ عالم خلق اور عالم امر سے تعلق رکھتا ہے۔ اعمال صالحہ کے ذریعہ بلکہ محض خدا تعالے کی عنایات سے تھوڑا تھوڑا اس باطن سے جو کہ اسم قیوم سے وابستہ ہے۔ ملحق ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس باطن سے کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔ اور خالص ظاہر کے سوا جو کچھ بھی ہے۔ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور اس باطن کا اسم قیوم سے الحاق اس معنی سے نہیں ہے۔ کہ یہ باطن اس اسم میں پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ یا پھر اس اسم سے متحد ہو جاتا ہے۔ کہ یہ بے دینی ہے۔ پاک ہے وہ اللہ جو اپنی ذات و صفات اور اپنے اسماء میں اکوان کے حدوث سے متغیر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس باطن کو اس اسم سے ایک مجہول الکیفیت نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے حلول اور اتحاد کا وہم ہونے لگتا ہے۔ اور فی الحقیقت نہ حلول ہے۔ اور نہ اتحاد کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے۔ کہ امکان کی حقیقت وجوب کی حقیقت سے تبدیل ہو جائے تعالی اللہ عن ذالک کہ یہ محال عقلی ہے۔ اور شریعت کے لحاظ سے بے دینی ہے۔

اور وہ خالص ظاہر جو باقی رہ جاتا ہے اگر چہ وہ عالم شہادت سے ہے: کہ مشہود اور مرئی ہے۔ لیکن وہ باطن کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اگر چہ باطن شہود و ادراک کے حیطہ سے باہر ہے۔ اور غیب سے ملحق ہے اور بے چونی کا رنگ پیدا کر چکا ہے۔ کیونکہ چون جب تک بے چونی پیدا نہ کرے۔ اور ادراک کے حیطہ سے باہر نہ چلا جائے۔ اور شہادت سے باہر اپنا سامان نہ باندھ لے۔ وہ بے چون حقیقی سے کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ اور غیب الغیب سے مطلع نہیں ہو سکتا۔

جاننا چاہیئے۔ کہ اس باقی ماندہ ظاہر کی تمام توجہ خلق کی طرف ہے۔ اور عبادات و طاعات شرعیہ اس سے وابستہ ہیں اور دعوت و تکمیل کا معاملہ بھی اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس صاحب تکمیل عارف کا باطن خواہ وہ امکان کے مراتب سے تعلق رکھتا ہو۔ اور خواہ مقامات وجوب سے پھر بھی یہ ظاہر کی طرف متوجہ ہے۔ اور جس چیز کی طرف ظاہر توجہ کرتا ہے۔ وہ

بھی اسی طرف متوجہ ہے۔ اس لئے کہ عبادت کی تتمیم اور تربیت اور تکمیل ہو۔ کیونکہ یہ جہان دار العمل ہے۔ اور یہ مقام دعوت کا مقام ہے۔ شہود اور مشاہدہ کی حقیقت آخرت میں ہے۔ اور کشف اور معاینہ کا معاملہ آگے جاکر ہے۔ اس مقام میں اللہ سبحانہ وتعالےٰ کی عبادت معبود میں استغراق سے بہتر ہے۔ اور مطلوب کا انتظار جو کہ محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ مطلوب میں گم ہوجانے سے بہتر ہے۔ اہل سُکر اس کا یقین کریں۔ یا نہ کریں۔

اور یہ ظاہر وباطن کی توجہ جو عارف کامل مکمل کو مخلوق کی جانب پیدا ہوتی ہے۔ اس کا زمانہ موت آنے تک ہے۔ جو کہ دعوت کے مقام کی انتہا ہے۔ اور جب موت آگئی۔ تو موت کے پل سے اتر کر محبوب کے وصال کے کوچہ میں قدم رکھے گا۔ اور اغیار کی مزاحمت کے بغیر وصل واتصال کی دولت سے مشرف ہوگا۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا ۔۔۔ وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ[۱]

اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ والصلوٰۃ والسلام والتحیۃ والبرکۃ علی خیر خلق اللہ وعلی اخوانہ الکرام وعلی آلہ وصحبہ العظام الی یوم القیام۔

مکتوب نمبر ۹۴

مولانا عبد القادر انبالی کی طرف صادر فرمایا

فنا وبقا کی حقیقت اور عدم کے عارف کی حقیقت وصورت سے الگ ہونے اور ہمسائیگی کی نسبت پہنچنے کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔

ممکنات کے حقائق اس فقیر کے علم میں جیسا کہ بعض مکاتیب میں لکھا ہے۔ عدمات سے عبارت ہیں۔ جو کہ اسماء وصفات الٰہی جل شانہ کی صور علمیہ کے عکوس کے ساتھ ہر نقص وشر کا منشا ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ وہ عدمات اجسام کے رنگ میں ہیں۔ اور وہ عکوس صورت کی طرح جو کہ اس ہیولی جسم میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ عدمات کا تشخص وتعین ان عکوس ظاہرہ سے ہے۔ اور ان عکوس کا قیام ان عدمات متمیزہ سے اور یہ قیام اس طرح کا نہیں ہے۔ جیسے عرض کا قیام جوہر سے ہوتا ہے۔ بلکہ جیسے صورت کا قیام ہیولی (جسم) سے

---

[۱] نعمت والوں کو نعمتیں مبارک ہوں۔ اور عاشق مسکین کے لئے تو وہی ہے۔ جو گھونٹ پیتا ہے۔ ۱۲

ہوتا ہے۔ اور جسم کے تشخص کو صورت سے وابستہ کرتے ہیں۔

اور جب اللہ تعالےٰ کی توفیق سے سالک جناب قدس خداوندی جل شانہٗ کی طرف ذکر و مراقبہ سے متوجہ ہوتا ہے۔ تو دم بدم ماسوا سے منہ پھیرتا جاتا ہے۔ اور اسماء و صفات الٰہی جل سلطانہٗ کے صور علمیہ کے عکوس ہر وقت اس میں قوت و غلبہ پیدا کرتے جاتے ہیں۔ اور اپنے سابقی پر جو کہ عدمات ہیں۔ غلبہ اور تسلط پا لیتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ (یقیناً اللہ تعالےٰ کا لشکر ہی غالب آنے والا ہے۔) پھر معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ وہ عدمات جو عکوس کے لئے ہیولی اور اصل کی طرح تھی۔ وہ پوشیدہ ہونے لگتے ہیں۔ بلکہ پورے طور پر سالک کی نگاہ سے مخفی ہو جاتے ہیں۔ اور ماسوائے میں سے اصول کے عکوس اور خود اصول بھی اس کی نظر میں نہیں آتے۔ بلکہ عکوس جو کہ اپنے اصول کے آئینہ ہیں۔ بھی نظر سے مخفی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ آئینہ کو پوشیدہ ہونے سے چارہ نہیں ہے۔

یہ مقام فنا کا مقام ہے۔ اور بہت بلند ہے۔ اور اگر اس فانی سالک کو بقا بخشیں۔ اور عالم میں واپس لائیں تو اپنے عدم کو باریک چھلکے کی طرح جو کہ بدن کی حفاظت کے لئے ہے۔ پائے گا۔ اور قریب ہے۔ کہ بے انتہا بے مناسبتی کی وجہ سے جو کہ اس نے عدم میں پیدا کی ہے۔ اس کو اون کے پیراہن سے تعبیر کرے۔ اور اسے اپنے آپ سے علیحدہ تصور کرے۔ لیکن حقیقت میں اس مقام میں عدم اس سے جدا نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس کی اُنا (میں) کے احتمالات میں داخل ہے۔

مختصر یہ کہ اس مقام میں عدم اس کا مغلوب و مستور جزو ہے۔ اور اس اصل سے جو وہ رکھتا تھا۔ نیچے آچکا ہے۔ اور تابع ہو چکا ہے بلکہ ان عکوس کے قائم مقام ہے۔ جو کہ اس کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ اور یہ فقیر اس مقام میں کئی سال تک رہا ہے۔ اور اپنے عدم کو بالوں کے پیراہن کی طرح اپنے سے علیحدہ پاتا تھا۔ اور اس کے بعد جب بے انتہا عنایات خداوندی جل سلطانہٗ اس کے شامل حال ہوتی ہیں۔ تو وہ دیکھتا ہے۔ کہ وہ جزو مغلوب اس ترکیب سے علیحدہ ہو کر مفارقت اختیار کر رہا ہے۔ اور وہ تشخیص جو ان عکوس کے حصول سے اس نے پیدا کی تھی۔ ختم ہو جاتی ہے۔ اور عدم مطلق سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ جیسے ایک صورت کو ایک قالب پر ٹھیک کرتے ہیں۔ اور اس کا قیام اس قالب سے ہوتا ہے۔ اور جب صورت درست ہو جاتی ہے۔ اور اس میں ثبات و رسوخ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اس قالب کو توڑ دیتے ہیں۔ اور اس کے قیام کو قالب سے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ اور اسے بذات خود قائم کر لیتے ہیں۔

اور ہم جس بحث میں ہیں۔ یہ عکوس بھی جن کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ اس فقیر کی دریافت یہ ہے۔ کہ قیام بخود بلکہ باصول خود پیدا کرتے ہیں۔ اس وقت اُنا کے لفظ کا اطلاق سوائے عکوس اور ان عکوس کے اصول کے اور کسی پر نہیں رہتا۔ اور عدمی جزو گویا کہ اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور اس فقیر کی دریافت یہ ہے۔ کہ اس مقام میں فنا کی حقیقت وہ صورت اختیار کرتی ہے۔ کہ پہلی فنا گویا کہ اس فنا کی شکل تھی۔ اور اس مقام سے جب بقا میں لاتے۔ اور عالم میں واپس

کرتے ہیں۔ تو اس عدم کو جو جزئیت کی نسبت کی رکھتا تھا۔ اور اصل اور غلبہ اسی کا تھا۔ اسے واپس لاکر اس کا ہمسایہ اور ساتھی بنادیتے ہیں۔ اور اس کی حقیقت و صورت سے الگ کر دیتے ہیں۔ اور "انا" کے لفظ کے اطلاق سے باہر کر دیتے ہیں۔ اور حکمت اور مصالح کے سبب سے پھر اس کو اُون کے پیراہن کی شکل میں پہنا دیتے ہیں۔

اور اس حالت میں اگرچہ عدم کو واپس لے آتے ہیں۔ لیکن ان عکوس کا قیام اس سے وابستہ نہیں کیا ہے بلکہ عدم کو ان عکوس کے ساتھ قیام بخشا ہے۔ جیسا کہ پہلی بقا میں گزر چکا۔ پھر جب اس بقا میں یہ نسبت ہوگی۔ تو اس جگہ کہ بقا کی حقیقت ہے۔ یہ نسبت بروجہ اتم حاصل ہوگی

خلاصۂ کلام یہ کہ لباس کے بعد جامہ کو صاحب جامہ پر تاثیر ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر جامہ گرم ہے۔ تو پہننے والے کو گرمی سے متاثر کرے گا۔ اور اگر سرد ہے۔ تو سردی سے متاثر کرے گا۔ اور اسی طرح یہ عدم بھی جامہ کی مانند اپنے اندر ایک تاثیر رکھتا ہے۔ اور اس کا اثر تمام بدن میں سرایت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ یہ تو جانتا ہے۔ کہ یہ تاثیر اور سرایت بیرونی ہے۔ نہ اندرونی اور عرضی ہے۔ نہ کہ ذاتی۔ اور وہ بیرونی ہمسایہ کی طرف سے آئی ہے۔ نہ کہ اندرونی ہم جنس سے اگر شر اور نقص ہے۔ جو اس عدم سے پیدا ہوا ہے۔ تو بھی عارضی اور خارجی۔ نہ کہ ذاتی اور اصلی۔

اس مقام والا اگرچہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بشریت میں مشارکت رکھتا ہے۔ اور صفات بشریت کے صدور میں دوسروں کے ساتھ برابر ہے۔ لیکن اس سے اور اس کے ہم جنس لوگوں سے بشریت کی صفات کا ظہور عارضی ہے جو کہ ہمسایہ کی طرف سے آیا ہے۔ اور دوسروں میں یہ ذاتی ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ عوام نے ظاہری مشارکت کو ملاحظہ کیا۔ اور خواص بلکہ اخص الخواص کو اپنی طرح تصور کیا۔ اور انکار و اعتراض کے مقام میں آگئے۔ اور محروم ہو گئے آیت کریمہ[1] فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا۔ (سو کہنے لگے۔ کیا انسان ہمیں راہنمائی کریں گے۔ سو انہوں نے انکار کر دیا۔) اور یہ آیت بھی وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ (اور کہنے لگے یہ رسول کیسا ہے۔ کہ کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا ہے) ان کے حال کا نشان ہے۔

اللہ تعالے کی عنایت سے جو کچھ بھی وہ صفات بشریت اپنے اندر دیکھتا ہے۔ سمجھتا ہے۔ کہ ان صفات کا حامل وہ ہمسایہ عدم ہے۔ جو کہ کلی طور پر بھاگ گیا ہے۔ اور سرایت کر گیا ہے۔ اور اپنے آپ کو پوری طرح ان صفات

---

[1] معلوم ہوا۔ کہ خواص اور اخص خواص کی ظاہری شکل و صورت دیکھ۔ انہیں اپنی مانند تصور کرنا جہالت و نادانی ہے۔ کفار مکہ اسی غلطی میں مبتلا تھے۔ اسی بنا پر انھوں نے حضور کی نبوت کا انکار کیا۔ اپنی عاقبت برباد کی اور محرومی کا داغ لے کر آخرت میں عذاب کے مستحق قرار پائے۔ ۱۲

سے پاک و مبرا ہے۔ اور ان میں سے کچھ بھی اپنے اندر محسوس نہیں کرتا۔ اور اس پر اللہ تعالےٰ ہی کی تعریف اور اسی کا احسان ہے۔ یہ صفات جو ہمسائیگی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس طرح کی ہوتی ہیں جیسے کوئی آدمی سرخ لباس پہنے ہوئے ہو تو لباس کی سرخی کی وجہ سے وہ سرخ نظر آتا ہے۔ بیوقوف چونکہ تمیز نہیں رکھتے۔ ہمسایہ کی سرخی کو اس شخص کی سرخی سمجھتے ہیں۔ اور خلاف واقع حکم سے نسبت کرتے ہیں۔ ؎

ہر کس[1] افسانہ بخواند افسانہ است　　وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است

آب[2] نیل است و بہ قبطی خوں نمود　　قوم موسیٰ را نہ خوں بود آب بود

اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۹۵

مقصود علی تبریزی کی طرف ان کے سوال کفر حقیقی اور اسلام حقیقی کے جواب میں صادر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؁

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے صوفیاء کے بعض اقوال کے متعلق پوچھا ہے۔

میرے مخدوم! ہر چند کہ وقت و مقام گفتگو کا تقاضا نہیں کرتے۔ لیکن سوال کا جواب دینے سے چارہ نہیں ہوتا۔ لہذا ضرورت کے مطابق چند کلمات لکھے ہیں۔ آپ کے تمام سوالوں کے حل میں مختصر طور پر کلام یہ ہے۔ کہ جس طرح شریعت میں کفر و اسلام ہے۔ طریقت میں بھی کفر و اسلام ثابت ہے۔ اور جس طرح شریعت میں کفر شرارت اور نقص ہے۔ اور اسلام کمال ہے۔ اسی طرح طریقت میں بھی کفر طریقت نقص ہے۔ اور اسلام طریقت کمال ہے۔ کفر طریقت جمع کے مقام سے عبارت ہے۔ جو کہ پوشیدگی کا محل ہے۔ اور اس مقام میں حق و باطل کی تمیز مفقود ہے۔

کیونکہ سالک کا مشہود اس مقام میں اچھے اور برے آئینوں میں وحدت محبوب کا جمال ہے۔ پس خیر و شر اور کمال

[1] جو اس کو افسانہ کہے وہ خود افسانہ ہے۔ اور جس نے حقیقت کو دیکھا وہ مرد ہے۔ ۱۲

[2] نیل کا پانی تھا۔ جو قبطیوں کو خون نظر آتا تھا۔ اور موسیٰ کی قوم کے لئے وہ خون نہ تھا بلکہ پانی تھا۔ ۱۲

ونقص کو سوائے اس وحدت کے ظلال ومظاہر کے اور کچھ نہیں پاتا۔ تو لازمی طور پر انکار کی نظر جو تمیز سے پیدا ہوتی ہے اس کے حق میں معدوم ہے۔ تو مجبوراً سب سے صلح کرتا ہے۔ اور سب کو صراط مستقیم پر پاتا ہے۔ اور اس آیت کی تلاوت کرتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔[۱] کوئی جاندار ایسا نہیں ہے۔ جس کی پیشانی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہ ہو۔ یقیناً میرا رب سیدھے رستے پر ہے۔

اور کبھی وہ مظہر کو عین ظاہر سمجھتا ہے۔ مخلوق کو خدا جانتا ہے۔ اور پروردہ کو پالنے والا سمجھتا ہے۔ یہ تمام وہ پھول ہیں۔ جو جمع کے مرتبہ میں کھلتے ہیں۔ منصور اس مقام میں کہتا ہے۔[۲]

كَفَرْتُ بِدِيْنِ اللّٰهِ وَالْكُفْرُ وَاجِبٌ لَدَيَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِيْنَ قَبِيْحٌ

یہ طریقت کا کفر شریعت کے کفر سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔ اگرچہ شریعت کا کافر مردود ہے۔ اور سزا کا مستحق ہے۔ اور طریقت کا مقبول ہے۔ اور درجات کا مستحق ہے۔ کیونکہ یہ کفر اور پوشیدگی محبوب حقیقی کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اس نے محبوب کے سوا سب کو فراموش کر دیا ہے۔ پس وہ مقبول ہوتا ہے۔ اور شریعت کا کفر جہالت اور سرکشی سے پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ لازماً مردود ہے۔

اور طریقت کا اسلام مقام فرق بعد الجمع سے عبارت ہے۔ جو تمیز کا مقام ہے۔ اس جگہ حق باطل سے اور خیر شر سے الگ الگ ہے۔ اس طریقت کے اسلام کو شریعت کے اسلام سے پوری مناسبت ہے۔ بلکہ جب شریعت کا اسلام اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ تو اس اسلام سے اتحاد کی نسبت پیدا کر لیتا ہے۔ بلکہ دونوں اسلام شریعت کے اسلام ہیں ان میں فرق صرف ظاہر شریعت اور باطن شریعت اور اسی طرح صورت شریعت اور حقیقت شریعت کا ہے۔ کفر طریقت کا مرتبہ صورت شریعت کے اسلام سے بہت بلند ہے۔ اگرچہ وہ حقیقت شریعت کے اسلام سے بہت نیچے اور کمتر ہے ؎

آسمان نسبت بعرش آمد فرود[۳] ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے جس نے بھی شطحیات سے کلام کیا ہے۔ اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہی ہیں۔ وہ سب کفر طریقت کے مقام میں تھے۔ جو کہ سکر (مستی) اور بے تمیزی کا مقام ہے۔ وہ بزرگ جو حقیقت

---

[۱] سورہ ہود پارہ ۱۲۔

[۲] میں نے اللہ کے دین کا کفر کیا۔ اور کفر میرے نزدیک واجب ہے۔ اور مسلمانوں کے نزدیک برا ہے۔ ۱۲۔

[۳] آسمان عرش کی نسبت سے بہت نیچے ہے۔ اگرچہ وہ خاک کے تودے کے مقابل بہت بلند ہے۔ ۱۲۔

اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔ وہ اس طرح کی باتوں سے بالکل پاک وصاف ہیں۔ اور ظاہر و باطن میں انبیاء کی اقتدا کرتے ہیں۔ اور انہی کے پیرو ہیں۔ علیہم الصلوات والتسلیمات

پس وہ شخص جو شطحیات سے گفتگو کرے۔ اور سب کے ساتھ صلح کے مقام میں ہو۔ اور سب کو صراط مستقیم پر سمجھے۔ اور خالق اور مخلوق میں تمیز ثابت نہ کرے۔ اور ان میں دوئی کا قائل نہ ہو۔ اگر ایسا شخص مقام جمع میں پہنچا ہوا ہے۔ اور کفر طریقت سے متحقق ہو چکا ہے۔ اور ماسوا کو بالکل بھول چکا ہے۔ تو وہ مقبول ہے۔ اور اس کی باتیں سُکر سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور ان کا ظاہری مطلب نہیں لیا جائے گا۔ اور اگر وہ شخص اس حال کے حصول کے بغیر اور کمال کے پہلے درجہ میں پہنچنے کے بغیر اس طرح کی باتیں کرتا ہے۔ اور سب کو حق پر اور صراط مستقیم پر جانتا ہے۔ اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا۔ تو وہ زندیق اور ملحد ہے۔ کہ اس کا مقصود شریعت کا ابطال ہے۔ اور اس کا مقصود انبیاء کی دعوت کو ختم کرنا ہے۔ جو کہ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ علیہم الصلوات والتحیات۔

پس یہ اختلافی کلمات حق والے سے صادر ہوتے ہیں۔ اور باطل والے سے بھی حق والے کے لئے آب حیات ہیں۔ اور باطل والے کے لئے زہر قاتل۔ نیل کے پانی کی طرح کہ بنی اسرائیل کے لئے وہ خوشگوار پانی تھا۔ اور قبطیوں کے لئے خون ناگوار یہ مقام قدم پھسلنے کی جگہ ہے۔

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت ان اکابر ارباب سُکر کی تقلید میں سیدھے رستے سے بھٹک گئی ہے۔ اور گمراہی اور نقصان کے کوچہ میں جا پڑی ہے۔ اور انہوں نے اپنے دین کو برباد کر لیا ہے۔

ان کو یہ پتہ نہ چلا کہ ان باتوں کا قبول کرنا کچھ شرائط سے مشروط ہے۔ جو ارباب سُکر میں تو پائی جاتی ہیں۔ اور ان میں مفقود ہیں۔ ان شرائط میں سے سب سے بڑی شرط اللہ تعالےٰ کے سوا کو بھول جانا ہے۔ جو کہ اس قبول کی دہلیز ہے اور گمراہ اور حق پرست کے امتیاز کی دلیل شریعت پر استقامت اور عدم استقامت ہے۔ جو حق پرست ہے۔ وہ باوجود سُکر اور بے تمیزی کے شریعت کے خلاف بال برابر بھی نہیں کرتا۔ منصور باوجود اَنَا الحق کہنے کے قید خانہ میں پاؤں میں بھاری زنجیریں ہوتے ہوئے بھی ہر رات پانچ سو رکعت نماز نفل ادا کرتا تھا۔ اور وہ کھانا جو ظالموں کے ہاتھوں سے اس تک پہنچتا تھا۔ اگرچہ وہ حلال وجہ سے تھا۔ نہیں کھاتا تھا۔

اور وہ جو باطل پرست ہے۔ اس کے لئے احکام شریعت کی تعمیل ایک بھاری پہاڑ کی طرح ہے۔ یہ آیت کریمہ [۱] کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ (مشرکوں پر وہ چیز بڑی بوجھل ہے۔ جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں۔) ان کے حال کا نشان ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی

---

[۱] سورۂ شوریٰ پارہ والیہ یرد ۱۳۰

اور یہ کفر اور الحاد اور بے دینی ہے۔ اس قوی شبہے کا حل کیا ہے۔؟

جواب :۔ جان لینا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو ہدایت دے۔ اور سیدھے رستے کی راہنمائی کرے۔ کہ یہ شبہ اور اس جیسے شبہے بھی کہ جن کو ایک جماعت حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر وارد کرتی ہے۔ اور ان شکوک و شبہات سے ان کی تردید کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ انصاف پر آئیں۔ اور خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کو قبول کریں اور جان لیں کہ ان کے نفوس خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا و ہوس سے پاک ہو چکے تھے۔ اور ان کے سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو چکے تھے۔ اور جان لیں کہ یہی لوگ ہیں، اکابر دین اور کبرائے اسلام جنہوں نے اسلام کے کلمہ کی بلندی اور سید الانام کی مدد میں اپنی طاقت صرف کی۔ اور اپنے مالوں کو کلمہ اسلام کی بلندی میں خرچ کیا۔ اور دین متین کی تائید میں دن میں اور رات میں پوشیدگی میں اور ظاہر میں مال لٹایا۔ اور اپنے قرابتداروں اور قبیلوں کو اور اولاد اور بیویوں کو اور اپنے وطنوں اور گھروں کو اور اپنے چشموں اور کھیتوں کو اور اپنے درختوں اور نہروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سبب سے چھوڑ دیا۔ اور اپنے نفسوں کی محبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی۔ اور رسول کی محبت کو اپنی محبت اور اپنی اولاد اور مالوں کی محبت پر ترجیح دی۔ اور یہی لوگ ہیں وحی اور فرشتوں کا مشاہدہ کرنے والے اور معجزات اور خوارق دیکھنے والے یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت ہو گیا ہے۔ اور ان کا علم عین ہو چکا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کی اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں تعریف فرمائی ہے۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (اللہ ان سے خوش ہے۔ اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔)

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ (یہ ان کی مثال ہے۔ تورات اور انجیل میں)

یقیناً تمام صحابہ کرام ان بزرگیوں میں شریک ہیں۔ اور اکابرین صحابہ جو کہ خلفائے راشدین ہیں۔ ان کی بزرگیاں کیا بیان کروں۔ یہی فاروق ہے۔ کہ خداوند تعالےٰ نے ان کی شان میں اپنے رسول سے فرمایا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (اے نبی آپ کو اللہ کافی ہے۔ اور وہ لوگ کافی ہیں جنہوں نے ایمانداروں میں سے آپ کی پیروی کی۔) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ کہ اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے۔

انصاف کی نظر حاصل ہونے کے بعد اور خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے شرف کو قبول کرنے کے بعد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بلندی درجات اور بزرگیوں کو سمجھ لینے کے بعد وہ اعتراض کرنے والی جماعت اور شکوک پیدا کرنے والے لوگ۔ قریب ہے۔ ان شبہات کو مغالطوں اور حکمت کی غلط باتوں کو ملمع کی ہوئی چیز کی طرح دکھائیں۔ اور ان کو اعتبار کے درجہ سے ساقط کریں۔ اگرچہ وہ غلط مادہ کو ان شبہات میں تشخیص نہ کریں۔ اور عقل

من اتبع الھدیٰ

مکتوب نمبر ۹۶

خواجہ ابوالحسن بہادر ختی الکشمی کی طرف صادر فرمایا۔

(اس سوال کے جواب میں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں کاغذ طلب فرمایا۔ تاکہ کوئی چیز لکھیں۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ کچھ وجوہات کی بنا پر اس سے روک دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

سوال:۔ خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے مرض الموت میں کاغذ طلب کیا۔ اور فرمایا۔ اِیْتُوْنِیْ بِقِرْطَاسٍ اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَّنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ۔ (کہ میرے پاس کاغذ لاؤ۔ میں تمہیں کچھ لکھ دوں۔ کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔) اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ کاغذ لانے سے منع کر دیا۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰهِ (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔) اور یہ بھی فرمایا۔ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ (آپ بیماری کی بیہوشی میں باتیں کر رہے ہیں۔ تحقیق کرو۔) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے تھے۔ جیساکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ (وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ وحی ہوتی ہے۔ جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔) اور وحی کی تردید اور اس سے روکنا کفر ہے۔ جیساکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ۔ (اور جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں۔ وہ کافر ہیں۔)

اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ پیغمبر پر ہذیان اور ہجر کو تجویز کرنا اس کی شریعت کے احکام سے اعتماد رفع کرنے کو مستلزم ہے

---

۵۱ مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری و مسلم ۱۲

۵۲ مشکوٰۃ شریف ۔ ۱۲

۵۳ سورہ نجم پارہ قال فما خطبکم ۱۲

۵۴ سورہ مائدہ پارہ ۶ ۔ ۱۲

کی غلط باتوں کے محل متعین نہ کریں۔ تو کم از کم شائد اس قدر جان لیں۔ کہ ان شکوک کا نتیجہ اور ان شبہات کا حاصل بے فائدہ ہے۔ بلکہ بداہت اور ضرورت اسلامیہ سے ٹکر لینے والا ہے۔ اور کتاب و سنت کی رو سے مردود و مطرود ہے

اس کے باوجود اس سوال کے جواب میں اور اس شبہ کے غلط مواد کی تعیین میں اللہ تعالےٰ کی مدد سے چند مقدمے لکھے جاتے ہیں۔ ان کو سنیں۔ ان اشکال کا پورا پورا حل چند ایک مقدمات پر مبنی ہے۔ اگرچہ ہر مقدمہ ایک علیحدہ جواب بھی ہے۔

پہلا مقدمہ یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معقولات اور منطوقات وحی کے ذریعہ نہ ہوتے تھے۔ اور آیت کریمہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔) یہ قرآنی نطق کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ اہل تفسیر نے اس کو بیان کیا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام کہی باتیں وحی کے مطابق ہوتیں۔ تو آپ کے بعض کلام پر اعتراض وارد نہ ہوتے۔ اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ (اللہ نے آپ کو معاف کیا آپ نے ان کو کیوں اجازت دی۔)

دوسرا مقدمہ یہ ہے۔ کہ اجتہادی احکام اور امور عقلیہ میں بموجب آیت کریمہ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ (اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو) اور آیت وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔ (اور ان سے اپنے امور میں مشورہ کرو۔) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی گنجائش تھی۔ اور ان میں ردّ و بدل کی مجال تھی کیونکہ قیاس کا امر اور مشورہ کا امر ردّ و بدل حاصل ہو ئے۔ بغیر کوئی صورت نہیں رکھتا۔ اور بدر کے قیدیوں کے فدیہ اور قتل کے متعلق جو اختلاف واقع ہوا تھا۔ اور حضرت فاروق نے ان کے قتل کا فیصلہ کیا تھا۔ تو وحی فاروق کی رائے کے مطابق آئی۔ اور فدیہ لینے پر وعید نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اگر عذاب نازل ہوتا۔ تو سوائے عمر اور سعد بن معاذ کے اور کوئی نجات نہ پاتا۔" کیونکہ حضرت سعد نے بھی ان قیدیوں کے قتل کا اشارہ کیا تھا۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے۔ کہ سہو اور نسیان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جائز ہے۔ بلکہ واقع ہے۔ ذوالیدین کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت والی فرض نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ تو ذوالیدین نے عرض کیا۔ اَقُصِرَتِ الصَّلٰوةُ اَمْ نَسِيْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (کیا نماز کم ہو گئی ہے۔ یا اے اللہ کے رسول آپ بھول گئے ہیں۔ تو ذوالیدین کی بات کے سچا ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور دو رکعت اور ان کے ساتھ ملائیں۔ اور سجدۂ سہو کیا۔

جب سہو اور نسیان صحت اور فراغت کی حالت میں بہ تقاضائے بشریت جائز ہو۔ تو مرض الموت میں درد کے غلبہ کے وقت بہ تقاضائے بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے قصد اور بے اختیار کلام کا صدور کیوں کر

جائز نہ ہوگا۔ اور احکام شرعیہ سے اعتماد کیوں اٹھ جائے گا۔ کیوں کہ حضرت حق سبحانہ وتعالے یقینی وحی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو اور نسیان پر اطلاع فرما دیتا تھا۔ اور درست کو غلط سے الگ کر دیتا۔ کیونکہ غلطی پر نبی کا قائم رہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ احکام شرعیہ سے رفع اعتماد کو مستلزم ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ محض سہو و نسیان احکام شرعیہ سے رفع اعتماد کا موجب نہیں ہے۔ بلکہ سہو و نسیان پر قائم رہنا رفع اعتماد کو مستلزم ہے۔ اور یہ توطے شدہ چیز ہے کہ اس پر قائم رہنا جائز نہیں ہے۔

چوتھا مقدمہ یہ ہے۔ کہ حضرت فاروق بلکہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو کتاب و سنت میں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اور وہ حدیثیں جو کہ خاص طور پر ان کو جنت کی بشارت کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ وہ اپنے معتبر رواۃ کی کثرت کے سبب سے حد شہرت بلکہ معنیً بحدّ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ان کا انکار یا تو جہالت کی بنا پر ہے۔ اور یا عناد کی بنا پر۔ صحیح اور حسن حدیثوں کے راوی اہل سنت ہیں۔ جنہوں نے اپنے اساتذہ صحابہ و تابعین سے ان کو روایت کیا ہے اور تمام مخالف فرقوں کے رواۃ کو اگر اکٹھا کریں۔ تو معلوم نہیں کہ اہل سنت راویوں کے عشر عشیر کو بھی پہنچیں۔ جیسا کہ منصف جستجو کرنے والے اور تلاش کرنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

اور اہل سنت کی احادیث کی کتابیں ان اکابرین کو جنت کی بشارت سے بھری پڑی ہیں۔ اور اگر بعضے مخالف فرقوں کی کتب احادیث نے ان کی بشارت کو روایت نہیں کیا ہے۔ تو غم نہیں ہے۔ کہ بشارت کی روایت کا نہ ہونا عدم بشارت پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن ان اکابر کو جنت کی بشارت کا ثبوت تو قرآن مجید ہی سے کافی ہے۔ اور وہ کافی آیات ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔[۵۱]

اور سبقت کرنے والے پہلے مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جنہوں نے ان کی اچھی طرح پیروی کی۔ اللہ ان سے خوش ہوا۔ اور وہ اللہ سے خوش ہوئے۔ اور ان کے لئے باغ تیار ہیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ[۵۲]

تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جنگیں لڑیں۔ برابر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی نسبت بہت بڑے

---

[۵۱] سورہ توبہ پارہ ۱۱ - ۱۲

[۵۲] سورہ حدید پارہ فما خطبکم - ۱۲

اَلَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی۔ درجے والے ہیں۔ جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور لڑائی کی۔ اور ہر ایک سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا ہے۔

جب کہ تمام صحابہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد خرچ کیا۔ اور لڑائی کی ہے۔ ان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ تو پھر اکابر صحابہ کے متعلق جنہوں نے خرچ کرنے میں اور لڑائی اور ہجرت کرنے میں بہت زیادہ سبقت کی ہے۔ کیا کہا جائے گا۔ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اور ان کے درجات کی بڑائی کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے۔ کہ وہ کیا ہیں۔ اہل تفسیر نے کہا۔ کہ یہ آیت کریمہ لایستوی الآیہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جو کہ اسبق سابقین ہیں۔ انفاق اور مقاتلہ میں۔ اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔ (یقیناً اللہ تعالےٰ ایمانداروں سے خوش ہوئے۔ جب کہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

امام محی السنۃ (بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ "ان لوگوں میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا۔ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے"۔ اور اس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ اس قوم سے خوش ہوا۔ اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ ایسے آدمی کو کافر کہنا جسے کتاب وسنت سے بہشت کی بشارت مل چکی ہو۔ خود بدترین قسم کا کفر ہے۔

اور پانچواں مقدمہ یہ ہے۔ کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کاغذ لانے میں توقف کرنا رد و انکار کی وجہ سے نہ تھا۔ اس سے اللہ کی پناہ اس طرح کی بے ادبی اس پیغمبر کے وزیروں اور ہم نشینوں سے کیسے سرزد ہو سکتی ہے۔ جو خلق عظیم سے متصف ہے۔ بلکہ کسی ادنیٰ صحابی سے جو کہ ایک یا دو بار صحبت خیر البشر سے مشرف ہوا ہو۔ اس معنی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ آپ کی امت کے عوام سے بھی جو کہ اسلام کی دولت سے سعادت مند ہوئے ہیں۔ اس قسم کے رد و انکار کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر اس آدمی سے کیسے یہ خیال ہو سکتا ہے۔ جو اکابر وزراء و ندماء سے ہو۔ اور اعاظم مہاجرین اور انصار سے ہو۔

حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ انصاف عطا فرمائے۔ کہ اکابر دین کے ساتھ اس قسم کی بدظنی نہ کریں۔ اور بے سمجھی سے ہر کلمہ اور کلام پر مواخذہ نہ کریں۔ بلکہ حضرت فاروق کا مقصد سمجھنا اور استفسار کرنا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ اِسْتَفْہِمُوْہُ یعنی اگر آپ اہتمام واصرار سے کاغذ طلب فرمائیں۔ تو لے آیا جائے۔ اور اگر اس معاملہ میں اصرار نہ کریں۔ تو ایسے نازک وقت میں ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ کیونکہ اگر انہوں نے وحی یا حکما کاغذ طلب کیا ہوگا۔ تو تاکید اور مبالغہ سے کاغذ طلب

لہ سورہ فتح پارہ ۲۶-۱۲

کریں گے۔ اور جو ان کو حکم ہوا ہے۔ وہ لکھیں گے۔ کہ وحی کی تبلیغ نبی پر واجب ہے۔ اور اگر یہ طلب وحی کی بنا پر یا حکماً نہیں ہے۔ بلکہ آپ چاہتے ہیں۔ کہ اپنے اجتہاد و فکر سے کوئی چیز ہمیں لکھ دیں تو وقت اس کی موافقت نہیں کرتا اجتہاد کا مرتبہ تو آپ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ آپ کی امت کے استنباط کرنے والے کتاب اللہ سے جو دین کا اصل الاصول ہے۔ احکام اجتہادیہ کا استنباط کریں گے۔

اور جب کہ آنحضرت کی موجودگی میں جو کہ نزول وحی کا وقت ہے۔ اجتہاد کرنے والوں کے استنباط کی گنجائش ہے تو آپ کے انتقال کے بعد جو کہ انقطاع وحی کا زمانہ ہو گا۔ بطریق اولیٰ اہل علم کا اجتہاد و استنباط مقبول ہو گا۔ اور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں اصرار و اہتمام نہ کیا۔ بلکہ اس امر سے منہ پھیر لیا۔ تو معلوم ہو گیا۔ کہ وہ وحی کے ذریعہ نہ تھا۔

اور وہ توقف جو صرف استفسار کی بنا پر ہو وہ برا نہیں ہے۔ ملائکہ کرام نے بھی آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت کی وجہ معلوم اور دریافت کرنے کے لئے عرض کیا تھا۔

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔[۵۱]

کیا آپ اس (زمین) میں ایسے آدمی کو پیدا کریں گے جو اس میں فساد کرے۔ اور خوں ریزی کرے۔ اور ہم تیری تعریف کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی بشارت کے وقت فرمایا۔

أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۔[۵۲]

میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہو گا۔ حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ چکا ہوں۔

اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔

أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا۔[۵۳]

میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہو گا۔ حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔

اور حضرت فاروق نے بھی استفہام کی بنا پر کاغذ لانے میں توقف کیا ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ اور کیا شور و شر

---

۵۱ سورہ بقر پارہ ۱۔ ۱۲

۵۲ سورہ مریم پارہ ۱۶۔ ۱۲

۵۳ سورہ مریم پارہ ۱۶۔ ۱۲

ہے۔

اور چھٹا مقدمہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت کے صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے حسن ظن کی ضرورت ہے۔ اور یہ جاننا چاہیئے کہ بہترین زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ اور آپ کے صحابہ کرام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بنی آدم میں سے بہترین انسان ہیں۔ اور جو لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بہترین بنی آدم ہوں۔ وہ امر باطل پر اجماع نہیں کر سکتے۔ اور خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین کافر اور فاسق لوگ نہیں بنائے جا سکتے۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ صحابہ کرام بہترین بنی آدم ہیں۔ یہ اس لئے کہا ہے۔ کہ یہ امت قرآنی نص کی بنا پر خیر الامم ہے۔ اور اس امت میں سے بہترین وہی لوگ ہیں۔ کیونکہ کوئی ولی بھی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

پس تھوڑا سا انصاف کرنا چاہیئے۔ اور سمجھنا چاہیئے۔ کہ اگر حضرت فاروق کا کاغذ لانے سے روکنا کفر ہوتا۔ تو حضرت صدیق اکبر جو کہ قرآنی نص کی بنا پر اس بہترین امت میں سے پرہیزگار ترین انسان تھے۔ وہ آپ کی خلافت کی تصریح نہ کرتے۔ اور مہاجرین وانصار کہ حضرت سبحانہ وتعالےٰ نے اپنے قرآن مجید میں ان کی تعریف وثنا فرمائی ہے۔ اور ان سے راضی ہوا ہے۔ اور ان کو جنت کا وعدہ دیا ہے۔ یہ لوگ آپ سے بیعت نہ کرتے۔ اور انہیں پیغمبر کا جانشین نہ بناتے۔

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حسن ظن جو کہ محبت کا مقدمہ ہے۔ حاصل ہوا تو اس قسم کے شبہات کی مزاحمت سے نجات میسر ہو گئی۔ اور ایسے اعتراضات کا بطلان عقل سے معلوم ہو گیا۔ اور اگر معاذ اللہ آپ کی صحبت اور آپ کے صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ حسن ظن پیدا نہ ہو۔ اور بدگمانی پیدا ہو۔ تو یہ بدگمانی لازمی طور پر اس صحبت والے اور ان صحابہ والے تک بھی پہنچے گی بلکہ ان کے اصل مالک (خدا تعالےٰ) تک بھی جائے گی۔ اس امر کی برائی کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ جو آدمی صحابہ کرام کی تعظیم نہ کرے۔ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کوئی ایمان نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں فرمایا ہے۔

فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ۔ جس نے ان سے محبت کی۔ تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا

پس صحابہ کرام کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو مستلزم ہے۔ اور صحابہ کرام سے بغض اور دشمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کو مستلزم ہے۔

اور جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے۔ تو اس شبہ اور اس جیسے اور شبہات کا جواب بے تکلف حاصل ہوا بلکہ بہت سے جواب حاصل ہو گئے۔ کیونکہ ان مقدمات میں سے ہر ایک مقدمہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ ایک مستقل اور معقول جواب ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اور ان مقدمات کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس شبہ کے ناپاک مادہ کو ختم کرتا ہے۔ اور ایسے اعتراضات کے دفعیہ میں دلیل سے گزر کر فراست میں آتا ہے۔ جیسا کہ ایک عقلمند اور منصف آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ فراست کے لفظ کو احتیاطاً زبان پر لایا ہوں۔ ورنہ ایسے اعتراضات کا بطلان بالکل بدیہی ہے۔ اور وہ مقدمے جو ان شبہات کے بطلان کے بیان میں لائے گئے ہیں۔ وہ اس بداہت پر تنبیہات کے قبیل سے ہیں۔

بلکہ اس قسم کے شبہات اور اعتراضات کی مثال اس فقیر کے نزدیک ایسی ہے کہ کوئی صاحب فن شخص بیوقوفوں کی جماعت میں آئے۔ اور ایک پتھر کو جو ان کو پتھر محسوس ہوتا ہے۔ اپنے دلائل کی بنا پر سونا ثابت کرے۔ اور یہ بے چارے چونکہ اس کے ملمع شدہ دلائل کی مدافعت سے عاجز ہیں۔ اور ان دلائل کے غلط مواد کی تعیین سے قاصر ہیں۔ تو وہ بے چارے شبہ میں پڑ جاتے ہیں۔ بلکہ اس پتھر کے سونا ہونے کا یقین کر لیتے ہیں۔ اور اپنی حس کو فراموش کر دیتے ہیں۔ بلکہ اپنی حس کو متہم کرتے ہیں۔

کوئی عقلمند ایسا ہونا چاہیئے۔ کہ ان میں حس کی بداہت پر اعتماد پیدا کرے۔ اور ملمع شدہ مقدمات کو متہم کرے اور جو معاملہ ہمیں درپیش ہے۔ اس میں بھی خلفائے ثلاثہ بلکہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تمام صحابہ کی بزرگی اور بلندی درجات بہ مقتضائے کتاب و سنت محسوس و مشاہد ہے۔ ان بزرگوں پر جرح قدح کرنے والے اپنے ملمع شدہ دلائل سے ان میں طعنہ زنی و قدح کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کے متعلق وہ طعنہ زنی اس پتھر کی طرح ہے۔ جسے وہ سونا بنا کر دکھاتے ہیں۔ اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

اے کاش! مجھے معلوم ہوتا۔ کہ ان اکابر دین پر سب و شتم اور اسلام کے کبراء پر طعنہ زنی پر ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا ہے۔ اور کسی کافر اور فاسق پر بھی طعنہ زنی اور گالی گلوچ شریعت میں نجات کا وسیلہ اور فضیلت اور بزرگی اور عبادت میں نہیں شمار کیا جاتا۔ پھر ان ہادیان دین پر سب و شتم کرنا اور ان حامیان اسلام پر طعنہ زنی کرنا کیسے عبادت ہو سکتا ہے۔ اور شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر بھی مثلاً ابوجہل اور ابولہب پر بھی گالی گلوچ کرنا اور طعنہ زنی کرنا وارد نہیں ہوا ہے۔ اور نہ یہ کرامت و عبادت شمار کیا گیا ہے۔ بلکہ ان سے اور ان کے احوال سے اعراض کرنا اور خاموش رہنا بے مقصد کاموں میں مشغول ہونے اور وقت ضائع کرنے سے زیادہ بہتر اور مناسب ہے

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔[1]

یہ ایک امت تھی جو گذر چکی۔ اس کے لئے اس کی کمائی ہے۔ اور تمہارے لئے تمہاری کمائی اور تم سے ان کے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی۔

حضرت سبحانہ وتعالیٰ قرآن مجید میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (آپس میں مہربان) فرماتا ہے۔ پس ان بزرگواروں کے حق میں ایک دوسرے سے عداوت وکینہ رکھنے کا گمان کرنا نص قرآن کے برخلاف ہے۔

اور یہ بھی قابل غور ہے۔ کہ ان بزرگواروں میں کینہ وعداوت کا اثبات ہو تو فریقین پر طعنہ زنی ہوگی۔ اور دونوں جماعتوں سے امان اٹھ جائے گا۔ پس لازم آئے گا۔ کہ صحابہ کرام میں سے دونوں فریق مطعون ہوں۔ اس عقیدہ سے اللہ تعالےٰ کی پناہ۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد بہترین بنی آدم بدترین آدمی ٹھہریں گے۔ اور بہترین زمانہ بدترین زمانہ ہوگا۔ کیوں کہ اس زمانہ کے تمام آدمی کینہ اور عداوت سے متصف ہوں گے۔ اور کوئی مسلمان بھی اس امر کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اور اس چیز کو قبول نہیں کرسکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کیا بزرگی باقی رہ گئی۔ کہ تینوں خلیفے رضی اللہ عنہم اگر ان کے دشمن ہوں۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی درپردہ ان سے عداوت ہوگی۔ اور یہ خود طرفین میں جرح قدح ہے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر کی طرح کیوں نہ رہیں۔ اور ایک دوسرے کی محبت میں غرق کیوں نہ ہوں۔

خلافت کا معاملہ ان بزرگواروں کے نزدیک پسندیدہ اور مرغوب طبع نہ تھا۔ کہ ان کے کینہ اور عداوت کا سبب ہوتا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے اَقِيْلُوْنِيْ (مجھے بیعت سے الگ کردو۔) کے الفاظ مشہور ومعروف ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ اگر کوئی خریدار پیدا ہو تو میں خلافت کو ایک دینار میں فروخت کردوں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگیں لڑی ہیں۔ تو وہ خلافت کے پسند طبع ہونے کے لئے نہیں لڑیں۔ بلکہ وہ باغیوں کے ساتھ لڑائی کرنا فرض سمجھتے تھے۔ اور ان کی مدافعت کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔[2]

فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ۔

سو تم اس جماعت سے لڑو۔ جو بغاوت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالےٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

---

[1] پارہ اول سورہ بقرہ ۱۲۔

[2] سورہ حجرات پارہ ۲۶-۱۲

خلاصۂ کلام - چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے والے اپنے پاس تاویل رکھتے ہیں۔ اور صاحب رائے واجتہاد ہیں۔ اگرچہ وہ اس اجتہاد میں خطا پر ہوں۔ پھر بھی وہ طعن وملامت اور تفسیق وتکفیر کے مستحق نہیں ہیں۔ حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ انہوں نے ہم پر بغاوت کی ہے۔ نہ تو وہ کافر ہیں۔ نہ فاسق - اس لئے کہ ان کے پاس تاویل ہے"۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اور یہی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔ کہ "یہ وہ خون ہیں۔ جن سے اللہ تعالےٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا۔ ہمیں چاہیئے۔ کہ ہم اپنی زبانیں بھی بچا کر رکھیں۔

اے ہمارے رب ہمیں بھی بخش۔ اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کی حالت میں گذر گئے۔ اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کے لئے کینہ نہ رکھ یقیناً تو شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ والصلوٰۃ والسلام علی سید الانام وعلی وآلہ واصحابہ الکرام الی یوم القیام

مکتوب نمبر ۹۷

خواجہ ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان کے اس سوال کے جواب میں جس میں انہوں نے چھٹے مکتوب کے حل کی درخواست کی تھی۔)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آپ نے سوال کیا ہے۔ کہ اس عبارت کا کیا مطلب ہے۔ جو مکتوب ششم میں واقع ہے۔

"میں خیال کرتا ہوں۔ کہ میرے پیدا ہونے کا مقصد یہ ہے۔ کہ ولایت محمدی ولایت ابراہیمی علیہم الصلوات والتسلیمات کے رنگ میں رنگی جائے۔ اور اس ولایت کی ملاحت (نمکینی) اس ولایت کی صباحت (سفیدی) سے مل جائے۔ اور رنگینی اور امتزاج سے محبوبیت محمدیہ کا مقام بلند سے بلند تر ہو جائے"۔

جاننا چاہیئے۔ کہ دلالی (راہنمائی) اور مشاطگی (آرائش کرنا) کا منصب منع اور ناجائز نہیں ہے۔ دلالہ اپنے فن دلالت کی خوبی کی وجہ سے دو صاحب جمال وکمال کو آپس میں ملاتی ہے۔ اور ہر ایک کے حسن کو دوسرے کے قریب کرتی ہے۔ یہ اس کی انتہائی خدمت گزاری ہے۔ اور اس لحاظ سے اس کی سعادت اور بزرگی انتہا کو پہنچتی ہے۔ اور اس سے ان دونوں صاحب جمال کی شان میں کوئی نقص اور قصور لازم نہیں آتا۔ اور اسی طرح اگر مشاطگی دکھا کر ان دونوں صاحب جمال کے حسن وکمال کو بڑھاتی ہے۔ اور ایک نئی تازگی اور زینت پیدا کرتی ہے۔ تو یہ اس کی سعادت وشرافت

ہے۔ اور ان میں کوئی قصور لازم نہیں آتا ہے۔

ازاں طرف نہ پذیرد کمال تو نقصاں[۱] وزیں طرف شرف روزگار من باشد

مختصر یہ کہ وہ نفع یا فائدہ جو صاحب دولت لوگوں کو غلاموں اور خادموں کی راہ سے میسر ہوتا ہے۔ وہ ممنوع اور ناجائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قصور اور نقصان کو مستلزم نہیں ہے۔ بلکہ صاحب دولت لوگوں کا کمال غلاموں اور خادموں کی خدمت میں ہے۔ وہ بدنصیب ہوتا ہے۔ جو خادموں سے نفع نہ اٹھائے۔ اپنے برابر کے لوگوں سے فائدہ حاصل کرنا نقصان ہے۔ اور اپنے ہمسر لوگوں سے استمداد و استفادہ قصور ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اے نبی تجھے اللہ تعالےٰ اور آپ پر ایمان لانے والے تابعدار کافی ہیں

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ کہ اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ چھوٹوں اور نچلے لوگوں کی خدمات بڑے لوگوں کے مرتبہ میں بزرگی پیدا کرتی ہیں۔ اور اگر بدیہی بات بھی کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ تو عبارت کا کیا قصور ہے۔ بادشاہ اور امرا اپنی خوبصورتی اور تسلط میں خادموں اور نوکروں کے محتاج ہیں۔ اور اپنے کمالات کو ان سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ اور اس معنی سے کوئی نقصان اور قصور ان کی شان میں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ہر چھوٹے اور بڑے کو معلوم ہے۔

اس شبہ کا سبب چھوٹے اور بڑے سے فائدہ اور نفع اٹھانے میں امتیاز نہ کرنا ہے۔ اور اب یہ تو ظاہر ہے کہ چھوٹے سے نفع لینا کمال بخش ہے۔ اور بڑے سے فائدہ لینا نقصان پیدا کرتا ہے۔ پس پہلا جائز ہوگا۔ اور دوسرا ممتنع اور اللہ تعالےٰ ہی درست بات کا الہام کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر والسلام علی من اتبع الہدی

مکتوب نمبر ۹۸

حضرات مخدوم زادگاں جامع الاسرار والعلوم خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم مدظلہما کی طرف صادر فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کائنات کے قرب و معیت کے بیان میں اور عدم کی شرارت اور ابلیس علیہ اللعنۃ

---

[۱] اس طرف تیرے کمال میں تو کوئی نقصان پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس طرف میرے کاروبار میں بزرگی پیدا ہو جائے گی۔ ۱۲

کی شرارت میں کیا فرق ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

سوال :۔ آپ نے سوال کیا ہے۔ کہ علماء نے کہا ہے۔ کہ حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ نہ تو عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے خارج اور نہ عالم سے متصل ہے۔ اور نہ اس سے الگ۔ اس بحث کی تحقیق کیا ہے؟

جواب :۔ اس دخول اور خروج اور اتصال اور انفصال کی نسبت کا حصول دو موجود کے تصور پر موقوف ہے۔ کیونکہ ایک موجود دوسرے موجود کے لحاظ سے اس نسبت سے خالی نہیں ہے۔ اور جس بحث میں ہم ہیں وہاں دو موجود ہی نہیں ہیں۔ تاکہ اس نسبت کا حصول تصور میں آسکے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ موجود ہے۔ اور کائنات جو اس کے سوا ہے۔ وہ موہوم اور متخیل ہے۔ اگرچہ عالم نے خدا تعالےٰ کی پیدائش سے استواری اور مضبوطی اس طرح کی پیدا کرلی ہے۔ کہ وہم اور خیال کے زائل کرنے سے زائل نہیں ہوتی۔ اور ابدی نعمت اور عذاب کا معاملہ اس کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ لیکن اس کا ثبوت مرتبہ حسؔ اور وہم میں ہے۔ اور حسؔ اور وہم سے باہر اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کی کمال قدرت ہے۔ کہ اس نے موہوم ومتخیل کو ثبات واستقرار کے حق میں موجود کا حکم عطا فرمایا ہے۔ اور اس پر موجود کے احکام جاری کئے ہیں۔ لیکن پھر بھی موجود موجود ہے۔ اور موہوم موہوم۔

اگرچہ ظاہر بین موہوم کو اس کے ثبات واستقرار کو دیکھتے ہوئے موجود تصور کرتے ہیں۔ اور دو موجود جانتے ہیں۔ اور اس معنی کی تحقیق اپنی کتابوں اور رسالوں میں تفصیل سے لکھی ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو ان کی طرف رجوع کریں۔ پس موجود کو موہوم کی نسبت سے ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہ ہوگی۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ موجود نہ تو موہوم میں داخل ہے۔ نہ اس سے خارج اور نہ موہوم سے اتصال رکھتا ہے۔ اور نہ انفصال اس لئے کہ جہاں موجود ہوگا۔ وہاں موہوم کا نام ونشان نہیں ہے۔ تاکہ اس کے ساتھ کسی نسبت کا تصور پیدا کرسکے۔

اس بحث کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ ایک چکر لگانے والا روشن نقطہ جو اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے دائرہ کی صورت میں متوہم ہوتا ہے۔ اور اس جگہ موجود صرف ایک نقطہ ہی ہے۔ اور دائرہ کی صورت کا وہم کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ موجود صرف نقطہ ہے۔ اور دائرہ موہومہ کا اس جگہ کوئی نام ونشان نہیں ہے اس صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ نقطہ دائرہ میں داخل ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کہ دائرہ سے خارج ہے۔ اور اسی طرح ان میں اتصال اور انفصال کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس مرتبہ میں دائرہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے تاکہ کوئی نسبت تصور میں آسکے۔ پہلے دیوار بناؤ۔ پھر نقش کرو۔

سوال :۔ خداوند تعالےٰ نے خود عالم کے ساتھ قرب اور احاطہ کی نسبت کا اثبات کیا ہے۔ حالانکہ موجود کو موہوم کے ساتھ کیا نسبت قرب؟ اور کونسا احاطہ ہے۔؟ جس جگہ موجود ہے۔ وہاں موہوم کا نام ونشان نہیں ہے تاکہ

محیط اور محاط کا تصور کیا جا سکے۔

جواب :۔ یہ قرب اور احاطہ وہ نہیں ہے۔ جو قرب جسم کو جسم سے ہوتا ہے۔ یا جسم جسم کا احاطہ کرتا ہے بلکہ یہ قرب و احاطہ ان نسبتوں میں سے ہے۔ جن کی کیفیت مجہول ہے۔ اور اینیّت معلوم ہے۔ ہم حق تعالےٰ کیلئے قرب اور احاطہ کا اثبات کرتے ہیں۔ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے۔ کہ کیا ہے۔ برخلاف چاروں نسبتوں کے جن کی نفی پہلے کی گئی ہے۔ کیونکہ ان کی کیفیت بھی مجہول ہے۔ اور اینیّت بھی مجہول اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ شریعت میں ان نسبتوں کا ثبوت وارد نہیں ہوا ہے۔ تاکہ ہم ان کا اثبات کریں۔ اور ان کی کیفیت کو مجہول جانیں۔ اگرچہ اتصال بے کیف کے معنی کو قرب و احاطہ کے معنی کی طرح اللہ تعالےٰ کے لیئے بے کیف تجویز کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اتصال کا لفظ شریعت میں نہیں آیا ہے۔ اور قرب اور احاطہ کا لفظ آیا ہے منقول نہیں کہنا چاہیئے اور قریب اور محیط کہہ لینا چاہیئے۔ اور انفصال اور خروج اور دخول کا اطلاق بھی اتصال کے اطلاق کی طرح ہے کہ وہ بھی نہیں آئے ہیں۔

اور مثال مذکورہ میں بھی اگر گردش کرنے والے نقطہ کو دائرہ موہومہ کی نسبت سے قرب اور احاطہ اور معیت ثابت کریں۔ تو یہ بھی مجہول الکیفیت ہو گی۔ کیونکہ نسبت کو دونوں اطراف سے چارہ نہیں ہے۔ حالانکہ موجود صرف گردش کرنے والا نقطہ ہے۔ اور اسی طرح اتصال اور انفصال اور خروج اور دخول بے کیف مثال مذکور میں متصور ہے اگرچہ دونوں اطراف ثابت نہ ہوں۔ کیونکہ طرفین کا وجود معلوم الکیفیت نسبت کے لیئے درکار ہے کہ وہ مشہور و معتاد ہے۔ اور وہ مجہول الکیفیت ہے۔ وہ عقل کے احاطہ سے باہر ہے۔ اس جگہ طرفین کے وجود کے لزوم کا حکم احکام وہمیہ سے ہو گا۔ جو کہ اعتبار کے مرتبہ سے ساقط ہے۔ کیونکہ وہ غائب کا حاضر پر قیاس ہے۔

تنبیہ :۔ عالم کو جو موہوم اور متخیل کہا ہے۔ وہ اس لحاظ سے ہے۔ کہ عالم کی پیدائش مرتبہ وہم و خیال میں واقع ہوئی ہے۔ اور اس کی کاریگری حس و ارامت (دکھانا) کے درجہ میں حصول سے پیوستہ ہوئی ہے۔ اس قلندر شخص کی طرح کہ کمال دائرہ موہومہ پر کہ جس کا حصہ سوائے اختراع وہم و خیال کے نہیں ہے۔ اسکو مرتبہ وہم و خیال میں پیدا فرمائے۔ اور اپنی کمال کاریگری سے اس میں استواری اور استحکام کا وہ مرتبہ پیدا کرے۔ کہ اگر وہم اور خیال پوری طرح زائل ہو جائیں۔ تو اس کے ثبوت میں کوئی خلل نہ پڑے۔ اور اس کے بقاء میں کوئی قصور پیدا نہ ہو۔ یہ موہوم مخلوق ہے اگرچہ خارج میں کوئی ثبوت نہیں رکھتا۔ اور خارج میں موجود وہی نقطہ ہے۔ اور بس لیکن وہ وجود خارجی سے نسبت رکھتا ہے۔ اور اس کو موجود خارجی سے ربط حاصل ہے۔ کیونکہ اگر نقطہ نہ ہوتا۔ تو دائرہ کہاں سے پیدا ہوتا۔

خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں[1] گفتہ آید در حدیث دیگراں

---

[1] یہ بڑا اچھا انداز ہے۔ کہ دوستوں کا راز دوسرے لوگوں کی بات ڈال کر بیان کر دیا جائے۔ ۱۲

اس دائرہ کو اگر ہم اس نقطہ کا روپوش کہیں۔ تو گنجائش رکھتا ہے۔ اور اگر اس نقطہ کے شہود کا آئینہ کہیں۔ تو بھی گنجائش ہے۔ اور اگر اس نقطہ کا ہادی اور دلیل کہیں۔ تو بھی درست ہے۔ روپوش کہنا تو عوام کی نظر سے ہے۔ اور اس کو شہود کا آئینہ کہنا مقام ولایت کے مناسب ہے۔ اور ایمان شہودی کے لائق ہے۔ اور دلیل اور ہادی کہنا کمالات نبوت کے مرتبہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور ایمان بالغیب کے مناسب ہے۔ جو کہ ایمان شہودی سے زیادہ کامل اور مکمل ہے۔ کیونکہ شہود میں ظل کی گرفتاری سے چارہ نہیں ہے۔ اور غیب اس گرفتاری سے آزاد ہے۔ غیب میں اگرچہ فی الحال کچھ حاصل نہیں ہے۔ لیکن واصل ہے۔ اور اصل کا گرفتار ہے۔ اور شہود میں اگرچہ کچھ حاصل تو ہے۔ لیکن وہ غیر واصل ہے۔ کہ غیر کا گرفتار ہے۔ جو کہ اس اصل کا ظل ہے۔

مختصر یہ کہ حصول نقص ہے۔ اور وصول کمال یہ بات ہر بیوقوف کے سمجھنے کی نہیں ہے۔ بلکہ قریب ہے کہ حصول کو وصول سے بہتر جانے اور سوفسطائی اپنی کمال بے وقوفی کی وجہ سے عالم کو موہوم و متخیل اس معنی سے کہتا ہے۔ کہ اس کا ثبوت و تحقق سوائے اختراع وہم اور تراش خیال کے اور کچھ نہیں ہے۔ کہ اگر وہم و خیال تبدیل ہو جائے۔ تو اس کا ثبوت و تحقق بھی متغیر ہو جائے۔ مثلاً اگر کسی چیز کے متعلق میٹھا ہونے کا تصور کرے۔ تو وہ میٹھی ہے۔ اور اگر اسی چیز کو کسی دوسرے وقت میں کڑوا خیال کرے۔ تو وہ کڑوی ہے۔

یہ بے نصیب لوگ خدا تعالےٰ کی پیدائش اور کاریگری سے غافل ہیں۔ بلکہ منکر ہیں۔ اور اس نسبت اور سند سے جو موجود خارجی کے وجود سے وہ رکھتی ہے۔ جاہل ہیں۔ اس بیوقوفی سے وہ چاہتے ہیں۔ کہ احکام خارجیہ کو جو کہ عالم سے وابستہ ہیں۔ اٹھا دیں۔ اور آخرت کے دائمی ثواب و عذاب کارد کریں۔ کہ جن کی اطلاع مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اور جن میں تخلف کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ یہ شیطانی لشکر ہے۔ خبردار شیطان کا لشکر ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔

سوال:۔ عالم کے لئے جب ثبوت و استقرار ثابت ہو گیا۔ اگرچہ وہ مرتبہ وہم و خیال ہی میں ہے۔ اور پھر ہمیشہ کی جزا و سزا بھی تم نے اس کے حق میں ثابت کر دی ہے۔ تو وجود کا اطلاق اس پر کیوں نہیں کرتے۔ اور اس کو موجود کیوں نہیں جانتے۔ اور حال یہ ہے۔ کہ وجود اور ثبوت ایک دوسرے کے ہم معنی الفاظ ہیں۔ جیسا کہ متکلمین نے اس کو تسلیم کیا ہے۔

جواب:۔ صوفیائے کرام کی جماعت کے نزدیک وجود تمام چیزوں سے بڑھ کر اشرف۔ اکرم اور معزز ہے۔ اور اس کو ہر خیر کا مبدا۔ اور ہر کمال کا منشا جانتے ہیں۔ اور ایسے نفیس جوہر کو خداوند تعالےٰ کے سوا کے لئے جو سراسر نقص اور شرارت ہے۔ تجویز نہیں کرتے۔ اور سب سے اعلیٰ چیز سب سے گھٹیا کو نہیں دیتے۔ اور اس معاملہ میں ان کی دلیل کشف و فراست ہے۔ ان کا محسوس و مکشوف یہ ہے۔ کہ وجود صرف خداوند تعالےٰ کے لئے مخصوص ہے۔ اور حقیقت میں موجود صرف وہی ہے۔ اور غیر کو جو موجود کہتے ہیں۔ وہ اس اعتبار سے ہے۔ کہ اس غیر کو ایک طرح کا تعلق اور ربط اس

وجود سے ثابت ہے۔ اگرچہ اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے۔ اس کی مثال سایہ کی سی ہے۔ جو کہ اپنے اصل سے قیام رکھتا ہے۔ اسی طرح وہ غیر بھی اس وجود سے قائم ہے۔ اور وہ ثبوت جو کہ اس نے مرتبہ وہم میں پیدا کیا ہے۔ اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ اور چونکہ وہ وجود خارجی ہے۔ اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ خارج میں موجود ہے تو اگر وہم کے مرتبہ کو خداوند تعالیٰ کے صنع و استواری کے بعد اس خارج کے ظلال میں سے ظل کہیں۔ تو اس کی گنجائش ہے۔ اور اس وہمی ثبوت کو وجود ظل کے اعتبار سے اگر وجود خارجی بھی جانیں۔ تو بھی درست ہے۔ بلکہ اگر عالم کو بھی اس ظلیت کے اعتبار سے موجود خارجی تصور کریں۔ تو بھی جائز ہے۔

مختصر یہ کہ ممکن کے پاس جو کچھ بھی ہے۔ وہ حضرت وجوب تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ سے ملا ہے۔ اپنے باپ کے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہے۔ اس کو ظلیت کے ملاحظہ کے بغیر موجود کہنا مشکل معاملہ ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خاص صفات میں شریک بنانا ہے۔ تَعَالَی اللّٰهُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔ (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔)

اور اس فقیر نے جو اپنے بعض مکاتیب اور رسائل میں جو عالم کو موجود خارجی کہا ہے۔ تو اس کو بھی اس معنی کی طرف راجع سمجھنا چاہیئے۔ اور ظلیت کے اعتبار پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور متکلمین نے وجود کو ثبوت اور تحقق کا ہم معنی کہا ہے۔ تو یہ لغوی اعتبار سے ہوگا۔ ورنہ وجود کہا۔ اور ثبوت کجا۔ وجود کو ارباب کشف و شہود اور اہل نظر و استدلال کی ایک بہت بڑی جماعت نے واجب الوجود تعالیٰ کی عین حقیقت کہا ہے۔ اور ثبوت معقولات ثانویہ (یعنی صرف ذہنی) میں سے ہے۔ اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

فائدہ: جس طرح وجود ہر خیر و کمال کا مبداء اور ہر حسن و کمال کا منشا ہے۔ تو عدم جو اس کے مقابل ہے وہ لازمی طور پر ہر شر و نقص کا مبداء ہوگا۔ اور ہر قبیح و فساد کا منشاء اگر وبال ہے۔ تو اسی سے پیدا ہوا ہے۔ اور اگر گمراہی ہے۔ تو بھی اسی سے ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں کچھ ہنر بھی ودیعت کئے گئے ہیں۔ اور کچھ خوبیاں بھی اس میں پوشیدہ ہیں۔ وجود کے مقابلہ میں اپنے آپ کو نیست مطلق بنانا اور محض لاشے سمجھنا اس کی خوبیوں میں سے ہے۔ اور اپنے آپ کو وجود کی پناہ بنانا اور شرور اور نقائص کو اپنی طرف منسوب کر لینا بھی اس کے اچھے ہنروں میں سے ہے۔ اور پھر وجود کا آئینہ ہونا اور اس کے کمالات کا اظہار کرنا اور اسی طرح ان کمالات کو علم کے خانہ سے باہر ایک دوسرے سے الگ کرنا اور اجمال سے تفصیل میں لانا اس کی اچھی صفات میں سے ہے

مختصر یہ کہ وجود کی خدمت گزاری اس سے قائم ہے۔ اور وجود کا کمال و جمال و حسن اس کے قبح و شرارت اور نقص سے ظاہر ہوتا ہے۔ وجود کا استغنا اس کی محتاجی سے ہے۔ اور وجود کی عزت اس کی ذلت سے ہے۔ اور وجود کی کبریائی و عظمت اس کی کمینگی اور خساست کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور وجود کی شرافت اس کی دناءت سے ظاہر

ہے۔ اور وجود کی سرداری اس کی غلامی سے ظاہر ہوتی ہے۔ ؎

منم کاستادرا استاد کردم[1] غلامم خواجہ را آزاد کردم

ابلیس لعین جو ہر فساد و گمراہی کا منشا ہے۔ وہ عدم سے بھی زیادہ شریر ہے۔ اور وہ ہنر جو عدم میں پوشیدہ ہیں۔ وہ بے دولت ان ہنروں سے بھی بے نصیب ہے۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (میں اس سے بہتر ہوں) کا قول جو اس سے صادر ہوا ہے۔ اس نے بھلائی کے مادہ کو قطع کر دیا ہے۔ اور خالص شرارت کی طرف راہنمائی کی ہے۔ عدم جب اپنی نیستی اور لاشئے ہونے کی صورت میں وجود کے سامنے آیا۔ تو لازمی طور پر وجود کے حسن و جمال کا آئینہ بن گیا۔ اور ابلیس لعین نے جب اپنی ہستی اور بہتر ہونے سے معارضہ کیا۔ تو لازماً وہ مردود و مطرود ٹھہرا۔ اچھے تقابل کو عدم سے سیکھنا چاہیئے۔ جو ہستی کا تقابل نیستی سے کرتا ہے۔ اور کمال کے مقابلہ میں نقص سے پیش آتا ہے۔ اور جب عزت و جلال دوسری طرف میں ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ اپنی ذلت و انکساری کو ظاہر کرتا ہے۔

ابلیس مردود نے گویا عدم کی شرارتوں کو اپنے تکبر و سرکشی کے سبب سے جو وہ اپنے اندر رکھتا تھا۔ اپنے میں جذب کیا ہے۔ اور یہ خیال گزرتا ہے۔ کہ عدم میں سوائے بھلائی کے اس نے کوئی چیز کم ہی چھوڑی ہے۔ ہاں جب تک بھلائی نہ ہو۔ بھلائی کا مظہر اور آئینہ نہیں بنا جا سکتا۔ "بادشاہ کی بخششوں کو بادشاہ کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں" مثل مشہور ہے۔

اور معلوم ہوا۔ کہ ابلیس بھی اس پر شکوہ کارخانہ میں ضرور چاہیئے تھا۔ کہ جو خاکروبی کر کے تمام گندگیوں کو اپنے سر پر اٹھالے۔ اور دوسروں کو پاک و صاف کر دے۔ لیکن وہ بے دولت جب تکبر اور ترفع کی راہ سے آیا۔ اور اپنے بہتر کو نظر میں لایا۔ تو اس نے اپنے عمل کو ضائع کر دیا۔ اور اجر سے محروم ہو گیا۔ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ۔ اصل میں اسی کے حال کا نشان ہے۔ برخلاف عدم کے کہ وہ باوجود شرارت و نقص ذاتی اور ذاتی نیستی کے جو وہ رکھتا تھا۔ محرومی سے باہر آگیا۔ اور حضرت وجود کا آئینہ بننے سے مشرف ہوا۔ ؎

نے گفت[2] کہ من نیم شکر خورد شاخے کہ بلند شد تبر خورد

سوال :۔ ابلیس میں "زیادہ شرارت" کہاں سے پیدا ہوئی۔ کہ عدم کے علاوہ تو وجود ہے۔ کہ جس میں شرارت نہیں ہے۔؟

جواب :۔ عدم جس طرح وجود کا آئینہ ہے۔ اور اس کے خیر و کمال کا مظہر ہے۔ اسی طرح وجود بھی عدم کا آئینہ

---

[1] میں ہوں۔ جس نے استاد کو استاد بنایا۔ میں غلام ہوں۔ لیکن خواجہ کو میں نے آزاد کیا ہے ۱۲۔

[2] گنے نے کہا۔ میں نہیں ہوں۔ تو اسکو شرینی مل گئی۔ اور جو شاخ بلند ہوئی۔ اسنے کلہاڑا کھایا۔

ہے۔ اور اس کے شر اور نقص کا مظہر ہے۔ اور ابلیس علیہ اللعنۃ نے عدم کی جانب میں عدم سے شرارت کو حاصل کیا ہے۔ کیونکہ وہ عدم شرارت کا مقام ہے۔ اور وجود کی جانب میں بھی اس نے شرارت متوہمہ کو اخذ کیا۔ جو کہ عدم کا مظہر اور آئینہ ہونے کی وجہ سے وجود کے آئینہ میں ظاہر ہوئی تھیں۔ پس وہ طرفین کی شرارت کا حامل ہے۔ ذاتی کا بھی اور عرضی کا بھی۔ اصلی کا بھی اور ظلی کا بھی۔ تو لازماً اس کے شرارت نما وجود کو ماخوذ لیا نے نیستی اور لاشیئیت سے جو کہ عدم کی نیک صفات سے تھیں۔ بھی محروم کر دیا۔ اور اس کے باوجود وجود کی جانب میں وہ شرارت جو کہ عدم کی آمیزگی سے متوہم ہوئی تھی۔ اس سے بھی اس نے حصہ لیا۔ تو نتیجتاً ابدی نقصان کو پہنچا۔

اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ وعلی آلہ من التزم متابعۃ المصطفی علیہ وعلی الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

مکتوب نمبر ۹۹

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے سوالوں کے جواب میں جو انھوں نے پوچھ بھیجے تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آپ نے پوچھا ہے۔ کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ عروج کے وقت سالک اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے صحابہ کے مقام پر پاتا ہے۔ جو کہ بالاجماع اس سے افضل ہیں۔ بلکہ کئی دفعہ تو ایسا ہوتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مقامات میں پاتا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟ بعض آدمی اسی وجہ سے اس سالک کی ان مقامات کے اہل سے مساوات کا وہم کرتے ہیں۔ اور اس کی ان مقامات میں ان مقامات والوں سے شرکت خیال میں لاتے ہیں۔ اور اس تخیل اور وہم کی بنا پر اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور اس پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اور اس کے حق میں زبان ملامت و شکایت دراز کرتے ہیں۔ اس معمہ کے چہرہ سے پردہ ہٹا دینا چاہیئے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ نچلے لوگوں کا اوپر والوں کے مقامات پر پہنچنا کبھی تو اس طرح ہوتا ہے۔ جیسے فقیر اور محتاج جو کہ دولتمندوں کے دروازوں پر یا ارباب نعمت کی خاص جگہوں پر اس لئے جاتے ہیں۔ کہ وہاں سے حاجت چاہیں۔ اور ان کی نعمت

اور دولت سے گدائی کریں۔ جو اس وصول کو مساوات اور شرکت سمجھتا ہے۔ وہ بے ہودہ آدمی ہے۔

اور کبھی یہ وصول تماشا کی صورت میں ہوتا ہے۔ کہ امراء و سلاطین کے مخصوص مقامات پر سیر کے سبب سے جاتے ہیں۔ تاکہ عبرت کی نظر سے تماشا کریں۔ اور ان میں بلندی کی رغبت پیدا ہو۔ اس وصول سے بھی برابری کے وہم کی کیا گنجائش ہے۔ اور اس سیر و تماشا سے شرکت کا تخیل کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔

خادم اپنے مخدوموں کے خاص مکانات میں اپنی خدمت گزاری کا حق ادا کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اور یہ سب شرفاء اور کمینے لوگوں کو معلوم ہے۔

کوئی بیوقوف ہی ہو گا۔ جو اس قسم کے وصول پر مساوات اور شرکت پر وہم کرے۔ ہر فرش درست کرنے والا اور مکھیاں ہٹانے والا اور تلوار اٹھانے والا بڑے بڑے بادشاہوں کے ساتھ رہتا ہے۔ اور ان کے خاص مکانات میں حاضر ہوتا ہے۔ کتنا جنون ہے۔ کہ اس مقام پر شرکت اور مساوات کا وہم کرے۔ ؎

بلائے[۱] درد منداں از در و دیوار مے آید

لوگ کسی غریب کو ملامت کرنے کے لئے کوئی بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ اور طعن و تشنیع کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتے ہیں حق سبحانہ و تعالےٰ ان کو انصاف کی توفیق دیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ کسی کمزور آدمی کے حق میں رفع شر اور دفع ملامت کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتے۔ اور ایک مسلمان آدمی کی عزت محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے۔ جو لوگ طعنہ زنی کرتے ہیں۔ ان کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے۔ اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ اس حال والا ان مقامات والوں سے شرکت اور برابری کا معتقد ہے تو اس کو کافر اور زندیق تصور کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی جماعت سے اسے خارج کرتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ نبوت میں شرکت اور مساوات کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

اور اسی طرح شیخین علیہم الرضوان کی افضلیت اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اسکو اکابر ائمہؒ نے نقل کیا ہے۔ ان میں سے ایک امام شافعی علیہم الرضوان بھی ہیں۔ بلکہ تمام صحابہ کرام کو باقی تمام امت پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ کوئی بھی فضیلت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کے فضل سے بڑھ کر نہیں ہے۔ تو وہ ان کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ تھوڑا سا کام جو صحابہ علیہم الرضوان نے اسلام کی کمزوری اور مسلمانوں کی قلت کے وقت دین متین کی تائید اور نصرت سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات میں کیا ہے۔ دوسرے لوگ اگر ساری عمر بھی ریاضت اور مجاہدات کے ساتھ عبادت کریں۔ تو صحابہ کرام کے اس تھوڑے سے عمل کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر تم میں کوئی آدمی احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے۔ تو اس کا یہ خرچ صحابہ کرام کے ایک سیر جو خرچ کرنے

---

[۱] درد مندوں کے لئے در و دیوار سے مصیبتیں آتی ہیں۔ ۱۲

کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نصف سیر تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اسی راہ سے آئی ہے۔ کہ وہ ایمان لانے اور جان و بے اندازہ مال خدمات لائقہ میں خرچ کرنے میں سب سابقین سے سبقت لے جانے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔

تم میں سے وہ آدمی برابر نہیں ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا۔ اور لڑائی کی۔ یہ لوگ بہت بڑے درجے والے ہیں۔ ان لوگوں کی نسبت جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا۔ اور لڑائی کی۔ اور سب ہی سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

ایک جماعت نے دوسرے لوگوں کے کثرت فضائل و مناقب پر نظر رکھی ہے۔ اور ان کی افضلیت میں توقف کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے۔ کہ اگر افضلیت کا سبب کثرت فضائل و مناقب ہوتا۔ تو ایسا بھی ہوتا۔ کہ بعض احاد امت جو یہ فضائل رکھتے ہیں۔ اپنے نبی سے بھی افضل ہوتے۔ جو یہ فضائل نہ رکھتا۔ پس فضیلت کا سبب ان فضائل و مناقب کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اور وہ اس فقیر کے خیال میں تائید دین میں اسبقیت اور جان و مال خرچ کرنے میں اقدمیت ہے۔ دین رب العالمین کے احکام کی مدد میں۔

اور چونکہ پیغمبر سب سبقت کرنے والوں سے افضل ہے۔ لہذا وہی افضل ہوگا۔ اور اسی طرح جو بھی دین کے معاملہ میں اسبق ہے۔ وہ مسبوقین سے افضل ہے۔ یوں سمجھو کہ سابق گویا لاحقین کا استاد و معلم ہے۔ کیونکہ متاخرین سابقین کے انوار سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ان کی برکات سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ اور اس امت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس دولت عظمیٰ کے مالک حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو کہ بہت سا مال جنگوں اور لڑائیوں میں خرچ کرنے اور تائید دین اور نصرت سید المرسلین علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی راہ میں رفع فساد و تباہی کے لئے اپنی جان اور عزت خرچ کرنے میں سب سابقین سے اسبق ہیں۔ پس دوسروں پر ان کی افضلیت مسلم ہوگی۔

اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے غلبہ کو حضرت فاروق کی معرفت طلب کیا۔ اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب کی مدد میں عالم اسباب میں انہی سے کفایت کی اور فرمایا ہے۔ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اے نبی آپ کو اللہ اور ایمان والوں میں سے آپ کے تابعدار کافی ہیں۔) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ کہ آیت کے نزول کا سبب حضرت فاروق کا اسلام ہے۔ پس حضرت

لہ سورہ حدید پارہ قما خطبکم۔ ۱۲

صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی افضلیت متعین ہوئی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان دو اکابرین کی افضلیت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہوا۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی فرمایا ہے۔ کہ ابو بکر و عمر اس امت میں سے افضل ہیں۔ اور جو آدمی مجھ کو ان پر فضیلت دے۔ وہ بہتان لگانے والا ہے۔ اور میں اسے تہمت لگانے والوں کی طرح کوڑے لگاؤں گا۔

اس بحث کی تحقیق میں نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں تفصیل سے لکھی ہے۔ اور یہ مقام اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔ کوئی بے وقوف ہی ہوگا۔ جو اپنے آپ کو خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر سمجھے۔ اور کوئی احادیث و اقوال صحابہ سے جاہل اور بے خبر آدمی ہی اپنے آپ کو سابقین سے تصور کرے گا۔ لیکن جان لینا چاہیئے۔ کہ یہ سبقت کی دولت جو افضلیت کا باعث ہے۔ پہلے زمانہ سے مخصوص ہے۔ جو کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف سے مشرف ہے۔ اور دوسرے زمانوں میں یہ معنی مفقود ہے۔ کیونکہ بعض زمانوں کے متاخرین دوسرے زمانوں کے سابقین سے افضل ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی زمانہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اس زمانہ کا لاحق سابق سے افضل ہو۔ خداوند تعالےٰ طعنہ کرنے والوں کو آنکھیں عطا فرمائیں کہ ان کو محض تعصب و ضد سے ایک مسلمان آدمی کی تفضیل و تکفیر کی قباحت اور محض وہم و خیال کی بنا پر مومن آدمی کو مردود و مطرود قرار دینے اور مسلمان پر طعنہ زنی کرنے کی برائی نظر آجائے۔

یہ لوگ اس کا کیا علاج کریں گے۔ کہ اگر وہ آدمی تضلیل و تکفیر کے لائق نہ ہوا۔ تو وہی کفر اور گمراہی کا فتویٰ۔ فتویٰ دینے والے پر لوٹ آتا ہے۔ اور کفر کا تیر نشانہ کی بجائے تیر چلانے والے کے اندر آکر پیوست ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہوں اور اپنے کام میں ہماری زیادتیوں کو معاف کر دے۔ اور ہمارے قدم مضبوط رکھ۔ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد عطا فرما۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں۔ اور شق ثانی بیان کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اگر اس حال والے کے حق میں طعنہ زنی کرنے والے یہ اعتقاد نہیں رکھتے۔ اور اس کا معاملہ کفر تک نہیں پہنچاتے۔ تو پھر بھی دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو اس کے کشف کو جھوٹ اور بہتان پر محمول کریں گے۔ اور یہ بھی بذات خود ایک مسلمان آدمی کی نسبت بدگمانی ہے۔ جو شرعی طور پر ممنوع ہے۔ اور اگر اس کو جھوٹا نہیں سمجھتے۔ اور شرکت و مساوات کا معتقد نہیں جانتے۔ تو پھر ملامت و طعنہ زنی کی وجہ کیا ہے۔ اور اس کی برائی اور عیب جوئی کیوں ہے۔ سچے کشف کو اچھے معانی پر محمول کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ سچے کشف والے کو شناعت و برائی کا نشانہ بنایا جائے۔

اگر یہ کہیں کہ اس قسم کے شور انگیز حال بیان کرنے کی وجہ کیا ہے تو

ہم کہتے ہیں۔ کہ اس قسم کے احوال کا ظہور مشائخ طریقت سے بکثرت صادر ہوا ہے۔ اور ان کی ہمیشہ کی عادت ہو چکی ہے۔ اور یہ پہلا شیشہ نہیں ہے۔ جو اسلام میں "توڑا گیا"۔ یہ حق کی نیت اور ارادہ صادق کے سوا نہیں ہوتا۔ کبھی تو ایسا ہوتا

ہے۔کہ اس قسم کے احوال موہوبہ لکھنے کا مقصد اپنے شیخ طریقت کے سامنے اظہار کرنا ہوتا ہے۔تاکہ وہ ان کے صحت و سقم کے متعلق بیان کرے۔اور ان کے تعبیر و تاویل کی اطلاع دے۔اور کبھی ایسا لکھنے کا مقصد طلباء اور شاگردوں کو اس پر ترغیب و تحریص دلانا ہوتا ہے۔اور کبھی نہ تو یہ مقصد ہوتا ہے۔اور نہ وہ بلکہ محض سکر و غلبہ حال کی بنا پر ایسی گفتگو کر جاتا ہے۔تا کہ وہ اپنے آپ کو کچھ آرام و سکون بخشے۔

ایسا مدعی بطّال (باطل پرست) جس کا مقصود اس قسم کے احوال سے خلقت کی شہرت و قبولیّت ہو۔یہ احوال اس کے لئے وبال ہیں۔اور استدراج ہیں۔جو کہ اس کی خرابی کے متضمّن ہیں۔اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے۔اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا۔یقیناً نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے۔مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔یقیناً میرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا۔کہ کیا سبب ہے۔کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور اولیاء علیہم الرضوان دنیا میں بلا اور مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں۔اور وہ اکثر اوقات مصائب اور محن میں گرفتار ہوتے ہیں۔جیسا کہ کہا گیا ہے۔کہ سب سے زیادہ مصائب کی سختی انبیاء پر ہوتی ہے۔پھر اولیاء پر پھر ان پر جو اور لوگوں سے اچھے ہوں۔" اور اللہ تعالےٰ اپنی کتاب مجید میں فرماتے ہیں۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔ اور تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے۔وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے پہنچتی ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا۔کہ جو آدمی گناہ زیادہ کرتا ہے۔وہ مصیبت میں زیادہ مبتلا رہتا ہے۔پس چاہیئے تو یہ تھا۔کہ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات اور اولیاء علیہم الرضوان کے علاوہ اور لوگ بڑی سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوتے نہ کہ اولاً انبیا اور ثانیاً اولیاء علیہم الصلوات والتسلیمات۔

اور پھر یہ بھی ہے۔کہ یہ بزرگوار علیہم الصلوات والتسلیمات اصالۃً انبیاء اور تبعاً اولیاء خداوند تعالےٰ کے محبوب ہیں۔اور اس کے خاص مقربین میں سے ہیں۔پھر اپنے محبوبوں اور خواص مقربین کو مصائب اور محن کے حوالہ کیوں کیا جاتا ہے۔اور ان کو تکلیف دینا کیوں درست ہے۔دشمن تو ناز و نعمت میں ہوں۔اور دوست مصائب و شدائد میں مبتلا ہوں۔ایسا کیوں ہوتا ہے۔

جان لو۔اللہ تعالےٰ آپ کو سیدھی راہ کی راہنمائی کرے۔دنیا نعمت اور لذت حاصل کرنے کے لئے نہیں بنائی گئی ہے۔بلکہ تنعم و تلذذ کے لئے آخرت ہے۔اور چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے سے ضد اور نقیض کی نسبت رکھتی ہیں۔اور ایک کی رضا دوسری کی ناراضگی کو مستلزم ہے۔تو لازماً ایک جگہ میں لذت حاصل کرنا دوسری جگہ میں درد و الم پانے کو

مستلزم ہے۔ پھر جو آدمی دنیا میں ناز و نعمت سے ہوگا۔ وہ لازماً آخرت میں زیادہ درد و ندامت میں بتلا ہوگا۔ اور اسی طرح جو دنیا میں مصائب اور محن میں زیادہ بتلا ہوگا۔ وہ آخرت میں تنعم اور تلذذ سے زیادہ محظوظ اور مسرور ہوگا۔ اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی بقا کی نسبت کاش سمندر سے ایک قطرہ کی نسبت ہی رکھتی۔ کیونکہ متناہی کو غیر متناہی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ پس مجبوراً بہ تقاضائے کرم دوستوں کو اس جگہ چند روزہ محنت میں بتلا رکھنا چاہیئے۔ تاکہ ابدی نعمتوں سے حصہ اور سرور حاصل کر سکیں۔ اور دشمنوں کو مکر اور استدراج کے باعث تھوڑی سی لذتوں سے محظوظ کرنا چاہیئے۔ تاکہ بہت سے درد و الم میں بتلا ہوں۔

سوال:۔ کافر فقیر جو دنیا و آخرت میں محروم ہے اس کا دنیا میں درد و الم میں رہنا آخرت میں تلذذ و تنعم کا باعث نہ ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب:۔ کافر خدا تعالےٰ کا دشمن ہے۔ اور دائمی عذاب کا مستحق۔ دنیا میں اس سے عذاب کو اٹھا لینا اور اسے اپنی حالت پر چھوڑ دینا اس کے حق میں عین تلذذ و تنعم ہے۔ اور پورا پورا احسان ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نفس دنیا ہی کو کافر کے حق میں جنت سمجھا گیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ بعضے کفار سے دنیا میں عذاب بھی اٹھا لیتے ہیں۔ اور دوسری لذتیں بھی عنایت فرماتے ہیں۔ اور بعضے کافروں سے صرف عذاب کو دور کرتے ہیں۔ اور لذتوں میں سے کچھ نہیں دیتے۔ بلکہ مہلت کی لذت اور رفع عذاب پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ہر ایک کے لئے کچھ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

سوال:۔ حق سبحانہ و تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اور اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ کہ دوستوں کو دنیا میں بھی لذت بخشیں اور آخرت میں بھی نعمتیں عطا فرمائیں۔ اور ایک جگہ کی لذت دوسری جگہ کے درد و الم کو ان کے لئے مستلزم نہ ہو۔

جواب:۔ کئی طرح پر ہے۔ پہلا جواب تو یہ ہے۔ کہ اگر یہ دنیا میں مصائب و شدائد چند روزہ نہ اٹھاتے۔ تو ان کو ابدی نعمتوں اور لذتوں کی قدر و قیمت معلوم نہ ہو سکتی۔ اور دائمی صحت و عافیت کی نعمت کو پوری طرح نہ سمجھ سکتے ہاں جب تک بھوک نہ دیکھی ہو طعام کی لذت معلوم نہیں ہوتی۔ اور جب تک گرفتاری نہ ہو۔ آزادی کی قدر نہیں ہو سکتی پس گویا کہ وقتی طور پر ان کو درد و الم میں بتلا کرنے کا مقصد ان کا دائمی طور پر کمال لذت حاصل کرنا ہے۔ یہ ایک جمال ہے جو عوام کا امتحان کرنے کے لئے ان بزرگواروں کے حق میں بصورت جلال ظاہر ہوا ہے۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ اللہ تعالےٰ بہت سے لوگوں کو اس کے باعث گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ مصائب و شدائد اگرچہ عوام کے نزدیک درد و الم کے اسباب میں سے ہیں۔ لیکن ان بزرگواروں کے نزدیک جو کچھ بھی جمیل مطلق جل شانہ سے پہنچے۔ وہ ان کے لئے لذت کے اسباب میں سے ہے۔ یہ مصائب سے بھی اس طرح لذت حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ نعمتوں سے بلکہ یہ لوگ مصائب سے زیادہ محظوظ ہوتے ہیں۔ کہ وہ خالص محبوب

کی مراد ہیں۔ اور نعمتوں میں یہ خلوص نہیں ہے۔ کیونکہ نفس بھی نعمتوں کو چاہتا ہے۔ اور مصائب سے گریز کرتا ہے۔ پس ان اکابر کے نزدیک بلا نعمت سے بہتر ہے۔ اور یہ مصائب سے بہ نسبت نعمتوں کے زیادہ لذت حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کی لذت تو دنیا میں یہی مصائب و شدائد ہیں۔ اگر دنیا یہ نمک نہ رکھتی۔ تو ان کے نزدیک اس کی قیمت ایک جو بھی نہ ہوتی۔ اگر یہ شیرینی اس میں نہ ہوتی۔ تو ان کی نگاہ میں محض بے کار ہوتی۔ ؎

غرض از عشق تو ام چاشنی درد و غم است[1] ورنہ زیر فلک اسباب تنعم چہ کم است

پس اللہ تعالیٰ کے دوست دنیا میں بھی لذت حاصل کرتے ہیں۔ اور آخرت میں بھی محظوظ و مسرور ہیں۔ اور انکی دنیا کی یہ لذت آخرت کی لذت کیساتھ جنگ نہیں رکھتی۔ وہ لذت اور ہے۔ جو آخرت کی لذت سے جنگ رکھتی ہے۔ جو کہ عوام کو حاصل ہے۔ الٰہی یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ تو نے اپنے دوستوں کو اس طرح کا بنایا ہے۔ کہ جو چیز دوسروں کے لئے درد و الم کا سبب ہے۔ وہ ان کے لئے لذت کا باعث ہے۔ اور جو دوسروں کے لئے زحمت ہے۔ وہ ان بزرگواروں کے لئے رحمت ہے۔ اور دوسروں کی نعمت بھی ان کی نعمت ہے۔

دوسرے لوگ خوشی میں خوش ہوتے ہیں۔ اور غمی میں غمناک اور یہ بزرگوار خوشی میں بھی خوش ہیں۔ اور غمی میں بھی خوش ہیں۔ کیونکہ ان کی توجہ تمام اچھے اور برے افعال کی خصوصیات سے اٹھ کر ان افعال کے فاعل کے جمال پر جو کہ جمیل مطلق ہے۔ جا لگی ہے۔ اور فاعل افعال کی محبت کی وجہ سے محبوب بھی ہیں۔ اور ان کو لذت بھی بخشی گئی ہے۔ جو چیز بھی کائنات میں فاعل جمیل جل سلطانہ کی مراد سے صادر ہو۔ اگرچہ وہ ان کے لئے الم اور تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے لئے عین محبوب و مراد ہے۔ اور اس سے وہ لذت حاصل کرتے ہیں۔

خداوندا! یہ کتنا بڑا احسان اور کرامت ہے۔ کہ ایسی پوشیدہ دولت اور خوشگوار نعمت کو تو نے غیروں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا ہے۔ اور اپنے دوستوں کو عطا فرمائی ہے۔ اور ان کو ہمیشہ اپنی مراد پر قائم رکھ کر محظوظ اور متلذذ بنایا ہے۔ اور ناپسندیدگی اور درد و الم جو دوسروں کا حصہ ہے۔ وہ تو نے ان بزرگواروں سے زائل کر دیا ہے۔ اور ننگ و رسوائی جو دوسروں کے لئے عیب ہے۔ وہ اس طائفہ علیہ کے لئے جمال و کمال ہے۔ اور عین نامرادی میں تو نے ان کی مراد رکھی ہے۔ اور یہ دنیا میں ان کا لذت و سرور حاصل کرنا دوسروں کے برعکس ان کے لئے حظوظ و ترقیات کا سبب بنا دیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ جس پر چاہے کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ اس میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور حق اور باطل والے اکٹھے ہیں۔ اگر دوستوں پر مصائب و شدائد نہ ڈالتے۔ اور یہ صرف دشمنوں ہی کے لئے ہوتے۔ تو دوست اور دشمن میں تمیز ہو جاتی۔

---

[1] تیرے عشق سے میری غرض درد و غم کی چاشنی ہے۔ ورنہ آسمان کے نیچے نعمتوں کے اسباب کی کمی نہیں ہے۔ ۱۲

اور امتحان و آزمائش باطل ہو جاتا۔ اور یہ ایمان بالغیب کے منافی ہے۔ کہ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتیں اسی سے وابستہ ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔) اور یہ آیت کریمہ بھی وَ لِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَ رُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ (تاکہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے، جو اس کی اور اس کے رسولوں کی بے دیکھے مدد کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالےٰ طاقتور ہے۔ غالب) اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

پس دشمنوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے دوستوں کو بھی مشکلات اور مصائب میں مبتلا کر دیا۔ تاکہ ابتلاء و آزمائش کی حکمت پوری ہو۔ اور دوست عین مصیبت میں بھی لذت گیر ہوں۔ اور دشمنان کور باطن نامراد و بے نصیب رہیں۔ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا۔ (اللہ تعالےٰ بہت لوگوں کو اس کے ذریعہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ اور بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے) انبیاء علیہم السلام کا معاملہ بھی کافروں کے ساتھ اسی طرح رہا ہے۔ کبھی اس جانب غلبہ ہو جاتا۔ اور کبھی اس جانب۔ جنگ بدر میں غلبہ مسلمانوں کی طرف تھا۔ اور جنگ احد میں اہل کفر غالب تھے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ وَ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُھَدَآءَ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ وَ لِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ۔

اگر تمہیں زخم پہنچے ہیں۔ تو دوسری قوم کو بھی اسی طرح کے زخم پہنچے ہیں۔ اور یہ دن ہیں جن کو ہم لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں۔ اور تاکہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے۔ جو ایمان لائے۔ اور تم میں بعض کو شہادت نصیب ہو۔ اور اللہ تعالےٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور تاکہ اللہ تعالےٰ ایمانداروں کو خالص کر دے۔ اور کافروں کو مٹا دے۔

اور چوتھا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اسے طاقت ہے۔ کہ دوستوں کو بھی اس جگہ ناز و تنعم عنایت فرمائے۔ اور اس جگہ بھی لیکن یہ بات اللہ تعالےٰ کی حکمت اور عادت کے منافی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ چاہتا ہے۔ کہ اپنی عادت کو اپنی حکمت اور عادت کے ماتحت پوشیدہ رکھے۔ اور اسباب و علل کو اپنی جناب قدس کا پردہ بنائے۔ پس چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ لہذا دوستوں کے لئے بھی مصائب و شدائد دنیا سے چارہ نہ تھا تاکہ آخرت کی نعمتیں صرف انہی کے لئے خوشگوار اور خوش ہضم ہوں۔ اور اس بات کی طرف پہلے اصل سوال کے جواب میں اشارہ گزر چکا ہے۔

سلہ سورہ حدید پارہ ۲۷-۴

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں۔ اور اصل سوال کے جواب کا تتمہ بیان کرتے ہیں۔ کہ مصائب و شدائد کے ورود کا اصل سبب اگرچہ گناہ اور برائیوں کا ارتکاب ہے۔ لیکن وہ مصائب و شدائد اصل میں ان گناہوں کا کفارہ ہیں۔ اور ان گناہوں کے ظلمات کو دور کرنے والے ہیں۔ پس مہربانی یہی ہے۔ کہ دوستوں کو زیادہ سے زیادہ مصائب و شدائد پہنچائیں۔ تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ اور ان کے گناہوں کے اندھیرے دور ہو جائیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیں۔ کہ دوستوں کے گناہ اور غلطیاں دشمنوں کے گناہوں اور غلطیوں کی طرح نہ سمجھیں۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے گناہوں جیسی ہوتی ہیں۔) آپ نے بھی سنا ہوگا۔

اور اگر کوئی گناہ یا نافرمانی ان سے سرزد بھی ہو جائے۔ تو وہ دوسروں کے گناہ اور نافرمانی کی طرح نہیں ہوتا۔ ممکن ہے۔ کہ وہ سہو و نسیان کی قسم سے ہو۔ اور اس میں ارادہ و قصد نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔[1] (ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا۔ پس وہ بھول گئے۔ اور ہم نے اس کا نافرمانی کرنے کا ارادہ نہ پایا۔)

پس مصائب و شدائد کی کثرت گناہوں کے کفارہ کی کثرت پر دلالت کرتی ہے۔ نہ کہ گناہوں کی کثرت پر دوستوں پر اسلئے زیادہ مصیبت ڈالتے ہیں۔ کہ انکے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ اور انکو پاک و صاف کر کے لے جائیں۔ اور انکو آخرت کے مصائب سے محفوظ رکھیں۔ منقول ہے۔ کہ رسول کریمؐ کے سکرات موت میں اور رسول کریمؐ کی اس بے آرامی و بیقراری میں حضرت فاطمہؓ اس کمال شفقت و مہربانی کی وجہ سے جوان کو رسول کریمؐ سے تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا۔ بُضْعَةٌ مِّنِّیْ[2] (فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔) بڑی پریشان تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت بے چینی اور بے قراری میں مشاہدہ فرمایا۔ تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی تسلی کے لئے فرمایا۔ "تمہارے باپ پر صرف یہی محنت ہے۔ اور اس کے بعد کوئی ناپسندیدہ بات نہ ہوگی"۔

کتنی بڑی دولت ہے۔ کہ بڑے سخت اور دائمی عذاب کو چند روزہ محنت کے عوض اٹھا لیا جائے۔ اور یہ معاملہ صرف دوستوں سے کریں گے۔ دوسروں سے معاملہ نہ ہوگا۔ اور ان کے گناہوں کا کفارہ اس جگہ پوری طرح نہیں فرماتے بلکہ ان کو آخرت میں بدلہ دیں گے۔ تو لازمی طور پر دوست دنیا میں مصائب کے حقدار ہوں گے۔ اور دوسرے اس دولت کے لائق نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کے گناہ بڑے ہیں۔ اور وہ التجا و تضرع و زاری و عاجزی و استغفار سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں۔ اور گناہ کرنے پر دلیر ہیں۔ اور پورے ارادہ و قصد سے گناہ کرتے ہیں۔ اور سرکشی سے بھی خالی

---

[1] سورہ طٰہٰ پارہ ۱۶-۱۲

[2] یہ الفاظ بخاری شریف و مسلم کا ایک ٹکڑا ہیں۔

نہیں ہیں۔ اور قریب ہے۔ کہ آیات خداوندی جل شانہ سے ٹھٹھا اور مذاق کریں۔ اور انکار کردیں۔ اور بدلہ تو گناہ کے مطابق ہے۔ اگر جرم ہلکا ہوگا۔ اور مجرم آدمی خدا سے پناہ مانگے گا۔ اور عاجزی کرے گا۔ تو اس گناہ کو کفارہ کے قابل بنا دیں گے۔ اور دنیوی مصیبت میں مبتلا کریں گے۔ اور اگر گناہ سختی و شدت میں زیادہ اور مجرم سرکش اور متکبر بھی ہو تو اس گناہ کو آخرت کی سزا کے لائق بنا دیتے ہیں۔ جو کہ بہت زیادہ سخت اور ہمیشہ کی ہے۔ اور اللہ تعالٰے نے ان پر ظلم نہ کیا۔ لیکن وہ خود ہی اپنے جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

آپ نے لکھا ہے۔ کہ آدمی ٹھٹھا اور مذاق کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ حضرت حق سبحانہ و تعالٰے اپنے دوستوں کو محنت اور مصائب میں کیوں مبتلا کرتا ہے۔ اور کیوں ان کو ناز و نعمت میں نہیں رکھتا۔ اور ایسی گفتگو سے ان کی مراد اس جماعت کی نفی ہوتی ہے۔ کافر بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا (فرقان پ ۱۸)

اور انھوں نے کہا یہ کیا رسول ہے۔ جو کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا۔ یا اسے کوئی خزانہ ہی دیا جاتا۔ یا اس کا کوئی باغ ہوتا کہ اس سے کھاتا۔

اور ان باتوں کا دارومدار آخرت اور ثواب و عذاب دائمی کے انکار پر ہے۔ اور دوسرا دارومدار لذات فانیہ عاجلہ کے اعتداد و اعتبار پر ہے۔ جو آدمی آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اور آخرت کے ثواب و عذاب کو دائمی جانتا ہے۔ اس کی نگاہ میں یہ چند روزہ محنت و مصیبت کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس وقتی مصیبت کو جو ہمیشہ کے آرام کا سبب ہے عین راحت تصور کرتا ہے۔ لوگوں کی باتوں پر نہ جاؤ۔ محنت و مصیبت کا ورود محبت کا معتبر گواہ ہے۔ باطن کے اندھے اگر اس کو محبت کے منافی تصور کرتے ہیں۔ تو کیا کیا جائے۔ جاہلوں اور ان کی باتوں سے منہ پھیرنے کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں ہے۔ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا۔ (آپ اچھا صبر کریں۔)

اور اصل سوال سے دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ مصیبت محبوب کا تازیانہ ہے۔ جو کہ محب کو ماسوائے محبوب کے اور طرف توجہ کرنے سے منع کرتا ہے۔ اور اس کو پوری طرح جناب قدس محبوب کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ پس درد بلا کے لائق دوست ہیں۔ اور یہ مصیبت ان کے ماسوائے محبوب کی طرف توجہ کرنے کے گناہ کا کفارہ ہے۔ اور دوسرے اس دولت کے لائق نہیں ہیں۔ اور ان کو کیوں زبردستی محبوب کی طرف لائیں۔ وہ جس کو چاہتے ہیں۔ زور اور مار سے محبوب کی طرف لے آتے ہیں۔ اور اس کو محبوبیت کے مقام پر لے جاتے ہیں۔ اور جس کو نہیں چاہتے۔ اس کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر وہ ابدی سعادت رکھتا ہے۔ تو انابت (رجوع الی اللہ) کی راہ پر ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اور خدا تعالٰے کے فضل و عنایت سے اپنے مقصد پر پہنچ جاتا ہے۔ ورنہ وہ جانے اور اس کا کام۔ یا الٰہی مجھے

ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر۔

پس معلوم ہوا۔ کہ مرادوں کے لئے مریدوں کی نسبت زیادہ مصائب نامزد ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ مرادوں اور محبوبوں کے سردار ہیں فرمایا ہے۔

(جتنی ایذا مجھے دی گئی ہے۔ اتنی اور کسی نبی کو نہیں دی گئی۔) پس بلا نے ولاؔ کا معنی ادا کیا۔ جو اپنی دلالت کی وجہ سے دوست کو دوست تک پہنچاتی ہے۔ اور دوست کے علاوہ اور طرف توجہ کرنے سے پاک کرتی ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ اگر دوستوں کے پاس کروڑ بھی ہوں تو وہ دے کر بلا (مصیبت) کو خرید یں۔ اور دوسرے کروڑ دے کر اس بلا کو دور کرتے ہیں۔

سوال:۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ دوست سے بھی مصیبت اور سختی آنے کے وقت بے چینی اور ناپسندیدگی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔؟

جواب:۔ وہ ناپسندیدگی اور بے چینی ظاہری ہے۔ اور بہ تقاضائے بشریت ہے۔ کہ اس کے باقی رکھنے میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ کیونکہ نفس کے ساتھ دشمنی اور جہاد اس کے سوا متصور نہیں ہے۔ آپ نے سنا ہوگا۔ کہ وہ بے قراری اور بے آرامی جو دین و دنیا کے سردار سے سکرات موت کے وقت ظاہر ہوئی۔ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور وہ نفس کے ساتھ بقیہ جہاد تھا۔ تاکہ ختم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا خاتمہ خدا کے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو۔ اور شدت مجاہدہ دلالت کرتی ہے۔ تاکہ صفات بشریت کا مواد پوری طرح ختم ہو جائے۔ اور نفس کو کمال اطاعت میں لا کر ایمان کی حقیقت تک پہنچا دے۔ اور پاک وصاف کر دے۔

پس بلا بازار محبت کی دلالہ ہے۔ اور جو محبت نہ رکھتا ہو۔ اس کو دلاؔلہ سے کیا کام اور دلاؔلی اس کے کس کام اور پھر اس کے نزدیک اس کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے۔؟

اور مصیبتوں کے آنے کی دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ سچے محب اور جھوٹے مدعی کے درمیان تمیز ہو جائے۔ کیونکہ اگر وہ سچا ہے۔ تو مصیبت کے وارد ہونے سے اس کو لذت اور خوشی حاصل ہو گی۔ اور اگر جھوٹا مدعی ہے تو بلا سے اس کا حصہ سوائے ناپسندیدگی اور درد و الم کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ تمیز صرف اسے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ جس میں سچائی کی آمیزش ہو۔ تاکہ وہ ناخوشی اور درد کی حقیقت کو ناپسندیدگی اور درد کی صورت سے علیحدہ کر سکے۔ اور صفات بشری کو صورت صفات بشری سے تمیز کر سکے۔ "دل کو دل ہی جانتا ہے"۔ اسی بیان کی طرف اشارہ ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالےٰ ہی بھلائی کی راہ کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔

اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا۔ کہ عدم کو لاشئے محض کہتے ہیں۔ تو اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ اور جب اس وجود نہ ہوگا۔ تو اس وجود سے جو اسنے ذہن میں پیدا کیا ہے۔ اس پر آثار و ترقیات کیسے ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ہوں گے

بھی تو وہ ذہنی ہوں گے۔ تو وہ خیال کے دائرہ سے کیسے باہر آسکیں گے۔؟

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ عدم اگرچہ لاشے ہے۔ لیکن یہ تمام کارخانہ اشیاء اسی پر قائم ہے۔ اور تفصیل اور کثرت اشیاء کا منشاء اس کا آئینہ ہونا ہے۔ اور اسمائے آلہی کی صور علمیہ نے جو کہ عدم کے آئینہ میں منعکس ہوئی ہیں۔ اس کو متمیز کیا ہے۔ اور ثبوت علمی بخشا ہے۔ تو لازماً یہ چیز اس کو محض لاشیئیت سے باہر لے آئی ہے۔ اور اس کو آثار و احکام کا منشا قرار دیا ہے۔ اور یہ آثار و احکام علم کے خانہ سے باہر بھی حاصل ہیں۔ اور مرتبہ حس و وہم میں بھی ثابت ہیں۔ اور جب خداوند تعالےٰ کی کمال صنعت نے اس میں ثبات و استقرار پیدا کیا ہے۔ اور وہ حس اور وہم کے زائل ہونے سے بھی زائل نہیں ہوتے۔ تو کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ آثار و احکام خارجی ہیں۔ آپ عدم ترقیات سے کیا تعجب کرتے ہیں۔ کہ کائنات کا یہ تمام دبدبہ و شوکت عدم ہی پر مبنی ہے۔

خداوند تعالےٰ کی کمال قدرت کا مشاہدہ کرو۔ کہ عدم ہی سے یہ اتنا وسیع کارخانہ تیار کیا ہے۔ اور وجود کے کمالات کو اس کے نقائص سے ظاہر فرمایا ہے۔ عدم کی ترقی کی راہ کمال ظہور میں ہے۔ کہ اسماء الہی جل سلطانہ کے صور علمیہ اسکے حجرہ میں متمکن ہیں اور اس کے ساتھ ہم بستر ہیں۔ اور اس کے پہلو میں ہیں۔ اور صور سے حقیقت تک اور ظلال سے اصل تک کھلی سڑک واقع ہے۔ کوئی باطن کا اندھا ہی ہوگا جو اس کا احساس نہ کرے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ یقیناً یہ ایک نصیحت ہے۔ سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راہ بنائے۔

ذہن اور خیال کا لفظ آپکو شبہ میں نہ ڈالے۔ اور آثار و ترقیات کو تمہاری نگاہ میں دشوار نہ دکھائے۔ کہ جو معاملہ بھی ہے۔ وہ علم و خیال سے باہر نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ خیال سے خیال تک بڑا فرق ہے۔ خلق خیال کے اور مرتبہ میں ہے۔ اور وہم و خیال کی اختراع اور چیز ہے۔ کیونکہ پہلا تو نفس الامری ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے۔ کہ موجود خارجی بھی ہے۔ اور دوسرا اس دولت سے بہت کم حصہ رکھتا ہے۔ اور اس ثبات و استقرار سے بہت کم نفع اٹھانے والا

عدم کے بعض ہنروں کو جو علیحدہ مکتوب میں لکھے ہیں۔ اور ان کی نقل میر محب اللہ لے گئے ہیں۔ اگر شوق رکھتے ہوں۔ تو ان کا مطالعہ کریں۔

اور آپ نے فنا اور بقا کے متعلق بھی پوچھا تھا۔ اس کلمہ کے معنی کو اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں بہت جگہ لکھا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی پوشیدگی ہو تو اس کا علاج حاضر ہونا اور روبرو باتیں کرنا ہے۔ پوری حقیقت

سلہ سورہ مزمل شریف پارہ ۲۹-۱۲

لکھنے میں نہیں آسکتی۔ اور اگر آتی بھی ہے تو اس کا اظہار خلاف مصلحت نظر آتا ہے۔ کوئی کتنا سمجھے اور کتنا پائے۔ فنا اور بقا شہودی ہے۔ وجودی نہیں ہے۔ کہ بندہ نہ تو لاشئے ہوتا ہے۔ اور نہ خدا تعالےٰ سے متحد ہوتا ہے۔ "بندہ ہمیشہ بندہ ہی رہتا ہے۔ اور رب ہمیشہ رب ہی ہے"۔

وہ بے دین لوگ ہیں، جو فنا و بقا کو وجودی تصور کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ بندہ وجودی لوازمات کو زائل کر کے اپنے اصل سے جو کہ تعینات وقیود سے پاک ہے۔ متحد ہو جاتا ہے۔ اور اپنے آپ سے ناچیز ہو کر اپنے رب کے ساتھ بقا پیدا کر لیتا ہے۔ جیسا کہ قطرہ جو اپنے آپ سے فانی ہو کر دریا میں ملحق ہو جاتا ہے۔ اور اپنی قید کو زائل کر دیتا ہے۔ اور مطلق کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ "اللہ تعالےٰ ہمیں ان کے برے عقائد سے محفوظ رکھیں"۔

فنا کی حقیقت ماسوا کو بھول جانے سے عبارت ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے سوا اوروں کی گرفتاری سے آزاد ہونا اور سینہ کے میدان کو اپنی ان تمام مرادات وخواہشات سے پاک کرنا ہے۔ جو کہ بندگی کے مقام کے لائق ہیں۔ اور بقا کے مقام کے مناسب یہ ہے۔ کہ بندہ اپنے مولا کی مرادات پر قائم ہو جائے۔ اور آیات انفسی کے مشاہدہ کے بعد اللہ تعالےٰ کی مرادات کو عین اپنی مرادات پاتا ہے۔

اور آپ نے پوچھا تھا۔ کہ وہ سیر جس کو انفس سے باہر لکھتے ہیں۔ وہ کونسی ہے۔ کیونکہ دہ گانہ مراتب کی سیر یعنی عالم خلق اور عالم امر اور سیر ہیئت وحدانی یہ سب تو انفس میں داخل نظر آتے ہیں۔ پھر انفس سے ماوراء اور کون سی سیر ہے۔؟

جان لینا چاہیئے۔ کہ آفاق کی طرح انفس (بھی) اسمائے الٰہی جل سلطانہ کا ظل ہے۔ اور جب بفضل خداوندی جل سلطانہ اپنے آپ کو فراموش کر کے اپنے اصل کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اپنے اصل سے محبت پیدا کرتا ہے۔ تو لازماً بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے) اپنے آپ کو وہی اپنا اصل پاتا ہے۔ اور اپنی اَنَا (میں) کو اسی اپنے اصل پر ڈال دیتا ہے۔ اور اسی طرح چونکہ اس اصل کا اصل ہے۔ تو اس اصل سے اس اصل تک چلا جائے گا۔ بلکہ اپنے آپ کو اس اصل کا عین پائے گا۔ اور اسی طرح آگے سلسلہ چلتا جائے گا۔ یہاں تک کہ خداوندی تحریر اپنی مدت کو پہنچے۔

یہ سیر سیر انفس وسیر آفاق کے علاوہ ہے۔ لیکن یہ جاننا چاہیئے۔ کہ ایک جماعت نے سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہا ہے۔ اور وہ سیر جو بیان کی گئی ہے۔ وہ اس سیر کے علاوہ ہے۔ جو انہوں نے کہی ہے۔ کیونکہ یہ سیر حصولی ہے۔ اور وہ سیر وصولی۔ اور حصول اور وصول کے فرق میں میں نے اپنے متعدد مکتوبات میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس جگہ سے معلوم کرنا چاہیئے۔

اور آپ نے ذات وصفات وافعال واجبی جل سلطانہ کی اقربیت کے متعلق پوچھا تھا۔ اس کا بیان بھی حاضر ہونے

سے تعلق رکھتا ہے۔ لکھنا مصلحت کے خلاف ہے۔ اور اگر لکھوں بھی تو معلوم نہیں کہ آپ کی سمجھ میں آسکے یا نہ اور اگر بالمشافہہ گفتگو سے بھی آپ کی سمجھ میں آجائے۔ تو غنیمت ہے۔

اور پھر آپ نے مرتبہ نبوت کے کمالات کے متعلق دریافت کیا ہے۔ کہ فنا و بقا و تجلی و مبدائیت تعین اپنے تمام مراتب میں ولایت ثلاثہ کے کمالات ہیں۔ اور نبوت کے کمالات کے مراتب کی سیر کس طرح ہے۔؟

معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ مراتب عروج میں جب تک ایک دوسرے سے امتیاز حاصل ہے۔ اور ایک اصل سے دوسرے اصل تک پہنچنا ہے۔ تو وہ تمام کمالات دائرہ ولایت میں داخل ہیں۔ اور جب یہ تمیز ختم ہو جائے۔ تو یہ تفصیل کم ہو جاتی ہے۔ اور معاملہ خالص اجمال اور بساطت پر جا پڑتا ہے۔ تو اس وقت مرتبہ نبوت کے کمالات شروع ہو جاتے ہیں۔ اور اس مرتبہ میں بھی اگرچہ وسعت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ (اللہ تعالیٰ فراخی والے جاننے والے ہیں۔) لیکن وہ وسعت دوسری قسم کی وسعت ہے۔ اور اگر تمیز ہے۔ تو وہ بھی دوسری قسم کی۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ اور کیا سمجھ میں آئے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اے ہمارے رب ہمارے اس معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔"

آپ نے جو نماز کے بعض اسرار کے متعلق پوچھا تھا۔ اس کا جواب کسی دوسرے وقت پر ڈال دیا گیا ہے کہ اس وقت وقت بہت تنگ ہے۔ اور زمانہ اور زمانہ والوں سے وقت کی چوری کر کے کچھ لکھا ہے۔ فقیر پر رحم کرو۔ اور استفسار پر دلیر نہ بنو۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور اپنے کام میں ہماری زیادتیاں معاف کر دے۔ اور ہمارے قدم مضبوط رکھ۔ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔" تمام تعریفیں اور احسان اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ پہلے بھی اور بعد بھی اور درود اور رحمت ہو۔ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول اور ان کی آل کرام اور ان کے صحابہ عظام پر قیامت کے دن تک۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اچھی توفیق سے دوسرا دفتر دو حصوں میں ختم ہوا۔ اور اب ان شاء اللہ تیسرا دفتر شروع ہوتا ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سید الخلق اجمعہم وسلم وبارک وعلی آلہ واصحابہ وعلینا معہم اجمعین برحمتہ وہو ارحم الراحمین

دعا ہے اللہ تعالیٰ اصل کتاب کی طرح اس ترجمے کو بھی قبولیت عام کا درجہ عطا کرے۔ اور مترجم و ناشر اور استفادہ کرنے والوں کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ بحرمت سید المرسلین علیہ و علی آلہ واصحابہ اجمعین آمین ثم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و نور عرشہ و خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم وبارک

خاکسار محمد سعید احمد نقشبندی خطیب مسجد
دربار شریف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
لاہور ۶ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

مکتوبات امام ربانی

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

اردو ترجمہ

دفتر سوئم — حصہ اول

تصحیح و حواشی و ترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

للہ الحمد بر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اُردو ترجمہ

مکتوباتِ امامِ ربانیؒ

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

دفتر سوم — حِصّہ اوّل

تصحیح و حواشی و ترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی
خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ۔ کراچی

طبع اوّل ——— آفسٹ ایڈیشن ——— سنہ ۱۹۷۲ء

طابع و ناشر ——— مدینہ پبلشنگ کمپنی
بندر روڈ۔ کراچی

مطبع ——— مشہور آفسٹ پریس کراچی

تعداد ——— دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت ——— حصہ ہفتم۔ ہشتم۔ نہم مجلّد
معہ پلاسٹک کور

ملنے کا پتہ:۔

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ۔ لاہور

اردو ترجمہ فہرست مضامین مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی حصہ ہشتم دفتر سوم

مضامین | صفحہ

مضامین	صفحہ

مضامین | صفحہ

مضامین | صفحہ

تمت بالخیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اردو ترجمہ مکتوبات شریف

دفتر سوم حصّہ اول

تمہید

یہ تیسری جلد معرفتہ الحقائق کے نام سے موسوم ہے خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمتہ اللہ علیہ ان مکتوبات کے جامع ہیں۔

اما بعد یہ کلمات طیّبات اور بلند درجہ حروف جن کا ہر نقطہ بے قرار دلوں کی پرکار کا مرکز اور محبت ذاتیہ کی آگ تیز کرنے والا اور اغیار کی آنکھ کو بے نور کرتا ہے اور حقائق و معارف کی دلہنوں کے رخسار کو زینت بخشنے والا خال اور دور سے باریکیوں کو دیکھنے والی آنکھوں کی پُتلی ہے احدیت کے موجزن دریا کا نہایت قیمتی مروارید ہے جسے ایک پاک ترین غوطہ زن کے باطنی لمبے ہاتھ ساحل پر نکال لائے ہیں اور جان بخشنے والا نافہ ہے جسے صحرائے ہویت کے ہرن کی ناف سے ایک سیاح کے بیان کے پورے محفل میں کھینچ لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فقراء کو اس دُرّ یتیم کے ذریعے بے نیاز کر دیا ہے اور اس خوشبو سے ان کی ارواح کے دل و دماغ کو معطر کرتا ہے

زہر یک نقطہ اش چوں نافہ تر — شمیم وصل جاناں ا مے رسد
ولے کز برودت در زکام است — چہ داند نافہ اش گر در مشام است
سرایم مدح ان سیاح غواص — کنم خورشید را چوں ذرّہ رقاص

ان مکتوبات کا ہر نقطہ نافہ کی طرح مہک رہا ہے۔ وصل معشوق کی خوشبو ان سے پھیلتی ہے۔

لیکن وہ شخص جسے ٹھنڈک کے باعث زکام ہو چکا ہے وہ اس نافہ کو کیا جان سکتا ہے اگرچہ یہ نافہ اس کی ناک میں ہی رکھ دیا جائے۔

میں حقائق و معارف کے سمندر میں غوطہ زن سیاح کی مدح سرائی کرتا ہوں۔ میں آفتاب کو ذرّے کی طرح رقص میں لاتا ہوں۔

مہیں فرزند فاروق است چوں اب ۔۔۔ کنوں نطق از زبان او کند رب [1]

سراپا نسخہ اخلاق فاروق ۔۔۔ بزہر منقصت تریاق فاروق [2]

چراغ نقشبند ہفت محفل ۔۔۔ نگاہش نقشبند غیر از دل [3]

آپ مخلوقات کے فریاد رس حقائق کے سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ آپ وصول اللہ کی معراج اور قبول حق کا کھلا راستہ ہیں آپ خزینہ رحمت اور دفینہ حکمت ہیں۔ دلوں میں جھانکنے والے۔ علوم غیبیہ کے طلوع کا مقام ہیں۔ عاملین کے اکٹھا ہونے کی جگہ ہیں۔ کاملین کی حجت اور دلیل ہیں۔ پسندیدہ لوگوں کی آنکھ کی پتلی اور دانشمندوں کا باغ ہیں۔ آپ طریقت کے نور حقیقت کے پھول جہان والوں کے لئے زینت اور عالموں کی آنکھ ہیں۔ آرزوؤں کی کہان۔ امیدوں کا رشتہ۔ راہنمائی کا آئینہ محبت کی سیڑھی۔ رموز و اشارات کی جائے ظہور۔ خزانوں اور بشارتوں کا منبع ہیں۔ دریائے حسن ملاحت کے ناخدا اور خوبصورتی صباحت کے گھر کا چراغ ہیں۔ ولایت محمدی اور ولایت ابراہیمی کے دو دریاؤں کو ملانے والے ہیں۔ اور دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔ آپ متکلمین کی جائے استشہاد اور متوحدین کی دلیل ہیں۔ سلف کی برہان اور خلف کی حجت ہیں۔ ان وفود (ارباب معرفت) کا اعتماد مہدی موعود کی تشریف آوری کے پیغام رساں ہیں۔ اصل و فرع کے آفتاب اور دین و شرع کی رونق ہیں۔ سید البشر کے وارث۔ گیارھویں صدی کے روشن کرنے والے یعنی مجدد الف ثانی امام ربانی ہیں

۱۔ کجا گردد ز وصفش خامہ آگاہ ۔۔۔ چہ نم دریا بد از دریا پر کاہ [4]

۲۔ ہماں بہتر کزیں پس گوش باشم ۔۔۔ سرایم نغمہ و خاموش باشم [5]

آپ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نام کے ہمنام ہیں جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت دی یعنی الشیخ احمد بن الشیخ عبد الاحد نسب میں فاروقی مذہباً حنفی مسلک و مشرب میں نقشبندی اللہ سبحانہ تعالیٰ اہل جہان پر آپ کا سایہ حیات دائم رکھے اور قیامت تک آپ کی برکتوں کے دریاؤں سے انہیں سیراب کرتا رہے۔

وقت اور حال کے لحاظ سے وہ لوگ کس قدر خوش نصیب ہیں۔ وہ مطالعہ کرنے والے سلیم القلب

---

[1] فاروق اعظم کے یہ (حضرت مجدد قدس سرہ) فرزند باپ کی طرح صاحب عزت و شرف ہیں اب خدا تعالیٰ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی زبان سے بات کرتا ہے۔

[2] آپ اخلاق فاروقی کا نسخہ جامعہ ہیں۔ نقائص کے زہر کے لئے آپ فاروقی تریاق ہیں

[3] آپ سلسلہ نقشبندیہ کی ساتوں محفلوں کا چراغ ہیں۔ آپ کی نگاہ غیر حق کو دل میں آنے سے روک دیتی ہے۔

[4] قلم آپ کے وصف سے کیسے آگاہ ہو سکتا ہے۔ معمولی نمی (دریا) سے ادنیٰ تنکے سے زیادہ کیا پا سکتی ہے

[5] تو یہی بہتر ہے کہ اس کے بعد کان بن جاؤں (آپ کی صفت و ثنا سنتا رہوں۔ نغمہ سرائی کروں اور خاموش ہو جاؤں۔

حضرات کہ جب ان کی نظر کی سیاہ پتلی ان اسرار اور حکمتوں کے ذخیرہ عظیم کی سیاہی پر کھلتی اور پڑتی ہے تو بعطائے ربانی اس سیاہی (مکتوبات شریف کے حروف) سے خدا تعالیٰ کے حضور کی امداد پاتے ہیں اور اس سیاہی سے اپنے دلوں کو پرنور کرتے ہیں اور کتنے ہی خوش مآب اور خوش مآل ہیں وہ مستقیم الاحوال پڑھنے والے کہ جب ان کی زباں اس عظیم دریا سے آشنا ہو جاتی ہے تو الہام سبحانی سے ان کی جان مٹھاس سے بھر جاتی ہے اور حلاوت و شیرینی میں گم ہو جاتی ہے۔ ان پاک طبیعت ہم جنس اور ان نیک اعتقاد سعادتمندوں کو مرحبا کہ جب غایت باریکی اور خفا کے باعث ان نکات و رموز کا جو عقل کی سمجھ سے بالاتر ہیں پردہ نہیں اٹھتا تو اپنی عدم یافت اور قصور دریافت کو لے کر صد قنا کے راستے پر دوڑ پڑتے ہیں۔

کسے را از ایشاں جز ایشاں نہ داند [۱]

گویا سب کچھ تسلیم کرتے ہیں اور اس طرح سعادت ابدیہ کے نقد پھلوں کو اپنے ہاتھ میں لاتے ہیں یہ سعادت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے کو نصیب ہوتی ہے۔

لیکن مکتوبات شریف کے پڑھنے والے ان کج بین اور ان ہیں سننے والے عیب جو حضرات پر افسوس کہ ان غیبی ملہمات سے جو کچھ ان کے فہم و سمجھ میں آتا ہے اور ان کی طبیعت کے مطابق ہوتا ہے۔ اسے اس صاحب کلام کی طرف سے گفتگو کی مہارت اور خیال کی اختراع کی طرف لوٹاتے ہیں اور جو کچھ رموز و کنایات میں سے اپنی طبع کے موافق نہیں پاتے کوتاہ نظری سے اپنی نقصان و عیب کی زبان دراز کرتے ہیں اور مطابق "انسان ہمیشہ اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جسے نہیں جانتا" مخالفت کا پنجہ نکال لیتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ یہ بلند گروہ اپنے پوشیدہ اسرار کے اظہار میں درمیان میں نہیں ہوتا۔

ایشاں نیند ایں ہمہ الحان ز مطرب است [۲]

اللہ سبحانہ، ہمارے بھائیوں کو اپنے پوشیدہ عیوب اور صفا کیش پاک دلوالوں کے اسرار غیب سے بینا کرے اور ان دانائے سر سے کینہ کی پر فریب زنجیر و طوق سے نجات بخشے جو زنجیر و طوق اپنے دل اور گردن میں ڈالے رکھتے ہیں یعنی بھٹکنے سے اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہیں۔

اور وہ جو میں نے کہا کہ یہ حضرات اسرار کے بیان وقت کے درمیان میں نہیں ہوئے اس کی دلیل خود ان اصحاب اسرار سے سن لیں۔

بہر حال تو ہم حال تو برہان و دلیل [۳]

---

[۱] ان کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ [۲] وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہے بلکہ یہ سب مطرب کی آواز ہے۔

[۳] تیرے حال پر تیرا اپنا حال ہی برہان و دلیل ہے۔

جب فتوحات کی کان مکتوبات کی جلد اول جو در المعرفت کے نام سے موسوم ہے، اتمام و اختتام کی تاریخ کو پہنچی تو گفتگو کے صاف اور میٹھے پانی کے بعض پیاسوں نے خدمت اقدس میں عرض کی کہ اگر اشارہ عالیہ ہو تو اسرار کی نہریں موتی بکھیرنے والے قلم کے چشمہ سے جو کچھ پھوٹ پھوٹ کر جمع ہو رہا ہے اس سے جلد ثانی کا دریا نمودار ہو جائے تو حضرت اقدس نے نہایت انکسار اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے فرمایا یہ تمام علوم جو ظاہر ہوئے اور تحریر میں آئے ہیں ان کے بارے میں فکر و حیرت میں ہوں کہ بارگاہ ایزدی میں مقبول و پسندیدہ ہیں یا نہیں پھر خاموشی اختیار کر کے بشارت والہام کے منتظر ہوئے۔ دوسرے دن فرمایا مجھے آواز آئی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ یہ تمام مکتوبات تو نے لکھے ہیں بلکہ جو کچھ بھی تیری گفتگو میں آیا ہے مقبول و پسندیدہ ہے اور میرے لکھے ہوئے کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ سب کچھ ہم نے کہا اور ہمارا بیان ہے اور اسی وقت وہ تمام علوم میرے سامنے رکھے اور میں نے ایک ایک بات پر اجمالاً اور تفصیلاً نظر ڈالی خاص کر ان علوم میں جن میں مجھے کسی وقت تردد اور شک رہا تھا میں نے ان سب کو اس حکم میں داخل و شامل پایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَی الْاِحْسَانِ تو قابل احترام قلم کو اسرار قدم کی تحریر میں جاری کیا اور جب وہ (جلد دوم) ۹۹ مکتوب تک پہنچی جو اسمائے حسنیٰ کے عدد کے مطابق ہے تو اسی عدد پر ختم کر دی۔ اور جلد اس سال میں اختتام پذیر ہوئی جس کی تاریخ نور الخلائق سے ظاہر ہے

بعض مکاتیب جو اس کے بعد منصب گزارش اور صحیفۂ نگارش میں آئے ان کے بارے میں اعلیٰ نسب والے امیر عمدہ حسب والے سید قطب زمانہ در یگانہ سے

۱ تن تجرید را روحے و جانے در تفرید را بحرے و کانے

۲ دم اوصیقل آئینہ دِل دم از آئینہ سازد نور زائل

ایقال و عرفان کی کان یعنی محمد النعمان بن شمس الدین یحییٰ مشہور بمیر بزرگ بدخشانی سلمہ اللہ والبقاہ جو حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے بڑے خلفا میں سے کامل خلیفہ ہیں اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے حکم سے جانب رکن میں مخلوق کے راہنما اور اس بلند طریقہ کو رواج دینے والے ہیں نے التماس کیا کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو جمع کر کے جلد ثالث کے لئے محفوظ رکھا جائے تاکہ وقت پر کام آئیں۔ اس التماس کو شرف قبولیت نصیب ہوا جب یہ مکتوبات تیس سے کچھ اوپر ہوئے تو سیادت و نقابت پناہ میر محمد نعمان اور اس درگاہ کے خادموں میں ظاہری اور ضروری جدائی حائل ہو گئی۔ اور حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بے نظیر

لہ مروارید کے موتیوں کی معدن اور کان۔ تجرید کے جسم کے لیے روح اور جان۔

لہ سانس نو آئینے سے نور کو زائل کر دیتا ہے مگر آپ کا دم اور سانس دِل کے آئینے کو صیقل اور صاف کرتا ہے۔

بھی مدت دراز تک تحریر معارف اور تقریر مکاشفات پر آمادہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ تائید و ہدایت خداوندی جل شانہٗ سے کئی سال بعد اس ضعیف کی آرزو کہ جس کا نام اس جلد کے مکتوب اول کے آخر میں مجدد صاحب کے قلم سے لکھا گیا ہے اس سنہ میں کہ جس کے عدد خاک نشین کے لفظ سے ظاہر ہیں حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہ کی دہلیز مبارک پر بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی تو اس وقت زبان غیب کا دریا اور حضرت ایشاں کی انگلیوں کے پورے تقریر کے تموج اور جوش تحریر میں آئے اور اس عزیب نواز نے اپنی انتہائی رحمت وشفقت سے اس کمترین کو ان مسودات کے جمع کرنے اور سواد سے بیاض میں نقل کرنے کے لئے ممتاز فرمایا اور اسی سال میں کہ وہ لفظ ثالث سے معین ہے تیسری جلد مکمل کرنے میں کامیاب ہوگیا اور جب مکتوبات کا شمار ۱۱۳ تک پہنچا جو کہ حروف باقی ۱۱۳ کے عدد کے موافق ہے اور نیز اعتبار سے اس کو یہیں پر ختم کرنا نہایت شایاں وزیبا تھا اس جلد کو اسی سال میں کہ جس کے اعداد کاس الراسخین سے بھی ظاہر ہیں ختم کر دیا اس کے بعد ایک مکتوب کو جو کہ علوم جدیدہ اور اسرار غریبہ کی تازگی سے ظاہر ہوا تھا اس کے متعلق حکم دیا کہ کستوری کی مہر اسے قرار دیا جائے اور ایسا ہوا کہ اس کو ملانے سے قرآن مجید کی سورتوں کے عدد کی مطابقت ہوگئی۔ سو اول و آخر۔ ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ ہی کی سب تعریفیں ہیں۔ طالبان حق کو اس خوانِ پر فائدہ سے جان کی خوراک اور ایمان کی قوت خدا تعالیٰ کی مہربانی سے قیامت تک نصیب ہو۔ اور وہی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۱

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا
خداوند تعالیٰ جل سلطانہ کی ذات وصفات وافعال کی اقربیّت سے متعلق ان کے سوال کے جواب میں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

آپ کا مکتوب گرامی پہنچا آپ نے بہت تکلیف اٹھائی اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش کو قبول فرمائے۔ آپ نے کئی بار خداوند جل سلطانہ کی ذات وصفات وافعال کی اقربیّت کے متعلق سوال کیا ہے اور آپ اس بیان کے شائق ہیں تو ضرورت کے مطابق لکھا جاتا ہے

معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر شے اپنی اصلی ماہیّت کے ساتھ شے ہے اور اس شے کی ماہیّت کے ثبوت کے طور پر کسی بنانے والے کا بنانا درکار نہیں ہے بلکہ ثبوت شے خود اس کے نفس کے لیے ضروری (بدیہی) ہے یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ نے کہا ہے کہ نفس ماہیّات میں جعل (بنانا) ثابت نہیں ہے۔ اور ماہیّات مجعول (بنائی گئی) نہیں ہیں۔ بنانے والے کا بنانا ماہیّات میں صفت پیدا کرنے کے لیے درکار ہے مثلاً ایک رنگریز کا کام یہ ہے کہ وہ کپڑے میں رنگ کی صفت پیدا کرے نہ یہ کہ کپڑے کو کپڑا بنائے یا رنگ کو رنگ بنائے کیونکہ وہ محال ہے اور تحصیل حاصل ہے۔

پس جَعل (بنانا) نفس شے میں نہ ہوا بلکہ شے میں صفت پیدا کرنے کے لئے ہوا پس ثابت ہوا کہ شے اپنی ماہیّت کے ساتھ شے ہے اور یہ بات کشفی نظر میں ظلّ (سایہ) شے اور عکس شے میں نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کا ظل وعکس ہو ہیّت ظلی وعکسی کے ساتھ ظل اور عکس نہیں ہے بلکہ اپنے اصل کی ماہیّت سے ظل وعکس ہوا ہے کیونکہ ظل کی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ اس کے اصل کی ماہیّت ہے جس نے ظل سے اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ پس ظل کے لئے اس کے اپنے وجود سے اس کا اصل زیادہ قریب ہوگا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے ظلّ ہے نہ کہ بنفس خود۔

چونکہ تمام عالم افعال واجبی جلّ سلطانہ کے عکوس وظلال ہیں تو لازماً صفات عالم کے ساتھ عالم سے جو کہ افعال ہیں زیادہ قریب ہوں گی کیونکہ وہ ان کے اصل کا اصل ہیں اور جب صفات بھی

خداوند تعالیٰ کی ذات کی ظلال ہیں اور اللہ جل سلطانہ کی ذات تمام اصول کی اصل ہے تو لازماً اللہ تعالیٰ کی ذات عالم کے ساتھ عالم سے اور افعال وصفات خداوندی سے زیادہ قریب ہوگی۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی اقربیّت کا بیان جو کہ تحریر و بیان میں آسکتا ہے۔ عقلاء اگر انصاف کریں تو ہو سکتا ہے کہ اس معنی کو قبول کر لیں اور اگر قبول نہ کریں تو کوئی غم نہیں کیونکہ وہ بحث سے خارج ہیں۔

اور چونکہ اس بیان میں عقلی مقدمات بھی بیان ہوئے ہیں اگر سیادت پناہ میر شمس الدین علی کو بھی اس مکتوب کے مطالعہ میں شامل کر لیں تو گنجائش رکھتا ہے اور آپ نے لکھا تھا کہ مکتوبات کی تیسری جلد شروع کریں؟ تو آپ ایسا کر لیں کیونکہ اللہ والے جس چیز میں درستی دیکھتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس میں برکت ہو اور جب آپ میر مشار الیہ (شمس الدین علی) کو یہ کام سپرد کریں تو انہیں کہیں کہ متعدد نسخے تیار کریں اور ان کی ایک نقل سرہند میں بھی بھیج دیں اور مسوّدات کو محفوظ رکھیں شاید کسی وقت ضرورت پڑے۔

اور یہ فقیر آپ کے جانے اور رہنے میں حیران ہے آپ کی ملاقات کی خواہش بہت زیادہ ہے اور آپ کے جانے کے متعلق زبان نہیں کھول سکتا اور رہنے کے متعلق بھی نہیں کہہ سکتا ایسا نہ ہو کہ آپ کا رہنا بہت سی جماعت کی مصلحتوں کے خلاف ہو۔ اس قدر ضرور ہے کہ اگر آپ جائیں تو خواجہ محمد ہاشم کو بھیج دیں کہ چند روز صحبت میں رہے اور بعض علوم و معارف سیکھ لے کہ وہ ایک نوجوان قابل آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اور مشار الیہ چونکہ آپ کا پروردہ ہے اور آپ کے مذاق کو پہچانتا ہے اپنے سوالات اس کے حوالے کر دیں کہ وہ جواب لے کر ان کو آپ تک پہنچا دے والسلام۔

مکتوب نمبر ۲

حضرت جامع الاسرار و العلوم مخدوم زادگان گرامی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

(وعظ و نصیحت اور خلقت سے قطع تعلق کرنے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی جناب سے متوسّل ہونے کے بیان میں۔)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

خوشی غمی۔ آسانی اور تنگی۔ نعمت اور نقمت۔ رحمت اور زحمت سختی اور نرمی۔ عطا اور بلا غرض ہر حال میں تمام تر تعریفیں اللہ رب العلمین کے لئے ہیں اور درود اور سلام ہو اس پر جس کی ایذا کی مثل کسی نبی کو ایذا

نہیں دی گئی اور ان کی آزمائش کی طرح کسی کی آزمائش نہیں کی گئی اور اسی لئے وہ تمام جہانوں کے لیے رحمت اور پہلوں اور پچھلوں کے سردار ٹھہرے ہیں۔

معزز بیٹو! اگرچہ مصیبت کا وقت تلخ اور بے مزہ ہے لیکن اگر فرصت مل جائے تو غنیمت ہے اس وقت میں جس طرح کی فرصت آپ کو ملی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالائیں اور اپنے کام کی طرف متوجہ رہیں اور ایک لمحہ اور ایک لحظہ بھی اپنے لئے فراغت کا تجویز نہ کریں اور چاہیئے کہ تین چیزوں میں سے ایک میں بہر حال مشغول رہیں قرآن مجید کی تلاوت اور لمبی قراءت سے نماز کی ادائیگی اور کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ کا تکرار۔ چاہیئے کہ لآ کے کلمہ کے ساتھ اپنے نفس کی خواہشوں کی نفی کی جائے اور اپنی مراد اور مقصد کو دور کریں اپنی مراد کو طلب کرنا اپنی خداوندی کا دعویٰ کرنا ہے۔ چاہیئے کہ سینہ کے میدان میں کسی مراد کی گنجائش نہ ہو اور خیال میں کوئی ہوس نہ باقی رہے تاکہ بندگی کی حقیقت ثابت ہو اپنی مراد کا چاہنا اپنے آقا کی مراد کے رد کرنے کو مستلزم ہے اور اپنے مالک سے معارضہ کرنا ہے اور یہ بات اپنے مالک کی نفی کرنے کو مستلزم ہے اور اپنے مولا ہونے کا اثبات ہے اس بات کی قباحت کو اچھی طرح سمجھیں اور اپنے دعوائے الوہیت کی نفی کریں یہاں تک کہ ہوا و ہوس سے پوری طرح پاک ہو جائیں اور اپنے مالک کی مراد کے سوا کوئی مراد نہ رکھیں۔

اور یہ بات اللہ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ مصیبت کے دنوں اور امتحان کے اوقات میں آسانی سے میسر آجائے گی اور ان ایام کے علاوہ یہ ہوا و ہوس سد سکندری ہے۔ گوشہ میں بیٹھ کر اس امر میں مشغول رہیں کہ فرصت غنیمت ہے۔ فتنوں کے زمانہ میں تھوڑی خدمت کو بھی قبول کر لیتے ہیں اور فتنوں کے علاوہ دوسرے ایام میں مجاہدات و ریاضت شاقہ کی ضرورت ہے۔ خبر شرط ہے ملاقات خواہ ہو یا نہ ہو نصیحت یہی ہے کہ کوئی مراد اور کوئی ہوس باقی نہ رہے۔

اپنی والدہ کو بھی اس معنی سے مطلع کر دیں اور رہنمائی کریں۔ باقی اس دنیا کے حالات بہر حال گزر ہی جانے والے ہیں ان کو کیا بیان کیا جائے۔ چھوٹوں پر شفقت رکھیں اور پڑھنے کی ترغیب دیں اور اہل حقوق کو جہاں تک ہو سکے ہماری طرف سے راضی کریں اور سلامتی ایمان کی دعا سے ممد و معاون رہیں مکرر و مؤکد لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بے فائدہ کاموں میں صرف نہ کریں اور ذکر الٰہی جل سلطانہ کے بغیر کسی چیز میں مشغول نہ ہوں۔ اگرچہ وہ کتابوں کا مطالعہ اور طلباء کے ساتھ تکرار ہی کیوں نہ ہو یہ ذکر کا وقت ہے نفسانی خواہشات کو جو کہ معبودانِ باطل ہیں لآ کے تحت میں لائیں تاکہ سب منتفی ہو جائیں اور کوئی مراد اور کوئی مقصود سینہ میں باقی نہ رہے۔

یہاں تک کہ میری رہائی بھی جو کہ بالفعل آپ کا سب سے بڑا مقصد ہے بھی مقصود نہ ہونا چاہیے اور

اللہ تعالیٰ کے ارادہ و فعل پہ راضی رہیں اور کلمہ طیبہ کے اثبات کی جانب ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے جو کہ معلومات اور متخیلات سے وراء الوراء ہے کوئی چیز نہ ہو۔ حویلی، سراہ کنویں۔ باغ۔ کتابوں اور دوسری چیزوں کا غم بڑی آسان چیز ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی آپ کے وقت میں مزاحم نہ ہونی چاہیئے۔ اور خداوند جلّ و علا کی مرضیات کے علاوہ اور کوئی مراد نہ ہونی چاہیئے۔ اگر ہم مر جائیں تو یہ تمام چیزیں چلی ہی جائیں گی اور اگر یہ ہماری زندگی میں چلی جائیں تو کوئی فکر نہ کریں۔ اولیاء اللہ نے ان چیزوں کو اپنی مرضی سے چھوڑا ہے اور ہم ان چیزوں کو اللہ کے اختیار سے چھوڑیں گے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں گے اور امید ہے کہ مخلصین میں سے ہوں گے۔

جس جگہ آپ بیٹھے ہیں اسی کو وطن سمجھیں۔ چند روزہ زندگی جہاں بھی گزر جائے اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزرے۔ دنیا کا معاملہ آسان ہے۔ آخرت کی طرف متوجہ رہیں۔ اپنی والدہ کو تسلی دیں اور آخرت کی ترغیب دلائیں۔ ہو سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہو تو ملاقات میسر ہو جائے ورنہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہیں اور دعا کریں کہ ہم جنت میں جمع ہوں اور اللہ کے فضل و کرم سے دنیا کی ملاقات کی تلافی آخرت میں کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے)

مکتوب نمبر ۳

سیادت پناہ میر محب اللہ مانک پوری کی طرف صادر فرمایا

کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے معنی کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ کوئی بھی فرد ایسا نہیں ہے جو الوہیت و معبودیت کا استحقاق رکھے مگر بے مثل خداوند تعالیٰ جو واجب الوجود ہے اور حدوث و نقص سے پاک و بری ہے کیونکہ عبادت کا مستحق جو کہ کمال تذلل و خضوع و انکساری سے عبارت ہے۔ وہی ہے جس کو تمام کمالات حاصل ہیں۔ اور تمام اشیاء اپنے وجود اور وجود کے توابع میں اس کی محتاج ہیں اور وہ کسی کام میں کسی کا محتاج نہیں ہے اور نافع اور ضار وہی ہے اور کوئی چیز بھی اس کی اجازت کے بغیر کسی کو ضرر اور نفع نہیں پہنچا سکتی۔ ایسی صفات کاملہ والا اور کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ غیر

ان صفاتِ کاملہ کے ساتھ بغیر نقصان و زیادتی کے اگر کوئی ثابت ہو جائے تو وہ غیر نہ ہوگا۔ اس لیئے کہ آپس میں دو غیر الگ الگ ہوں گے۔ اور یہاں علیحدگی کا وجود ہی نہیں ہے۔

اور اگر تمیز کے اثبات کے ساتھ ہم غیر کا اثبات کریں تو اس کا نقص لازم آئے گا جو کہ الوہیّت و معبودیّت کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر ہم تمام کمالات اس کے لیئے ثابت نہیں کریں گے تاکہ ان میں فرق پیدا ہو تو اس کا نقص لازم آئے گا اور اسی طرح اگر تمام نقائص ہم اس سے دور نہ کریں گے تو بھی نقص لازم آئے گا۔ اور اگر اشیاء اس کی محتاج نہ ہوں تو وہ ان کی عبادت کا مستحق کیوں ہوگا۔ اور اگر وہ اشیاء میں سے کسی شے میں بھی یا کاموں میں سے کسی کام میں بھی کسی کا محتاج ہوگا تو وہ ناقص ہوگا۔ اور اسی طرح اگر وہ نافع وضارّ نہ ہوگا تو چیزوں کو اس کی کیا احتیاج ہوگی اور وہ کیوں ان کی عبادت کا مستحق ہوگا اور اگر کوئی اس کی اجازت کے بغیر کسی چیز کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہوگا تو وہ بیکار ہو جائے گا اور عبادت کا مستحق نہ رہے گا۔ تو ایسی صفاتِ کاملہ کا جامع صرف وہی اکیلا ہوگا اور اس کا کوئی شریک نہ ہوگا۔ اور عبادت کا مستحق وہی ایک زبردست ہوگا۔

سوال:۔ اگرچہ ان صفات میں تمیز ایسے طریقہ پر جو بیان ہوا ہے نقص کو مستلزم ہے جو کہ الوہیّت و معبودیّت کے منافی ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ غیر کچھ اور ایسی صفات رکھتا ہو جو امتیاز کا باعث بھی ہوں اور کوئی نقص بھی لازم نہ آئے اگرچہ ہم ان صفات کو نہیں جانتے کہ وہ کونسی ہیں۔

جواب:۔ وہ صفات بھی دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو وہ صفاتِ کاملہ ہوں گی صفاتِ ناقصہ۔ بہر صورت استحالہ مذکورہ لازم آئے گا۔ اگرچہ ہم ان صفات کو پوری طرح نہیں جانتے کہ وہ کونسی ہیں لیکن اتنا تو معلوم ہے کہ وہ کمال و نقصان کے دائرے سے باہر نہیں ہیں اور ہر صورت میں نقص دامن گیر ہے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کے مستحق دوئیت نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ تمام وجودی اور توابع وجودی ضروریات میں کافی ہوگا اور اشیاء کا نفع و نقصان اس سے وابستہ ہوگا تو دوسرا محض بیکار اور بے فائدہ ہوگا اور اشیاء کو اس کی کوئی احتیاج نہ ہوگی۔ بدکردار خداوند تعالیٰ کے سوا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اپنے تراشے ہوئے بتوں کو اپنا معبود بناتے ہیں اپنے اس فاسد خیال کی بنا پر کہ یہ خداوند تعالیٰ کے پاس ہمارے سفارشی ہوں گے اور ہم ان کے وسیلہ سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کریں گے۔

یہ لوگ کتنے بیوقوف ہیں۔ ان کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ان کو شفاعت کا مرتبہ نصیب ہوگا اور خداوند تعالیٰ ان کو شفاعت کی اجازت دے دے گا محض وہم کی بنا پر کسی کو خداوند تعالیٰ کی عبادت میں شریک بنانا انتہا درجہ کی ذلت اور خسارہ ہے۔ عبادت کوئی آسان معاملہ نہیں ہے کہ ہر پتھر اور بے جان چیز کی عبادت کی جائے اور ہر عاجز کو بلکہ اپنے سے بھی عاجز تر کو مستحق عبادت تصوّر کیا جائے اور الوہیّت کے معنی کے بغیر عبادت کا

تصور نہیں ہے جو الوہیت کی صلاحیت رکھتا ہے وہی مستحق عبادت ہے اور جس میں یہ صلاحیت نہیں ہے اس کو استحقاق نہیں ہے اور الوہیت کی صلاحیت وجوبِ وجود سے وابستہ ہے اور جو وجوب وجود نہیں رکھتا وہ الوہیت کے لائق اور عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

کتنے بیوقوف ہیں یہ لوگ کہ وجوبِ وجود میں تو خدا کا کسی کو شریک نہیں سمجھتے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں اس کا شریک ٹھہراتے ہیں یہ اتنا نہیں جانتے کہ وجوب وجود استحقاق عبادت کی شرط ہے اور جب وجوب وجود میں شریک نہیں ہیں تو عبادت میں بھی شریک نہ ہوں گے۔ استحقاقِ عبادت میں شریک ٹھہرانا وجوب وجود میں شریک ٹھہرانے کو بھی مستلزم ہے پس اس کلمہ طیبہ کی تکرار سے وجوب وجود کے شریک کی نفی بھی کریں اور استحقاقِ عبادت کے شریک کی نفی بھی۔ بلکہ بہت ضروری ہے اور نافع اور سود مند اس راہ میں استحقاق عبادت کے شریک کی نفی ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی دعوت کے ساتھ خاص ہے۔

مخالف بھی جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ملّت کا التزام کرنے والے نہیں ہیں عقلی دلائل سے وجوب وجود کے شریک کی نفی کرتے ہیں اور واجب الوجود صرف ایک ہی کو کہتے ہیں لیکن وہ استحقاق عبادت کے معاملہ میں غافل ہیں اور استحقاق عبادت کے شریک کی نفی سے فارغ ہیں۔ وہ غیر کی عبادت سے پرہیز نہیں کرتے اور بت خانوں کی تعمیر میں سُستی نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام بُت خانوں کو گراتے ہیں اور عبادت غیر کے استحقاق کو ردّ کرتے ہیں۔

ان بزرگواروں کی زبان میں مشرک وہ آدمی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی عبادت میں گرفتار ہے۔ اگرچہ وہ وجوب وجود کے شریک کی نفی کا قائل ہو کیونکہ ان کا اہتمام تو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کی نفی ہے جو کہ عمل اور معاملہ سے تعلق رکھتی ہے اور وجوب وجود ہے۔ پس نفی شریک کو مستلزم ہے پس جب تک کوئی آدمی ان بزرگواروں علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی شریعت کے ساتھ جو ماسوا کی عبادت کے استحقاق کی نفی کرتی ہیں متحقق نہ ہو شرک سے آزاد نہیں ہوتا۔ اور آکہ آفاقی وانفسی کی عبادت کے شرک کے شعبوں سے نجات نہیں پا سکتا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتیں اس معنی کی متکفل ہیں بلکہ ان کی بعثت کا مقصود اسی دولت کا حصول ہے اور ان بزرگواروں کی شریعت کے علاوہ اس شرک سے نجات میسر نہیں ہے اور ان کی علیہم الصلوٰۃ والسلام ملت کے التزام کے بغیر توحید ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ — اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

آیت کریمہ کا مطلب تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اور احتمال ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا کہ اس کی شریعتوں کا التزام نہ کیا جائے۔ کیونکہ شریعت کا التزام نہ کرنا شرک کو لازم ہے پس

ملزوم کا ذکر کر کے لازم کا ارادہ کیا۔ پس اب وہ اعتراض رفع ہو جائے گا۔ جو خیال میں آتا ہے کہ جیسے شرک نہیں بخشا جاتا ویسے ہی تمام شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جاتا تو پھر تخصیص کی کیا وجہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ "اس کے ساتھ شرک کیا جائے" کا معنی یہ ہو کہ اس کی شریعت کا انکار کیا جائے۔ اس لئے کہ شریعت کا انکار اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے تو وہ بھی نہیں بخشا جائے گا۔ اور شرک اور کفر میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے پس شرک کفر میں سے ایک خاص قسم کا کفر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خاص کا ذکر کیا اور عام مراد لیا تو اب وہ اعتراض رفع ہو گیا جو وہم میں آتا تھا کہ جیسے شرک نہیں بخشا جاتا ویسے ہی ساری شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جاتا پھر تخصیص کی وجہ کیا ہے ؟۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کی عبادت کا عدم استحقاق بالکل بدیہی ہے اور کم از کم حدسی ہے کہ جو آدمی بھی عبادت کے معنی کو اچھی طرح سمجھ لے گا اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا پر اچھی طرح غور کرے گا تو وہ بے تامل غیر کے لئے عدم استحقاق عبادت کا حکم لگائے گا۔ وہ مقدمات جو اس معنی میں لائے جاتے ہیں بدیہیات پر تنبیہات کے قبیل سے ہیں۔ ان مقدمات پر نقض و مناقضہ و معارضہ کی گنجائش نہیں ہے۔ نورِ ایمانی چاہیئے تاکہ فراست کے ساتھ ان مقدمات کو سمجھ سکے۔ بہت سی بدیہی چیزیں ایسی ہیں جو بیوقوفوں اور کم عقلوں پر مخفی رہتی ہیں اور اسی طرح وہ ہیں جو مرض ظاہر اور بیماریٔ باطن میں گرفتار ہیں ان پر جلی اور خفی بدیہی باتیں بھی مخفی رہتی ہیں۔

سوال: مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارت میں واقع ہے کہ جو کچھ تیرا مقصود ہے تیرا معبود ہے۔ اس عبارت کا معنی کیا اور اس کا صحیح مطلب کیا ہے۔؟

جواب: کسی آدمی کا مقصود وہ ہے جس کی طرف اس کی توجہ ہے اور وہ شخص جب تک جان رکھتا ہے اس مقصود کے حاصل کرنے سے اپنے آپ کو معاف نہیں کرتا اور ہر قسم کی ذلت و انکساری جو اس کے حصول میں پیش آئے برداشت کرتا ہے اور سستی نہیں کرتا اور عبادت کا بھی یہی ماحصل ہے جو کمال ذلت و انکساری کی خبر دیتی ہے۔ پس کسی چیز کا مقصود ہونا اس شے کے معبود ہونے کو مستلزم ہے پس اللہ تعالیٰ کے سوا کی معبودیت کی نفی اس وقت متحقق ہو گی جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مقصود نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسری چیز اس کی مراد نہ ہو۔ اس دولت کے حاصل کرنے میں سالک کے حال کے مناسب کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا معنی لا مقصود الا اللہ ہے (اللہ کے سوا کے مقصود نہیں ہے)۔

اس کلمہ کی تکرار اتنی کرنا چاہیئے کہ غیر کی مقصودیت کا نام و نشاں باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز اس کی مراد نہ ہو تاکہ غیر کی معبودیت کی نفی میں سچا ہو اور زیادہ خداؤں کے ازالہ میں حق بجانب ہو۔

اور زیادہ خداؤں کی نفی اس طرح کرنا اور مقصودیت کی نفی سے غیر کی معبودیت کی نفی کرنا ایمان کے کمال کی شرط ہے جو ولایت سے وابستہ ہے اور خواہشات کے خداؤں کی نفی سے متعلق ہے۔ جب تک نفس مطمئنہ نہ ہو جائے اس معنی کی توقع نہیں ہے اور اطمینان نفس فنا و بقا کے کمال کے بعد متصوّر ہے۔

اور ظاہر شریعت غرّاء میں جو آسانی اور سہولت کی مخبر ہے اور بندوں کی تنگی رفع کرنے کی مشعر ہے کیونکہ وہ کمزور پیدا ہوئے ہیں۔ یہ ہے کہ اگر کسی مقصود کے حاصل کرنے میں معاذ اللہ شریعت کی رسّی سے اپنی گردن آزاد کرالے اور اس کے حاصل کرنے میں حدود شرعیہ سے تجاوز کرے تو وہ مقصود اس کا معبود ہے اور اس کا خدا ہے اور اگر وہ مقصود ایسا نہیں اور اس کے حاصل کرنے میں شرعی منکرات کا ارتکاب نہ کرے تو وہ مقصود شرعی طور پر ناجائز و ممنوع نہیں ہے گویا کہ وہ مقصود اس کے مقاصد میں سے اور وہ مطلوب اس کے مطالب میں سے نہیں ہے بلکہ اصل میں اس کا مقصود خداوند تعالیٰ ہے اور اس کا مطلوب اللہ تعالیٰ کی شریعت کے اوامر و نواہی ہیں۔ اور اس مقصود شے میں میلان طبعی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے۔ اور اس کا تعلق دل سے نہیں ہے اور وہ بھی شرعی احکام کے ماتحت ہے۔

اور شریعت کی حقیقت میں جو کہ کمال ایمان پر دلالت کرتی ہے غیر کی مقصودیت کے مادہ کو قطع کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی مقصودیت بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ نفسانی ہوا و ہوس کے غلبہ کی مدد سے غیر کی مقصودیت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مقصودیت سے مقابلہ کرتی ہے بلکہ اس کے حاصل کرنے کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے پر ترجیح دیتی ہے اور ہمیشہ کے نقصان تک پہنچا دیتی ہے۔ پس غیر کی مقصودیت کی نفی مطلق طور پر دین کی تکمیل میں ضروری ہے۔ تاکہ ایمان کے زائل ہونے اور پسپائی سے محفوظ و مامون رہے۔

ہاں بعض صاحب دولتوں کو نفی ارادہ و رفع اختیار کے بعد صاحب ارادہ و اختیار بنا دیتے ہیں اور جزئی ارادہ و اختیار کو اس سے چھین کر کلی اختیار و ارادہ کا مالک بنا دیتے ہیں۔ اس معنی کی تحقیق کسی اور مکتوب میں کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالْبَرَکَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

مکتوب نمبر ۴

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا
اس آیت کی تفسیر میں لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (اس کو پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ (یقیناً وہ بزرگ قرآن ہے۔ پوشیدہ کتاب میں۔ نہیں ہاتھ لگاتے مگر پاک لوگ)[1]

آیت کا مطلب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور وہ رمز جو اس مقام پر ذہن نارسا میں آتی ہے یہ ہے کہ قرآن کے پوشیدہ اسرار کا مساس وہی لوگ کر سکتے ہیں جو تعلقات بشریہ کی آلودگی سے پاک ہو چکے ہوں۔ اور جب اسرار قرآنی کا مساس پاک لوگوں کا حصہ ہے تو پھر دوسروں کو کیا مل سکتا ہے۔؟

اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ نہ پڑھیں قرآن مجید کو یعنی نہیں چاہیئے کہ پڑھیں قرآن مجید کو مگر وہ لوگ کہ اُن کے نفوس ہوا وہوس سے پاک ہو چکے ہوں اور شرک جلی وخفی اور آفاقی وانفسی خداؤں سے پاک ہو چکے ہوں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ سلوک کے مبتدی کے حال کے مناسب ذکر ہے اور ماسوائے مذکور کے ہر چیز کی نفی ہے۔ اس حد تک کہ ماسوا میں سے کوئی چیز بھی اسے معلوم نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز بھی اس کی مراد نہ ہو کہ اگر اس کو تکلف سے بھی اشیا یاد کرائیں تو یاد نہ آئیں اور اس کا مقصود نہ ہوں اور جب اسطرح کا ہو جائے گا تو شرک سے پاک ہو جائے گا۔ اور انفسی وآفاقی خداؤں سے آزاد ہو جائے گا۔

اس وقت میں بہتر ہے کہ ذکر کی بجائے قرآن مجید کی تلاوت کرے اور تلاوت کی دولت سے ترقی کرے۔ اس حالت کے حصول سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت کرنا ابرار کے اعمال میں داخل ہے اور اس حالت کے حصول کے بعد قرآن مجید کی تلاوت مقربین کے اعمال میں سے ہے جب کہ اس نسبت کے حصول سے پہلے ذکر کہنا مقربین کے اعمال میں شمار تھا۔ ابرار کے اعمال عبادات میں سے ہیں اور مقربین کے اعمال تفکرات میں سے ایک گھڑی تفکر کرنا ایک سال یا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے[2]۔ آپ نے سنا ہوگا اور تفکرات کا مطلب یہ

---

[1] سورہ واقعہ پارہ ۲۷۔ ۱۲
[2] حضرت ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے یہ حدیث شرح شمائل میں ذکر کی ہے۔

ہے کہ باطل سے نکل کر حق میں مستغرق ہو جائے جتنا فرق ابرار اور مقربین میں ہے اتنا ہی فرق ان کی عبادت اور تفکر میں ہے۔

جاننا چاہیئے کہ مبتدی کا وہ ذکر جو مقربین کے اعمال میں شمار ہوتا ہے وہ ہے جو اس نے شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو اور اس کا مقصود سلوک طریقت ہو ورنہ وہ ذکر بھی ابرار کے اعمال میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی درست بات کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

مکتوب نمبر ۵

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا
آپ کے اپنے بعض احوال واذواق کے بیان میں جو کہ بعض تکالیف
کے ذریعہ سے ظہور میں آئے۔ مدظلہ العالی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

مخفی نہ رہے کہ اس وقت تک کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے کہ وہ عنایت اس بلند ذات کے جلال وغضب کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی قید خانے کے پنجرے میں بند نہ ہوا۔ ایمان شہودی کی تنگ نائے سے پوری طرح آزاد نہ ہوا۔ اور خیال ومثال کے ظلال کے کوچوں سے اس وقت تک پوری طرح باہر نہ آیا۔ اور مطلق العنان ایمان بالغیب کی شاہراہ پر چلنے کا فخر حاصل نہ کر سکا اور حضور سے غیب اور عین سے علم اور شہود سے استدلال تک پوری طرح نہ پہنچا اور میں وجدان بالغ اور ذوقِ کامل سے دوسروں کے ہنر کو عیب اور عیب کو ہنر نہ سمجھ سکا۔ اور میں بے ننگ وناموس ہونے کا خوشگوار شربت اور خواری ورسوائی کے مزید مربہ جات کا مزہ نہ چکھ سکا اور خلقت کے طعن وملامت کے جمال کا مزہ نہ چکھ سکا اور اچھی مصیبت اور آدمیوں کی جفا سے میں محفوظ نہ ہو سکا اور زندہ بدست مردہ کی طرح نہ ہو سکا اور پوری طرح ارادہ واختیار ترک نہ کر سکا اور آفاق وانفس کے تعلق کے رشتہ کو پوری طرح نہ توڑ سکا اور تضرع والتجا وانابت واستغفار اور ذلت اور انکساری کی حقیقت نہ پا سکا اور خداوند تعالیٰ کی استغنا کے بلند مرتبہ ترازو کو جو کہ عظمت وکبریائی کے پردوں میں لپیٹا ہوا تھا مشاہدہ نہ کر سکا اور اپنے آپ کو پوری محتاجی اور فقیری کے باوجود ایک ذلیل وخوار اور بے اعتبار وبے ہنر اور بے اقتدار بندہ نہ سمجھ سکا۔

وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی لغفور الرحیم[۱] اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا یقیناً نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

اگر خداوند تعالیٰ کے محض فضل و کرم سے فیوض و واردات اور پے در پے عطیات اور اس کے نہ ختم ہونے والے انعامات اس محنت کدہ میں اس شکستہ بال کے شامل حال نہ ہوتے تو نزدیک تھا کہ معاملہ ناامیدی تک پہنچ جاتا اور امید کا رشتہ ٹوٹ جاتا اور تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے عین بلا میں عافیت بخشی اور نفس جفا میں میری عزت کی اور سختی کی حالت میں مجھ پر احسان فرمایا اور خوشی اور تکلیف میں شکر کی توفیق بخشی اور مجھے انبیاء کی تابعداری کرنے والوں اور اولیاء کے آثار کا پیچھا کرنے والوں اور علماء اور صلحا سے محبت رکھنے والوں سے بنایا۔

صَلَوَاتُ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَسْلِیْمَاتُہٗ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ اَوَّلاً وَّعَلٰی مُصَدِّقِیْھِمْ ثَانِیًا۔

مکتوب نمبر ۶

معارف آگاہ شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ محبوب کی تکلیف اس کے انعام سے اور اس کا جلال اس کے اس کے جمال سے زیادہ محبوب ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

گرامی نامہ جو شیخ فتح اللہ کے ہمراہ بھیجا تھا پہنچا۔ لوگوں کی جفا و ملامت کے متعلق لکھا تھا۔ وہ خود اس طائفہ کا جمال ہے اور ان کے زنگ کا صیقل ہے۔ باعث قبض و کدورت کیوں ہو۔ شروع حال میں جب فقیر اس قلعہ میں پہنچا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ خلق کی ملامت کے انوار بستیوں اور شہروں سے نورانی بادلوں کی صورت میں پے در پے پہنچ رہے ہیں اور معاملہ پستی سے بلندی پر چلا گیا ہے۔ آپ نے کئی سال تک جمالی تربیت سے منزلیں طے کیں۔ اب جلالی تربیت سے قطع مسافرت کرو اور مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہو اور جمال اور جلال کو برابر سمجھو۔ آپ نے لکھا ہے کہ "ظہور فتنہ کے وقت سے نہ ذوق رہا ہے نہ حال" چاہیئے تو یہ تھا کہ ذوق و حال دوگنا ہو جاتا کہ محبوب کی جفا اس کی

---

[۱] سورۂ یوسف پارہ ۱۳-۱۲۔

وفا سے زیادہ لذت بخش ہے کتنے تعجب کا مقام ہے کہ عوام کی طرح باتیں کرتے ہو اور محبت ذاتیہ سے دور چلے گئے ہو۔ اب پہلی حالت کے برخلاف جلال کو جمال سے زیادہ سمجھو اور درد کو انعام سے زیادہ جانو کیونکہ جمال و انعام میں محبوب کی مراد کے ساتھ اپنی مراد بھی شامل ہوتی ہے۔ اور درد و جلال میں خالص محبوب کی مراد ہوتی ہے اور اپنی مراد کے وہ خلاف ہوتا ہے۔ اس جگہ وقت اور حال پہلے حال اور وقت سے مختلف ہوتا ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آپ نے زیارۃ حرمین الشریفین کے متعلق لکھا ہے۔ اس میں کونسی رکاوٹ ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

مکتوب نمبر ۷

سیادت پناہ میر محب اللہ مانک پوری کی طرف صادر فرمایا

(خلقت کی ایذا کو برداشت کرنے کے بیان میں)

حمد و صلوٰۃ اور دعا گوئی کے بعد عرض ہے کہ میرے بھائی سید میر محب اللہ کا گرامی نامہ پہنچا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ خلقت کی تکلیف برداشت کرنے سے چارہ نہیں ہے اور نہ اقارب کی جفا پر صبر کرنے سے گزر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرتے ہوئے حکم فرمایا۔

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّھُمْ۔ آپ اولو العزم پیغمبروں کی طرح صبر کریں اور ان کے لئے جلدی نہ کریں۔

اس مقام کی سکونت میں اگر کوئی نمکینی ہے تو یہی ایذا و جفا ہے اور تم اس نمک سے بھاگ رہے ہو ہاں جو شکر کھا کر پلا بڑھا ہو وہ نمک کی تاب نہیں رکھتا۔ کیا کیا جائے۔ ؎

ہر چہ عاشق شد اگر چہ نازنین عالم است[۱]
نازکی کے راست آید بار می باید کشید

لکھا ہوا تھا کہ "اگر اجازت ہو تو الہ باش میں سکونت اختیار کر لوں"۔ کوئی مقام متعین کر لو تا کہ لوگوں کی بے حد جفا سے وہاں جا کر کچھ آرام کر سکو۔ اور یہ رخصت کا طریق ہے اور عزیمت کا طریقہ صبر اور ایذا برداشت کرنا ہے۔ اس موسم میں فقیر پر ضعف غالب آجاتا ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس لئے چند کلمات پر اقتصار کیا گیا ہے۔ والسلام۔

---

[۱] جو شخص بھی عاشق بنتا ہے چاہے نازنین جہاں ہو عشق کے بعد اسے نازک مزاجی راس نہیں آتی بلکہ اب اسے مشقت برداشت کرنا ہوگی۔

مکتوب نمبر ۸

حقائق آگاہ محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ اصل غیب ہے اور ظلیت شہود

اے محبت شعار! غیب شہود کے مقابل ہے جو ظلیت کا شائبہ رکھتا ہے اور غیب اس آمیزش سے پاک ہے پس غیب شہود سے زیادہ کامل ہے۔ لیکن جب کہ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام معراج کی رات میں رویت کی دولت سے مشرف ہوئے جو کہ ظلال کے پردوں سے دور بہت دور ہے اور ظلیت کے شائبہ اور آمیزش سے پاک ہے تو ان کے حق میں غیب رویت سے کیوں کامل تر ہوگا۔ کیونکہ غیب پر اکتفا تو صرف ظلیت کو رفع کرنے کے لئے تھا اور جب پوری طرح ظلیت رفع ہوگئی اور عین میں حضور میسر ہوا تو پھر غیب کی کیا ضرورت ہے؟۔ یہ وہ دولت ہے جو صرف سید الکونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص ہے اور آنحضرت کے کامل ترین تابعین کو بھی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس سے حصہ ملتا ہے۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ لیکن چونکہ یہ مقام رویت نہیں ہے لہذا شہود اور مشاہدہ بھی نہیں ہے۔ اس مقام کو غیب سے تعبیر کرنا بہترین عبارت ہے اور اس مقام کی تفصیل گفتگو سے راست نہیں آسکتی۔ ہر آدمی اپنی ہمت کے مطابق اس کو دریافت کرے گا اور یہ مقام اس سے بہت بلند تر ہے اور اس میں بہت ہی کم لوگوں کو حصہ ملتا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۹

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

اس آیت کریمہ کے بیان میں مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ (جو تمہیں رسول دے اسے لے لو)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

[1] مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ جو تمہیں رسول دے اسے قبول کرلو اور جس سے روکے

---

[1] پارہ قد سمع اللہ سورہ حشر۔

عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس سے باز آجاؤ اور اللہ سے ڈرو۔

اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کے تذکرہ کے بعد تقویٰ کا ذکر کیا ہے یہ "باز آجانے" کے معاملہ کے اہتمام کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ تقویٰ کی حقیقت ہے اور یہی دین کا سرمایہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "تمہارے[۱] دین کا سرمایہ پرہیز گاری ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مقام پر فرمایا ہے "پرہیز گاری کے برابر[۲] کسی چیز کو نہ سمجھو" اور پرہیز گاری یہی تقویٰ ہے اور اس اہتمام کی وجہ یہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانیں "کہ باز آجانا" وجود میں عام ہے اور اس کا نفع بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ اوامر کی تعمیل میں بھی پایا جاتا ہے کیونکہ کسی حکم کی تعمیل میں اس کی ضد سے "باز آجانا" ہے اور وہ ظاہر ہے۔

اور "باز آجانے" کے نفع کی کثرت جہت عموم کے بغیر بھی ہے کیونکہ وہ خالص نفس کی مخالفت ہے اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہے برخلاف تعمیل ارشاد کے کہ اس میں بعض دفعہ نفس کو لذت حاصل ہوتی ہے اور وہ ہر چیز جس میں نفس کی زیادتی مخالفت ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا نفع زیادہ ہوگا اور وہ نجات کے لئے قریب ترین راستہ ہے۔ کیونکہ تکالیف شرعیہ کا اصل مقصد تو نفس کو مغلوب کرنا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی دشمنی پر کھڑا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے "اپنے نفس سے دشمنی رکھ کہ یہ میری دشمنی پر کھڑا ہے" تو طرق مشائخ میں سے ہر وہ طریقہ جس میں احکام شرعیہ کی زیادہ رعایت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف قریب ترین راستہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں نفس کی مخالفت زیادہ ہے اور سن لو وہ ہے طریقہ نقشبندیہ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سردار اور قبلہ شیخ اجل شیخ بہاؤالدین مشہور بہ نقشبند فرمایا کرتے تھے "میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سب طریقوں میں سے قریب ترین طریقہ پایا ہے کیونکہ اس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہے۔"

باقی رہا معاملہ اس طریقہ میں شریعت کی زیادہ رعایت کا، تو یہ ایک ایسی بات ہے جو کسی انصاف پسند ذہن اور طریق مشائخ میں غور کرنے والے آدمی پر مخفی نہیں ہے اور اس کے باوجود میں نے اس کو بعض رسائل میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی حقیقت حال کو خوب جانیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی مجھے کافی ہیں اور وہ بہترین کارساز ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ وَكَرَّمَ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔

---

[۱] بیہقی شریف۔ بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا

[۲] ترمذی شریف بحوالہ مشکوۃ بروایت جابر رضی اللہ عنہ۔

مکتوب نمبر۱۰

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا
اس آیت کی تفسیر میں وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ
اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں قریب ہوں۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ[1] اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں۔

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کا قرب اگرچہ بے چون وبے چگون ہے لیکن اس مقام تک وہم کی رسائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اقربیت ہے جو کہ وہم کے احاطہ سے خارج اور خیال کے دائرہ سے باہر ہے یہی وجہ ہے کہ قرب دان تو بہت ہیں اور اقربیت دان بہت ہی تھوڑے۔ قرب کی انتہا حصول اتحاد تک ہے اگرچہ اتحاد بھی صرف توہم ہے اور اقربیت قرب کی جانب میں اتحاد سے بہت آگے ہے۔ اگرچہ عقل اپنے سے بھی نزدیک تر چیز کو بعید ہی تصور کرتی ہے اور یہ عقل کی تنگ نظری ہے کہ اس نے دور بینی کی عادت کر لی ہے اور اپنے سے نزدیک تر کو نہیں پایا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر۱۱

سیادت پناہ میر شمس الدین علی خلخالی کی طرف صادر فرمایا
اس بیان میں کہ انسان عالم امر اور عالم خلق کے اجزاء عشرہ سے مرکب ہے اور انسان کے دل کو عرش مجید پر ترجیح ہے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

[1] پارہ ۲۔ سورہ بقرہ ۱۲۔

آدمی ایک جامعہ نسخہ ہے جو کہ اجزائے عشرہ سے مرکب ہے۔ عناصر اربعہ اور نفس ناطقہ اور قلب اور روح اور سِر اور خفی اور اخفی اور ان کے علاوہ دوسرے قوی اور جوارح جو انسان میں ہیں۔ وہ انہی اجزا کی طرف راجع ہیں۔ اور یہ اجزا ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ عناصر اربعہ کا ایک دوسرے کے خلاف ہونا ظاہر ہے اور اسی طرح عالم خلق اور عالم امر کا باہم ضد ہونا بھی ظاہر ہے اور عالم امر کے اجزائے پنجگانہ میں سے ہر ایک کسی امر سے مخصوص ہے اور کسی کمال سے منسوب ہے اور نفس ناطقہ خود اپنی خواہشات کا طالب ہے کہ کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔

اور اللہ جل سلطانہ، کی عنایت نے اپنی کمال قدرت سے ہر ایک کی تیزی کو توڑ کر ان کو جمع کر دیا ہے اور ایک خاص مزاج اور ہیئت وحدانی عطا کی ہے۔ مزاجِ خاص اور ہیئت وحدانی کے حصول کے بعد اپنی حکمت بالغہ سے اس کو ایک صورت بخشی ہے تاکہ وہ ان متفرق اور متضاد اجزا کی حفاظت کرے اور اس مجموعہ کا نام اس نے انسان رکھا اور جامعیت اور حصول ہیئت وحدانی کے اعتبار سے اسے استعدادِ خلافت کی بزرگی سے مشرف فرمایا اور یہ دولت انسان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوئی ہے۔

عالم کبیر اگرچہ بزرگ ہے لیکن وہ جامعیت سے خالی ہے اور ہیئت وحدانی سے بے نصیب ہے اور یہ خوبی انسان کے تمام افراد میں برابر ثابت ہے اور عوام و خواص انسان اس معنی میں شرکت رکھتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ عالم کبیر میں سے بزرگ ترین جز عرش مجید ہے اور اس کی مخصوص تجلی دیگر اجزا کی تجلیات سے بہت بلند ہے کیونکہ وہ تجلی جامع ہے اور وہ ظہور اسماء و صفات وجوبی جل شانہٗ کا مستجمع ہے اور پھر وہ تجلی دائمی ہے۔ اس میں پوشیدگی کی گنجائش نہیں ہے اور انسان کامل کا دل جو کہ عرش سے مناسبت رکھتا ہے اور اسے عرش اللہ کہتے ہیں اس تجلی عرشی سے وافر حصہ اور کامل حظ رکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ وہ تجلی کلی ہے اور یہ تجلی اس کی نسبت سے جزئی ہے لیکن قلب کو ایک اور فضیلت حاصل ہے جو عرش کو نہیں ہے اور وہ تجلی کرنے والے (خدا تعالیٰ) کا شعور ہے اور پھر دل ایک ایسا مظہر ہے جو اپنے ظاہر میں گرفتاری رکھتا ہے برخلاف عرش کے کہ وہ اس گرفتاری سے خالی ہے تو لازماً دل کے لئے اس شعور و گرفتاریٔ مقصود کی وجہ سے ترقی ممکن ہے بلکہ واقع ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہے)

دل اس کے ساتھ ہے جس کی وہ گرفتاری رکھتا ہے اور اس کی محبت میں مفتون ہے اگر وہ اسماء و صفات کا محب ہے تو اسماء و صفات کے ساتھ ہے اور اگر محب ذات جل شانہٗ ہے تو اس کے ساتھ

مکتوب نمبر ۱۲

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

تضرع و نیاز مندی اور ذکر اور تلاوت قرآن مجید اور نماز میں لمبے قیام کے بیان میں۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

میرے بھائی سید کا گرامی نامہ موصول ہوا خوشی ہوئی۔ لکھا تھا کہ دعا و تضرع درازی اور ہمیشہ کی دعا خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں بہتر ہے یا ذکر کہنا بہتر ہے یا یہ چیزیں ذکر کے ساتھ ملا کر کہنا بہتر ہے؟ ذکر سے چارہ نہیں ہے پھر اس کے ساتھ جو چیز بھی جمع ہو جائے دولت ہے۔ وصول کا دارومدار ذکر پر رکھا ہے اور دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات و نتائج کی طرح ہیں۔ اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا کہ ان تین چیزوں میں سے کونسی بہتر ہے ذکر نفی و اثبات۔ تلاوت قرآن مجید اور لمبے قیام والی نماز؟ نفی و اثبات کا ذکر وضو کی طرح ہے جو کہ نماز کی شرط ہے۔ جب تک طہارت درست نہ ہو نماز میں شروع ہونا منع ہے۔ اسی طرح جب تک نفی انجام تک نہ پہنچے فرائض۔ واجبات اور سنن موکدہ کے علاوہ جو کچھ بھی نفلی عبادت کریں وہ داخل وبال ہے۔ پہلے اپنی بیماری کا علاج کرنا چاہیئے جو نفی و اثبات کے ذکر سے وابستہ ہے۔ اس کے بعد دوسری نیکیوں اور عبادتوں میں مشغول ہونا چاہیئے جو بدن کے لئے غذا صالح کی طرح ہیں۔ بیماری دور ہونے سے پہلے جو غذا بھی کھائیں گے وہ فاسد اور مفسد ہے۔

مصرعہ ہرچہ گیرد علتی علت شود[1]

اور اس معاملہ کا انجام کوئی ضروری نہیں ہے کہ اسے بیان کیا جائے کہ وہ حالت خود اپنی حالت بیان کرتی ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ جلد ثالث کس کے نام سے لکھی جائے؟ اس سے پہلے بھی یہ فقیر لکھ چکا ہے کہ وہ آپ کے نام سے لکھی جائے گی۔ آپ کے خط کے جواب میں اب پھر وہی بات ہے۔ آپ سے بہتر کون ہوگا؟ دل ہمیشہ آپ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ آپ کے آگرہ میں قیام کرنے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ اگرچہ وہ قریب ہے۔ لیکن چونکہ ملاقات سے خالی ہے لہذا بے اعتبار ہے۔ فقیر کے قریب اس جگہ نہ رہیں مجھے خداوند ارحم الراحمین کے سپرد کر کے اپنے وطن کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اور اس جگہ

---

[1] بیمار جو کچھ بھی لیتا ہے وہ بیماری ہو جاتا ہے۔

کے مشتاق لوگوں کو خوش کریں۔ اور اگر یہاں رہنے کی کوئی خاص وجہ آپ نے دل میں تصور کر رکھی ہو تو اور بات ہے۔ والدہ محمد ابین کو خداوند تعالیٰ توفیق دے اور عصمت و آبرو سے رہیں۔ وہ دور دراز کشف جو آپ نے لکھے تھے مطالعہ میں آئے۔ اگرچہ ان میں وحشت ناک اور پریشان کن چیزیں بہت ہیں لیکن پھر بھی اچھے ہیں کہ بالآخر ہر ایک کا انجام اچھا ہے۔ آپ انہیں کہیں کہ اس قسم کے واقعات سے متنبہ ہونا چاہیئے اور توبہ و استغفار سے تلافی کرنی چاہیئے۔ دنیوی فائدے اور فانی چیزیں محض لاشے ہیں۔ عاقل کو ان پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے۔ ہر وقت آخرت کے احوال پیش نظر رہنے چاہئیں اور ہمیشہ ذکر میں مشغول رہنا چاہیئے۔

یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ذکر میں لذت پیدا ہو اور کچھ چیزیں نظر میں آئیں۔ یہ خود لہو و لعب میں داخل ہے۔ ذکر میں جتنی بھی مشقت ہو بہتر ہوتی ہے اور نماز پنج وقت ادا کر کے باقی اوقات کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آباد کریں اور ذکر کی لذت میں بیکار نہ ہوں اور انہیں چاہیئے کہ آپ کی خدمت کو غنیمت سمجھیں اور آپ کی رضاجوئی کریں اور آپ بھی ان کی طرف بہت جھکیں اور ان کو نرمی سے اپنی جانب کھینچیں اور ان کو نیکی کی تلقین کریں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۲۳

سیادت پناہ میر محب اللہ مانک پوری کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اور اپنے
پیر طریقت کی متابعت میں مضبوط ہونا چاہیئے۔)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میرے بھائی سید میر محب اللہ کا خط آیا۔ نا امیدی کے مقدمات جو بے چینی اور اضطرار کی وجہ سے لکھے تھے اچھی طرح واضح ہوئے۔ ناامیدی کفر ہے۔ امیدوار رہو اگر ان دو امور میں پختہ ہو جاؤ تو پھر کوئی غم نہیں ہے ایک تو صاحب شریعت غرا علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی متابعت اور دوسری شیخ طریقت سے محبت و اعتقاد۔

آگاہ رہیں اور التجا و تضرع کریں کہ ان دو دولتوں میں فتور نہ آنے پائے پھر جو کچھ بھی ہو آسان ہے اور اس کی تلافی ممکن ہے اور میں اس سے پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ "اگر مانک پورہ کی سکونت سے دل برداشتہ

ہوں تو آلہ باش میں قیام پذیر ہو جائیں کہ اسی میں برکت ہے۔ آپ اس کا مطلب الٹ سمجھے مبارک کے لفظ سے بھی آپ کو سمجھ نہ آئی۔ اور اب پھر وہی لکھتا ہوں۔

آج رات ایسا نظر آیا کہ گویا آپ کا سامان ٹانک پورہ سے لاکر آلہ باش میں لے آئے ہیں۔ اس جگہ کوئی ویرانہ اختیار کریں اور اپنے اوقات ذکر الٰہی جل سلطانہ، کے ذکر سے معمور رکھیں اور کسی سے کوئی کام نہ رکھیں اور نفی و اثبات کے ذکر کا لزوم رکھیں اور اس کلمہ طیبہ کی تکرار کے ساتھ اپنی تمام مرادات کو سینہ سے دور کر دیں تاکہ مقصود و مطلوب و محبوب سوائے ایک کے اور کوئی نہ ہو۔ اگر دل ذکر کرنے سے عاجز آجائے تو زبان سے ذکر کرو اور ذکر آہستہ کرو کیونکہ جہر اس طریقہ میں ممنوع ہے باقی آپ طریقہ کے اوضاع و روش سے واقف ہیں۔ جہاں تک ہو سکے تقلید کی راہ نہ چھوڑو کہ شیخ طریقت کی تقلید بہت پھل رکھتی ہے اور اس کے طریقہ کے خلاف میں بہت خطرے ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ و علی آلہ واصحابہ الصلوات و التسلیمات اتمھا و اکملھا۔

مکتوب نمبر ۱۴۱

میر شمس الدین علی کی طرف صادر فرمایا

ان کے سوال کے جواب میں جو انہوں نے وجود واجب تعالیٰ کے متعلق پوچھا تھا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

گرامی نامہ موصول ہوا جو آپ نے ازراہ کرم و شفقت ارسال کیا تھا اس کے مطالعہ سے محظوظ اور لذت گیر ہوا۔ اللہ سبحانہ، وتعالیٰ آپ کو جزا دے۔ لکھا تھا کہ جب حضرت حق سبحانہ، وتعالیٰ کی ذات اپنی ماہیت سے موجود ہے نہ کہ وجود سے۔ خواہ وہ عین ماہیت ہو یا اس سے زائد۔ پس تقابل درمیان واجب الوجود کہ اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کی ذات بلا اعتبار وجوب و وجود ہے اور ممتنع الوجود کے درمیان کس طرح متحقق ہوگا۔ اور واجب الوجود کا اطلاق اس ذات پر جو وجوب و وجود سے معرا ہے کس وجہ سے ہو سکے گا۔ اور پھر استحقاق عبادت جو وجوب وجود سے وابستہ ہے کیونکر ہوگا اور جب واجب الوجود کا اطلاق عدیم الوجود والوجوب کی ذات پر کس طرح ہوگا

میرے مخدوم! ان سوالوں کے بالتفصیل جواب میں نے مکتوبات جلد ثانی کے ایک مکتوب میں لکھے ہیں جو ظاہر طور پر اس فقیر کے ایک لڑکے کے نام ہے۔ اگر ان کو مطالعہ کریں تو امید ہے کہ فائدہ پائیں گے۔ مختصر یہ کہ ہو سکتا ہے کہ ماہیت واجبی جل سلطانہٗ اپنی خودی کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود و اثبات وجود کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے لئے وجوب کا اطلاق عقل کے منتزعات کے قبیل سے ہے۔

بَلْ لِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔

اور جس طرح وجوب وجود منتزعات کے قبیل سے ہے اسی طرح امتناع عدم بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں منتزعات سے ہے۔ جہاں خالص اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہاں جس طرح وجوب وجود کی نسبت نہیں ہے اسی طرح امتناع عدم کی نسبت بھی نہیں ہے

اور جب وجوب وجود کی نسبت پیدا ہوئی تو امتناع عدم بھی جو کہ اس کے بالمقابل ہے ظاہر ہوا۔ اور استحقاق عبادت کی نسبت جو نسبت وجوب وجود پر متفرع ہے وہ بھی ظہور میں آگئی۔ اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ اگرچہ وہ نسبتیں اور اعتبارات ہی کیوں نہ ہوں۔ پھر جب نسبتیں ظاہر ہو گئیں تو تقابل بھی ظاہر ہوا۔ والسلام اوّلاً و آخراً۔

مکتوب نمبر ۱۵

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ محبوب کی تکلیف کی لذت محب کی نگاہ میں اس کے انعام سے بہت زیادہ اچھی ہے۔)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

میرے بھائی سید میر محمد نعمان کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خیر اندیش دوست جتنی بھی اسباب کے ذریعہ میری خلاصی کی کوشش کرتے ہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بھلائی اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔ بہ تقاضائے بشریت کچھ اس سے غم پیدا ہوا تھا اور سینہ میں تنگی ظاہر ہوئی تھی۔ کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ تمام غم اور سینہ کی تنگی خوشی اور شرح صدر سے بدل گئی اور خاص یقین سے یہ معلوم ہوا کہ

اگر اس جماعت کی مراد جو تکلیف دینے کے درپے ہے خداوند تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے تو رنج

اور سینہ کی تنگی بے معنی ہے اور دعوائے محبت کے منافی ہے۔ کیونکہ محبوب کی تکلیف بھی اس کے انعام کی طرح محب کو محبوب و مرغوب ہے۔ محب جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے۔ اس کی تکلیف سے بھی لذت حاصل کرتا ہے بلکہ اس کی تکلیف سے زیادہ لذت پاتا ہے۔ کہ نفس کی لذت کی آمیزش اور اس کی مراد سے پاک و مبرّا ہے۔

اور جب حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے جو کہ جمیل مطلق ہے اس آدمی کی تکلیف چاہی ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی اس آدمی کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جمیل ہے بلکہ لذت کا سبب ہے اور اگر اس جماعت کی مراد اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد اس مراد کے ظہور کا دریچہ ہے تو لازمی طور پر ان کی مراد بھی نظر میں مستحسن اور موجب لذت ہے۔ اس آدمی کا فعل جو محبوب کے فعل کا مظہر ہو تو اس شخص کا فعل بھی محبوب کے فعل کی طرح محبوب ہے اور وہ فعل کرنے والا شخص اس نظریہ کے تعلق سے بھی محب کی نظر میں محبوب ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ جتنی اس شخص سے جفا زیادہ متصور ہوتی ہے اتنا ہی وہ محب کی نظر میں زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ محبوب کے غضب کی نمائندگی اچھی طرح کرتا ہے۔ اس راہ کے دیوانوں کا کام الٹا ہے پس آدمی کی برائی چاہنا اور اس کے ساتھ برا سلوک کرنا محبوب کی محبت کے منافی ہے کیونکہ وہ شخص فعل محبوب کے آئینہ کی حیثیت سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے جو لوگ درپے آزار ہیں بہ نسبت دوسری مخلوق کے نظر میں اچھے لگتے ہیں۔

دوستوں سے کہیں سینہ کی تنگی دور کر دیں اور جو جماعت درپے آزار ہے ان سے دشمنی نہ رکھیں بلکہ چاہیئے کہ ان کے فعل سے لذّت حاصل کریں۔

ہاں چونکہ ہم دعا کرنے کے مامور ہیں اور خداوند تعالیٰ کو دعا و التجا و تضرع و زاری پسند آتی ہے لہٰذا مصیبت دور ہونے کی دعا کریں اور عفو و عافیّت کا سوال کریں اور "وہ جو صورتِ غضب کا آئینہ کہا ہے" اس لئے کہ غضب کی حقیقت دشمنوں کا حصہ ہے اور دوستوں کے ساتھ غضب کی صورت ہے اور حقیقت میں عین رحمت ہے۔ اور اس غضب کی صورت میں محب کے لئے اتنے فائدے رکھے ہیں کہ ان کو کیا بیان کروں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ صورت غضب میں جو دوستوں کو عطا فرماتے ہیں، منکرین کی جماعت کی خرابی بھی ہے اور ان کے امتحان کا باعث ہے۔

اور شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی عبارت کے معنی آپ نے پوچھے تھے کہ انہوں نے کہا ہے کہ "عارف کے لئے دعا نہیں ہے"۔ یعنی وہ دعا جو مصیبت کو دور کرے وہ عارف سے مطلوب ہے کیونکہ عارف جب مصیبت کو محبوب کی طرف سے سمجھتا ہے اور محبوب کی مراد تصور کرتا ہے تو اس کے

دفعیہ کے لئے کس طرح دعا کرے گا اور کس طرح چاہے گا کہ یہ بلا دور ہو اگرچہ وہ ظاہر طور پر دفع بلا کی دعا زبان پر لائے گا اور وہ بھی تعمیل ارشاد کے طور پر۔ لیکن وہ حقیقت میں کچھ نہیں چاہتا۔ اور جو کچھ اسے پہنچ رہا ہے اس سے وہ لذت حاصل کرتا ہے والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

مکتوب نمبر ۱۶

مولانا احمد دیبنی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ سالک کو اپنے احوال کی اطلاع نہ دینے اور ان کو مریدوں کے احوال کے آئینہ میں دکھانے میں کیا راز ہے)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

آپ کا گرامی نامہ پہنچا آپ نے لکھا تھا کہ میں اپنے اندر اس طائفہ علیہ کے علوم ومعارف اور احوال ومواجید کچھ بھی نہیں پاتا لیکن اس کے باوجود اس راہ کے طالب دو آدمی جن کو میں نے طریقہ تلقین کیا تھا وہ بڑے متاثر ہوئے ہیں۔ اور ان میں عجیب احوال پیدا ہوئے ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟

جاننا چاہیئے کہ وہ احوال جو ان دو شخصوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ تمہارے احوال کا عکس ہیں جو ان کی استعداد کے آئینہ میں ظاہر ہوئے ہیں اور وہ دو شخص چونکہ صاحبِ علم تھے اپنے احوال کو انہوں نے معلوم کیا اور آپ کو بھی اس پوشیدہ حال کے حصول کے علم پر دلالت کی آئینہ کی طرح جو کہ کسی آدمی کے پوشیدہ کمالات کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور اس کے پوشیدہ ہنروں کو ظاہر کرتا ہے مقصود حصول احوال ہے اور ان احوال کا علم ہونا ایک دوسری دولت ہے۔ کچھ لوگوں کو اس کا علم دیتے ہیں اور کچھ لوگوں کو نہیں دیتے اور اس کے باوجود دونوں اربابِ ولایت سے ہیں اور قرب میں برابر ہیں پھر "ہم میں سے کچھ علم والے ہیں اور کچھ بے علم ہیں" یہ قاعدہ اس طائفہ کا مقرر ہے۔

اپنے احوال کا علم نہ ہونے سے پریشان نہ ہوں کوشش کریں کہ احوال حاصل ہوں بلکہ احوال سے گذر کر احوال سے پھیرنے والے سے واصل ہوں۔ احوال کا علم اگر مریدوں کے واسطہ کے بغیر حاصل نہ ہو تو قناعت کریں کہ ان کے آئینہ میں آپ دیکھ لیں گے اور مظاہر کی راہ سے حصہ حاصل کر لیں گے احوال چاہئیں۔ ان احوال کا علم اگر بے واسطہ میسر نہ ہو تو امید ہے کہ توسط سے حاصل ہو جائے گا۔

اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "دوام آگاہی" کا کیا مطلب ہے بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دل کو بعض مشاغل میں اس آگاہی سے ذہول محسوس ہوتا ہے۔ آپ آگاہی کی تعیین کریں۔

جاننا چاہیئے کہ آگاہی خداوند تعالیٰ جل شانہ، کی جناب قدس سے باطن کے حضور کا نام ہے جیسا کہ علم حضوری میں ہوتا ہے کہ اس کو دوام لازم ہے۔ کیا کبھی تم نے کسی آدمی کے متعلق سنا کہ وہ اپنے آپ سے کسی وقت غافل ہو جائے اور اپنی نسبت نسیان پیدا کرے۔ غفلت اور ذہول علم حصولی میں متصور ہیں کیونکہ ان میں مغایرت ہے اور علم حضوری میں سب حضور ہی حضور ہے اگرچہ بیوقوف آدمی اس حضور سے دور اور نفور ہے۔ اور حصول میں پر غُرور ہے۔ پس "آگاہی" کے لئے دوام لازم آیا اور جس میں دوام نہ ہو وہ مطلوب کو دیکھنا ہے جو آگاہی کے مشابہ ہے اور اس میں دوام مشکل ہے کہ علم حصولی سے مشابہت رکھتا ہے۔ جس کو دوام سے بہت تھوڑا حصہ ملا ہے۔

وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی

اللہ تعالیٰ جل شانہ، کی نسبت علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق بر سبیل تشبیہ و نظیر ہے کیونکہ جو اپنے آپ سے بھی زیادہ قریب ہو وہ علم حصولی اور علم حضوری کے احاطہ سے باہر ہوتا ہے۔ ارباب معقول اگرچہ اس کا تصور نہیں کر سکتے اور اپنے آپ سے بھی نزدیک تر کو معلوم نہیں کر سکتے۔ لیکن علم لدنّی والوں کے نزدیک یہ بات واضح ہے اور خداوند تعالیٰ جل شانہ، کی عنایت سے آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے لئے ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیادت پناہ میرے بھائی میر محمد نعمان کے آپ پر چونکہ بہت سے حقوق ہیں اور وہ تمہارے بے اجازت چلے آنے سے تکلیف میں ہیں۔ چاہیئے کہ بے توقف اپنے آپ کو ان کی خدمت میں پہنچاؤ اور اس تکلیف کی تلافی کرو اگر آپ ان کی اجازت سے آئے تو کوئی مضائقہ نہیں تھا اب چاہیئے کہ ان کی مرضی کے مطابق عمل کریں اور رخصت لے کر آئیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔

مکتوب نمبر ۱۷

اپنی ایک نیک بخت ارادت مند خاتون کی طرف صادر فرمایا

(عقائد دینیہ کی تصحیح اور عبادات شرعیہ کی ترغیب کے بیان میں)

تمام تعریفیں اس تعالیٰ کے لیئے ہیں جس نے ہم پر انعام کیا اور ہمیں اسلام کی راہنمائی کی اور ہمیں سیدالانام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بنایا۔

جاننا چاہیئے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالےٰ علی الاطلاق انعام کرنے والا ہے۔ اگر وجود ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی عنایت سے دیا ہوا ہے اور بقا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہے اور اگر صفاتِ کاملہ ہیں تو اسی کی رحمتِ شاملہ سے ہیں۔ زندگی و دانائی و توانائی و بینائی و شنوائی اور گویائی سب اللہ ہی کی بارگاہ سے ملی ہیں اور طرح طرح کی نعمتیں اور قسم قسم کے کرم جو کہ حد اور گنتی سے باہر ہیں یہ بھی اسی کی جانب قدس سے فائض ہوئی ہیں۔ سختی اور تنگی کا ازالہ وہی فرماتا ہے اور دعاؤں کی قبولیت اور دفع بلا وہی کرتا ہے۔ وہ رزاق ہے کہ اپنی کمال مہربانی سے بندوں کے رزق کو گناہوں کے سبب سے روک نہیں رکھتا۔ وہ پردہ پوش ہے جو عفو اور تجاوز کی کثرت کے باعث گناہوں کے ارتکاب سے ان کی پردہ دری نہیں کرتا۔ وہ بردبار ہے کہ ان کی سزا و مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا وہ کریم ہے کہ اپنے عام کرم کو دوست دشمن سے روک نہیں رکھتا اور ان نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت اسلام کی دعوت ہے۔ اور دارالسلام کی راہنمائی اور سیدالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کہ ہمیشہ کی زندگی اور دائمی نعمتیں اسی سے وابستہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی ملاقات اسی سے متعلق ہیں۔

مختصر یہ کہ اس کے انعام واکرام واحسان اظہر من الشمس ہیں اور چاند سے زیادہ روشن ہیں۔ دوسروں کا انعام اس کی قدرت دینے اور طاقت دینے سے ہے اور ان کا احسان استعارہ من المستعیر اور سوال من الفقیر کے قبیل سے ہے۔ بیوقوف بھی عقلمندوں کی طرح اس معنیٰ کا اقرار کرتے ہیں اور غبی بھی ذہین کی طرح اس امر کے معترف ہیں ؎

گر بر تن من زبان شود ہر موئے
یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

اور شک نہیں ہے کہ بداہت عقل منعم کے شکر کے وجوب کا حکم رکھتی ہے اور اس کی تعظیم و توقیر کو لازم جانتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا شکر جو کہ منعم حقیقی ہے۔ بداہتِ عقل سے واجب ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و توقیر لازم ٹھہری۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کمال درجہ کا پاک اور منزّہ ہے اور بندے انتہائی درجہ کی گندگی اور آلودگی میں ہیں اپنی کمال بے مناسبتی سے وہ کیا معلوم کر سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم کس چیز میں ہے۔

بہت دفعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی جنابِ اقدس کے شان میں بعض امور کو لوگ اچھا سمجھیں اور فی الحقیقت اس کے نزدیک وہ بُرے ہوں اور وہ تعظیم خیال کریں اور وہ توہین ہو وہ تکریم تصور کریں اور وہ تحقیر ہو پس جبتک کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم اسی کی جناب قدس سے مستفاد نہ ہو شکر کے لائق نہ ہوگی۔ اور نہ اس کی عبادت کے قابل ہوگی۔ کیونکہ وہ حمد جو ان کی طرف سے ہوگی ہو سکتا ہے کہ ہجو ہو اور مدح عیب ہو جائے اور وہ تعظیم و تکریم و توقیر جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مستفاد ہوگی ہماری نسبت سے وہی شریعت حقہ ہے۔

علی مصدرھا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔

اگر دلی تعظیم ہے تو وہ بھی شریعت حقہ میں بیان کر دی گئی ہے اور اگر زبانی ثنا ہے تو وہ بھی اس جگہ مدلل ہے۔ اعضا کے اعمال و افعال کو بھی صاحب شریعت نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا شکر اس کی شریعت کی پابندی میں منحصر ہے۔ دل اور جسم سے بھی اور اعتقاد اور عمل سے بھی۔

اور ہر قسم کی تعظیم اور اس کی عبادت جو شریعت کے علاوہ ادا کی جائے وہ اعتماد کے لائق نہیں ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اضداد کو حاصل کرنے والی ہو اور جسے نیکی خیال کیا جاتا ہے وہ فی الحقیقت برائی ہو پس بیان مذکور کو ملاحظہ کرنے کے بعد شریعت پر عمل کرنا عقل کی رو سے واجب ٹھہرا اور منعم تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی شریعت کی ادائیگی کے بغیر محال ٹھہری اور شریعت کے دو حصے ہیں اعتقاد اور عمل۔ اعتقادی حصہ دین کے اصول ہیں اور عملی حصہ دین کے فروع ہیں۔ بدعقیدہ آدمی اہلِ نجات سے نہیں ہے اور عذاب آخرت سے خلاصی اس کے حق میں متصور نہیں ہے اور بدعمل آدمی کی نجات کا احتمال ہے کہ اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ اگر وہ چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو گناہ کے اندازہ کے مطابق اسے سزا دے۔ آگ میں ہمیشہ رہنا صرف بدعقیدہ کیلئے مخصوص ہے اور ضروریات دین کے منکر پر متصور ہے۔

عمل نہ کرنے والا اگرچہ سزا پائے گا لیکن اس کے لئے ہمیشہ آگ میں رہنا مفقود ہے اور چونکہ عقائد اصول دین سے ہیں اور اسلام کے ضروریات سے تو مجبوراً ان کو بیان کیا جاتا ہے اور عملیات میں باوجود ان کے فرع ہونے کے چونکہ تفصیل ہے تو ان کو فقہ کی کتابوں کے حوالے کرتے ہوئے کچھ تھوڑا سا حصہ بعض ضروری عملیات میں سے بیان کیا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

اِعتقادیات

اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کے ساتھ موجود ہے اور اور اللہ تعالیٰ کی ہستی اپنے آپ سے قائم ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح ہیں ہمیشہ سے ایسے ہی تھے اور ہمیشہ رہیں گے پہلے عدم اور پچھلے عدم کو اللہ تعالیٰ کی جناب قدس میں کوئی راہ نہیں ہے کیونکہ وجوب وجود اس بارگاہ مقدس کا کمینہ خادم ہے اور سلب عدم اس محترم بارگاہ کا کمینہ خاکروب ہے اور اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ وجوب وجود میں اور نہ الوہیت میں اور نہ استحقاق عبادت میں کیونکہ شریک کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافی نہ ہو اور مستقل نہ ہو اور یہ نقص کی علامت ہے جو وجوب اور الوہیّت کے منافی ہے اور جب وہ کافی ہوگا اور مستقل ہوگا تو شریک بیکار ہوگا۔ اور بے فائدہ ٹھہرے گا۔ اور یہ بھی نقص کی علامت ہے جو الوہیّت اور وجوب کے منافی ہے۔

پس شریک کا اثبات دو شریکوں میں سے ایک کے نقص کو مستلزم ہے۔ جو منافی شرکت ہے پس اثباتِ شرکت مستلزم نفی شرکت ہوا اور وہ محال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا شریک محال ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں جیسے حیوٰۃ۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ کلام اور تکوین اور اِن آٹھ صفات کو صفات حقیقیہ کہتے ہیں کیونکہ وہ قدیم ہیں اور خارج میں اللہ تعالیٰ کے وجود پر زائد وجود سے موجود ہیں جیسا کہ اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے علماء نے اس کو مقرر فرمایا ہے اور اہلسنّت کے سوا مخالف فرقوں میں سے کوئی بھی صفات زائدہ کے وجود کا قائل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس فرقہ میں سے متاخرین صوفیا بھی صفات کو عین ذات کہتے ہیں اور مخالفوں کے ساتھ موافق ہو گئے ہیں۔ اگرچہ وہ نفی صفات سے پرہیز کرتے ہیں لیکن ان کے اصول اور ان کی عبارتوں کے متبادر معنی سے صفات کی نفی کی لازم آتی ہے۔ مخالفوں نے کمال نفی صفات کاملہ میں سمجھ رکھا ہے اور اپنی عقل سے قرآنی نصوص سے الگ ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے رستے کی رہنمائی کرے۔

اور دوسری صفتیں یا تو اعتباریہ ہیں یا سلبیہ جیسے قدم و ازلیّت اور وجوب و الوہیّت اور جیسا کہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے۔ عرض اور جوہر نہیں۔ زمانی اور مکانی نہیں۔ حال اور محل نہیں۔ محدود اور متناہی نہیں وہ جہت سے بے جہت ہے اور نسبت سے بے نسبت کفو اور مثل اس کی جناب قدس سے مسلوب ہے اور ضدیت اور ندیت اس جل سلطانہٗ کی بارگاہ

میں مفقود ہے وہ ماں۔ باپ۔ بیوی اور بچوں سے پاک و مبرّا ہے۔ کہ یہ سب علامات حدوث ہیں اور نقص کو مستلزم اور تمام کمالات اس کی جناب قدس کے لئے ثابت ہیں اور تمام نقائص اس بارگاہ سے مسلوب ہیں۔

مختصر یہ کہ صفات امکان وحدوث جو سراسر نقص و شرارت ہے ان تمام کو اس کی جناب قدس سے دور رکھنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ جزئیات و کلیات کا عالم ہے۔ اور اسرار و خفیات کا جاننے والا ہے آسمانوں اور زمینوں میں ایک حقیر ذرّے کی طرح بھی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ کیوں نہیں جب کہ وہ تمام اشیاء کا خالق ہے تو ان تمام کو جاننے والا کیوں نہ ہوگا۔ کیونکہ خالق کو مخلوق کے علم سے چارہ نہیں ہے۔

کتنے بے دولت لوگ ہیں کہ خداوند تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے۔ اور اس کو اپنی ناقص عقل سے کمال سمجھتے ہیں جیسا کہ اپنی کمال بیوقوفی سے واجب الوجود سے ایک چیز سے زیادہ صادر نہیں سمجھتے اور وہ بھی لیجاب و اضطرار سے نہ کہ اپنے اختیار سے اور اس کو بھی کمال جانتے ہیں۔ عجب جاہل ہیں کہ جہل کو کمال تصور کرتے ہیں اور اضطرار کو اختیار سے بہتر جانتے ہیں اور اپنی جہالت کی وجہ سے دوسری چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ انہوں نے عقل فعّال اپنی طرف سے تراش لی ہے اور محدثات کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنیوالے کو معطّل اور بیکار جانتے ہیں۔

اس فقیر کے نزدیک کوئی بھی جماعت اس جماعت سے زیادہ بیوقوف دنیا بھر میں وجود میں نہیں آئی۔ سبحان اللہ مسلمانوں میں بھی ایک ایسی جماعت ہے جو ان پلیدوں کو ارباب معقول تصور کرتے ہیں۔ اور ان کو حکمت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شائد ان کے جھوٹے احکام کو نفس الامر کے مطابق سمجھتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

اور اللہ ازل سے لے کر ابد تک ایک کلام سے متکلم ہے اگر امر ہے تو اسی ایک کلام سے ہے۔ اور اگر نہی ہے تو بھی اسی سے ہے۔ اور اسی طرح خبر دینا اور خبر حاصل کرنا بھی اسی ایک کلام سے پیدا ہوا ہے اور اگر توریت و انجیل ہے تو اسی سخن پر دلیل ہے اور اگر زبور و قرآن مجید ہے تو اسی کلام کا نشان ہے اور اسی طرح تمام صحیفے اور کتابیں جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر نازل ہوئی ہیں اسی سخن کی تفصیل ہے۔ ہر گاہ ازل و ابد اس وسعت اور لمبائی کے باوجود اس جگہ آنِ واحد

ہے بلکہ اس کی بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اُن کا اطلاق بھی اس جگہ تنگی عبارت کی وجہ سے واقع ہے۔ پس وہ کلام جو اس آن میں صادر ہوگا۔ ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ ہوگا۔ اور نقطہ کا اطلاق بھی اس جگہ آن کے اطلاق کی طرح ہے جو کہ عبارت کی تنگی کی بنا پر واقع ہے ورنہ نقطہ بھی گنجائش نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں وسعت عالم بے چونی و بے چگونی سے ہے وہ اس وسعت اور تنگی سے جو امکان کی صفات ہیں پاک ہے۔

اور مومن اللہ تعالیٰ کو بہشت میں بے چون و بے چگون دیکھیں گے۔ کیونکہ جو رویت بیچون سے متعلق ہوگی وہ خود بھی بے چون ہوگی بلکہ دیکھنے والا بھی بے چونی سے وافر حصہ پائے گا تاکہ بے چون کو دیکھ سکے۔ "بادشاہ کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں"۔ آج اس معمہ کو اپنے اولیاء میں سے اخص خاص پر حل کر دیا ہے اور منکشف ہو چکا ہے۔ یہ دقیق مسئلہ ان بزرگواروں کے نزدیک تحقیقی ہے اور دوسروں کے لیے تقلیدی اور اہل سنت کے علاوہ کوئی بھی دوسرے فرقوں میں سے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر اس مسئلہ کا قائل نہیں ہے اور خداوند تعالیٰ کی رویت کو ان بزرگواروں کے علاوہ سب محال سمجھتے ہیں۔ اور مخالفوں کی دلیل غائب کا حاضر پر قیاس ہے جس کا فساد ظاہر ہے۔

ایسے باریک مسائل میں ایمان کا حصول سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے نور کے سوا محال ہے۔ ؎

لائق دولت نبود ہر سرے
بار مسیحا نہ کشد ہر خرے

تعجب ہے کہ وہ لوگ جو رویت کی دولت پر ایمان نہیں رکھتے اس سعادت کے حصول سے کیسے بہرہ ور ہوں گے کیونکہ منکروں کی قسمت میں تو محرومی ہے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ بہشت میں ہوں اور نہ دیکھیں اور یہ تو کہیں بھی نہیں آیا ہے کہ بعض اہل بہشت اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور بعض نہ دیکھیں گے۔ ان کے لیے وہی جواب مناسب ہے جو حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون کے سوال میں فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے (فرعون) نے کہا۔ "پہلے زمانوں کا کیا حال ہے"۔ تو (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا۔ ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا رب نہ تو بھولتا ہے نہ بہکتا ہے۔ وہ اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور تمہارے لئے اس میں رستے چلائے اور آسمانوں سے پانی اتارا۔

ؔ ہر سر دولت کے لائق نہیں ہوتا اور ہر گدھا مسیحا کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

جاننا چاہیئے کہ بہشت اور بہشت کے علاوہ باقی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نسبت سب برابر ہیں کہ سب اس کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیئے ان میں سے کسی میں بھی حلول اور تمکن نہیں ہے لیکن بعض مخلوقات میں خداوند تعالیٰ کے انوار کے ظہور کی قابلیت ہے اور بعض میں نہیں ہے۔ آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور پتھر اور اینٹ نہیں رکھتے پس فرق جو ہے صرف اِس طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب کی نسبت برابر ہے ؂

اینؔ قاعدہ یاد دار کانجا کہ خدا است
نے جز و نہ کل نہ ظرف نے مظروف است

دنیا میں رویت واقع نہیں ہے۔ یہ دنیا اس دولت کے ظہور کی قابلیت نہیں رکھتی اور جو دنیا میں رویت کا قائل نہیں ہے اور مفتری ہے۔ اس نے خدا تعالیٰ کے سوا کو خدا سمجھ لیا ہے۔ یہ دولت اگر اس دنیا میں میسر ہو سکتی ہے تو حضرت کلیم اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسروں کی نسبت اس کے بہت زیادہ حق دار تھے اور ہمارے پیغمبر علیہ وآلہٖ الصلوٰۃ والسلام اگر اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں تو اس کا وقوع دنیا میں نہیں ہوا ہے بلکہ آپ بہشت میں گئے اور وہاں دیکھا کہ وہ عالم آخرت سے ہے دنیا میں نہیں دیکھا بلکہ دنیا سے باہر آئے اور آخرت سے ملحق ہوئے۔ اور دیکھا اورؔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔ پہاڑوں اور سمندروں کا خالق ہے۔ درختوں اور پھلوں کا خالق ہے۔ کانوں اور نباتات کا خالق ہے۔ جس طرح اس نے آسمانوں کو ستاروں سے زینت دی ہے۔ زمین کو انسان پیدا کر کے مزین کیا ہے۔ اگر بسیط ہے تو اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور اگر مرکب ہے تو اسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا ہے مختصر یہ کہ تمام اشیاء کو وہی عدم سے وجود میں لایا ہے اور حادث بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز بھی قدیم نہیں ہے اور نہ ہی قدیم ہو سکتی ہے تمام اہل مذہب اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے حدوث پر اجماع رکھتے ہیں۔ اور بالاتفاق اس کے سوا کسی کو قدیم نہیں مانتے اور جو ان کے قدیم ہونے کا قائل ہے اسے گمراہ اور کافر کہتے ہیں۔

امام حجۃ الاسلام غزالی نے اپنے رسالہ "منقذ عن الضلال" میں اس معنی کی تصریح کی ہے اور ان لوگوں کو کافر کہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھی قدیم جانتے ہیں اور وہ لوگ جو آسمانوں اور ستاروں اور ان جیسی چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں قرآن مجید ان کی تردید کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لہٰ یہ قاعدہ یاد رکھ وہاں نہ جزو ہے نہ کل نہ ظرف نہ مظروف ۱۲۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ — اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی مخلوقات کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش کا ارادہ کیا۔

اور اس جیسی قرآن مجید کی آیات کافی ہیں۔ کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو اپنی ناقص عقل سے قرآنی نصوص کے خلاف کرے۔ اور "جسے اللہ نور عطا نہ فرمائے اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے"۔

اور جس طرح بندے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ بندوں کے افعال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ کیونکہ "پیدا کرنا" اس کے سوا کو لائق نہیں ہے اور ممکن سے ممکن کی ایجاد نہیں ہوسکتی کیوں کہ قصور قدرت سے داغدار ہے اور نقص علم سے موصوف ہے جو کہ ایجاد اور خلق کے لائق نہیں ہے اور وہ جو بندہ اپنے اختیاری افعال میں دخل رکھتا ہے وہ اس کا کسب ہے جو بندہ کی قدرت وارادہ سے واقع ہے۔ فعل کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کسب فعل بندہ کی طرف سے ہے۔ پس بندہ کا اختیاری فعل بندہ کے کسب اور اللہ تعالیٰ کی خلق کے مجموعہ سے واقع ہوتا ہے اور اگر بندہ کے کسب اور اختیار کو فعل میں بالکل دخل نہ ہو تو رعشہ کا حکم پیدا ہوگا۔ اور یہ خلاف محسوس ومشاہدہ ہے۔ ہم بداہت سے جانتے ہیں کہ رعشہ والے کا فعل اور ہے اور اختیار والے کا فعل اور ہوتا ہے اور اسی قدر فرق فعل میں بندے کے کسب کے دخل کے لئے کافی ہے اور خداوند تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنی خلق کو بندہ کے فعل میں بندہ کے قصد کے تابع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندہ کے قصد کے بعد بندہ میں فعل ایجاد کرتے ہیں تو پھر بندہ ممدوح یا ملوم ٹھہرتا ہے۔ اور اسی پر اسے عذاب یا ثواب ملتا ہے۔

اور قصد واختیار جو اللہ تعالیٰ نے بندہ کو دے رکھا ہے وہ فعل اور ترک فعل کی دونوں طرفیں رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانی فعل اور ترک فعل کا حسن وقبح بہ تفصیل بیان کر دیا ہے اور اس کے باوجود یہ بندہ جو ایک جہت کو اختیار کرتا ہے۔ اسے چارہ کار نہیں کہ یا تو اسے ملامت کی جائے یا وہ ممدوح ٹھہرے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو وہ قدرت واختیار دیا ہے کہ شرعی اوامر ونواہی کے عہدہ سے باہر آسکے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ پوری قدرت اور پورا اختیار دیں جتنا چاہیئے تھا اتنا دے دیا۔ اور اس کا منکر بداہت کا معارضہ کرتا ہے اور بیمار دل والا ہے کہ شریعت کی تعمیل میں عاجز ہے "مشرکوں پر وہ بات بڑی بھاری ہے جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں" یہ مسئلہ علم کلام کے دقیق مسائل میں سے ہے اس مسئلہ کی انتہائی شرح وبیان یہی ہے جو ان اوراق میں لکھی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ جو کچھ علمائے اہل حق نے فرمایا ہے۔

وہ پورا کرنا چاہیئے۔ اور مقابلہ اور جنگ میں نہ پڑنا چاہیئے۔ بیت

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ؎
کہ جاہا سپر بائد انداختن

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور ان بزرگواروں کے ذریعہ بندوں کو اپنی جناب پاک میں بلایا ہے اور جنت کی طرف جو اس کی رضا کا مقام ہے دعوت دی ہے۔ وہ بڑا بدنصیب ہے جو سخی کی دعوت قبول نہ کرے اور اس کی دولت کے دستر خوان سے نفع نہ اٹھائے۔ ان بزرگواروں نے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا ہے وہ سب کچھ حق اور سچ ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

عقل بھی اگرچہ حجت ہے لیکن وہ حجیت میں ناقص ہے۔ حجت بالغہ صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام کی بعثت سے حاصل ہوئی ہے کہ بندوں کے لئے کوئی عذر نہیں چھوڑا گیا ہے۔ سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام اور آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر ایمان لانا چاہیئے اور سب کو معصوم اور راست باز سمجھنا چاہیئے۔ ان بزرگواروں میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنا سب کے انکار کرنے کو مستلزم ہے کیونکہ ان کی بات ایک ہی ہے اور ان کے دین کے اصول بھی ایک ہی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب آسمان سے نزول فرمائیں گے تو خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی پیروی کریں گے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا جو کہ حضرت خواجہ نقشبند کے کامل خلفاء میں سے تھے اور ایک عالم اور محدث تھے بھی اپنی کتاب "فصول ستہ" میں معتمد روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے اور ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام ٹھہرائیں گے۔

اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رسالت اور تبلیغ کی دولت سے مشرف ہیں۔ ان کو جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ان کے حق میں مفقود ہے اور وہ خوراک و پوشاک سے پاک ہیں اور میاں بیوی کے تعلق سے خالی ہیں اور توالد و تناسل سے مبرا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے انہی کے ذریعہ سے نازل ہوئے ہیں اور انہی کی امانت سے محفوظ و مامون رہی ہیں۔ ان پر ایمان لانا بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اور ان کو سچا جاننا بھی اسلام کے واجبات سے ہے۔

؎ ہر جگہ گھوڑا نہیں دوڑایا جاسکتا بلکہ کئی جگہ ڈھال ڈال دینی پڑتی ہے۔ ۱۲

اور جمہور اہل حق کے نزدیک خواص بشر خواص ملک سے افضل ہیں کیونکہ خاص بندوں کا خدا تعالیٰ تک پہنچنا موانع اور تعلقات کے باوجود ہے۔ اور فرشتوں کا قرب بغیر کسی رکاوٹ و ممانعت کے حاصل ہے تسبیح و تقدیس اگرچہ فرشتوں کا کام ہے لیکن اس کام کے ساتھ جہاد کو جمع کرنا کامل انسان کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لہ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر کئی درجے فضیلت دے رکھی ہے اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

اور جن چیزوں کی مخبر صادق علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے مثلاً احوالِ قبر و احوالِ قیامت اور حشر و نشر اور بہشت و دوزخ سب برحق اور سچ ہیں۔ قیامت پر ایمان لانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرح ضروریات اسلام میں سے ہے۔ قیامت کے منکر خدا تعالیٰ کے منکر کی طرح ہیں اور قطعاً کافر ہیں اور قبر کا عذاب اور اس کا تنگ ہونا برحق ہے۔ اور اس کا منکر اگرچہ کافر نہیں ہے لیکن بدعتی ضرور ہے کہ احادیث مشہورہ کا منکر ہے۔

اور چونکہ قبر دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے تو اس کا عذاب بھی ایک لحاظ سے دنیا کے عذاب سے مشابہت رکھتا ہے۔ کہ وہ ختم ہو جانے والا ہے اور ایک مشابہت آخرت کے عذاب سے رکھتا ہے کہ وہ آخرت کے عذاب کی جنس سے ہے اس عذاب کے اکثر مستحق وہ لوگ ہیں جو پیشاب سے پرہیز نہیں کرتے اور سخن چینی اور چغلخوری کی عادت رکھتے ہیں اور قبر میں منکر و نکیر کے سوال بھی حق ہیں۔ اور یہ ایک عظیم فتنہ و امتحان ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ قبر میں ثابت قدم رکھیں۔ آمین۔

اور قیامت کا دن برحق ہے اور یقینا آنے والا ہے۔ اس دن آسمان اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اور ستارے گر پڑیں گے اور زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ اور معدوم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ قرآنی نصوص اس کو صراحتاً بیان کرتی ہیں۔ اور تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اجماع ہے کہ قیامت کا منکر کافر ہے۔ اگرچہ وہمی مقدمات سے اپنے کفر کو آراستہ کر کے دکھائے اور بیوقوفوں کو گمراہ کرے اور اس دن قبروں سے اٹھنا اور بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کا زندہ ہونا حق ہے۔ اور اعمال کا حساب اور میزان کا رکھنا اور نامۂ اعمال کا اڑنا اور نیک لوگوں کے دائیں ہاتھ میں اور برے لوگوں کے بائیں ہاتھ میں پہنچنا بھی حق ہے اور پل صراط جس کو دوزخ کی پشت پر رکھیں گے اور اس جگہ سے گزر کر جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں

لہ سورہ نساء پارہ والمحصنات ۱۲۔

میں عذاب کا اور جنت میں ثواب کا ہمیشہ رہنا اور آسمانوں کا پھٹنا اور ستاروں کا جھڑنا اور زمین اور پہاڑوں کا کوٹا جانا وغیرہ پر ایمان لانا۔

اور اسی[۱۳] طرح پانچوں نمازوں کی فرضیت اور ان کی متعین رکعات پر اور مال کی زکوٰۃ کی فرضیت پر اور رمضان شریف کے روزوں اور بیت الحرام کے حج بشرطِ استطاعت راہ پر ایمان لانا فرض ہے۔

اور اسی طرح شراب پینے کی حرمت اور قتل نفس بغیر حق اور ماں باپ کی نافرمانی اور چوری اور زنا اور یتیم کا مال کھانا اور سود کھانا اور ان جیسی چیزوں کی حرمت پر ایمان لانا جو تواتر سے ثابت ہو چکی ہیں ضروریاتِ دین سے ہے اور مومن کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور نہ کافر ہوتا ہے۔ کبیرہ گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے اور کبیرہ کا ارتکاب فسق ہے اور اپنے آپ کو مومن برحق جاننا چاہیئے یعنی اپنے ایمان کے ثبوت اور تحقق سے اقرار کرنا چاہیئے اور استثناء کا کلمہ یعنی ایمان کے ساتھ انشاء اللہ نہیں کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے شک کا وہم ہوتا ہے۔ اور ایمان ہونے کی صورت میں منافات کی شکل رکھتا ہے اور اگر استثناء کو خاتمہ کی طرف راجع کریں جو مبہم ہے تو پھر بھی ثبوت حالی کے اشتباہ سے خالی نہیں ہے۔ پس احتیاط یہی ہے کہ شک اور اشتباہ کی صورت کو ترک کر دیا جائے۔

اور[۱۴] حضرات خلفائے اربعہ کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔ کیونکہ اہل حق کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد افضل البشر حضرت صدیق اکبر ہیں رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کی فضیلت کی وجہ جو فقیر سمجھا ہے نہ کثرتِ فضائل ہے نہ کثرت مناقب بلکہ ایمان میں اسبقیت اور مال کے خرچ کرنے میں اقدمیت اور تائید دین اور ترویج ملت متین میں اپنی جان خرچ کرنے میں اولیت ہے۔ کیونکہ سابق گویا دین کے معاملہ میں لاحق کا استاد ہے۔ اور لاحق کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ سابق کے خوانِ دولت سے ملتا ہے اور ان تینوں صفات کاملہ کا مجموعہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ میں منحصر ہے۔ ایمان کی اسبقیت کے ساتھ جس نے مال کا خرچ اور اپنی جان قربان کرنے کو جمع کیا ہے وہ یہی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور یہ دولت ان کے علاوہ اس امت میں اور کسی کو میسر نہیں ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں فرمایا جس میں آپ کی وفات ہوئی۔

کوئی آدمی بھی اپنے نفس اور مال خرچ کرنے میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا ابوبکر بن ابو قحافہ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ اگر میں لوگوں میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت افضل ہے۔ ابوبکر کے دریچہ کے سوا سب دریچے اس مسجد کے بند کر دو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔"اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا تو تم نے کہا تو نے جھوٹ بولا اور ابوبکر نے کہا تو نے سچ کہا اور اس نے اپنے نفس اور مال سے میری موافقت کی کیا تم میرے لئے میرے اس ساتھی کو چھوڑ نہیں سکتے"۔[۱]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ابوبکر و عمر دونوں اس امت کے افضل آدمی ہیں۔ اور جو شخص مجھ کو ان پر فضیلت دے وہ بہتان طراز ہے۔ میں اسے اسی طرح کوڑے لگاؤں گا جیسے مفتری کو لگاتا ہوں۔

اور وہ جھگڑے اور جنگیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں واقع ہوئی ہیں انکو نیک معانی پر محمول کرنا چاہیئے اور ان کو ہوا و ہوس کی بدگمانی یا مرتبے اور ریاست کی محبت اور رفعت و منزلت کی طلب سے دور سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ رذیل صفات نفس امارہ کی ہیں اور ان بزرگواروں کے نفوس خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کی صحبت سے پاک ہو چکے تھے۔ اتنا ضرور ہے کہ ان جھگڑوں اور جنگوں میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں واقع ہوئیں ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق بجانب تھے اور آپ کے مخالف اجتہادی غلطی پر تھے کہ اس میں طعن اور ملامت کی مجال نہیں ہے اور پھر کسی کو فاسق کہنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے کہ سب صحابہ عدول ہیں اور تمام کی روایات مقبول ہیں۔ اور حضرت علی کے مخالفین اور موافقین دونوں کی احادیث صداقت اور وثوق میں برابر ہیں اور جھگڑے اور لڑائی علت کسی کے لئے باعث جرح نہیں ہے پس سب سے محبت رکھنی چاہیئے کہ ان کی دوستی پیغمبر کی دوستی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس نے ان سے محبت رکھی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی" اور ان کی دشمنی اور بغض سے پرہیز رکھنا چاہیئے کہ ان کا بغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔"

---

[۱] بخاری و مسلم شریف۔

[۲] بخاری شریف بروایت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔

[۳] ترمذی شریف۔

اوران بزرگواروں کی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اوران کی عدم تعظیم میں رسول اللہ کی عدم تعظیم ہے سب کی تعظیم و توقیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے کرنا چاہیئے شیخ شبلی نے فرمایا ہے "جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تعظیم نہیں کرتا اُسکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ایمان نہیں ہے"۔

عقائد کی درستی کے بعد اعمال بجالانے سے بھی چارہ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد چند چیزوں پر ہے۔ پہلے تو اس چیز کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں یعنی اس چیز پر ایمان و اعتقاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے ثبوت کو پہنچا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ دوسرا پانچ نمازوں کا ادا کرنا جو دین کا ستون ہے۔ تیسرا مال کی زکوٰۃ ادا کرنا۔ چوتھا رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔ پانچواں بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد نماز بہترین عبادت ہے۔ یہ ایمان کی طرح حسن لذاتہ ہے۔ برخلاف دوسری عبادات کے کہ ان کا حسن ذاتی نہیں ہے طہارت کاملہ کے بعد جیسا کہ شریعت کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے اس کو اچھی طرح سے ادا کیا جائے اور اس میں سستی نہ کی جائے اور قراءت ورکوع وسجود وقومہ وجلسہ اور باقی سارے ارکان میں احتیاط چاہیئے۔ کہ پورے کمال کے ساتھ ادا ہوں اور رکوع وسجود وقومہ وجلسہ میں سکون وطمانیت لازم جاننا چاہیئے اور نماز سستی سے نہ گزاریں۔ اور نماز اول وقت میں ادا کریں۔ اور تجاہل وتکاسل سے تاخیر کو بالکل راہ نہ دیں مقبول بندہ وہی ہے جو صرف خدا تعالیٰ کا حکم ملتے ہی اسکی تعمیل کرے کیونکہ حکم کی تعمیل میں تاخیر کرنا سرکشی لہٰذا سوء ادبی ہے اور فقہ کی کتابیں جو فارسی میں لکھی ہوئی ہیں۔ مثلاً ترغیب الصلوٰۃ و تیسیر الاحکام اور ان جیسی کتابوں کو چاہیئے کہ ہر وقت اپنے پاس رکھیں اور مسائل شرعیہ کو ان سے اخذ کریں اور ان کے مطابق عمل کریں۔

کتاب گلستان اور اس جیسی کتابیں فقہ کی کتابوں کے مقابلہ میں فضولی میں داخل ہیں بلکہ ضروری امر کی نسبت بالکل بے فائدہ ہیں۔ جن چیزوں کی دین میں ضرورت ہے۔ ان کو لازم سمجھیں اور ان کے سوا دوسری چیزوں کی طرف توجہ نہ کریں۔ نماز تہجد بھی گویا اس راہ کی ضروریات سے ہے کوشش کریں کہ بے ضرورت ترک نہ ہو۔ اور اگر ابتدا میں یہ بات مشکل ہو اور اس وقت بیداری میسر نہ ہو تو اپنے خدمت گاروں کو اس کام کے لئے متعین کر دیں کہ اس وقت آپ کو خواہ آپ چاہیں یا

نہ چاہیں بیدار کر دیں اور اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک کہ آپ بیدار نہ ہو جائیں۔ چند روز کے بعد بیداری کی عادت ہو جائے گی اور تکلیف کی ضرورت نہ رہے گی۔

جو آدمی آخر شب میں بیدار ہونا چاہے اسے چاہیئے کہ اول شب میں نماز عشاء کے بعد فوراً سو جائے اور بے فائدہ امور میں بیدار نہ رہے۔ اور استغفار و توبہ و التجا و تضرع و تذکر معاصی و ذنوب اور اپنے عیوب و نقائص کا تفکر اور عذاب اخروی کا خوف اور دائمی عذاب کے ڈر کو اس وقت میں غنیمت سمجھیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش اور عفو کی درخواست کریں اور یہ کلمہ استغفار سو بار دل کی پوری توجہ کے ساتھ زبان پر لائیں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ۔ میں اس اللہ سے بخشش مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور قائم ہے اور میں اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

اور نماز عصر کے بعد بھی اس کلمہ استغفار کو سو بار پڑھیں اور خواہ طہارت ہو یا نہ ہو اس کلمۂ استغفار کا ورد ترک نہ کریں۔ حدیث میں آیا ہے۔ مبارک ہے وہ آدمی جس کے نامہ اعمال میں استغفار زیادہ پایا جائے۔

اور چاشت کی نماز بھی اگر ادا کی جائے تو یہ بہت بڑی دولت ہے کوشش کریں کہ کم از کم دو رکعت ہمیشہ چاشت کی نماز ادا ہوتی جائے اور نماز چاشت کی زیادہ سے زیادہ رکعتیں نماز تہجد کی طرح بارہ رکعات ہیں۔ اور وقت و حال کے مطابق جتنی بھی ادا ہو جائیں غنیمت ہیں اور کوشش کریں کہ ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی جائے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے اسکو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز نہیں روک سکتی اور پنجگانہ نمازوں سے ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ کلمہ تنزیہ سُبْحَانَ اللّٰهِ کہیں اور تینتیس بار کلمہ تحمید اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور چونتیس بار کلمہ تکبیر اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہیں اور ایک بار یہ کلمہ پڑھیں

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَ

لہ بخاری شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عشاء سے قبل سونا اور عشاء کے بعد باتیں کرنا ناپسند جانتے تھے قسطلانی فرماتے ہیں کہ دین کی بہتری کے لئے جو گفتگو ہو وہ مکروہ نہیں جیسے علمی گفتگو۔ صالحین کی حکایات۔ مہمان اور بیوی سے انس و پیار کی باتیں

لہ ابن ماجہ بروایت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ۔

لہ نسائی۔ طبرانی۔ دارقطنی۔ ۱۲۔

هُوَعَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔

اور ہر دن اور ہر رات میں سو بار سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ کہیں کہ اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔ اور صبح کے وقت ایک بار یہ کہا کریں۔

اَللّٰھُمَّ مَا اَصۡبَحَ بِیۡ مِنۡ نِعۡمَۃٍ اَوۡبِاَحَدٍ مِّنۡ خَلۡقِکَ فَمِنۡکَ وَحۡدَکَ لَا شَرِیۡکَ لَکَ فَلَکَ الۡحَمۡدُ وَلَکَ الشُّکۡرُ

اے اللہ مجھے جو بھی نعمت ملی ہے یا تیری مخلوق کو ملی ہے سو تجھ اکیلے کی طرف سے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ سو تیری ہی تعریف ہے اور تیرا ہی شکر ہے۔

اور شام کے وقت اَللّٰھُمَّ مَا اَصۡبَحَ کی جگہ مَا اَمۡسٰی کہیں اور پوری دعا پڑھیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی اس دعا کو صبح کے وقت پڑھے اس نے اس دن کا شکر ادا کیا اور جس نے رات کے وقت پڑھا اس نے رات کا شکر ادا کیا اور اس ورد کے لیے وضو شرط نہیں ہے بلکہ دن رات اوراد کو تمام اوقات میں بجالائیں اور مال کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ اس کو رغبت اور منت سے مصارف زکوٰۃ میں پہنچائیں۔ جب منعم حقیقی جلّ سلطانہٗ اپنے عطیہ وانعام سے خود فرمائیں کہ چالیس حصوں میں سے ایک حصہ فقراء و مساکین کو دے دیں اور میں اس کے معاوضہ میں تم کو اجر جزیل اور جزائے جمیل عطا کروں گا۔ کوئی بڑا ہی بے انصاف ہوگا بلکہ سرکش ہوگا کہ اس حقیر حصہ کی ادائیگی میں بھی توقف کرے اور اس کے دینے میں بخل کرے۔

اس قسم کا توقف جو امر شرعیہ کی تعمیل میں وجود میں آئے۔ ان کا منشا دل کی بیماری ہے اور آسمان سے نازل شدہ احکام پر ایمان نہیں ہے۔ صرف کلمہ شہادت پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے منافق بھی یہ کلمہ پڑھتے تھے۔ دل کے یقین کی علامت اوامر شرعیہ کی ادائیگی ہے۔ خوشی اور رغبت سے اگر ایک دمڑی ادائے زکوٰۃ کی نیت سے کسی فقیر کو دے دیں تو وہ ایسے کئی لاکھ روپیہ خرچ کرنے سے بہتر ہے جو اس نیت کے بغیر دیا جائے کیونکہ وہ ادائے فرض ہے اور یہ ادائے نفل ہے اور ادائے فرض کو ادائے فرض کی نسبت کچھ اعتبار اور شمار نہیں ہے۔ کاش کہ وہ دریائے محیط کے مقابلہ میں ایک قطرہ کا حکم ہی رکھتا۔

شیطان مردود کی آرائش میں سے یہ بھی ہے کہ وہ آدمیوں کو فرض سے روک کر نوافل میں مشغول کرتا ہے اور زکوٰۃ سے روک دیتا ہے اور رمضان شریف کے روزے بھی اسلام کے واجبات میں سے ہیں اور دین کی ضروریات سے ان کی ادائیگی میں بھی اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور ناکارہ عذروں سے روزہ نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "روزہ آتش دوزخ سے ڈھال ہے"

اور اگر ضروری رکاوٹ کی وجہ سے مثلاً مرض وغیرہ سے روزہ قضا ہو جائے تو بلا تاخیر اس کی قضا دے دینی چاہیئے اور سستی اور کاہلی سے تاخیر نہ کرنا چاہیئے۔

یہ آدمی غلام ہے۔ خود مختار نہیں ہے۔ اس کا کوئی مالک ہے اور اسے خدا تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی گذارنے سے چارہ نہیں ہے۔ تاکہ نجات کی امید متصور ہو اور اگر ایسا نہ کرے گا تو وہ سرکش بندہ ہے کہ جس کی سزا طرح طرح کے عذاب ہیں اور اسلام کا پانچواں رکن بیت الحرام کا حج ہے اور اس کی کچھ شرطیں ہیں جن کو کتب فقہ میں بیان کیا گیا ہے۔ شرطیں پوری ہو جانے کے بعد اس کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "حج اپنے سے پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے"۔

اور شرعی احکام حلال میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے جس چیز سے بھی صاحب شریعت علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہے اپنے آپ کو اس سے بچائے اور اگر سلامتی مطلوب ہے تو حدودِ شرعی کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ خواب خرگوش کب تک رہے گی اور غفلت کی روئی کانوں میں کب تک پڑی رہے گی۔ آخر کار جگا لیں گے اور غفلت کی روئی باہر نکال لیں گے اس وقت سوائے ندامت وحسرت کے اور کچھ نصیب نہ ہو گا اور سوائے شرمندگی اور نقصان کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ موت قریب ہے اور آخرت کے گوناگون عذاب تیار اور آمادہ ہیں۔

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ۔ (جو آدمی مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی)

اس سے پہلے بیدار ہو جائیں جب وہ بیدار کریں گے تو کچھ فائدہ نہ ہو گا اور شریعت کے اوامر ونواہی کے مطابق کام کریں اور اپنے آپ کو آخرت کے طرح طرح کے عذابوں سے ڈرائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ[۱] اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن بندے اور پتھر ہیں۔

عقائد کی درستی اور شریعت حقہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق اعمالِ صالحہ کی ادائیگی کے بعد اپنے اوقات کو اللہ جل شانہٗ کے ذکر سے آباد رکھیں اور اس کی یاد سے غافل نہ رہیں۔ ظاہر کو اگر خلقت سے مشغول رکھیں تو باطن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھنا چاہیئے اور اس کی یاد سے لذت حاصل کرنا چاہیئے۔

---

[۱] سورۃ تحریم پارہ قد سمع اللہ۔

یہ دولت ہمارے خواجگان قدس اللہ اسرارہم کے طریقہ میں بتدی کو پہلے ہی قدم پر شیخ کامل مکمل کی صحبت میں خدا تعالیٰ کی عنایت سے میسر آجاتی ہے۔ شاید آپ کو بھی اس کا یقین ہو چکا ہوگا بلکہ کچھ حصہ بھی نصیب ہوا ہوگا۔ اگرچہ تھوڑا ہی ہو جو کچھ ہاتھ آجائے اسے ناز سے رکھیں اور اس کا شکر ادا کریں اور زیادہ کی امید رکھیں۔ اور چونکہ طریقہ حضرات نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم میں ابتدا ہی میں انتہا کا اندراج ہے۔ اگر اس طریقہ میں تھوڑا بھی ملا ہو تو وہ بہت ہے کہ وہ ابتدا میں انتہا سے خبردار ہے۔

لیکن بتدی کو چاہیئے کہ اسے جتنا بھی زیادہ ہاتھ آجائے۔ اس کی نگاہ میں تھوڑا معلوم ہو لیکن اس کے شکر سے فارغ نہ ہو۔ اس کا شکر بھی ادا کرے اور زیادہ کا طلب گار بھی ہو۔ ذکر قلبی سے اصلی مقصود خدا تعالیٰ کے سوا کی گرفتاری سے آزاد ہونا ہے کہ دل کی بیماری اسی کا نام ہے اور جب تک رہائی حاصل نہ ہو ایمان کی حقیقت نصیب نہیں ہوتی۔ اور شریعت کے اوامر و نواہی کی ادائیگی میں سہولت اور آسانی پیدا نہیں ہوتی۔

بیت۔ ذکر گو ذکر تا ترا جان است
پاکیٔ دل ز ذکر رحمان است

کھانا کھانے میں چاہیئے کہ نفس کی لذت مطلوب نہ ہو بلکہ عبادت کے لئے قوت و استطاعت حاصل کرنے کی نیت سے ہو۔ اور اگر ابتدا میں یہ نیت میسر نہ آسکے تو تکلف سے اپنے آپ کو اس نیت پر لائیں اور التجا و زاری کریں کہ یہ نیت میسر ہو۔ اور اسی طرح لباس پہننے میں عبادت کے لئے اور نماز کی ادائیگی کے لیئے زینت کی نیت ہو کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ (ہر نماز کے لئے اپنی زینت کرو۔)

نفیس لباس پہننے سے لوگوں کا دکھلاوا مقصود نہ ہو کہ وہ منع ہے اور اسی طرح کوشش کریں کہ تمام افعال و حرکات و سکنات میں اپنے مولا عزوجل کی رضامندی منظور ہو اور شریعت حقہ کے مطابق عمل کیا جائے۔ اس وقت ظاہر و باطن دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہوں گے۔

مثلاً خواب (نیند) جو سراسر غفلت ہے۔ جب اطاعت کی ادائیگی میں سستی دور کرنے کی نیت سے

جب تک زندگی ہے ذکر کرتے جاؤ رحمان کے ذکر سے دل پاک ہو جاتا ہے۔ ۱۲

ہو تو وہ نیند بھی اس نیت سے عین عبادت ہو جائے گی۔ جب تک وہ نیند میں رہے گا گویا کہ وہ عبادت میں ہے۔ کیونکہ وہ عبادت کی نیت سے سویا ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ علماء کی نیند عبادت ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ آج اس معنی کا حصول آپ سے مشکل ہے کہ رکاوٹوں کا ہجوم ہے۔ اور عادات و رسومات کا التزام ہے اور ننگ و ناموس منظور ہے۔ یہ سب چیزیں شریعت غراء کی ضد ہیں۔ کیونکہ شریعت تو رسوم و عادات کو مٹانے کے لئے آئی ہے اور ننگ و ناموس کو ختم کرنے کے لئے کیونکہ یہ چیزیں نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتی ہیں۔

ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر قلبی پر ہمیشگی کریں گی۔ اور بغیر سستی کے پنج وقت نماز با شرائط ادا کریں گی۔ اور شریعت کے حلال و حرام میں حتی المقدور احتیاط کریں گی تو ہو سکتا ہے کہ اس معنی کا جمال ظاہر ہو اور خود بخود راغب ہو جائیں اور اس قسم کی نصیحتیں لکھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ان نصائح کے مطابق عمل حاصل نہ ہو سکے تو اپنے قصور و نقص کا اعتراف تو حاصل ہو گا اور وہ بھی ایک دولت ہے۔

ع[۱]

ہر کس کہ بیافت دولتے یافت عظیم
وآں کس کہ نیافت درد نایافت بس است

اس سے خدا کی پناہ کہ نہ پائے اور اپنے نہ پانے سے زیر بار نہ ہو اور نہ کرے اور اپنے نہ کرنے پر پشیمان نہ ہو۔ شاید کوئی سرکش جاہل ایسا ہو جو غلامی کی رسی سے سر باہر لائے اور غلامی کی قید سے پاؤں کھینچے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

اگرچہ وقت و حال اور زمان و مکان تقاضا اس بات کا نہ کرتے تھے کہ میں کچھ لکھوں لیکن جب آپ کا شوق اور کمال درجہ کی رغبت دیکھی۔ تو اپنے آپ کو تکلف سے اس امر پر لایا کہ چند سطریں لکھوں اور ان کو کمال الدین حسین کے سپرد کیا۔ خداوند تعالیٰ اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

ع[۱] جس نے پالیا اس نے بڑی دولت پالی اور جس نے نہ پایا اسے نہ پانے کا درد ہی کافی ہے۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۱۸

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(ماسوا سے بے تعلقی اور طالبان حق کی صحبت کی ترغیب کے بیان میں)

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں ہمیشہ اور ہر حال میں، ہر رنج اور راحت میں۔ آپ کا مکتوب گرامی اور ہدیہ جو سلیمان کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے لکھا ہے۔ کہ اس سفر کا مقصد بعضے مقاصد کا حصول ہے جن کا حصول مشکل معلوم ہوتا ہے۔

آپ امیدوار رہیں یقیناً تنگی کے ساتھ آسانی ہے بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی"۔ اپنے حالات پر احوال کے متعلق کیا لکھوں اور دوستوں کو کیا بے مزہ کروں۔ اس کے باوجود ہزار در ہزار شکر ہے کہ عین بلا میں عافیت ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے دونوں ضدوں کو جمع کر دیا اور دو متنافی چیزوں کو ملا دیا۔ ایک دن فقیر قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ یہ آیت آئی۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِۨقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔

آپ کہدیں اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور قبیلہ اور وہ مال جس کو تم نے کمایا ہے۔ اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور وہ مکان جنہیں تم پسند کرتے ہو یہ چیزیں تمہیں اگر اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں تمہیں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

تو اس آیت کریمہ کو پڑھنے سے رونا طبیعت پر غالب آیا اور خوف پیدا ہوا۔ اسی حال میں اپنے حال کا مطالعہ کیا تو نظر آیا کہ ان چیزوں میں سے کسی کی گرفتاری میں نہیں ہوں اگر وہ تمام تلف و برباد ہو جائیں تو شریعت کے ممنوع اور برے کام کو کبھی پسند نہ کروں اور ان امور کو شریعت کے احکام پر کبھی ترجیح نہ دوں۔

باقی مقصد یہ ہے کہ جب دوست ہمارے ساتھ خدا تعالیٰ کے لئے صحبت رکھتے ہیں تو ہمیں بھی چاہیئے کہ ان کو ناز سے رکھیں اور ان کے ظاہر و باطن کے احوال سے خبردار رہیں۔ حدیث۔ "اے داؤد جب تو میرے طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا" مشہور ہے جتنی دوستوں پر پہلے توجہ رکھتے ہو اب اس سے زیادہ رکھو اور لاپرواہی اور تغافل کو جائز نہ رکھو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اطلاع دین کہ اقربیّت کا مکتوب سمجھ میں آیا یا نہیں؟ اگر آیا ہے تو بہتر ورنہ شک کے مقام متعین کر کے لکھیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ اللہ سبحانہ، وتعالیٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت اور ثبات اور استقامت اور زیادہ توفیق اور اچھی عافیت کی دعا کرتا ہوں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۹

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

رنج اور راحت اور عافیت اور بلاغرض ہر حال میں اللہ رب العالمین کی تعریفیں ہیں۔

حکیم جل سلطانہ، کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ شاید اللہ سبحانہ، وتعالیٰ اس سے درستی کا ارادہ رکھتا ہو۔

عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

قریب ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور قریب ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تو اللہ تعالیٰ کی آزمائش پر صبر کرو اور اس کی قضا پر راضی رہو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ۔

تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اور وہ بہت سی باتیں معاف کر دیتا ہے۔

سو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف توبہ کرو اور اپنے ہاتھوں سے کئے ہوئے اعمال سے اپنے رب کے حضور بخشش مانگو اور اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت کا سوال کرو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے ۔معاف کرنے کو پسند کرتا ہے ۔سو جتنا ہو سکے بلا سے بچو کہ طاقت سے زیادہ بوجھ سے فرار انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے ہے اور ہم عین بلا میں عافیت سے ہیں ۔سو اللہ سبحانہ کے لئے حمد اور احسان ہے ۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی ۔

مکتوب نمبر ۲۰

مولانا امان اللہ کی طرف بلندی ہمت اور تمام چیزوں کے وصول کو اپنے پیر کی طرف سے جاننے کے متعلق صادر فرمایا ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔

میرے بھائی شیخ امان اللہ کا مکتوب وصول ہوا اپنے احوال ومواجید کے متعلق جو لکھا تھا اچھی طرح واضح ہوا ۔

آپ کے متعلق اس سے زیادہ کی توقع ہے جو کچھ عطا فرمائیں اس کو ادب سے احسان سمجھ کر قبول کریں اور تضرع وزاری والتجا وانکساری سے

هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (کیا کچھ اور بھی ہے)

کہتے ہوئے زیادتی کی طلب اور بلند مقام کا سوال کرنا چاہیئے اور شریعت کے احکام کی ادائیگی میں اچھی طرح رعایت کریں کہ استقامت احوال کی صداقت شریعت پر ہے ۔

اس واقعہ (کشف) کی تعبیر جو آپ نے عالم مثال کے متعلق لکھا تھا ۔صواب کے قریب ہے اور حقیقۃ الامر اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ۔چونکہ صحبت میں زیادہ رہے ہیں ۔ تو بحمد اللہ آپ کی نظر بہت بلند واقع ہوئی ہے ۔ اخروٹ اور منقہ سے بچوں کی طرح احمق نہیں بن جاتے ہو ۔اللہ تعالیٰ عالی ہمت لوگوں کو پسند کرتا ہے ۔

اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کا واقعہ جو آپ نے بھائی حافظ

مہدی علی کے متعلق لکھا تھا۔ ہاں حافظ ہمارے طریقہ سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ دولت اگرچہ ظاہری صورت میں کسی جگہ سے بھی پہنچے حقیقت میں اسے اپنے شیخ کی طرف سے سمجھنا چاہیئے تاکہ قبلہ پراگندہ نہ ہو اور کارخانہ میں خلل نہ ڈالے جس جگہ سے بھی پہنچے اسے اپنے پیر کی طرف سے سمجھے کہ وہ جامع ہے۔ جس صورت سے بھی اس کی تربیت ظہور پائے وہ فی الحقیقت اسی کی طرف سے ہے اور یہ مقام طالبوں کے قدم پھسلنے کا ہے۔ اس سے واقف ہونا چاہیئے تاکہ مردود دشمن راہ نہ پا سکے اور پراگندہ نہ کرے۔ یہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ جو ایک جگہ ہے وہ ہر جگہ ہے اور جو ہر جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں ہے۔ حافظ کو دعا پہنچا دیں۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۲۱

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

ان کے سوالات کے جواب میں کہ ضمائر سے خدا تعالیٰ مراد ہیں اور زہاد کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ وعم احسانہٗ کی اپنی ذات کے ساتھ کیفیت کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

آپ نے پوچھا تھا کہ جب اشیاء ظلی اپنی ماہیّت کے ساتھ اشیاء نہیں ہیں بلکہ اپنے اصل کی ماہیّت کے ساتھ قائم ہیں تو پھر چاہیئے کہ اشیاء کا مشارالیہ لفظ ھُوَ۔ اَنْتَ اور اَنَا سے وہی اصل مراد ہو تو اس وقت بعض ایسی صفات کا اثبات جو اس اصل سے مناسبت نہیں رکھتا۔ ان ضمیروں پر کس طرح صادق آئے گا۔ مثلاً میں کھانے والا ہوں۔ میں سونے والا ہوں وغیرہ وغیرہ؟

جاننا چاہیئے کہ فی الحقیقت ظل اگرچہ اپنے اصل کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کی ظلیت کا ثبوت اگرچہ مرتبہ حس وخیال میں ہے ہمیشہ اپنی جگہ قائم ہے اور اس کی ظلیّت کے احکام کے لئے دوام اور بقا ہے۔

وَخُلِقْتُمْ لِلْاَبَدِ (تم ہمیشہ کے لئے پیدا کئے گئے ہو)

اس کا گواہ ہے اور ان نامناسب صفات کا ان ضمائر پر اطلاق باعتبار ظلیت جائز ہے اور وجود کے ہر مرتبہ کا حکم جدا ہے اور جو خدا میں گم ہے وہ خدا نہیں ہے۔

اور پھر آپ نے اس حدیث قدسی کا معنی پوچھا ہے جو زہاد کرام کے فضائل میں وارد ہوئی ہے الفاظ کے معانی تو ظاہر ہیں اور خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے کیا بعید ہے کہ کچھ لوگوں کو فضائل و خصائص و کرامات سے مخصوص کر لیں اور درجات و مراتب عطا فرمائیں کہ دوسرے ان پر رشک کریں۔ اور ان کا حساب نہ ہونے میں جو آپ کو تردد ہے۔ اس تردد کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بہت سے لوگ بے حساب و کتاب جنت میں جائیں گے۔

اور ان میں سے وہ بھی ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب کے میری امت میں سے جنت میں جائیں گے تو صحابہ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ لَا یَکْتَوُوْنَ وَلَا یَسْتَرْقُوْنَ وَعَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ (وہ جو داغ نہیں لگواتے اور دم نہیں کراتے اور اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔)

اس مقام میں ایک بہت بڑا راز ہے جس کا اظہار مصلحت سے دور ہے اور اکثر لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے اگر کبھی ملاقات کی فرصت ہوئی تو یاد کروا دینا اس کو کچھ تھوڑا سا بالمشافہ بیان کر دوں گا۔ اس سر کی طرف کچھ اشارہ مکتوبات جلد ثانی کے کسی مکتوب میں درج ہو چکا ہے اگر وہ کتاب آپ پالیں تو شاید اس راز کو بھی پالیں۔

اور آپ نے پوچھا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا علم اپنی ذات کو محیط ہے یا نہیں؟ اگر محیط ہے۔ تو تناہی لازم آئے گی۔

جان لیں کہ علم دو قسم ہے حصولی اور حضوری۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی کنہ کے لئے علم حصولی کا متعلق ہونا محال ہے کیونکہ یہ احاطہ اور تناہی کو مستلزم ہے لیکن یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری اس کی کنہ سے متعلق ہو اور تناہی بھی لازم نہ آئے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۲

ملا مقصود علی تبریزی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ مشرکوں کی نجاست سے مراد ان کا خبث باطن اور بداعتقادی ہے نہ کہ ان کا نجس العین ہونا)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

میرے شفقت آثار مخدوم! معلوم نہ ہوسکا کہ تفسیر حسینی بھیجنے کا کیا مقصد تھا۔ صاحب تفسیر تو آیت کریمہ سے تفسیر ائمہ حنفیہ کے موافق کرتے ہیں اور مشرک کی نجاست سے مراد خبث باطن اور بد اعتقادی لیتے ہیں اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ مشرک لوگ نجاست سے پرہیز نہیں کرتے تو یہ بات آج اکثر اہل اسلام میں بھی موجود ہے اور اس لحاظ سے عام مومنوں اور کافروں میں فرق ناپید ہے۔ اگر نجاست سے پرہیز نہ کرنا کسی آدمی کی نجاست کا سبب ہو تو معاملہ تنگ ہو جائے گا۔ اور اسلام میں تنگی نہیں ہے۔

اور وہ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرک کتوں کی طرح نجس العین ہیں تو اس قسم کے الفاظ شاذ ہیں اور بہت سے اکابرین دین سے منقول ہیں اور یہ توجیہ اور تاویل پر محمول ہیں مشرک نجس العین کس طرح ہو سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے گھر سے کھانا کھایا[1] ہے اور ایک مشرک[2] کے برتنوں سے وضو کیا ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ایک عیسائی عورت کے مٹکے سے وضو کیا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آیت[3] کریمہ میں ہے کہ

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ — سوائے اس کے نہیں کہ مشرک نجس ہیں۔

اور ہو سکتا ہے کہ یہ آیت ان روایات سے بعد کی ہو اور ان کی ناسخ ہو "یہ جواب تو ہو سکتا تھا لیکن اس جگہ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ اس کا بعد میں ہونا ثابت کیا جائے تاکہ دعوائے نسخ میں صحت پیدا ہو" کیونکہ مخالف تو منع سے باہر ہے۔ اور اگر اس کا متاخر ہونا تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی چاہیئے کہ یہ حرمت ثابت نہ ہو اور نجاست سے مراد اندرونی خباثت ہو۔ کیونکہ منقول ہے کہ کوئی پیغمبر بھی کسی ایسے امر کا مرتکب نہیں ہوا ہے جس کا انجام اس کی شریعت میں یا کسی دوسرے نبی کی شریعت میں حرام ہونے تک پہنچے اور بالآخر حرام ہو جائے اگرچہ وہ کام ارتکاب کے وقت مباح ہو۔ شراب جو پہلے مباح تھی آخر میں حرام ہو گئی۔ اور کسی بھی پیغمبر نے شراب نہیں پی ہے۔ اور اگر مشرکین کا انجام بالآخر ظاہری نجاست قرار پانا اور وہ کتوں کی طرح نجس العین ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں کبھی ان کے برتنوں کو ہاتھ نہ لگاتے چہ جائیکہ وہ ان کا کھانا اور پانی استعمال کرتے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ نجس العین ہر وقت نجس العین ہے اس میں اباحت سابق یا لاحق کی گنجائش

---

[1] جیسا کہ کتب صحاح میں موجود ہے۔ [2] یہ واقعہ بھی حدیث کی صحیح کتابوں میں موجود ہے۔

[3] امام بخاری نے ترجمہ اس باب میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

نہیں ہے۔ اگر مشرک نجس العین ہوتے تو چاہیئے تھا کہ ابتدا ہی سے ایسے ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا ہی سے ان کے ساتھ اندازہ سے وہی سلوک کرتے اور جب وہ نہیں ہے تو یہ بھی نہیں ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ "دین میں تنگی نہیں ہے" اور یہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ ان پر نجاست کا حکم لگانا اور ان کو نجس العین سمجھنا مسلمانوں پر کتنی تنگی ڈالنا ہے اور ان کو کس قدر محنت میں مبتلا کرنا ہے۔ ائمہ حنفیہ رضی اللہ عنہم کا احسان سمجھنا چاہیئے کہ انہوں نے مسلمانوں کے لئے خلاصی کی صورت پیدا کی اور ارتکاب حرام سے بچایا۔ نہ کہ ان کو مطعون کریں اور ان کے ہنر کو عیب سمجھیں۔ اور مجتہد پر کیا اعتراض ہے کہ اس کی غلطی بھی ایک درجہ ثواب رکھتی ہے اور اگرچہ وہ خطا کر جائے پھر بھی اس کی تقلید نجات کا سبب ہے۔ وہ لوگ جو کافروں کے کھانے پانی کے حرام ہونے کے قائل ہیں یہ عادتاً محال ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے ارتکاب سے محفوظ رکھ سکیں۔ خصوصاً ہندوستان کے علاقہ میں کہ یہ مصیبت بہت زیادہ ہے اس مسئلہ میں جو "عموم بلوی" رکھتا ہے بہتر یہ ہے کہ فتویٰ آسان اور سہل کام پر دیا جائے اگرچہ اپنے مذہب کے موافق نہ ہو۔ خواہ کسی مجتہد کے قول پر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ — اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتے ہیں تنگی دینا مقصود نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔ — اللہ تعالیٰ تم سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے

مخلوق کو تنگ کرنا اور ان کو ناراض کرنا حرام ہے اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے برخلاف ہے شافعیہ بعض مسائل میں جن میں امام شافعی نے تنگی پیدا کی ہے حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو آسانی مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً مصارف زکوٰۃ میں امام شافعی زکوٰۃ کو مصارف زکوٰۃ کی تمام اقسام پر تقسیم کیا ہے کہ ان میں سے ایک مؤلفۃ القلوب بھی ہیں جو اس وقت میں مفقود ہیں علماء شافعیہ نے حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے کہ ان اقسام میں اگر کسی ایک کو بھی زکوٰۃ دے دے تو کافی ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ مشرک اگر نجس العین ہوتے تو چاہیئے تو یہ تھا کہ ایمان لانے کے بعد بھی پاک نہ ہوتے پس معلوم ہوا کہ ان کی نجاست بداعتقادی سے ہے جو زائل ہو سکتی ہے اور صرف باطن تک محدود ہے جو کہ اس عقیدے کا محل ہے اور اندرونی نجاست بیرونی طہارت سے معارضہ نہیں رکھتی جیسا کہ ہر کہ ومہ کو معلوم ہے اور یہ کلام اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ

مشرکوں کے حال کی خبر ہے جو ناسخیت اور منسوخیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی کیونکہ نسخ شریعت کے احکام میں ہوتا ہے۔ نہ کسی چیز کی خبر میں۔ پس چاہیئے کہ مشرک ہر وقت نجس ہوں اور نجاست سے مراد خبثِ اعتقاد ہے تاکہ دلائل متعارض نہ ہوں۔ اور ان کو چھونا کسی وقت بھی ممنوع نہ ہو جس دن اِس فقیر نے اس بحث میں یہ آیت کریمہ پڑھی تھی۔

وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ۔ (اور اہل کتاب کا کھانا تم پر حلال ہے)

تو اس کے بالمقابل تم نے کہا تھا کہ اِس جگہ طعام سے مراد گندم۔ چنے اور مسور وغیرہ ہیں اگر اِس توجیہہ کو اہل عرف پسند کریں تو کیا مضائقہ ہے۔ لیکن انصاف درکار ہے۔

اس تکلیف اور اس طول کلامی کا اصلی مقصد یہی ہے کہ خلقت پر رحم کریں
کہ اس سے کوئی چارہ نہیں گریز نہیں
ہے نجس نہ جانیں اور مسلمانوں کے کھانے پینے سے متوہم نجاست کے باعث پرہیز نہ کریں اور اس سبب سے تمام سے پرہیز نہ کریں اور اس کو احتیاط نہ سمجھیں کہ احتیاط اس احتیاط کے ترک کرنے میں ہے۔ زیادہ کیا تکلیف دوں۔ ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دِل ترسیدم
کہ دِل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

والسّلام۔

مکتوب نمبر ۲۳

خواجہ ابراہیم قبادیانی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اپنی ذات اور صفات اور بندوں کو پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال کی خبر دی ہے جس میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہے۔

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں اسلام کی راہنمائی کی اور ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بنایا۔

؎ میں نے تجھ سے تھوڑا سا دل کا غم بیان کیا ہے اور ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہو جائے گا ورنہ باتیں تو بہت ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان بزرگواروں کی بعثت کے ذریعہ اپنی ذات اور صفات کی ہم ناقص عقل اور قاصر فہم لوگوں کو خبر دی ہے اور ہمارے چھوٹے سے ذہن کے مطابق اپنی ذاتی و صفاتی کمال پر اطلاع بخشی ہے اور اپنے پسندیدہ اور ناپسندیدہ کاموں کو الگ الگ کر دیا ہے۔ اور ہمارے دنیوی اور اخروی منافع اور مضار کو جدا فرمایا ہے۔ اگر ان کے بزرگ وجود کا وسیلہ نہ ہوتا تو بشری عقول خدا تعالیٰ کے اثبات میں ناقص اور قاصر ہوتیں۔ قدیم فلاسفہ جو اپنے آپ کو اکابر اہل عقول سمجھتے تھے خدا تعالیٰ کے منکر تھے۔ اور اپنے عقل کی کمی کی وجہ سے چیزوں کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور نمرود کا جھگڑا جو کہ ساری زمین کا بادشاہ تھا حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کے اثبات میں مشہور ہے اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہے اور فرعون بے سامان بھی کہا کرتا تھا۔

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ۔ (اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا بنایا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔)

اور اس بے دولت نے ہامان سے یہ بھی کہا تھا۔

يَا هَامَانُ ابْنِ لِىْ صَرْحًا لَّعَلِّىْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا۔ اے ہامان میرے لئے ایک محل بنا تاکہ میں آسمانوں کے راستے تک پہنچوں اور موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں اور میں تو اسے جھوٹا خیال کرتا ہوں۔

مختصر یہ کہ عقل اس دولت عظمیٰ کے اثبات میں قاصر ہے اور ان بزرگوں کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرا تک راہ نہیں پا سکتی اور جب تواتر سے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت ان لوگوں کو خداوند تعالیٰ زمین و آسمان کے خالق کے متعلق پہنچی اور ان بزرگواروں کا کلمہ بلند ہوا تو ہر زمانہ کے بیوقوف لوگ جو صانع کے وجود میں تردد رکھتے تھے اپنی قباحت پر مطلع ہوئے۔ اور بے اختیار وجود صانع کے قائل ہوئے اور چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے لگے۔

یہ وہ نور ہے جو انبیاء کے انوار سے حاصل ہوا ہے اور یہ وہ دولت ہے جو انبیاء کے دسترخوان سے ملی ہے ان پر قیامت تک بلکہ ہمیشہ ہمیشہ تک صلوٰۃ وسلام ہو اور اسی طرح وہ تمام سنی ہوئی باتیں جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلمات کی تبلیغ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں۔ مثلاً خداوند تعالیٰ کی صفات کمال اور انبیاء کی بعثت اور ملائکہ کی عصمت علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات اور حشر و نشر اور بہشت اور اس کی نعمتوں اور دوزخ اور اس کے عذابوں کا دائمی وجود اور ان جیسی

اور بھی چیزیں جن کو شریعت نے بیان کیا ہے عقل ان کے ادراک میں قاصر ہے اور ان بزرگواروں سے سنے بغیر ان کے اثبات میں ناقص اور غیر مستقل ہے

جس طرح عقل کا طریقہ حس کے طریقہ سے بالا ہے کہ جس کا حس سے ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے اور اسی طرح نبوت کا طریقہ عقل کے طریقہ سے بلند ہے کہ جو کچھ عقل کے طریقہ سے معلوم نہیں کیا جاسکتا وہ نبوت کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے اور جو آدمی عقل سے بڑھ کر کوئی طریقہ معرفت کے اثبات کے لئے تسلیم نہیں کرتا وہ حقیقت میں نبوت کے طریقہ کا منکر ہے اور بداہت کا مقابلہ کرنے والا ہے۔ پس انبیاء کو تسلیم کرنے سے چارہ نہیں ہے تاکہ خدا تعالیٰ کے شکریہ کی راہنمائی کریں جو کہ عقل سے بھی واجب ہے اور نعمتیں عطا کرنے والے خدا جلّ و علا کی تعظیم جو کہ علم اور عمل سے تعلق رکھتی ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم کر کے ہم پر ظاہر کریں کیونکہ وہ تعظیم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل نہ کی گئی ہو اس کے شکریہ کے لائق نہیں ہے کیونکہ انسانی قوت اس کے ادراک میں عاجز ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ غیر تعظیم کو اس کی تعظیم سمجھتا ہے اور شکر سے ہجو میں چلا جاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تعظیم حاصل کرنے کا طریقہ صرف نبوت میں منحصر ہے اور انبیاءؑ علیہم الصلوات والتسلیمات کی تبلیغ پر بس ہے اور الہام جو اولیاء کو ہوتا ہے وہ بھی نبوت کے انوار سے مقتبس ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے فیوض و برکات سے ہے۔

اور اگر عقل اس معاملہ میں کفایت کرتی تو یونان کے فلاسفہ جنہوں نے اپنا رہنما عقل کو سمجھا گمراہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے پھرتے اور وہ خداوند تعالیٰ کو سب سے زیادہ پہچانتے۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق جاہل ترین آدمی وہی ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو بیکار و معطل سمجھا ہے اور ایک چیز کے سوا اور وہ بھی اضطراری طور پر نہ کہ اختیار سے اور کسی چیز کو اس کی طرف منسوب نہیں کرتے انہوں نے عقل فعال اپنے پاس سے تراشی اور حوادث کو زمین و آسمان پیدا کرنے والے خدا سے پھیرا کر اس کی طرف منسوب کر دیا اور اثر کو مؤثر حقیقی جل شانہٗ سے روک کر اپنا پیدا کردہ سمجھتے ہیں۔

کیونکہ ان کے نزدیک معلول اثر علت قریبہ ہے۔ علت بعیدہ کے لئے وہ معلول کے حصول میں تاثیر نہیں سمجھتے اور اپنی جہالت سے خدا تعالیٰ کی طرف ان چیزوں کی نسبت نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ کا کمال تصور کرتے اور اس کو معطل کر دینے کو اس کی تعظیم سمجھتے ہیں حالانکہ خداوند تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے ساتھ اپنی تعریف بیان کرتا ہے۔ اور اپنے رب المشرق و رب المغرب ہونے سے

مدح فرماتا ہے۔ اور ان بیوقوفوں کو اپنے فاسد خیال سے خدا تعالیٰ کی کوئی حاجت نہیں ہے اور خدا تعالیٰ کے سامنے سر نیاز خم نہیں کرتے۔

پس ان کو چاہیئے کہ اپنی مجبوری اور حاجت کے قریب اپنی عقل فعال کی طرف رجوع کریں اور چونکہ وہ بھی ان کے خیال کے مطابق مجبور ہے نہ کہ مختار تو اپنی حاجتیں اس سے چاہنا بھی غیر معقول ہی ہے۔

اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (کافروں کا کوئی مولا نہیں ہے)

عقل فعال کیا ہے جو اشیاء کو سرانجام دے سکے اور حوادث کو اس کی طرف منسوب کریں۔ خود اس کے اپنے وجود و ثبوت میں ہزاروں اعتراض ہیں کیونکہ اس کا اپنا تحقق وحصول فلاسفہ کے ملمع شدہ مقدمات پر مبنی ہے جو قواعد حقہ اسلامیہ کی رو سے ناتمام و نافرجام ہیں۔

کوئی بیوقوف ہی ہو گا جو چیزوں کو قادر مختار جل شانہٗ سے روک کر ایسے موہوم امر کی طرف منسوب کرے بلکہ اشیاء کو خود ہزاروں ننگ و عار ہیں کہ فلسفی کے تراشیدہ کی طرف منسوب ہوں۔ بلکہ اشیاء اپنے فنا ہو جانے پر راضی اور خوش ہیں اور اپنے ہونے کی طرف ان کا کوئی میلان نہیں ہے اس سے کہ ان کے وجود کو فلاسفہ کے تراشیدہ کی طرف منسوب کریں اور قادر مختار جل سلطانہٗ کی قدرت کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم ہوں۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔ بہت بڑی بات ہے جو ان کے موہوں سے نکلتی ہے وہ صرف جھوٹ کہتے ہیں۔

دار الحرب کے کافر بت پرست ہونے کے باوجود اس جماعت کی نسبت اچھی حالت میں ہیں جو مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں اور اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے وسیلۂ شفاعت بناتے ہیں۔ اور پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ کچھ لوگ ان بیوقوفوں کو حکماء کہتے ہیں اور حکمت کو ان سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کے اکثر احکام خصوصاً الہیات جو سب سے روشن مقصد ہے جھوٹے ہیں اور کتاب و سنت کے مخالف ہیں ان کو حکماء کہنا کہ ان کی قسمت میں سراسر جہل مرکب ہے کس لحاظ سے درست ہو سکتا ہے۔ مگر بر سبیل تحکم و استہزاء اگر کہا جائے اور یا پھر جیسے اندھے کو بصیر کہتے ہیں۔

اور ان بیوقوفوں کی ایک جماعت نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ کے التزام کے بغیر صوفیہ آلہیہ کی تقلید میں جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین میں سے تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ کا طریق اختیار کیا ہے اور اپنے وقت کی صفائی پر مغرور ہوئے ہیں اور اپنے خواب و خیال

پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے خیالی کشوف کو اپنا مقتدا سمجھتے ہیں

ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا۔ (وہ خود بھی گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کیا)

ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ صفائی نفس کی صفائی ہے جو گمراہی کی طرف راہ رکھتی ہے نہ کہ دِل کی صفائی جو کہ ہدایت کا دریچہ ہے کیونکہ دل کی صفائی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے وابستہ ہے اور تزکیۂ نفس دِل کی صفائی سے وابستہ ہے اور دل کی نفس پر حکومت ہے اور نفس جو دل کی کدورت کے باوجود کہ انوارِ قدم کے ظہور کا محل ہے اگر صفائی پیدا کرے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کمینہ دشمن جو کہ ابلیس مردود ہے کی تاخت وتاراج کرنے کے لئے چراغ روشن کر دیا جائے۔

مختصر یہ کہ ریاضت ومجاہدہ کا طریقہ نظر واستدلال کی طرح اس وقت اعتماد واعتبار پیدا کرتا ہے جبکہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کے ساتھ ملا ہوا ہو جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تائید سے مؤید ہیں۔ ان بزرگواروں کا کارخانہ ملائکہ معصومین کے نزول کی وجہ سے دشمن لعین کے کید ومکر سے محفوظ ہے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ۔ (میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہے)

ان کا حصہ ہے اور دوسروں کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی اور نہ انہیں دشمنِ لعین کے دامِ ناتمام سے رہائی ملتی ہے۔ ماسوائے اس صورت کے کہ ان بزرگواروں کی متابعت کریں اور ان کے قدموں کے نشانات پر چلیں۔

بَیْت

محالؔ است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰؐ

سبحان اللہ افلاطون جو فلاسفہ کا رئیس ہے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلواۃ والسلام کی بعثت کی دولت پاتا ہے اور اپنے آپ کو اپنی نادانی کی وجہ سے ان سے مستغنی سمجھتا ہے اور آنحضرت کا گرویدہ نہیں ہوتا اور برکات نبوت سے حصہ نہیں لیتا اور جس کو اللہ تعالیٰ نور عطا نہ فرمائے اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لہ اے سعدی مصطفیٰ کی پیروی کے بغیر صفائی کی راہ پر چلنا محال ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ[1]

اور یقیناً ہماری بات ہمارے پیغمبروں کے لئے گذر چکی کہ وہی مدد دیئے جائیں گے اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب آنے والا ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ فلاسفہ کی عقول ناقصہ نبوت کے طریق کے برخلاف واقع ہوئی ہیں مبدأ میں بھی اور معاد میں بھی اور ان کے احکام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے احکام کے خلاف ہیں نہ ان کا اللہ پر ایمان درست ہے اور نہ آخرت پر۔ عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ حالانکہ تمام مذاہب کا اس پر اجماع ہے کہ عالم اپنے تمام اجزا کے ساتھ حادث ہے اور اسی طرح وہ آسمانوں کے پھٹنے اور ستاروں کے جھڑنے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور سمندروں کے پھٹنے کے بھی جو کہ قیامت کو واقع ہوں گے قائل نہیں ہیں۔ وہ اجسام کے حشر کے قائل نہیں ہیں اور قرآنی نصوص کا انکار کرتے ہیں۔

اور ان کے متاخرین جو اپنے آپ کو مسلمانوں کی جماعت سے سمجھتے ہیں اسی طرح وہ بھی فلاسفہ کے اصولوں پر ثابت قدم ہیں۔ اور آسمانوں اور ستاروں اور ان جیسی چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور ان کا فیصلہ ہے کہ یہ چیزیں ہلاک نہیں ہوں گی۔ ان کی خوراک قرآنی نصوص کو جھٹلانا ہے اور ان کا رزق ضروریاتِ دین کا انکار ہے۔ یہ عجیب قسم کے مومن ہیں۔ کہ خدا اور رسول پر ایمان لاتے ہیں لیکن جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا ہے اسے قبول نہیں کرتے۔ اس سے بڑھ کر بیوقوفی اور کیا ہوگی۔

بیت۔ فلسفہ[2] چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آں
ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است

اس جماعت نے اپنی عمر کو علم آلی (منطق) کے سیکھنے سکھلانے میں صرف کر دیا جو کہ خطائے فکری سے بچانے والا ہے اور اس باب میں کئی موشگافیاں کیں۔

اور جب اپنے اعلیٰ مقصد یعنی خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات و افعال تک پہنچے تو اپنے حواس گم کر دیئے اور بچانے والا آلہ ہاتھ سے چھوڑ دیا اور کئی دیوانگیاں دکھائیں اور گمراہی کے بیابان میں پڑے رہے۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کئی سال تک آلاتِ جنگ کو تیار کرے اور لڑائی

---

[1] سورہ صافات پارہ ۲۳۔

[2] فلسفہ کا اکثر حصہ تو سفہ (بیوقوفی) ہے تو اس کا کل بھی بیوقوفی ہوگا کیونکہ اکثر کا حکم کل کا حکم ہوتا ہے۔ ۱۲

کے وقت اس کے حواس جاتے رہیں اور کوئی کام نہ کر سکے۔

لوگ فلاسفہ کے علوم کو پورا اور منتظم جانتے ہیں اور غلطی اور خطا سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ اگر بفرض اس حکم کے ان علوم میں سچا بھی سمجھ لیا جائے جن میں عقل کو استقلال و دخل ہے تو وہ خارج از بحث ہیں اور بیکار کے دائرہ میں داخل ہیں اور آخرت سے جو کہ دائمی ہے کوئی کام نہیں رکھتے اور اخروی نجات ان سے وابستہ نہیں ہے۔ بات تو ان علوم کے متعلق ہے کہ جن کے ادراک میں عقل کو عجز و قصور ہے اور نبوت کے طریق سے وابستہ ہیں اور آخرت کی نجات ان سے تعلق رکھتی ہے۔

حجتہ الاسلام امام غزالی نے اپنے رسالہ "منقذ عن الضلال" میں فرمایا ہے کہ "فلاسفہ نے علم طب اور علم نجوم کو پہلے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی کتابوں سے چرایا ہے اور ادویہ کے خواص وغیرہ کو کہ عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر منزّل کتابوں اور صحیفوں سے حاصل کیا ہے اور علم تہذیب اخلاق کو صوفیہ الہیہ کی کتابوں سے جو کہ ہر زمانہ میں ہر پیغمبر کی امت میں ہوئے ہیں اپنی باطل چیزوں کے رائج کرنے کے لئے چوری کی ہے" پس ان کے تین معتبر علوم تو چوری کے ہوئے۔ اور وہ نادانیاں جو انہوں نے علم الٰہی اور خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں کی ہیں اور اللہ کے ساتھ ایمان لانے میں اور آخرت کو تسلیم کرنے میں قرآن مجید کی نصوص کی مخالفت کی ہے ان کا کچھ ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

باقی رہا علم ہندسہ اور اس کی مثل دوسرے علوم کہ جن کے متعلق وہ خصوصیت رکھتے ہیں۔ اگر پورے اور منتظم بھی ہوں تو کس کام آئیں گے اور آخرت کا کونسا عذاب و وبال دور کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے بندہ سے اعراض کرنے کی علامت یہ ہے کہ وہ بے فائدہ کاموں میں مشغول ہو جائے اور جو چیز آخرت میں کام نہ آئے وہ لغو اور بے فائدہ ہے اور علم منطق جو کہ علم آلی ہے اور اس کو غلطی سے بچانے والا کہتے ہیں ان کے کام نہ آیا اور اعلیٰ مقصد میں اس نے ان کو غلطیوں سے نہ نکالا تو وہ دوسروں کے کیا کام آئے گا اور غلطی سے کیسے بچا سکے گا۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔

اور بعض آدمی جو فلاسفہ کے علوم سے دلچسپی رکھتے ہیں اور فلاسفہ کی ملمع شدہ باتوں پر مفتون ہیں وہ ان لوگوں کو حکما سمجھ کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر جانتے ہیں بلکہ قریب ہے کہ اُن کے جھوٹے علوم کو سچا سمجھ کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں پر مقدم جانیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُن کے بُرے عقائد سے محفوظ رکھے۔ ہاں جب ان لوگوں کو حکما سمجھیں گے اور ان کے علوم کو حکمت کہیں

گے۔ تو لازماً اس بلا میں گرفتار ہوں گے۔ کیونکہ حکمت تو اس علم سے عبارت ہے جو نفس الامر کے مطابق ہو تو پھر وہ علوم جو اس کے مخالف ہوں گے اور عدم مطابقت بہ نفس امر رکھتے ہوں گے وہ حکمت کیوں کر ہوں گے۔

مختصر یہ کہ ان کی اور ان کے علوم کی تصدیق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اور ان کے علوم کی تکذیب کو مستلزم ہے کیونکہ یہ دونوں علم ایک دوسرے کے مخالف واقع ہوئے ہیں ایک کی تصدیق دوسرے کی تکذیب کو مستلزم ہے اب جو چاہے وہ انبیاء کی ملت کو لازم پکڑے اور خدا کے لشکر میں شامل ہو جائے اور نجات پائے اور جو چاہے فلسفی ہو جائے اور شیطان کا گروہ بنے اور نامراد اور خسارہ اٹھانے والا بنے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا[1]	پھر جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے وہ کفر کرے یقیناً ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے اس کے شعلے ان کو گھیر لیں گے اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو ان کو گلے ہوئے تانبے کی طرح گرم پانی دیا جائے گا جو منہ کو جھلس دے گا۔ بہت برا پینا ہے اور بہت بری آرام کی جگہ ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى جَمِيعِ إِخْوَانِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ الْكِرَامِ وَالْمَلَائِكَةِ الْعِظَامِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا وَالسَّلَامُ۔

مکتوب نمبر ۲۴

ملا محمد مراد کشمی کی طرف جو کہ میر محمد نعمان کے مریدوں میں سے تھا صادر فرمایا

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی بزرگی اور ان کے آپس میں مہربان ہونے کے بیان میں)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

---

[1] سورہ کہف پارہ ۱۵۔

لہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔	محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے لئے بڑے سخت گیر ہیں۔ اور آپس میں بڑے مہربان ہیں تم ان کو رکوع اور سجدہ کی حالت میں دیکھو گے وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں۔
(اِلٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی)	(اللہ تعالیٰ کے اس قول تک)
لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا	تاکہ ان کے ساتھ کافروں کو غصہ دلائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور کام اچھے کئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کی اس کمال مہربانی کی وجہ سے جو وہ آپس میں رکھتے تھے مدح فرمائی ہے۔ کیونکہ رحیم جو کہ رحماءؔ کا واحد ہے مہربانی میں مبالغہ کو متضمن ہے اور چونکہ صفت مشبہ استمرار پر بھی دلالت رکھتی ہے چاہیئے کہ ان کی آپس میں مہربانی اور استمرار اور دوام کی صفت پر ہو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور کیا آپ کے انتقال کے بعد پس جو کچھ ایک دوسرے کے حق میں مہربانی کے منافی ہے۔ اس کی ان بزرگواروں سے ہمیشہ نفی کرنا چاہیئے اور ایک دوسرے کے ساتھ بغض و کینہ و حسد و عداوت کے احتمال کو ہمیشہ ہمیشہ ان سے منتفی ہونا چاہیئے۔

پھر جب تمام صحابہ کرام اس پسندیدہ صفت سے متصف ہوں جیسا کہ کلمہ
وَالَّذِيْنَ

کا مقتضا ہے جو کہ عموم اور استغراق کے صیغوں سے ہے تو پھر اکابر صحابہ کے متعلق کیا کہا جائے کہ ان میں تو یہ صفت اتمّ و اکمل ہو گی یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں"۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا۔" اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے" یعنی وہ لوازم و کمالات جو نبوت میں درکار ہیں وہ تمام حضرت عمر رکھتے ہیں لیکن چونکہ منصب نبوت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے لہذا منصب نبوت کی دولت سے مشرف نہ ہوئے۔

لہ سورہ فتح پارہ ۲۶۔

اور نبوت کے لوازمات میں سے ایک کمال درجہ کی مہربانی اور خلقت پر شفقت بھی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ رذیل اخلاق جو شفقت و مہربانی کے خلاف ہیں اور برے اخلاق ہیں سے ہیں مثلاً حسد بغض۔ کینہ۔ عداوت اس جماعت کے حق میں جو صحبت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ الصلوٰۃ والسلام کے شرف سے مشرف ہو چکی ہو کس طرح تصور کئے جا سکتے ہیں کہ اس امت کے جو بہترین امت ہے وہ بہترین آدمی ہیں۔ اور اس ملت کے جو تمام ملتوں کی ناسخ ہے سابق ترین آدمی بھی وہی ہیں کہ ان کا زمانہ بہترین زمانہ ہے اور ان کے ساتھی (پیغمبر) انبیاء و رسل میں بہترین رسول ہیں۔

اگر یہ لوگ بھی ان ردی صفات سے موصوف ہوں گے کہ اس امت مرحومہ کے کمینہ آدمی کو بھی ان برے اخلاق سے عار ہے تو پھر یہ لوگ کیوں اس امت کے بہترین آدمی ہوں گے اور یہ امت کس وجہ سے خیر الامم ہوگی۔ اور ایمان کی اسبقیت اور مال و جان خرچ کرنے کی اولیت کی کیا بزرگی و فضیلت رہے گی اور بہترین زمانہ کی کیا تاثیر ہوگی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا کیا اثر رہے گا۔؟

وہ لوگ جو اس امت کے اولیاء کی صحبت میں زندگانی گزارتے ہیں وہ بھی ان رذائل سے نجات پا جاتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اپنی عمر کو صرف کیا ہے۔ اور دین کی مدد اور تائید میں اپنی جانوں اور مالوں کو خرچ کیا ہے ان میں یہ احتمال کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ برے اخلاق ان میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ شاید ان کی نگاہوں سے خیر البشر علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت و بزرگی ساقط ہو چکی ہے اِس سے خدا تعالیٰ کی پناہ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ولی کے صحبت سے ناقص تر متصور ہوگی۔ اس سے اللہ کی پناہ۔

اور حال یہ ہے کہ کسی امت کا کوئی ولی بھی اس امت کے صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا پھر اس امت کے نبی کے درجہ کو کیسے پہنچے گا۔ شیخ شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے "جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تعظیم نہیں کرتا اس کا رسول اللہ پر کوئی ایمان نہیں ہے"۔

کچھ لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دو گروہ تھے۔ ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مخالف تھا اور دوسرا گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے موافق تھا۔ اور دونوں گروہ آپس میں ایک دوسرے سے عداوت و بغض و کینہ رکھتے تھے اور ان میں سے بعض لوگ بعض مصلحتوں کی بنا پر ان صفات کو اپنے اندر پوشیدہ رکھتے تھے۔ اور "تقیہ" کرتے تھے اور یہ بھی خیال

کرتے ہیں کہ یہ بُرے اوصاف ان میں قریباً ایک سو سال تک رہے یعنی جب تک رہے یہ اخلاق اُن میں رہے اور اس وہم کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو بُرے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور نامناسب چیزیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

انصاف کرنا چاہیئے کہ اس طرح دونوں فریق موردِ طعن ہوں گے اور بُری صفات سے متصف ہوں گے اور اس امت کے بہترین آدمی بدترین آدمی ہوں گے بلکہ تمام امتوں کے بدترین آدمی ہوں گے اور اس زمانہ کی خیریّت شریّت میں بدل جائے گی۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو اس وہم کی بنا پر برائی سے یاد کیا جائے اور ان اکابرین کی طرف نامناسب امور منسوب کئے جائیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ قرآنی نص کے فیصلے کے مطابق اس امت کے بہترین آدمی ہیں۔ ہیں۔ کیونکہ تمام مفسرین کا اجماع ہے کیا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور کیا دوسرے مفسرّ کہ یہ آیت کریمہ

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى — اور جہنم سے الگ رہے گا جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اَتْقٰی سے مراد وہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

پس جس شخص کو خداوند تعالیٰ اس بہترین امت کا پرہیز گار ترین آدمی فرمائے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ اس کو کافر۔ فاسق اور گمراہ کہنا کس حد تک برائی ہوگی۔ امام فخر الدین رازی نے اس آیت کریمہ سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر استدلال کیا ہے کیوں کہ بحکم آیت کریمہ۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ — (اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے افضل ترین آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔)

یعنی معزز ترین اس امت کا جو کہ مخاطب ہے خدا تعالیٰ کے نزدیک اس امت کا پرہیز گار ترین آدمی ہے اور جب حضرت صدیق بحکم نص سابق اس امت کے پرہیز گار ترین آدمی ہیں تو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس امت کے معزز ترین آدمی بھی وہی ہوں۔

اور اکابر ائمہ سلف کہ جن میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں رضی اللہ عنہ نے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع نقل کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیّت کا فیصلہ کیا ہے امام ذہبی جو اکابر محدثین سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت علی سے اس روایت کو اسّی کے قریب آدمیوں نے روایت کیا ہے۔

اور عبدالرزاق جو کہ اکابرِ شیعہ سے ہے نے بھی اس روایت کے مطابق شیخین کی افضلیت کا فیصلہ کیا ہے اور یہ عبارت لکھی ہے۔

اُفَضِّلُ الشَّیْخَیْنِ بِتَفْضِیْلِ عَلِیٍّ اِیَّاھُمَا عَلٰی نَفْسِہٖ وَاِلَّا لَمَا فَضَّلْتُھُمَا کَفٰی بِیْ وِزْرًا اَنْ اُحِبَّہٗ ثُمَّ اُخَالِفُہٗ۔

حضرت علی نے چونکہ اپنے نفس پر شیخین کو فضیلت دی ہے لہذا میں بھی شیخین کو افضل کہتا ہوں ورنہ میں ان کو فضیلت نہ دیتا میرے لئے یہی بوجھ کافی ہے۔ کہ میں حضرت علی سے محبت بھی رکھوں اور پھر ان کی مخالفت بھی کروں۔

پھر وہ لوگ جو کتاب وسنت کے فیصلہ اور اجماعِ صحابہ اور حضرت علی کے فیصلہ کے مطابق اس خیر الامم کے افضل ترین آدمی ہیں ان کی تنقیص اور تحقیر کرنا کونسا انصاف اور دیانت ہے۔ اور اس کے ضمن میں کونسی بھلائی ودیعت رکھی گئی ہے اگر کسی کو گالی دینے میں کوئی بھلائی اور عبادت ہوتی تو ابوجہل اور ابولہب کو گالی دینا جو نصوص قرآنی کے مطابق ملعون ومطرود آدمی ہیں اس امت کا وظیفہ ہوتا اور اس کے ضمن میں بہت سی نیکیاں حاصل ہوتیں۔ گالی دینے میں کونسی بھلائی ہے کہ جو کہ بے حیائی اور برائی کو شامل ہیں۔ خاص طور پر اس آدمی کے حق میں جو اس کا اہل اور مستحق نہ ہو۔ کسی چیز کو غیر موضع پر رکھنے کا نام ہی ظلم ہے اور پھر شے سے شے تک بڑا فرق ہے اور جگہ سے جگہ تک تفاوت ہے پس ظلم سے ظلم تک بھی بڑا فاصلہ ہوگا۔

اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہوئی ہے اور اس پر اس بہترین زمانہ کے مردوں۔ عورتوں۔ چھوٹوں اور بڑوں سب نے اتفاق کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے فرمایا ہے۔ "جس قدر اتفاق واجماع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ہوا ہے اتنا اجماع واتفاق دوسرے حضرات خلفائے ثلاثہ پر نہیں ہوا ہے۔ اس لیے کہ آپ کی خلافت کے ابتداء میں ایک طرح کا تردد تھا لہذا اس زمانہ والوں نے اس معاملہ میں بہت احتیاط ملحوظ رکھ کر قدم اٹھایا۔

جاننا چاہیئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتاب وسنت کے مبلغ ہیں اور اجماع بھی انہی کے زمانہ سے وابستہ ہے۔ اگر یہ تمام یا ان میں سے بعض مطعون ہو جائیں اور ضلالت وفسق سے متصف ہو جائیں تو پورے دین سے یا بعض دین سے اعتماد اٹھ جائے گا اور خاتم الانبیاء افضل الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا فائدہ کم رہ جائے گا۔ جامع القرآن حضرت عثمان ہیں بلکہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق ہیں رضی اللہ عنہم۔ اگر یہ مطعون ہو جائیں یا ان کی عدالت ختم ہو جائے تو قرآن پر کیا

اعتماد باقی رہ جائے گا اور دین کس چیز سے برپا رہے گا۔ اس کام کی بُرائی کو معلوم کرنا چاہیئے۔ اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سب عَدُول ہیں اور جو کچھ بھی ہمیں ان کی تبلیغ سے کتاب و سنت سے ملا ہے سب حق اور سچ ہے اور وہ جھگڑے اور تنازعات جو ان اکابرین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں واقع ہوئے ہیں۔ وہ ہوا و ہوس اور حب جاہ و ریاست کی وجہ سے نہ تھے بلکہ اجتہاد و استنباط کی بنا پر تھے۔ اگرچہ اجتہاد میں ایک فریق خطا پر تھا اور اس کا استنباط صواب سے دُور تھا۔

اہل سنت و جماعت کے علماء رضی اللہ عنہم کا متفقہ عقیدہ ہے کہ ان جھگڑوں میں حق بجانب حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت امیر سے لڑنے والے خطا پر تھے لیکن یہ خطا جس کا منشا اجتہاد ہے طعن و ملامت سے دور ہے بمقصود حقیت جانب امیر ہے اور خطا بجانب مخالف امیر۔ کہ اہل سنت اس کے قائل ہیں اور مخالف کو لعن طعن کرنا زیادتی ہے اور بے فائدہ ہے۔ بلکہ اس میں نقصان کا احتمال ہے کہ وہ پیغمبر کے اصحاب ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعض ان میں سے وہ ہیں جن کو جنت کی بشارت ملی ہے اور کچھ بدری ہیں جن کو بخش دیا گیا ہے اور عذاب اخروی ان سے مطلقاً مرفوع ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔

اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔ (بخاری، مسلم)

اللہ تعالیٰ نے بدر والوں پر جھانکا اور کہا جو چاہو عمل کرو یقیناً میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (بخاری، مسلم)

اور کچھ وہ ہیں جو بیعت رضوان سے مشرف ہوئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی بھی ان میں سے دوزخی نہیں ہے بلکہ علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے مفہوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ جنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ بِمَا

برابر نہیں ہیں تم میں سے وہ آدمی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی یہ لوگ بہت بڑے درجے والے ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور لڑائی کی اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ (بھلائی) کا وعدہ کیا ہے۔ اور اللہ

تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔ تمہارے اعمال سے خبر دار ہے۔

اور حسنیٰ جنت ہے پس تمام صحابہؓ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور لڑائی کی یا بعد از فتح مکہ ان سب کو جنت کا وعدہ ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ انفاق اور قتال کی نسبت قید کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ مدح کے لئے ہے کیونکہ تمام صحابہ ان دو صفات سے متصف تھے۔ پس سب کو جنت کا وعدہ ہے۔ ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ اس قسم کے بزرگواروں کو برائی سے یاد کرنا اور ان کے متعلق بدگمانی رکھنا انصاف اور دیانت سے کتنا دور ہے۔؟

سوال:۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس خلوص پر نہ رہے۔ اور خلافت کی محبت اور جاہ و ریاست کی طلب کی وجہ سے حق کی راہ سے منحرف ہو گئے اور حضرت علی سے منصب خلافت کو چھین لیا بلکہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا انحراف کفر کی حد تک پہنچ گیا تھا اور ان کا انجام گمراہی پر ہوا۔ پس ان کے خیال کے مطابق یہ جماعت ان وعدوں سے جو صحابہ کرام سے ہوئے تھے محروم ہے کیونکہ صحابیّت کی فضیلت تو اسلام کی فرع ہے اور جب ان کا اسلام ہی مشکوک ہو تو صحبت کی کیا تاثیر ہوگی۔؟

جواب:۔

حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو صحیح حدیثوں کے مطابق جو معنیً تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ کفر اور ضلالت کا احتمال ان سے اُٹھ چکا ہے اور پھر حضرات شیخین اہل بدر سے بھی ہیں جو کہ صحیح حدیثوں کے مطابق بخشے ہوئے ہیں اور پھر بیعت رضوان سے بھی مشرف ہیں کہ اس بیعت والے تمام آدمی صحیح حدیثوں کے مطابق جنتی ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور حضرت عثمان جو بدر میں حاضر نہ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو اُن کی بیوی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھی کی تیمار داری کے لئے مدینہ میں چھوڑ آئے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا جو فضیلت بدریوں کو حاصل ہوگی وہ تم کو بھی حاصل ہوگی اور وہ جو حضرت عثمان بیعت رضوان میں حاضر نہ تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا اور ان کی طرف سے خود بیعت فرمائی تھی۔ چنانچہ یہ واقعہ مشہور ہے اور پھر قرآن مجید بھی ان حضرات کی بزرگی بیان فرماتا ہے اور ان کی بلندی درجات کی خبر دیتا ہے۔ اور جو آدمی کتاب و سنت سے آنکھیں

بند کر کے جھگڑا شروع کرے وہ بحث سے خارج ہے۔ شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔

آنکس کہ بقرآن و خبر زونہ رہی [ل]
آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی

یہ کیا مصیبت ہوئی کہ اگر حضرت صدیق کفر و گمراہی کا احتمال رکھتے تو پیغمبر کے صحابہ اپنی عدالت اور کثرت کے باوجود ان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین کبھی نہ بناتے اور حضرت صدیق کی خلافت کی تکذیب میں تینتیس ۳۳ ہزار اس بہترین زمانہ کے آدمیوں کی تکذیب بھی ہے اور اس بات کو کوئی ایسا آدمی جس میں ادنیٰ سی بھی درایت ہو قبول نہ کرے گا۔ اور اس زمانہ میں کونسی خیریت باقی رہے گی جس زمانہ کے تینتیس ۳۳ ہزار آدمی باطل پر جمع ہو جائیں اور ایک ضال و مضل کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بنا دیں۔

خدا تعالیٰ اس جماعت کو انصاف دے کہ اکابرین سے اپنی زبان روکیں اور پیغمبر کی صحبت کے حق کو ملحوظ رکھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم۔

میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو۔ میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو اور میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنا لینا جس نے ان سے محبت رکھی تو میری محبت کی وجہ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔

زیادہ کیا لکھوں اور روشن ترین بدیہی بات کو اور کتنا روشن کروں کیونکہ حضرت صدیق کہ قرآن مجید ان کی مدح سے بھرا ہوا ہے ایک ہی سورۃ واللیل میں تین آیات کریمہ ان کی شان میں نازل ہوئیں۔ اور صحیح احادیث تو حساب و شمار سے زیادہ ہیں۔ جو ان کے فضائل میں مروی ہیں اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی ان کے اوصاف و شمائل بلکہ تمام صحابہ کا تذکرہ آیا ہے۔ جیسا کہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ

(ان کی یہ مثال تو تورات میں تھی اور ان کی مثال انجیل میں یہ تھی)

[ل] جس سے تو قرآن و حدیث سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو جواب نہ دے۔

اور اس امت مرحومہ ہو کہ بہترین امت ہے کے سردار اور رئیس حضرت صدیق ہی ہیں جب ان کو ہی کافر و گمراہ جانیں تو دوسروں کے متعلق کیا عرض کروں اور کس راہ سے آ کر بات کروں۔ اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے۔ غیب اور حاضر کو جاننے والے تو ہی اپنے بندوں میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

مکتوب نمبر ۲۵

ملا طاہر کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ ذکر کہنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور نماز پڑھنے سے کیا نتائج اور ترقی مراتب حاصل ہوتی ہے۔)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اِس راہ کے طالب مبتدی کو ذکر کہنے سے چارہ نہیں ہے کہ اس کی ترقی ذکر کے تکرار سے وابستہ ہے۔ بشرطیکہ اس نے شیخ کامل مکمل سے اس کو حاصل کیا ہو اور اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو بہت دفعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کا ذکر نیک لوگوں کے اوراد میں سے ہو کہ اس کا نتیجہ ثواب ہے نہ کہ درجہ قرب جو کہ مقربین سے تعلق رکھتا ہے اور جو میں نے کہا ہے کہ "بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ نیک لوگوں کے اوراد کے قبیل سے ہو" یہ اس لئے کہا ہے کہ جائز ہے کہ خداوند تعالیٰ کا فضل بغیر کسی شیخ کے ذریعہ کے طالب کی تربیت کرے اور اس کے تکرار ذکر کو مقربین سے بنا دے بلکہ جائز ہے کہ بے تکرار ذکر بھی اس کو قرب کے مراتب سے مشرف کرے اور اپنے اولیاء سے بنا لے۔

اور یہ شرط باعتبار اکثر ہے اور حکمت و عادت الٰہی کے مطابق اور جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے وہ معاملہ جو ذکر سے تعلق رکھتا ہے پورا ہو جاتا ہے اور خواہشات کے معبودوں کی گرفتاری سے خلاصی میسر ہو جاتی ہے اور نفس امارہ مطمئنہ ہو جاتا ہے تو اس وقت ذکر کہنے سے ترقی حاصل نہیں ہوتی اور اس وقت ذکر نیک لوگوں کے اوراد کی حیثیت رکھتا ہے پھر اس مقام میں قرب کے مراتب قرآن مجید کی تلاوت اور لمبی قرأت سے نماز ادا کرنے سے وابستہ ہیں۔ جو کچھ پہلے ذکر کہنے سے حاصل ہوتا تھا اس وقت وہ قرآن مجید کی تلاوت سے خصوصاً اس قرآن سے جو نماز میں پڑھا جائے حاصل ہوتا ہے

مختصر یہ کہ اس وقت ذکر تلاوت کا حکم پیدا کرتا ہے جو کہ شروع میں نیک لوگوں کے اوراد کے قبیل سے تھا اور تلاوت ذکر کا حکم پیدا کر لیتی ہے جو کہ ابتدا و توسط میں مقربات سے تھی۔

عجب معاملہ ہے کہ اس وقت اگر ذکر قرآن مجید کی قراءت کے عنوان سے تکرار کیا جائے۔ یعنی قرآن مجید کی کسی آیت کا ذکر کیا جائے اور استعاذہ سے شروع کیا جائے تو وہی فائدہ دیتا ہے۔ جو قرآن مجید کی تلاوت سے میسر ہے اور اگر قرأت سمجھ کر اس کی تکرار نہ کی جائے تو وہ نیک لوگوں کے اعمال سے ہے۔ ہر عمل کا ایک مقام اور ایک موسم ہوتا ہے اگر اس موسم میں بجالایا جائے تو اس میں حسن و ملاحت پیدا کرتا ہے اور اگر اس موسم میں ادا نہ کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ خطا ہو۔ اگرچہ وہ نیکی ہی کیوں نہ ہو تشہد میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا غلط ہے اگرچہ وہ ام الکتاب ہے۔

پس اس راہ میں پیر ضروریات سے ہے اور اس کی تعلیم سب سے اہم کام ہے اور اس کے سوا "مفت کی دردسری ہے"

ایک بزرگ نے کہا ہے ؎

ازاں روئے کہ چشم تست احول
معبودِ تو پیر تست اوّل

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۲۶

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے نہ کہ وجود سے اسی طرح بذاتِ خود زندہ عالم اور دوسری آٹھ صفات سے بھی موصوف ہے نہ کہ صفات زائدہ کے سبب سے اور اس کے متعلقات)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نفس وجود اور تمام کمالات میں جو کہ وجود کے توابع ہیں مثلاً حیٰوۃ[1]۔ علم[2]۔ قدرت[3]۔ بصر[4]۔ ارادہ[5]۔ سمع[6]۔ کلام[7]۔ تکوین[8] میں بذاتِ اقدس خود کافی ہے اور ان کمالات کے حصول میں وہ صفاتِ زائدہ کا محتاج نہیں۔ اگرچہ صفات کاملہ زائدہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں پس

؎ چونکہ تیری آنکھ بھینگی ہے لہٰذا ابتدا میں تیرا پیر تیرا معبود ہے۔ ۱۲

اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذاتِ پاک سے خود موجود ہے نہ کہ وجود سے اسی طرح وہ اپنی ذات سے زندہ ہے نہ کہ حیوٰۃ سے جو اس کی صفت ہے اور اپنی ذات سے جاننے والا ہے نہ کہ علم صفت سے اور اپنی ذات سے دیکھنے والا ہے نہ کہ صفت بصر سے اور اپنی ذات سے سننے والا ہے نہ کہ صفت سمع سے اور اپنی ذات سے قادر ہے نہ کہ صفت قدرت سے اور اپنی ذات سے ارادہ کرنے والا ہے نہ کہ صفت ارادہ سے اور اپنی ذات سے متکلم ہے نہ کہ صفت کلام سے اور اپنی ذات سے ایجادِ کائنات کا موجد ہے نہ کہ صفت تکوین سے۔

اگرچہ عالم کا وجود تکوین اور باقی صفات کے واسطہ سے ہے چنانچہ اس معنی کی تحقیق عنقریب آئے گی۔ یہ تکوین قدرت کے سوا اور چیز ہے کیونکہ قدرت میں فعل اور ترکِ فعل دونوں برابر ہیں اور تکوین میں فعل کی جانب متعین ہے اور یہ فرق بھی ہے کہ قدرت ارادے پر مقدم ہوتی ہے اور تکوین ارادے کے بعد ہے۔ یہ تکوین بندہ کی اس استطاعت کے مشابہ ہے کہ علماءِ اہل حق نے اس کو بندہ کے فعل سے متصل رکھا ہے اور اسے قدرت وارادہ کی صفت کے علاوہ سمجھا ہے۔ کیوں کہ قدرت فعل وترک فعل کی دونوں طرفوں کو برابر قرار دیتی ہے اور ارادہ ایک طرف کو ترجیح دینے والا ہے۔ اور ایجاد ترجیح ارادہ کے بعد تکوین سے تعلق رکھتی ہے اور اگر قدرت کا اثبات نہ کیا جائے جو طرفین کی مصحح ہے تو جبر لازم آئے گا اور اگر تکوین کا اثبات نہ کیا جائے تو ایجاد بے سہارا رہ جاتی ہے کیونکہ قدرت ایجاد کی مصحح ہے اور تکوین ایجاد سے ملحق ہے پس تکوین کے اثبات سے چارہ نہیں ہے کہ علماء ماتریدیہ کو اس کی راہنمائی حاصل ہوئی ہے اور اشاعرہ نے جب اس کی نسبت اور تعلق کو بہت سی چیزوں کے ساتھ پایا تو اسے صفات اضافیہ سے شمار کر لیا" اور اللہ حق کو حق کرتا ہے۔ اور وہی رستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

تخلیق۔ ترزیق۔ احیاء۔ اماتت اور ان جیسی اور صفات کو تکوین کی طرف راجع کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ اگر ہر ایک کو مستقل طور پر صفتِ قدیمہ کہا جائے تو بے ضرورت بہت سی چیزوں کا قدیم ہونا ثابت کرنا ہوگا۔ پس واضح ہوا کہ جو کچھ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے صفات میسر ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کو بذاتِ خود بے توسط صفات حاصل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی دوسری چیز کے ملاحظہ اور اعتبار کے بغیر بھی تمام کمالات کی جامع ہے بلکہ ہر کمال کا عین ہے۔ کیونکہ بعض اور جزو ہونا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ناپید ہے وہ تمام علم ہے۔ وہ تمام سننا (سمع) ہے۔ وہ تمام دیکھنا (بصر) ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات ہیں۔

اور اس کے باوجود خدا تعالیٰ کی سات صفات بلکہ آٹھ صفات کہ جن کے وجود کے علمائے اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیھم قائل ہیں وہ بھی ثابت ہیں۔ اور یہ صفاتِ کاملہ جو قدیم ہیں ان کمالات ذاتیہ کے ظلال ہیں اور ان کمالات کا مظہر ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ ان کمالات کا پردہ ہیں اور ان پوشیدہ انوار کا حجاب ہیں۔

سوال:

اگر خداوند تعالیٰ کی ذات تمام کمالات کے حصول میں کافی ہے تو صفات کا اثبات کس لئے کیا جائے اور بہت سی چیزوں کے قدیم ہونے کا قول کیوں کہا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ فلاسفہ اور معتزلہ نے صرف ذات پر اکتفا کیا ہے اور بہت سی چیزوں کے قدیم ہونے کے قول سے فرار کر کے نفی صفات کے قائل ہوئے ہیں۔

جواب:

اللہ تعالیٰ کی ذات اگرچہ حصولِ کمالات میں کافی ہے لیکن چیزوں کی تکوین و تخلیق میں صفات زائدہ سے چارہ نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات انتہا درجہ کی پاک اور مقدس ہے اور اس کی عظمت و جلال اور کبریائی کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اسے کمال درجہ کا غنا حاصل ہے اور دوسری چیزوں کے ساتھ اس کی بے مناسبتی کمال درجہ کی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔)

اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عادت کے مطابق فائدہ اور فیض پہنچانے اور فائدہ اور فیض حاصل کرنے میں مناسبت سے چارہ نہیں ہے۔ یہ صفات ہیں جنہوں نے ایک درجہ تنزل فرما کر ظلیت پیدا کر لی ہے اور چیزوں سے مناسبت پیدا کر لی ہے اور اگرچہ اشیاء نے بہت تھوڑا حاصل کیا ہے لیکن اگر صفات کا واسطہ نہ ہوتا تو اشیاء میں سے کسی چیز کا حصول بھی متصور نہ ہوتا۔ کیونکہ اشیاء کو خدا تعالیٰ کے انوار کی شعاعوں کے غلبہ میں سوائے ہلاکت اور فنا اور انحراف اور انعدام کے اور کوئی چیز حاصل نہ ہوتی۔

وہ لوگ بے سمجھ ہیں جو خدا تعالیٰ کی صفات کا اثبات نہیں کرتے اور اشیاء کی ایجاد کو خالص ذات الٰہی جل سلطانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ صادرِ اوّل (عقل فعال) کی کیا حقیقت ہے کہ صفات کے پردہ کے بغیر خدا تعالیٰ کی ذات کے انوار میں مضمحل اور ناچیز نہ ہو جائے۔

سوال:۔

فلاسفہ اور معتزلہ نے اگرچہ خارج میں صفات کا اثبات نہیں کیا ہے لیکن علمی اعتبارات سے ان کے قائل ہیں اور کمالات ذاتیہ کے علم میں ان کو الگ سمجھتے ہیں تو اس صورت میں بھی اشیاء کی ایجاد خالص ذات کی طرف منسوب نہ ہوئی کہ درمیان میں اعتبارات کا توسط پیدا ہوگیا۔

جواب:۔

ایجادِ عالم خارج میں ہے اور عالم خارج میں موجود ہے۔ پس خارجی حجابات سے چارہ نہیں ہے تاکہ وہ خارجی اشیاء کے وجود کا وسیلہ بن سکیں۔ اور خارج میں اشیاء کی ہلاکت اور برگشتگی سے ان کی حفاظت کرسکیں۔ علمی اعتبارات وجودات خارجی میں کام نہیں آسکتے اور علمی حجاب موجودات خارجی کی حفاظت میں کفایت نہیں کرتے بعض صوفیہ جو عالم کو صرف علمی طور پر موجود سمجھتے ہیں علمی اعتبارات ان کو شاید کچھ نفع دیں اور ان کے وجودات علمی کا وسیلہ بنیں۔ لیکن عالم خارج میں موجود ہے۔ اگرچہ یہ خارج اس خارج کا ظل ہی ہو اور یہ وجود اس وجود کا ظل ہی ہو پس حجب خارجی سے جو کہ عالم وجودِ خارجی کا وسیلہ بن سکتے ہیں کوئی چارہ نہیں ہے۔ پس چاہیئے کہ صفات حقیقیہ خارج میں موجود ہوں اور اشیاء کو ترتیب دیں اور اپنے ذاتی کمالات کو عالم کے آئینہ میں ظاہر کریں اور ظہور کے تخت پر لائیں۔ صفات اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے حجاب ہیں لیکن کمالات ذاتیہ کا ظہور انہی کے وجود سے وابستہ ہے۔ ان کا حجاب عینک کے حجاب کی طرح ہے جو دکھانے کا سبب ہے۔ یہ ظہور اور یہ نمائندگی اگرچہ ظلی ہے لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارے وجود کو ظل سے وابستہ کیا گیا ہے اور "ہونے" کو حجاب کے سپرد کیا گیا ہے۔ جو چیز کسی کی ذات میں داخل ہو وہ ذات سے الگ نہیں ہوسکتی۔

بیت مصرعہ:

سیاہی از حبشی کہ رود کہ خود رنگ است[۱]

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ

وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَىَّ وَاَجْمَلُ[۲]

بندہ خدا نہیں ہے لیکن اس کے فضل وکرم سے خدا سے الگ بھی نہیں ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

(آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو)

اگرچہ خداوند تعالیٰ کو اشیاء کے ساتھ معیّت کی نسبت حاصل ہے۔ لیکن وہ معیت جس کا منشا

---

۱ حبشی کی سیاہی کس طرح جائے کہ وہ تو اس کا اصل رنگ ہے

۲ اور اس کے بعد وہ معاملہ ہے جس کا بیان نہایت دقیق ہے اور اس کا چھپانا میرے نزدیک کتنا لذت بخش اور اچھا ہے۔

محبت ہے وہ اور ہے۔ جب تک انسان محبت پیدا نہ کرے۔ اس کو معلوم نہیں کر سکتا اور چونکہ محبت میں مختلف مدارج ہیں تو انہی کے اندازہ کے مطابق اس معیّت میں بھی فرق ہے۔ یہی معیّت ہے۔ جو ظلیّت سے خلاصی کا سبب ہے اور یہی معیت ہے جو کلیت کے فنا کا واسطہ ہے اور یہی معیت ہے جو غلامی کو ختم کرنے والی ہے اور عین بندگی میں آزادی کو بخشنے والی ہے اور یہی معیّت ہے جو انانیّت کو ختم کرنے والی ہے۔ بلکہ انانیّت کمالیّت کے درجہ تک بلند کرنے والی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے معیّت عامہ میں اپنے آپ کو ان کے ساتھ فرمایا ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ۔ (اور وہ تمہارے ساتھ ہے)

اور معیّت خاصہ میں بحکم حدیث

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو)۔

لوگ محبت کے تقاضے کے مطابق اس کے ساتھ ہیں اور ان دونوں معیّتوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ معیّت خاصہ میں طرفین سے اثبات معیّت ہے اور معیّت عامہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہے پس اس کو عین وجدان میں بھی محرومی لازم ہے۔

يَا حَسْرَتَا عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ۔ (ہائے افسوس اس پر جو میں نے اللہ کے معاملہ میں کوتاہی کی۔)

عالم اگرچہ ظلال صفات ہے اور ان نے صفات کے ذریعہ وجود و بقا پیدا کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والا محبت ذاتیہ کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہے اور صفات سے جو کہ اس کے اصول ہیں بے کیف عروج کے ساتھ اوپر چلا جاتا ہے اور اصول کو چھوڑ کر اصول کے اصل سے مل جاتا ہے۔ لیکن یہ ملنا بھی بے کیف ہے اور اگر اصل سے اوپر نہ جائے تو آنے کا کیا فائدہ ہے محبت کس کام کی اصل سے اتصال ہر وقت رکھتا ہے اور وصل ظلّی اس کو ہر وقت میسّر ہے۔ کام یہ ہے کہ اصل کو بھی ظل کی طرح زینہ بنانا چاہیئے اور محبت کے بازو سے اوپر اڑنا چاہیئے۔

اس عروج کی مہم ہر آدمی کے لائق نہیں ہے۔ اور اپنے آپ کو چھوڑ کر اوپر جانا ارباب فکر و نظر کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے بلکہ صوفیا میں سے بھی ہزاروں میں سے کوئی ایک اس دولت سے مشرف ہوتا ہے اور اس معمار کا راز اسی پر منکشف ہوتا ہے۔ ؎

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سوال:-

یہ سیر انفسی ہے یا آفاقی؟

جواب:-

نہ آفاقی ہے اور نہ انفسی کیونکہ آفاق و انفس باہر اور اندر کو چاہتے ہیں اور معاملہ دخول و خروج سے بہت بلند ہے۔ اگرچہ یہ ارباب نظر کے نزدیک ممنوع ہے۔ جب مطلوب دخول اور خروج سے پاک ہوگا تو وہ نسبت بھی جو اس سے پیدا ہوگی لازماً دخول اور خروج سے پاک ہوگی۔ اور یہ سیر اس اشکال اور اس دقّت کے باوجود اس سیر والوں کے نزدیک جو اہل علم ہوں بالکل دہلی اور آگرہ کی سیر کی طرح ہے کہ معلوم و متمیّز اور ایک منزل دوسری منزل سے جدا ہے۔

تنبیہ:-

عالم اگرچہ صفات کا ظلال ہے اور صفات حضرت ذات کا ظلال ہیں لیکن اس ظلّیت کے درجات اور مراتب ہیں کہ ہر ایک کو حجاب مطلوب ہے

اِنَّ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ (اللہ تعالیٰ کے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں)

آپ نے سنا ہوگا جبتک تمام حجاب دور نہ ہو جائیں ظلیت سے آزاد نہیں ہونا اور اس جگہ حجاب کے پھٹنے سے مراد فرق شہودی ہے اور وہ جو اس حدیث کے آخر میں تمام حجابات کے پھٹنے کی نفی ہے تو اس فرق سے فرق وجودی مراد ہے جو ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ صفات قدیمہ کے رفع کو مستلزم ہے جو محال ہے۔

لیکن چونکہ غیر متکیف معیت حاصل ہے لہذا وہ فرقِ وجودی کا حکم رکھتا ہے۔ وہ حجاب کے ہوتے ہوئے بھی بے حجاب ہے کیونکہ معیّت نقد وقت ہے جو حائل کی طاقت نہیں رکھتی۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیھم وعلیٰ آلہ الطاہرین اجمعین۔

لہ (حاشیہ سابقہ صفحہ) بال سے باریک، تر یہاں نکتے ہیں۔ جو آدمی بھی سر منڈالے وہ قلندری نہیں جانتا۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۲۷

ملا علی کشمی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ بندہ کو چاہیئے کہ اپنی مرادات سے پوری طرح باہر آجائے اور اپنے مولا کی مرادات کے ساتھ ہو اور مرض ذاتی وعرضی کا بیان)

بندہ کو چاہیئے کہ اللہ عزوجل کے سوا اس کی کوئی مراد اور مطلب نہ ہو۔
اور اگر ایسا نہ ہو تو اس نے غلامی کی رسی سے سر باہر نکالا اور غلامی کی قید سے پاؤں باہر کھینچا۔ وہ بندہ جو اپنی مرادات اور ہوا و ہوس پر فریفتہ ہے وہ اپنے نفس کا بندہ ہے۔ اور شیطان مردود کی اطاعت میں ہے اور یہ دولت ولایت خاصہ کے حصول سے وابستہ ہے۔ جو پوری فنا و بقا کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

سوال:۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کاملین سے بھی خواہش و مراد کا اظہار ہوتا ہے اور مختلف مطالب کے حصول کی آرزو ان بزرگواروں سے بھی محسوس ہوتی ہے۔ امام۔ انبیاء اور سلطان اولیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی ٹھنڈی اور میٹھی چیزوں کو پسند کرتے تھے اور وہ حرص جو وہ امت کی ہدایت کے متعلق رکھتے تھے قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہے۔ ان بزرگواروں میں اس قسم کی خواہشات کے باقی رہنے کی کیا وجہ ہے۔؟

جواب:۔

بعض خواہشات ایسی ہیں کہ ان کا منشا طبیعت ہے۔ جب تک طبیعت کا عالم قائم ہے۔ وہ بھی قائم ہیں۔ گرمی کے وقت میں طبیعت بے اختیار سردی کی طرف مائل ہوتی ہے اور سردی کے وقت گرمی کی طرف راغب ہوتی ہے اس قسم کی خواہش عبودیت کے منافی نہیں ہے اور اپنے نفس کی خواہش کی گرفتاری کا سبب بھی نہیں ہے کیونکہ طبعی ضروریات تکلیف کے دائرہ سے خارج ہیں اور نفس امارہ کی خواہش سے باہر ہیں کیونکہ نفس کی خواہشات یا زائد مباح چیزیں ہیں یا مشتبہ و حرام اور وہ جو ضروری مباح ہیں اور وہ جو ضروری مباح ہیں نفس کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے پس گرفتاری

اور بد کرداری کا منشا فضول افعال ہیں اگرچہ وہ مباح کی قسم سے ہوں یا مشتبہ فضول مباح کو حرام سے ہمسائیگی کے قرب کی نسبت ہے کہ اگر دشمن لعین کے اغوا سے اس جگہ سے قدم اٹھائے تو بے اختیار حرام میں جا پڑے پس ضروری مباح امور پر اقتصار ہونا چاہیئے کہ اگر اس سے لغزش واقع ہو تو فضول مباح میں گرے اور اگر فضول مباح میں اپنی سکونت رکھے گا تو پھسلنے کے بعد اگر قدم باہر پڑے گا تو لازماً حرام میں جا گرے گا۔

اور بعض خواہشات ایسی ہوتی ہیں کہ وہ خارج سے آتی ہیں۔ حالانکہ آدمی کا اپنا نفس مرادات سے خالی ہوتا ہے اور خارج میں یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے واعظ ہوتا ہے جو نیکی کا القاء کرتا ہے۔

فَاِنَّ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَاعِظًا فِیْ قَلْبِ کُلِّ مُؤْمِنٍ (ہر مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک واعظ ہے۔)

اور یا پھر وہ شیطان ہوتا ہے اور اس کا القاء برائی اور عداوت ہے۔

یَعِدُھُمْ وَیُمَنِّیْھِمْ وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا (ان کو وعدہ دیتا ہے اور خواہشوں میں مبتلا کرتا ہے اور شیطان ان کو صرف دھوکے کا وعدہ دیتا ہے۔)

ایک دن یہ فقیر صبح کی نماز کے بعد سکونت قلعہ کے ایام میں خاموشی سے جو کہ اس طریقہ علیہ کی روش ہے بیٹھا ہوا تھا کہ بے فائدہ آرزوؤں کے ایک ہجوم نے مجھے بے مزہ کر دیا۔ اور دل جمعی ختم ہو گئی۔ کچھ وقت کے بعد جب اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے جمعیت حاصل ہوئی تو دیکھا کہ وہ تمام آرزوئیں بادل کے ٹکڑوں کی طرح باہر نکل گئیں اور القاکرنے والے کے ہمراہ باہر نکل گئیں۔ اور مکان کو خالی کر دیا۔ اسوقت معلوم ہوا کہ یہ خواہشات باہر سے آئی تھیں اور اندر سے نہ اٹھی تھیں۔ جو بندگی کے منافی ہوتیں۔

مختصر یہ کہ ہر وہ فساد جس کا منشا نفس امارہ ہے وہ ذاتی مرض ہے اور سمّ قاتل ہے اور مقامِ بندگی کے منافی ہے اور ہر وہ فساد جو باہر سے آئے اگرچہ وہ شیطانی القا ہی کیوں نہ ہو وہ امراضِ عارضہ سے ہے جس کا علاج آسانی سے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا۔ (یقیناً شیطان کی تدبیر کمزور ہے۔)

ہمارے لئے مصیبت ہمارا نفس ہے اور ہمارا دشمن جانی ہمارا بُرا ساتھی ہے۔ بیرونی دشمن اس کی مدد سے ہم پر غلبہ پاتا ہے اور اس کی امداد سے ہمارے پاؤں اکھاڑتا ہے۔ تمام اشیاء

میں سے جاہل ترین نفس امّارہ ہے جو اپنا دشمن و بدخواہ ہے اور اس کی ہمت اپنے نفس کو ہلاک کرنے میں ہے اور اس کی خواہش خداوند تعالیٰ کی جو اس کا مالک بھی ہے اور اس کی نعمتوں کا مالک بھی نافرمانی کرنا ہے اور شیطان کی اطاعت جو اس کا جانی دشمن ہے۔

جاننا چاہیئے کہ مرض ذاتی و عارضی اور فساد داخلی و خارجی میں امتیاز کرنا بڑا مشکل ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی ناقص اس خیال میں اپنے آپ کو کامل سمجھنے لگے اور اپنے ذاتی مرض کو عارضی مرض جانے اور نقصان اٹھائے۔ اسی ڈر سے اس راز کو لکھنے کی جراءت نہ کرتا تھا۔ اور اس بات کا اظہار اچھا نہ جانتا تھا۔ قریباً سترہ سال گزرے ہیں کہ میں بھی اس شبہ میں تھا اور اپنے فساد ذاتی کو فساد عارضی سے ملا جُلا پاتا تھا۔ تو پھر اس وقت اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے حق کو باطل سے جدا کر دیا اور مرضِ ذاتی کو مرضِ عارضی سے الگ کر دیا۔ اور اس نعمت اور دوسری تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے اور اسی کا احسان ہے۔

اس قسم کے اسرار کو ظاہر کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کوئی کوتاہ نظر آدمی کسی کامل کو اِس قسم کی بیرونی آرزوؤں کی وجہ سے ناقص خیال نہ کرے اور اس کی برکات سے محروم نہ رہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی دولت سے کافروں کی محرومی کا باعث ان بزرگواروں میں اس قسم کی صفات کا وجود تھا۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا (سو کہنے لگے کیا آدمی ہم کو ہدایت دیں گے۔ سو انہوں نے انکار کر دیا۔)

اور وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ عارف کو مرادات اور خواہشات کے زوال کے بعد پھر صاحب ارادہ بنا دیتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں اختیار دے دیتے ہیں۔ اس معنی کی تفصیل انشاء اللہ کسی دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے لکھی جائے گی۔ کہ یہ وقت اس کی موافقت نہیں کرتا۔

والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمھا واکملھا۔

لہ انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی ظاہری ضروریات اور پریشانیوں کو دیکھ کر انہیں اپنی طرح کہنے والے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی اس عبارت کو غور سے پڑھیں اور اصل معاملہ سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ بے ادبی کے وبال سے دوچار نہ ہوں۔

مکتوب نمبر ۲۹

ملا صالح تبرک کی طرف صادر فرمایا

(ارواح موتیٰ کو صدقہ کرنے کی کیفیت کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ایک دن فقیر کے دل میں خیال آیا کہ اپنے فوت شدہ بعض اقارب کی روح کو صدقہ کر کے بخشا جائے اس اثنا میں ظاہر ہوا کہ اس نیّت سے اس میت مرحوم کو خوشی اور سرور حاصل ہوا اور خوش اور خرم نظر آیا۔ اور جب صدقہ دینے کا وقت آیا تو پہلے حضرت رسالت خاتمیّت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو اس صدقہ کی نیّت کی جیسا کہ عادت تھی۔ اس کے بعد اس نیّت کردہ میّت کی روحانیّت کو نیّت کر کے دیا تو اس وقت اس میّت میں ناخوشی اور اندوہ کا احساس ہوا اور اس میں کلفت و کدورت ظاہر ہوئی۔

اس حال سے بڑا تعجّب ہوا اور ناخوشی اور کلفت کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ باوجود اس کے کہ محسوس ہوا کہ اس صدقہ کرنے سے برکاتِ عظیمہ اس میّت کو پہنچیں۔ لیکن وہ خوشی اور سرور اس میں ظاہر نہ ہوا۔

اور اسی طرح ایک روز کچھ پیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچانے کی نیت سے دیئے اور دوسرے انبیائے کرام علیہم الصّلوات والتّسلیمات کو بھی اس نذر میں داخل کیا۔ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کو طفیلی بنایا۔ تو اس امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی معلوم نہ ہوئی۔

اور اسی طرح بعض اوقات میں درود پڑھا کرتا۔ اگرچہ ہر مرتبہ میں دوسرے انبیاء پر بھی درُود بھیجتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں مرضی ظاہر نہ ہوئی۔ باوجود اس کے کہ معلوم ہوا ہے کہ اگر کسی آدمی کی روح کو صدقہ کر کے تمام مومنوں کو اس میں شریک کر دیں تو تمام کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کا جس کی نیت سے دیا گیا تھا اس سے کچھ اجر کم نہیں ہوتا۔

اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ (تیرا رب وسیع بخشش والا ہے)

اس تقدیر پر ناخوشی اور عدمِ رضا کی وجہ کیا تھی۔ ایک مدت تک اس اشکال نے خدشہ میں رکھا۔

بالآخر فضل خداوندی جل شانہٗ ظاہر ہوا کہ ناخوشی اور کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر بے شرکت غیرے کسی میّت کو صدقہ دیا جائے تو وہ میّت اپنی طرف سے تحفہ وہدیہ اس صدقہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جائے گا اور اس کے ذریعہ سے بہت سی برکات اور فیوض حاصل کرے گا اور اگر صدقہ دینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیّت کرے تو پھر اسے کیا ملیگا۔ شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میّت کو صرف اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدمِ شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے۔ تو اسے صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور صدقہ کو تحفہ وہدیہ دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فیوض وبرکات بھی حاصل ہوں گے۔

اور اسی طرح جس شخص کو بھی شریک کریں گے یہی نسبت ثابت ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے کہ اس کو میت اپنی طرف سے ہدیہ کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں کوئی ہدیہ بغیر کسی کی شرکت کے لے جائے اگرچہ وہ طفیلی ہی ہو۔ تو اس طرح تحفہ گذارنا بہتر ہے۔ یا شرکت سے ؟ تو شک نہیں ہے کہ بے شرکت بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنی طرف سے دے تو بہتر ہے۔ اس لئے کہ یہ آدمی زائد طور پر دوسروں کو اس میں داخل کرتا ہے اور آل واصحاب جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عیال کی طرح ہیں اگر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدیہ میں طفیلی طور پر شامل کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقبول وپسندیدہ ہے۔

ہاں یہ بات تو معلوم ہے کہ معتا وتحائف میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے برابر والوں کو شریک کریں تو اس کی رضامندی اور ادب سے دور معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے خادموں کو اس کا طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اسے پسند آتا ہے کیونکہ خادموں کی عزت کرنا حقیقت میں اس کی عزت کرنا ہے پس معلوم ہوا کہ مُردوں کی زیادہ رضامندی صدقہ تنہا دینے میں ہے نہ کہ اشتراکِ صدقہ میں

لیکن یہ چاہیئے کہ جب بھی کسی میّت کو صدقہ دینے کی نیّت کرے تو چاہیئے کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیّت سے کچھ ہدیہ الگ کرے اور بعد ازاں میّت کو صدقہ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اور یہ بھی ہے کہ اس صورت میں صدقہ کے قبول ہونے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل زیادہ احتمال ہے۔

یہ فقیر مُردوں کے بعض صدقات میں جب اپنے آپکو نیت کے درست کرنے میں عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر علاج نہیں پاتا کہ اس صدقہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے متعین کرے اور اس میّت کو انکا طفیلی بنائے امید ہے کہ انکے واسطہ کی برکت سے قبول ہو جائیگا علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اگرچہ ریا وسمعہ سے درود پڑھا جائے تو وہ مقبول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ وصول ہو

جاتا ہے۔ اگرچہ اس درود بھیجنے والے کو اس کا کوئی ثواب نہیں ملتا۔ کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کی درستی سے وابستہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت کے لئے کہ مقبول و محبوب ہے صرف بہانہ کافی ہے۔

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام وعلی جمیع اخوانہ الکرام من الانبیاء والملائکۃ العظام الی یوم القیٰمۃ

مکتوب نمبر ۲۹

سیادت پناہ میر محب اللہ کی طرف صادر فرمایا

(قرآن کے بعض کلمات قدسی آیات کے سمجھنے کے بیان میں)

ابتدا میں جب بعض کلماتِ قدسی آیات کے سمجھنے میں اپنے قصورِ فہم سے کوئی خدشہ اور قصور پیدا ہوتا اور اس کی تطبیق میں عاجز ہو جاتا تو وسوسہ کے رفع کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سے بہتر علاج نہ پاتا کہ اپنے آپ سے کہتا کہ اس نظم قرآنی کو تو خدا تعالیٰ کا کلام تسلیم کرتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے یا نہیں؟ اگر ایمان نہیں لاتا تو تو کافر ہے اور بحث سے خارج ہے اور اگر اس پر ایمان رکھتا ہے۔ تو تیرے سمجھنے میں قصور ہے نہ کہ نظم قرآنی میں جو زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کا کلام ہے اور عقول اور ادراکات کے موجد کا کلام ہے اور جب اللہ جل سلطانہ کے فضل سے کلام ربانی کے حق ہو جانے کا ایمان حاصل ہو جاتا تو اس تردید سے وہ وسوسہ مضمحل اور ناچیز ہو جاتا اور تردد سے نجات پا لیتا۔

اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ نظم قرآنی میں ہر وہ مقام جس میں قصورِ ادراک کی وجہ سے تردد اور خدشہ کی گنجائش ہے وہی مقام قرآن پر زیادہ ایمان ہونے کا باعث ہے اور وہی خدشہ قرآن کے معجزہ کے ظہور کا واسطہ ہے اور وہی اغلاق اعجاز کی شاخ نظر آتا ہے اور اس اشکال کو کمال بلاغت اور فصاحت پر محمول رکھتا ہے کہ آدمی اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ جتنا ایمان قرآن نہ سمجھنے میں ہے اس کے سمجھنے میں نہیں ہے کہ نہ سمجھنے میں اعجاز کی طرف راہ کھلتا ہے جو سمجھنے میں نہیں ہے۔ سبحان اللہ یہی نہ سمجھنا ایک جماعت کو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے کلام کے

انکار تک پہنچا دیتا ہے اور بعض کو یہی نہ سمجھنا قرآن پر کمال ایمان کا سبب بنتا ہے اور ہدایت پر لے آتا ہے۔

یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ۔ (اور اس کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہت لوگوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔)

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر والسلام۔

مکتوب نمبر ۳۰

سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(مراتب اصول اور مراتب عبادات کے عروج کے بیان میں)

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔

بیت

پایہ آخر آدم است و آدمی ؎۱
گشت محروم از مقام محرمی

گر نہ گردد باز مسکیں زیں سفر ؎۲
نیست از وے ہیچ کس محروم تر

جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس کو اپنے اصل سے جو کہ اوپر کے اصل کا ظل ہے۔ عروج حاصل ہوتا ہے تو ہر اصل میں اصول اول سے اس کو اس اصل میں فنا ہے اور اس کے بعد اس اصل کے ساتھ بقا ہے اور اس فنا اور بقا سے اس کی اَنا کا اطلاق زائل ہو کر اصل پر کہ اس کو اس میں فنا اور بقا حاصل ہوئی ہے اطلاق پائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل سمجھے گا اور اسی طرح جب اس اصل سے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس کو عروج واقع ہوگا تو وہ اصل جو اس اصل کے اوپر ہے اور وہ اصل اس اصل کا ظل ہے تو اس پہلے اصل کی فنا و بقا کو اس اصل ثانی میں حاصل کرے گا۔ اور اَنا کا اطلاق اصلِ اوّل سے زائل ہو کر اصلِ ثانی سے مل جائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصلِ ثانی پائے گا اور اصلِ

؎۱ انسان کا مرتبہ سب سے اونچا ہے لیکن انسان اس محرم راز ہونے کے مقام سے محروم ہو چکا ہے۔

؎۲ اگر یہ مسکین محرومی کے اس سفر سے واپس نہ لوٹا تو پھر اس سے محروم تر اور کوئی نہیں۔

ثانی کی اصل ثالث سے یہی نسبت ہو گی۔ اگر عروج واقع ہو گا تو اَنَا کا اطلاق اس اصل ثالث پر قرار پائے گا۔ کہ اصل ثانی اس کا ظلّ ہے اور اسی طرح ہر نچلے اصل ہیں جو کہ اوپر کے اصل کے ظلّ کی طرح ہے۔ یہی نسبت ثابت ہے اگر اس کو محض فضل خداوندی سے عروج واقع ہو اور ظلّ سے اصل پر لے جائیں۔ تو اَنَا کا اطلاق اس اصل پر قرار پائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل سمجھے گا استعداد کے درجات کے مختلف ہونے پر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے۔

اور یہ اصول اس کثرت اور اس رفعت کے باوجود اس کے اجزا ہو جائیں گے اور قطرہ کو دریا بنا دیں گے اور تنکے کو پہاڑ کر دیں گے اور جب یہ اصول اس کے اجزا ہوں گے تو لازماً ان کے کمالات و برکات بھی اس کا پورا حصہ ہو جائیں گے۔ اور اس کا کمال ان اجزاء کا جامع کمالات ہو گا۔

اس جگہ سے انسان کامل اور باقی افرادِ انسانی کے درمیان فرق پہچانا جاتا ہے۔ کہ وہ بحرِ محیط ہے اور یہ اس دریا کے حقیر قطروں کی طرح ہیں پس یہ اس کو کیا پہچان سکیں گے اور اس کے کمال کو کیا پا سکیں گے کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ "الٰہی یہ کیا معاملہ ہے کہ تو نے اپنے اولیاء کو ایسا بنایا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا ہے تجھ کو پا لیا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا۔

اور جس طرح انسان کامل اور انسان ناقص میں کثرت و قلّت اجزا کا فرق ہے ان کی طاعات و حسنات میں بھی اسی اندازہ کے مطابق فرق ہے۔ ایک آدمی جس کو سو زبان دے دیں اور وہ ہر زبان سے خدا تعالیٰ کی یاد کرے وہ اس شخص سے کیا نسبت رکھتا ہے جس کو ایک زبان دیں اور وہ ایک زبان سے خدا تعالیٰ کی یاد کرے۔ ایمان اور معرفت اور باقی تمام کمالات کو بھی اسی معنی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے

الحمد للہ رب العالمین اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ دائماً و علیٰ آلہ الکرام و صحبہ العظام الیٰ یوم القیام۔

مکتوب نمبر ۱۳۱

ملا بدر الدین کی طرف صادر فرمایا

(عالم ارواح و عالم مثال و عالم اجساد کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

آپ نے لکھا ہے کہ "روح بدن کے تعلق سے پہلے عالمِ مثال میں تھی اور بدن سے علیحدگی کے بعد بھی عالمِ مثال میں چلی جائے گی پس عذابِ قبر عالمِ مثال میں ہوگا اس درد کی طرح جو خواب میں عالمِ مثال میں محسوس ہوتا ہے" اور یہ بھی لکھا ہے کہ "یہ بات بہت سی شاخیں رکھتی ہے۔ اگر آپ منظور فرمائیں تو بہت سی فروعات اس بات پر متفرع کر سکتا ہوں"۔

جاننا چاہیئے کہ اس قسم کے خیالات میں صداقت بہت کم ہے ایسا نہ ہو کہ تمہیں غیر معروف راہ پر ڈال دیں۔ ضرورت کی وجہ سے چند کلمے موانعات کے باوجود اس بحث میں لکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔

اے بھائی عالمِ ممکنات کو صوفیاء نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عالمِ ارواح[۱] و عالمِ مثال[۲] اور عالمِ اجساد[۳] عالمِ مثال کو عالمِ ارواح و عالمِ اجساد کے درمیان برزخ (پردہ) کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ عالمِ مثال ان دونوں عالموں کے حقائق و معانی کے لئے آئینہ کی طرح ہے کہ ارواح و اجساد کے حقائق و معانی عالمِ مثال میں لطیفہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ اس جگہ ہر معنی و حقیقت کے مناسب دوسری صورت و ہیئت ہے اور وہ عالم (مثال) بذاتِ خود صُوَر و ہیئات و اشکال کا متضمن نہیں ہے۔ صُوَر و اشکال اس میں دوسرے عالم سے منعکس ہو کر ظہور پاتے ہیں اس کی مثال آئینے کی طرح ہے جو بذاتِ خود کسی صورت کا متضمن نہیں ہے اگر اس میں کوئی صورت موجود ہے تو وہ باہر سے آئی ہے۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب

جاننا چاہیئے کہ روح بدن کے تعلق سے پہلے اپنے عالم میں تھی جو عالمِ مثال سے اوپر ہے اور بدن سے تعلق کے بعد اگر اس نے نیچے اتر کر عالمِ اجساد سے تعلق قائم کیا ہے اور محبت کی وجہ سے نیچے آئی ہے۔ تو اس کا عالمِ مثال سے کوئی کام نہیں ہے۔ نہ تعلق سے پہلے اور نہ تعلق کے بعد۔ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے بعض حالات کو عالمِ مثال کے آئینہ میں مطالعہ کرتا ہے اور احوال کے حسن و قبح کو اس جگہ سے معلوم کر لیتا ہے۔ چنانچہ کشف اور خواب میں یہ معنی واضح ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حس سے غائب بھی نہیں ہوتا اور اس معنی کا احساس کر لیتا ہے اور بدن سے علیحدگی کے بعد اگر روح علوی ہے تو اوپر کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اگر سفلی ہے تو نیچے کی گرفتار ہے۔ عالمِ مثال سے اس کا کوئی کام نہیں ہے۔ اور عالمِ مثال دیکھنے کے لئے ہے نہ کہ رہنے کے لئے۔ رہنے کی جگہ عالمِ ارواح ہے یا عالمِ اجساد۔ عالمِ مثال ان دونوں عوالم کے آئینہ کی حیثیت سے زیادہ نہیں رکھتا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور وہ تکلیف جو خواب میں عالم مثال میں محسوس ہوتی ہیں وہ اس سزا کی صورت وشباہت ہے جس کا دیکھنے والا مستحق ہے اور تنبیہ کے لئے اس پر اس معنی کو ظاہر کیا ہے اور عذاب قبر اس جنس سے نہیں ہے کہ وہ سزا کی حقیقت ہے نہ کہ اس کی صورت وتشبیہ اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ تکلیف جو خواب میں محسوس ہوتی ہے۔ اگر بالفرض وہ حقیقت بھی رکھتی ہو تو وہ دنیوی تکالیف کی قسم سے ہوگی۔ اور عذاب قبر عذاب اخروی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ دنیوی عذاب کو اخروی عذاب سے (اللہ تعالٰی ہمیں اس سے بچائے) کچھ بھی نسبت نہیں اور اگر دوزخ کی آگ کا ایک شرارہ دنیا میں گر پڑے تو ساری دنیا کو جلا دے اور نیست ونابود کر دے۔ عذاب قبر کو خواب کے رنگ میں جاننا عذاب کی حقیقت اور عذاب کی صورت سے ناواقفی کی بنا پر ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ اس شبہ کا منشا یہ وہم ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کا ہم جنس ہے اور یہ باطل ہے اور اس کا بطلان ظاہر ہے۔

سوال:۔

اس آیت کریمہ سے

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا الْاٰيَة

سے معلوم ہوتا ہے کہ

تَوَفِّیْ اَنْفُسْ (نفس کی موت)

جس طرح موت میں ہے خواب میں بھی ہے۔ پھر ایک کے عذاب کو دنیا کا عذاب کہنا اور دوسری کے عذاب کو آخرت کا عذاب کہنا کس وجہ سے ہے؟

جواب:

تَوَفِّیْ نَوْم (نیند کی موت)

اس جنس سے ہے کہ کوئی آدمی اپنے وطن مالوف سے اپنے شوق و رغبت سے سیر وتماشہ کے لئے باہر آئے تاکہ خوشی اور سرور حاصل کرے اور پھر خوش وخرم اپنے وطن کو واپس آئے اور اس کی سیر گاہ عالم مثال ہے کہ ملک وملکوت کے عجائبات کا متضمن ہے

تَوَفِّیْ مَوْت (موت کی وفات)

اس طرح نہیں ہے کہ اس میں آباد مکان کو خراب کرنا اور وطن مالوف کو برباد کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توفی نوم میں محنت اور کلفت حاصل نہیں ہے بلکہ وہ خوشی وسرور کی متضمن ہے اور توفی موت میں شدت وکلفت ہے پس نیند میں فوت ہونے والے کا وطن دنیا ہے اور اس کے ساتھ جو معاملہ

کرتے ہیں وہ دنیا کے معاملات سے ہے اور موت سے وفات پانے والا اپنے وطن مالوف کو خراب کرنے کے بعد آخرت میں انتقال کرتا ہے اور اس کا معاملہ آخرت کا معاملہ ہو چکا ہے۔

مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ۔ (جو آدمی مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔)

⁂ ⁂ ⁂

آپ نے سنا ہو گا

خبردار! مثالی صورتوں میں ظہور اور خیالی کشف کی بنا پر اہل سنت و جماعت کے مقررہ عقائد کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اور اپنے خواب و خیال پر مغرور نہ ہوں کہ اس فرقہ ناجیہ کی متابعت کے بغیر نجات متصور نہیں ہے۔ خوش طبعی کو چھوڑو۔ اگر نجات کی آرزو رکھتے ہو تو دل و جان سے ان بزرگواروں کی اتباع میں کوشش کرو خبر شرط ہے

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (رسول کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے)

آپ کی عبارت کے انبساط نے مجھے وہم میں ڈال دیا ہے کہ قریب ہے کہ یہ خیالات تم کو ان اکابر کی تقلید سے باہر نہ لے آئیں اور اپنے کشف کے تابع نہ کر دیں

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا وَمِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنی بداعمالیوں سے بھی)

شیطان طاقتور دشمن ہے ہوشیار رہیں کہ صراط مستقیم سے ہٹا کر بھول بھلیوں میں نہ ڈال دے آپ کو مجھ سے الگ ہوئے ابھی ایک سال کی مدت بھی نہیں ہوئی کیا بلا پڑی کہ وہ تمام احتیاطیں جو اہل سنت کی متابعت میں کرتے تھے۔ اور نجات کا انحصار ان بزرگواروں کی تقلید میں سمجھتے تھے سب کچھ کیا ہوا۔ شائد سب کچھ بھول گئے۔ کہ اپنے خیالات کو اپنا مقتدا بنا کر اس پر کئی شاخیں قائم کر لیں ظاہری طور پر ہماری ملاقات کا احتمال بہت دور نظر آتا ہے۔ اس طرح زندگی گزارو کہ نجات کی امید کا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

مکتوب نمبر ۳۲

مقصود علی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ خطرات جن کو وصل کے اسباب سے کہا ہے۔ تجلی صوری کے اندازہ کے مطابق ہیں اور کثرت وہمیہ کی حقیقت کی تحقیق اور اس کے مناسبات)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

آپ نے لکھا ہے کہ ایک مسافر نے کسی راستہ جاننے والے سے پوچھا کہ میں خطرات کے ہجوم سے پریشان ہوں تو اس نے کہا یہ تو

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ (وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے)

کا مقتضاد ہے۔ جب مطلوب کا شمول واحاطہ معلوم ہے تو خطرات کو اسباب وصل سے شمار کرنا چاہیئے نہ کہ موجبات فصل سے اور مشاہدہ کے دروازے ہمیشہ کھلے رہنے چاہیئیں اور غفلت کے سوراخ بند ہونے چاہیئیں۔

یہ بات تجلی صوری کے اندازہ کے مطابق جو کہ اس راہ کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ ہے صحیح ہے۔ اور اس مقام میں اگر وصل ہے اگرچہ وہ حقیقت میں فصل (جدائی) ہے تو باعتبار صورت ہے اور اگر مشاہدہ ہے اگرچہ فی الواقع وہ دوری ہے تو وہ بھی صورت کے ملاحظہ میں ثابت ہے۔ اور یہ تجلی اس راہ کے اکابرین کے نزدیک اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سالک کے وجود کو فنا کرنے والی نہیں ہے اور حق اور باطل والے اس تجلی میں برابر کے شریک ہیں۔ ہندوستان کے جوگی اور یونان کے فلاسفہ بھی اس تجلی سے باخبر ہیں اور اس مقام کے معارف اور علوم سے بہرہ ور اور لذت پانے والے ہیں۔

مختصر مضمون یہ کہ اہل حق کو یہ دولت دل کی صفائی کی راہ سے حاصل ہوتی ہے اور اہل باطل کو نفس کی صفائی کی راہ سے تو لازماً وہ صفائی کی ہدایت تک لے جاتی ہے اور یہ صفائی گمراہی میں لے آتی ہے۔ لیکن یہ دونوں صورت کے گرفتار ہیں اور معنی سے بے خبر ہیں۔

بیت۔ [1] صورت پرست آخر معنی چہ داند آخر
کو با جمال جاناں پنہاں چہ کار دارد

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن اہل حق کو صورت سے نجات کا احتمال ثابت ہے اور اہل باطل کو جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ملت کے التزام کے بغیر صورت میں منہمک ہے۔ اس کی صورت کی گرفتاری سے خلاصی محال ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ تجلی صورت علم کے دائرہ میں داخل ہے لیکن جب حال و ذوق اس پر پرتو ڈالتا ہے تو وہ علم پوری طرح حال ہو جاتا ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ اس تجلی میں مشہود کثرت ہے لیکن بہ عنوان مظہریت وحدت اور شہود کثرت جس صورت میں بھی ہو وبال در وبال ہے۔ چاہیئے کہ باطن کی نظر میں کثرت و شہود کثرت کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے۔ اور مشہود واحد حقیقی کے بغیر اور کچھ نہ ہوتا تاکہ فنا جو اس راہ میں پہلا قدم ہے میسر ہو کیونکہ فنا اس سے عبارت ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا باطن سے ہر چیز بھول جائے پس اس مقام میں کثرت کی کیا مجال ہے اور شہود کثرت کیا ہوتا ہے۔ اور خطرہ کو جو اسباب وصل اور ابواب مشاہدہ سے کہا ہے۔ اس وصل اور مشاہدہ سے مراد وصل و مشاہدہ صوری ہے جو کہ عین مفارقت اور دوری ہے۔ اس لئے کہ وصل جو اس طائفہ علیہ کے اکابرین کے نزدیک معتبر ہے وہ مقام بقا باللہ میں حاصل ہے جو کہ تمام ماسوا کے فنا و نسیان کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ خطرہ کا وجود اس دولت کے منافی ہے اور وسوسہ کا حصول اس مرتبہ کے لئے مانع ہے۔ مقام فنا میں جو کہ اس وصل کی دہلیز ہے منتفی ہو جاتا ہے کہ اگر تکلف سے اسے اشیاء یاد دلائیں تو اسے یاد نہیں آتیں۔ اس نسیان کی وجہ سے جو اس کو ماسوا سے حاصل ہوا ہے۔

آپ نے لکھا ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ

احاطہ کا بیان اس عبارت سے نہیں آیا ہے۔ شاید یہ فقرہ مولدین کے کلام سے ہے کیونکہ کلام عجم میں احاطہ کو کلمہ عَلٰی سے متعدی کرنا اکثر آتا رہتا ہے اور عرب کی فصیح عبارتوں میں احاطہ کا تعدیہ کلمہ باء سے مشہور و متعارف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے)

اور دوسری جگہ فرمایا

(حاشیہ بقیہ صفحہ) صورت پرست اور معنی سے بے خبر آخر کیا جانے کہ وہ محبوب کے پوشیدہ جمال سے کیا کام رکھتا ہے ۱۲

اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ
(خبردار! وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے)

ظاہر طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت کو قرآن مجید کی آیت سمجھ کر بطور دلیل پیش کیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے اس معنی کا بیان قرآن مجید میں دوسری عبارتوں سے آیا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔

اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "وہمی کثرت اور اعتباری تعدد اس طرح تہ بتہہ ہو گئے ہیں کہ اکثر علماء تعدد وجود کی وجہ سے غلطی میں پڑ گئے ہیں اور مغز چھوڑ کر پوست سے اور گودا چھوڑ کر چھلکے سے قناعت کر بیٹھے ہیں"۔

کثرت و تعدد اگرچہ وہمی و اعتباری ہے لیکن جب خداوند تعالیٰ کی صنعت و ایجاد سے پیدا ہوئی ہے تو مستحکم و مضبوط ہے اور دنیوی اور اخروی معاملات اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور آثار خارجیہ اس پر مترتب ہیں۔ اگرچہ وہم اور اعتبار زائل ہو جائے اس کثرت تعدد کا زوال ممنوع ہے۔ کیونکہ عذاب و ثواب دائمی اخروی جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اس کا تعلق کثرت سے ہے۔ اور تعدد سے وابستہ ہے اور کثرت و تعدد کے ارتفاع کا حکم لگانا بے دینی اور الحاد میں داخل ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

پس صوفیہ علیہ اور علمائے کرام دونوں اس کثرت اور تعدد کے ثبوت اور استمرار کے قائل ہیں اور آخرت کے دائمی معاملہ کو اس سے وابستہ جانتے ہیں لیکن یہ کثرت عروج کے وقت صوفیہ کے شہود سے مرتفع ہو جاتی ہے اور اس کو وہمی و اعتباری پاتے ہیں اور چونکہ نفس الامر میں وہ مرتفع نہیں ہوتی اگرچہ وہ شہود سے مرتفع ہو جاتی ہے۔ علماء اس کو موجود جانتے ہیں۔ پس دونوں کا جھگڑا صرف لفظی رہ گیا۔ اور معنی میں دونوں متفق ہو گئے۔ ہر آدمی نے اپنی دریافت کے مطابق حکم لگایا ہے۔ صوفیہ نے شہود کا اعتبار کیا اور ارتفاع شہودی کو ملاحظہ کیا تو اس پر وہمی اور اعتباری ہونے کا حکم لگا دیا۔ اور علماء نے اس کے حقیقی ثبوت و استقرار کو ملاحظہ کیا۔ تو اس پر وجود کا حکم لگا دیا۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ
(اور ہر ایک کے لئے ایک توجیہ ہے)

اس معنی کو فقیر نے اپنے کئی مکتوبات اور رسائل میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور فریقین کے جھگڑے کو لفظی قرار دیا ہے۔ اگر کچھ پوشیدگی باقی رہی ہو تو ان کی طرف رجوع فرمائیں۔ علماء کا نظریہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ نفس الامر کے مطابق ہے اور صوفیہ کا نظریہ باعتبار سکر و غلبۂ حال ہے۔ ستارے دن کے وقت پوشیدہ ہوتے ہیں اور نفس الامر میں ثابت ہیں اور دیکھنے سے پوشیدہ ہیں

تو ستاروں کے ثبوت کا حکم لگانا اقرب بصواب ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ عدمِ شہود کو ملاحظہ رکھتے ہوئے ستاروں کے نہ ہونے کا حکم لگایا جائے۔

علماء جو کثرتِ وجود کے قائل ہیں۔ ان کا مقصود شریعت کو باقی رکھنا ہے۔ جس کی بنیاد تعدد پر ہے اور صاحب شریعت کے وعدہ وعید کا اجراء بھی کثرت کے بغیر متصور نہیں ہے اور صوفیاء بھی اس بات کے معترف ہیں۔ اگرچہ وہ تکلف کے ساتھ اس کی شریعت کے ساتھ تطبیق کرتے ہیں اور جو کچھ علماء نے فرمایا ہے وہ بے تکلف صادق آتا ہے اور بے حیلہ مطابقت رکھتا ہے اور کوئی غبار اور کدورت نہیں رکھتا۔ علماء مستقل وجود کا اثبات نہیں کرتے کہ اس میں بات کرنے کی گنجائش ہو اور خداوند تعالیٰ کے ساتھ شرکت لازم آئے۔ بلکہ وہ ایک کمزور وجود کا اثبات کرتے ہیں۔ جو کہ دوسرے سے مستعار اور مفاض ہے۔ اب بتاؤ اس میں کیا غلطی ہے۔؟

علماء کی طرف جو کہ دین کے اکابر ہیں غلطی کی نسبت کرنا غلط محض اور محض غلطی ہے۔ ہم پیچھے رہ جانے والے کمزور لوگوں نے دین اور شریعت کو علماء سے حاصل کیا ہے۔ اور مذہب وملت کو ان کی برکات سے اخذ کیا ہے۔ اگر ان میں طعن کرنے کی گنجائش ہو تو شریعت وملت سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین پر طعنہ کرنے والے کو گمراہ اور بدعتی کہا جائے گا۔ اور اس کے طعن کو گمراہی اور دین میں شکوک پیدا کرنے کے اسباب سے شمار کر کے اس کے بطلان کا حکم کیا ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ "انہوں نے مغز چھوڑ کر پوست پر قناعت کر لی ہے" شاید تم نے صُوَر کو مغز خیال کیا ہے اور تنزیہ کو پوست (چھلکا) کیونکہ علماء کی دعوت وگرفتاری تنزیہ کے ساتھ ہے اور تجلی صوری کا مطلوب وشہود صُوَر واشکال ہیں۔ انصاف کرنا چاہیئے کہ کون مغز میں گرفتار ہے۔ اور کون پوست میں اٹک کر رہ گیا ہے۔

اِنَّا اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (یقیناً ہم یا تم ہدایت پر ہیں یا ظاہر گمراہی میں)

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّآخِرًا۔

مکتوب نمبر ۴۳

ملا شمس کی طرف صادر فرمایا

(شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے اس قول کی تحقیق میں کہ انہوں نے کہا ہے کہ "جب تک کافر نہ ہو اور اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے اور اپنی ماں سے جفت نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا۔")

ملا شمس استقامت سے رہیں۔ آپ نے پوچھا ہے کہ شیخ المشائخ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے اپنے رسالہ "ارشاد السالکین" میں لکھا ہے کہ جب تک کافر نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا اور جب تک اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے مسلمان نہیں ہوتا اور جب تک اپنی ماں سے جفت نہیں ہوتا مسلمان نہیں ہوتا" ان کلمات کا کیا مطلب ہے۔؟

جاننا چاہیئے کہ کفر سے مراد کفر طریقت ہے جو کہ مرتبۂ جمع سے عبارت ہے جو کہ پوشیدگی کا وطن اور اسلام کے حسن اور کفر کے قبح عدم امتیاز کا مقام ہے بلکہ جس طرح اسلام کو اچھا جانتا ہے۔ کفر کو بھی اس جگہ اچھا پاتا ہے۔ اور یہ دونوں کو اسم ھادی اور اسم مُضِلّ کا مظہر پاتا ہے اور دونوں سے حصہ لیتا ہے اور لذت حاصل کرتا ہے اور یہ وہ کفر ہے جس کی خبر منصور نے دی ہے اور وہ اسی کفر میں رہا اور اسی میں اس کی موت ہوئی۔ اس نے کہا ہے۔ ؎

لہ كَفَرْتُ بِدِيْنِ اللهِ وَالْكُفْرُ وَاجِبٌ
لَدَیَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِيْنَ قَبِيْحٌ

اور شطحیات مثلاً قول

اَنَا الْحَقُّ	میں خدا ہوں
سُبْحَانِیْ	میں پاک ہوں

اور

لَيْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَا الله	میرے جبہ میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں

یہ سب اسی جمع کے درخت کے پھل ہیں کہ ان کا سبب محبوب حقیقی کی محبت کا غلبہ ہے کہ محبوب کے علاوہ ہر چیز ان کی نظر سے پوشیدہ ہو چکی ہے اور محبوب کے علاوہ کوئی چیز مشہود نہیں رہی اور یہ

لہ میں نے اللہ کے دین سے کفر کیا اور میرے نزدیک کفر واجب ہے اور مسلمانوں کے نزدیک برا ہے۔

مقام جہالت اور حیرت کا مقام ہے۔ لیکن یہ وہ جہالت ہے جو محمود ہے اور وہ حیرت ہے جو ممدوح ہے

اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس جمع کے مرتبہ سے بلند تر سیر واقع ہوتی ہے اور اس جہالت کے ساتھ علم جمع ہوتا ہے اور حیرت کے ساتھ معرفت شامل ہوتی ہے اور فرق اور تمیز پیدا ہوتی ہے اور سکر سے صحو میں آتا ہے تو حقیقی اسلام کی دولت ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کی حقیقت میسر آتی ہے۔ تو یہ اسلام وایمان زوال سے محفوظ ہے اور کفر کی سرایت کرنے سے مامون۔ منقول دعاؤں میں آیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا لَیْسَ بَعْدَہٗ کُفْرٌ (اے اللہ میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جس کے بعد کفر نہیں ہے۔)

اور یہی وہ ایمان ہے جو زوال سے محفوظ ہے۔ آیت کریمہ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (خبردار! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے)

یہی ایمان والوں کے حال کا نشان ہے کیونکہ ولایت ایمان کے بغیر متصور نہیں ہے۔ اگرچہ مقام جمع میں بھی ولایت کا نام لیا جاسکتا ہے لیکن نقص اور قصور ہر وقت اس مرتبہ کو دامن گیر ہے۔ کیونکہ کمال ایمان اور معرفت میں ہے نہ کہ کفر وجہالت میں اگرچہ وہ کوئی سا کفر ہی کیوں نہ ہو پس جو بات شیخ نے کہی تھی وہ درست ہوئی کہ جب تک کفر طریقت سے متحقق نہ ہو حقیقت اسلام سے مشرف نہیں ہوتا۔

اور وہ جو کہا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے مسلمان نہیں ہوتا۔ اس بھائی سے مراد ہمزاد شیطان ہے جو اس کا ساتھی ہے اور ہمیشہ اس کو برائی اور فساد کی راہنمائی کرتا ہے حدیث میں آیا ہے۔ علی قائلہ الصلوٰۃ والسلام کہ کوئی بھی آدم کا بیٹا ایسا نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ایک جن ساتھی نہ ہو۔ صحابہ کرام نے پوچھا اے اللہ کے رسول آپ کے ساتھ بھی جن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ بھی ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے مجھ کو اس پر مدد دی ہے کہ میں اس کی برائی سے محفوظ رہتا ہوں۔ یہ معنی اس صورت میں ہے کہ لفظ

فَاَسْلَمُ

جو حدیث میں واقع ہوا ہے صیغۂ متکلم سے روایت کیا جائے اور اگر ماضی غائب کے صیغہ

سے روایت کیا جائے۔ تو معنی اس طرح ہوں گے کہ وہ میرا ساتھی مسلمان ہو چکا ہے اور یہ آخری معنی مشہور ہے اور اس ساتھی کے قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت نہ کی جائے اور اس کو ذلیل و خوار رکھا جائے۔

سوال:۔

آدمی عقل و فراست کے باوجود اس شیطان سے کیوں مغلوب ہو جاتا ہے اور کیوں اس کی بُری دلالت سے موافقت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی ناپسندیدہ چیزوں کا کیوں ارتکاب کرتا ہے۔؟

جواب:۔

شیطان فتنہ اور بلا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو بندوں کے امتحان اور آزمائش کے لئے مسلط کیا ہے اور اس کو ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا ہے اور اس کے احوال پر ان کو اطلاع نہیں دی ہے اور اس کو ان کا حال دیکھنے کی طاقت دی ہے اور وہ بندوں کے رگ و پوست میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ بڑا سعادت مند ہے وہ آدمی جو ایسی بلا کے کید و مکر سے خداوند تعالیٰ کی حفاظت سے محفوظ رہے۔ اس کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں اس کی تدبیر کو کمزور قرار دیا ہے۔ اور سعادت مندوں کو دلیر کیا ہے۔ ہاں خداوند تعالیٰ کی مدد سے شیطان اس تسلط کے باوجود لومڑی کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس کے فضل کی امداد کے بغیر وہ پھاڑنے والا شیر ہے۔

ك تو مرا دل دہ و دلیری بیں
روبہ خویش خوان و شیری بیں

دوسرا جواب یہ ہے کہ شیطان آدمی کی خواہشات کی راہ سے آتا ہے اور اس کو مرغوب چیزوں کی راہنمائی کرتا ہے تو لازماً وہ نفس امارہ کی مدد سے جو کہ گھر کا دشمن ہے اس پر غلبہ پا لیتا ہے اور اس کو اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے۔ شیطانی تدبیر بذاتِ خود کمزور ہے۔ وہ گھر کے دشمن کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے۔ اصل میں ہماری مصیبت ہمارا نفس امارہ ہے جو ہمارا جانی دشمن ہے۔ کوئی چیز بھی اپنی آپ دشمن نہیں ہوتی سوائے اس خسیس کے۔ بیرونی دشمن اسکی امداد سے اپنا کام کرتا ہے پس پہلے اپنے نفس کا سر کاٹنا چاہیئے اور اپنے نفس کی اطاعت سے نکلنا چاہیئے اور اس کو خوار ذلیل رکھنا چاہیئے۔ ساتھی کا سر اِس جہاد کے ضمن میں خود بخود کٹ جائے گا۔ اور خوار و ذلیل ہو جائے گا۔

ك تو مجھے دل دہ اور دلیری دیکھ اپنی لومڑی کہہ اور شیری دیکھ ۔۱۲

اس آدمی کی راہ کا حجاب اس آدمی کا اپنا نفس ہے اور بھائی خارج از بحث ہے جو کہ دور سے برائی کی دعوت دیتا ہے۔ اور صراطِ مستقیم سے ہٹا کر ٹیڑھی راہوں کی طرف بلاتا ہے۔ نفس کی فرمانبرداری کے بعد خداوند تعالیٰ کی مدد سے اس خارجی دشمن کی مدافعت آسان طریقہ سے متصور ہے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطَانٌ (میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہے)

ان بندوں کے لئے بشارت ہے جو نفس کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں اور معبودِ حقیقی کی عبادت میں مشغول ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی مدد دینے والا ہے۔

اور وہ جو کہا ہے کہ "جب تک اپنی ماں سے جفت نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا" ہو سکتا ہے کہ "اس کی ماں" سے مراد اس کا عین ثابتہ ہو کہ وہ خارج میں اس کے وجود کے ظہور کا سبب ہے اور صوفیاء کی اصطلاح میں عین ثابتہ کو "ماں" سے تعبیر کرنا آیا ہے۔ ایک بزرگ نے کہا ہے۔ شعر

وَلَدَتْ اُمِّیْ اَبَاھَا[1]
اِنَّ ذَا مِنْ عَجَبَاتٍ

ماں سے مراد اپنے عین ثابتہ کو لیا ہے اور اس ماں کے باپ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ کہ عین ثابتہ اس اسم کا ظل و عکس اور پرتو ہے اور چونکہ اس اسم جل شانہٗ کا خارج میں ظہور اس عین ثابتہ کے ذریعے ہوا ہے لہٰذا اس کو تعین وجوبی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس طائفہ علیہ کے نزدیک تعینات پانچ ہیں کہ ان کو تنزلات خمسہ کہتے ہیں اور حضرات خمس بھی کہتے ہیں۔ دو تعین تو مرتبۂ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور تین تعین مرتبۂ امکان میں اور دو تعین وجوبی تعین وحدت اور تعینِ واحدیت ہے کہ دونوں مرتبۂ علم میں ہیں فرق اجمال اور تفصیل علمی کا ہے۔

اور تین تعین جو مرتبۂ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ وہ تعین روحی[۱] اور تعین مثالی[۲] اور تعین جسدی[۳] ہے اور چونکہ عین ثابتہ جو مرتبۂ واحدیت میں ہے تو ضروری ہے کہ اس کا تعین وجوبی ہے اور چونکہ اس ممکن شخص کی حقیقت وہی عین ثابتہ ہے جو کہ تعین وجوبی رکھتا ہے اور یہ شخص اس عین کے لئے ظل کی طرح ہے۔ پس اس شخص کی ماں عالمِ وجوب سے ہوگی۔ کہ اس کو عالمِ ظہور میں امکان دیا ہے۔ اور ماں سے جفت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا تعین امکانی تعین وجوبی سے جو کہ اس کی حقیقت ہے متحد ہو جائے۔

---

[1] میری ماں نے میرے باپ کو جنا اور یہ عجیب چیزوں میں سے ہے۔

لہ چوں ممکن گردِ امکان بر فشاند
بجز واجب درو چیزے نہ ماند

یعنی اس کا تعین امکانی اس کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اپنی انا کو تعین وجوبی پر اطلاق کرتا ہے لیکن اس معنی سے نہیں کہ تعین امکانی نفس الامر میں تعین وجوبی سے متحد ہو جاتا ہے۔ کہ وہ محال ہے اور الحاد اور بے دینی کو مستلزم ہے۔ اس لئے کہ اس جگہ معاملہ شہود کا ہے۔ اگر تعین کا زوال ہے تو بھی شہود سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اگر اتحاد ہے تو بھی شہود سے ہے۔

بیت۔ ؎ نہ آں ایں گردد و نے ایں شود آں
ہمہ اشکال گردد بر تو آساں

اور جب وہ شخص اپنے اس تعین کو اس تعین سے متحد پاتا ہے تو اس کا امیدوار ہو جاتا ہے کہ امکانی آلودگیوں سے آزاد ہو جائے اور اسلام اور فرمانبرداری کی دولت سے مرتبۂ وجوب سے مشرف ہو جائے۔

جاننا چاہیئے کہ تنزلات خمس جو صوفیا نے کہے ہیں صرف اعتبارات ہیں وجود میں وہ شہود اور کشف سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ نہ یہ کہ فی الحقیقت تنزل اور تغیر و تبدل ہے۔ پس پاک ہے وہ ۶ ذات جو حدوث، اکوان کے ساتھ اپنے اسماء اور صفات اور ذات میں متغیر نہیں ہوتا۔

صوفی اپنے اندازہ دید کے مطابق جو کہ غلبۂ حال اور سکر کا متضمن ہے کچھ چیزیں زبان پر لے آتے ہیں۔ ان کو ظاہر پر محمول نہ کرنا چاہیئے اور ان کی تاویل اور توجیہہ میں مشغول ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مست لوگوں کا کلام ظاہر سے پھیر دینا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کے حقائق کو خوب جانتا ہے۔

جب یہ بیقراری پیدا کرنے والی باتیں تم نے ایک بزرگ سے حاصل کر لیں تو ضرورت کے لئے اُن کے حل میں کچھ لکھا گیا ورنہ یہ فقیر اس طرح کی مخالفت نما باتوں میں اپنے آپ کو کبھی مشغول نہیں کرتا۔ اور ان کے رد و قبول کے متعلق لب نہیں کھولتا۔ اے ہمارے رب ہمیں ہمارے گناہ اور ہمارے کام میں ہماری زیادتیاں معاف کر دے اور ہمارے قدم مضبوط رکھ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔

الحمد للہ رب العالمین اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ دائماً و سرمداً و علیٰ آلہ الکرام و صحبہ العظام الی یوم القیام۔

لہ جب ممکن امکان کی گرد جھاڑ دیتا ہے تو اس میں سوائے واجب کے اور کوئی چیز نہیں رہتی۔ ۱۲

لہ نہ وہ یہ ہو جاتا ہے اور نہ یہ وہ بن جاتا ہے۔ سب اشکال تجھ پر آسان ہو جائیں گے۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۱۰۸

محمد امین کی والدہ کی طرف صادر فرمایا

(نصیحت اور ذکر الٰہی کی ترغیب اور دنیا کی محبت سے پرہیز کرنے کے بیان میں)

وہ نصیحت جو لکھی جاتی ہے سب سے پہلے علماء اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم جو کہ فرقۂ ناجیہ ہے کی رائے کے مطابق عقائد کی درستی ہے اور عقائد کی درستی کے بعد احکام فقہیہ کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی تعمیل سے چارہ نہیں ہے۔ اور وہ چیزیں جو منع ہیں ان سے پرہیز کرنے سے گزارہ نہیں ہے پنج وقت نماز بغیر سستی اور بغیر فتور کے اس کی شرائط کی رعایت اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے اور اگر نصاب زکوٰۃ حاصل ہو جائے تو زکوٰۃ دینے سے بھی چارہ نہیں ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے زیور میں بھی زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور اپنے اوقات کو لہو و لعب میں صرف نہ کرنا چاہیئے۔ اور بے کار کاموں میں اپنی قیمتی عمر کو تلف نہ کرنا چاہیئے پھر اگر وہ امور منہیہ اور شرعی ممنوعات میں صرف ہو تو اس کا کیا حال ہے۔ اور سرود اور نغمہ کی رغبت نہ کریں اور ان کی لذت پر فریفتہ نہ ہوں۔ کہ وہ شہد ملا زہر ہے اور شکر آلودہ سم ہے اور آدمیوں کی غیبت اور سخن چینی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں کہ ان دو بد اخلاقیوں کے ارتکاب میں شرعی وعید وارد ہوئی ہیں۔ اور جھوٹ کہنے اور بہتان لگانے سے بھی پرہیز ضروری ہے کہ یہ دو اخلاق رذیلہ تمام دینوں میں حرام ہیں اور ان کے مرتکب کو وعید کا وعدہ سنایا گیا ہے۔

اور خلقت کے عیوب اور گناہوں اور ان کی لغزشوں سے درگزر کرنا اور ان کو معاف کر دینا ہمت کے کاموں میں سے ہے اور غلاموں اور نوکروں پر مشفق و مہربان رہنا چاہیئے اور ان کی کوتاہیوں پر مواخذہ نہ کرنا چاہیئے اور سبب اور بے سبب ان بدنصیبوں کو مارنا اور گالی دینا نامناسب اور نا ملائم ہے۔ اور اپنی کوتاہیوں پر نظر کرنا چاہیئے جو کہ جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ کی نسبت ہر وقت ہم سے سرزد ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا اور روزی نہیں روک رکھتا۔

اور عقیدہ کی درستی اور احکام فقہیہ کی ادائیگی کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہٗ میں مستغرق

رکھیں اور اس طریقہ کے مطابق کہ آپ نے ذکر کا طریقہ سیکھا ہے۔ عمل کرنا چاہیئے اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ہو اس کو اپنا دشمن سمجھ کر اس سے پرہیز لازم جانیں۔

بیت:

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است[1]
گر شکر خوردن بود جان کندن است

آپ کو بالمشافہ بھی کہا گیا ہے کہ امور شرعیہ میں جتنی احتیاط کی جائے گی اتنا ہی مشغولی میں اضافہ ہوگا۔ اور اگر احکام شرعیہ میں سستی کروگے تو مشغولی کی لذت اور شیرینی برباد کر دوگے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ۔

مکتوب نمبر ۳۵

مرزا منوچہر کی طرف صادر فرمایا

(تعزیت۔ نصیحت اور جوانی کو غنیمت سمجھنے کے بیان میں)

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ برخوردار سعادت اطوار کو خوش اور جمعیت سے رکھے اور گزرے ہوئے غم واندوہ کو ان کے حق میں اچھی طرح سے تلافی فرمائے۔

اے فرزند اقبال آثار! شروع جوانی کا زمانہ جس طرح ہوا و ہوس کا وقت ہے اسی طرح علم حاصل کرنے اور عمل کرنے کا بھی وقت ہے۔ ہر وہ عمل جو شریعت غرّا کے مطابق اس وقت میں نفس کے غضبی وشہودی موانع کے غلبہ کے باوجود وجود میں آئے۔ وہ اس عمل کی نسبت کئی گناہ زیادہ فضیلت اور اعتبار اور شمار رکھتا ہے جو اس وقت کے علاوہ وقوع میں آئے کیونکہ روکنے والے کے وجود نے جو کہ رنج ومحنت کا باعث ہے۔ اس کی شان کو آسمان پر پہنچا دیا ہے اور رکاوٹ پیدا کرنے والے کے نہ ہونے نے جو کہ محنت ومشقت وناپسندیدگی کے عدم کو مستلزم ہے۔ اس کے معاملہ کو زمین پر پھینک دیا گیا ہے

یہی وجہ ہے کہ خواص بشر خواص فرشتگان سے بہتر ہیں کہ انسان کی اطاعت موانع کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور فرشتے کی عبادت موانع کی مزاحمت کے بغیر ہے۔ سپاہیوں کے اعتبار اور اعتماد

[1] جو کچھ بھی اچھے خدا کے ذکر کے علاوہ ہے اگر وہ شکر کھانا بھی ہو تو بھی جان کندن ہے۔

کا وقت دشمنوں کے غلبہ کا وقت ہے جو کہ حکومت کے موانع ہیں کہ ایسے وقت میں ان کا تھوڑا سا تردّد بھی کئی گنا فضیلت و اعتبار رکھتا ہے۔اس تردّد کی نسبت جو اس وقت کے علاوہ وقوع میں لائیں۔اور یہ تو معلوم ہے کہ ہوا و ہوس اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی رضا ہے جو کہ نفس اور شیطان ہیں۔ اور شریعت غرّاء کے مطابق علم حاصل کرنا اور عمل کرنا حضرت رحمان جل سلطانہٗ کی رضا ہے عقلمندی اور دانائی سے دُور ہے کہ خدا تعالیٰ کے دشمنوں کو راضی کریں اور اللہ تعالیٰ جو نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے۔ناراضگی میں رہے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۳۶

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(عذاب قبر کے منکرین کے شبہات کے دور کرنے کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ

کچھ لوگ عذاب قبر میں جو کہ صحیح و مشہور احادیث سے بلکہ قرآن کی آیتوں سے بھی ثابت ہے شک رکھتے ہیں۔بلکہ قریب ہے کہ اس کے محال ہونے کا یقین کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔ان کے اشتباہ کا پیشوا غیر مدفون مُردوں کے احوال کا احساس ہے کہ وہ ایک طریقے اور استقامت و دوام کے حال پر رہتے ہیں۔جو کہ درد اور عذاب کے منافی ہے کہ حرکت اور بیقراری اس کے لوازم میں سے ہے۔

جواب:۔

اس اشکال کا حل یہ ہے کہ عالم برزخ کی زندگی جو کہ قبر کا مقام ہے۔دنیوی زندگی کی جنس سے نہیں ہے کہ احساس اور ارادی حرکت اس کے لوازمات میں سے ہیں کہ اس دنیا کا انتظام ان دو امور سے وابستہ ہے اور برزخ کی زندگی میں کوئی حرکت درکار نہیں ہے بلکہ اس برزخی دنیا کے منافی ہے اس جگہ صرف احساس کافی ہے کہ عذاب و درد کو محسوس کرے۔پس برزخی زندگی گویا کہ نصف دنیوی زندگی ہے اور بدن سے روح کا تعلق بھی اس جگہ اس تعلق سے نصف ہے جو کہ دنیوی زندگی میں ہے پس ہو سکتا ہے غیر مدفون مُردے بھی برزخی زندگی میں درد اور عذاب کا احساس کریں۔اور کوئی حرکت و بیقراری برزخی زندگی میں ان سے وجود میں نہ آئے۔اور وہ جو مخبر صادق صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ہے۔ پس ہو۔ باوجود اس کے ہم کہتے ہیں اور اس اشکال اور اس جیسے اشکالات کے مادہ کو کاٹتے ہیں کہ نبوت کا طریقہ عقل و فکر کے طریقہ سے بالا ہے۔ وہ امور جن کے ادراک میں عقل قاصر ہے ان امور کا اثبات بطور نبوت کیا جاتا ہے اور اگر عقل کافی ہوتی تو انبیاء صلوات اللہ وتسلیماتہ علیہم اجمعین کس لئے مبعوث ہوتے اور آخرت کے عذاب کو ان کی بعثت سے کیوں وابستہ کرتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور ہم نہیں ہیں عذاب کرنے والے یہاں تک کہ ہم بھیج لیں رسول)

عقل اگرچہ حجت ہے لیکن حجت بالغہ نہیں ہے اور نہ حجیت میں کامل ہے۔ حجت بالغہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے متحقق ہوئی ہے۔ اور مُكَلَّفِيْنَ کے عذر کے بیان کو بند کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ (رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ ہو لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پہ کوئی حجت رسولوں کے بعد اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔)

اور جب بعض امور کے ادراک میں عقل کا قصور ثابت ہو گیا تو پھر تمام احکام شرعیہ کو عقل کی میزان میں تولنا اچھا نہ ہوگا۔ اور حقیقت میں اس حکم کی تطبیق کا التزام کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ عقل کو مستقل تسلیم کیا جائے اور نبوت کے طریقہ کا انکار کیا جائے۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے۔

سب سے پہلے رسول پر ایمان لانے اور رسالت کی تصدیق کرنے کی فکر کرنا چاہیئے تاکہ تمام احکام میں اس کو سچا سمجھا جائے اور اس کے وسیلہ سے شکوک وشبہات کے اندھیروں سے خلاصی میسر آئے اصل کو عقلی طور پر ثابت کرنا چاہیئے تاکہ فروع بے تکلف سمجھ میں آئیں اور معلوم ہو جائیں۔ ہر شاخ کو اصل کے اعتبار کے بغیر عقلی طور پر ثابت کرنا بہت مشکل ہے اور اس تصدیق تک پہنچنے اور اطمینانِ قلب حاصل کرنے کا قریب ترین راستہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿ خبردار اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ وہ جو
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴿ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ ان کو خوشخبری ہے
طُوْبٰی لَھُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿ اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

نظر واستدلال کی راہ سے اس مطلب بلند پر پہنچنا بہت ہی دور کی بات ہے۔

[1] پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

جاننا چاہیئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید کرنے والا ان کی نبوت کے اثبات اور ان کی رسالت کی تصدیق کے بعد استدلال کرنے والوں سے ہے اور اس وقت میں اس کا ان اکابرین کی باتوں کی تقلید کرنا عین استدلال ہے مثال کے طور پر ایک آدمی نے اصل کو استدلال سے ثابت کیا ہو تو اس وقت وہ تمام شاخیں جو اس اصل سے پیدا ہوں گی۔ سب اس استدلال سے مستند ہوں گی اور اصل کے استدلال سے تمام فروع کے اثبات میں استدلال کرنے والا ہو گا۔

الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۳

محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ جو کچھ بھی اس جمیل مطلق کی طرف سے آئے جمیل ہوتا ہے۔)

الحمد للہ رب العالمین دائما علیٰ کل حال

پراگندہ خبروں سے پریشان اور دل تنگ نہ ہوں کہ جو کچھ بھی جمیل مطلق جل شانہ کی طرف سے آئے اچھا ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ جلال کی صورت میں ظاہر کرے لیکن حقیقت میں وہ جمال ہوتا ہے۔ یہ بات تصنع اور تکلف پر محمول نہ سمجھیں بلکہ یہ بالکل حقیقت اور سراسر مغز ہے۔ یہ بات کہنے اور لکھنے سے درست نہ ہو گی۔ اگر دنیا میں ملاقات میسر ہوئی تو بہتر ورنہ آخرت کا معاملہ قریب ہے

[1] استدلال کرنے والوں کے پاؤں لکڑی کے ہیں اور لکڑی کے پاؤں سخت کمزور ہوتے ہیں۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہو گا جس سے اس کی محبت ہو گی۔)

مہجوروں کے لئے تسلی بخش ہے۔

وہ گرامی نامہ جو آپ نے درویش محمد علی کشمیری کے ہاتھ بھیجا تھا، پہنچا۔ اور جو کچھ آپ نے لکھا تھا۔ اس کی اطلاع ہوئی اس کے جواب میں وقت کے تقاضا کے مطابق جو کچھ ہو سکا لکھا۔ دوست اور فرزند سب تسلی سے رہیں اور اپنے مقام پر ثابت اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہیں۔

مکتوب نمبر ۳۸

ملا ابراہیم کی طرف صادر فرمایا

(ان کے اِس سوال کے جواب میں کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ الحدیث اور ارباب فقر کے درجہ کی تحقیق)

جاننا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی مراد جو کہ حدیث میں اس امت کے بہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جانے کے متعلق ہے۔

كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً۔ (ایک کے علاوہ سب دوزخ میں جائیں گے)

ان فرقوں کا آگ میں داخل ہونا اور ان کا عذاب میں رہنا ہے نہ کہ آگ میں ہمیشہ کا رہنا اور ان کو ہمیشہ کا عذاب ہونا کیونکہ وہ ایمان کے منافی اور کافروں سے مخصوص ہے۔

خلاصہ کلام جب آگ میں ان کے داخل ہونے کا سبب ان کے برے عقائد ہیں تو لازمًا ان فرقوں کا ہر ایک فرد آگ میں داخل ہو۔ اور اپنے عقیدہ کی گندگی کے مطابق اسے عذاب ہو گا۔ برخلاف اس ایک فرقہ کے کہ ان کے عقیدے آگ کے عذاب سے نجات بخشنے والے ہیں۔ اس قدر ضرور ہے کہ اگر ان میں سے بعض آدمی برے اعمال کے مرتکب ہوں گے اور وہ اعمال توبہ اور شفاعت سے معاف نہ ہوں تو ہو سکتا ہے کہ گناہ کے اندازے کے مطابق آگ کے عذاب میں مبتلا ہوں اور آگ میں داخل ہونا ان کے حق میں موجود ہو۔

پس دوسرے فرقوں میں آگ میں داخلہ ان کے تمام افراد کے لئے ثابت ہے۔ اگرچہ خلود نہ ہو اور اس فرقہ ناجیہ کے حق میں دخول نار بعض آدمیوں سے مخصوص ہے۔ جنہوں نے برے اعمال کئے ہیں۔ اور کلمہ

كُلُّهُمْ دیں اس بیان کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اور چونکہ یہ بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں ان کو کافر کہنے کی جراءت نہیں کرنی چاہیئے جب تک کہ وہ ضروریات دینیہ کا انکار نہ کر دیں اور احکام شرعیہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں اور جو چیز یقینی طور پر دین میں آئی ہے اس کو قبول نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے اگر کسی میں ننانوے وجہ کفر کی ظاہر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس ایک وجہ کی تصحیح کرنی چاہیئے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیئے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ بہتر جانے اور اسی کی بات مضبوط ہے۔

اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ نصف یوم سے مراد کہ اس امت کے فقیر اغنیاء سے پہلے اتنی مدت جنت میں جائیں گے وہ دنیا کے پانچ سو سال ہیں اس لئے کہ اللہ جل و علا کے نزدیک ایک دن ہزار سال کا ہے۔ اور یہ آیت کریمہ

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (اور تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ہزار سال کا ہے۔)

اس معنی پر دلیل ہے اور اس مدت کا اندازہ علم الٰہی جل شانہٗ کے سپرد ہے۔ بغیر اس کے کہ متعارف سال و ماہ اور شب و روز متحقق ہوں۔

اور فقیر سے مراد صبر کرنے والا فقیر ہے جو کہ شرعی احکام کی بجا آوری کرے اور شرعی ممنوعات سے پرہیز کرے۔ اور فقر میں درجات اور مراتب ہیں۔ ان میں سے بعض بعض سے بلند ہیں اور ان مراتب میں سے اعلیٰ ترین مرتبہ مقام فنا میں ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا سب کو ناچیز سمجھے اور فراموش کر دے۔ اور جو آدمی فقر کے تمام مراتب کا جامع ہے وہ افضل ہے۔ اس آدمی کی نسبت سے جو بعض مراتب رکھتا ہو اور بعض نہ رکھتا ہو۔ پس فنا کے باوجود جو ظاہری فقر بھی رکھتا ہے وہ افضل ہے اس آدمی کی نسبت سے جو فنا کے ساتھ ظاہری فقر نہیں رکھتا فافہم۔

مکتوب نمبر ۲۹

مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ صوفیاء کے علم الیقین اور فلاسفہ کے علم الیقین میں کیا فرق ہے)

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

صوفیاء کے نزدیک علم الیقین اس یقین سے عبارت ہے جو کہ اثر سے موثر پر استدلال سے

حاصل ہو اور چونکہ یہ معنی اہل نظر اور اہل استدلال کو بھی میسر ہے تو صوفیہ کے علم الیقین میں کیا فرق ہوتا ہے اور صوفیاء کا علم الیقین کشف اور شہود میں کیوں داخل ہوتا ہے اور علماء کا علم الیقین کس وجہ سے فکر و نظر کی تنگی سے باہر نہیں آتا؟

جاننا چاہیئے کہ دونوں جماعتوں کے علم الیقین میں اثر کا شہود لازم ہے تاکہ اس جگہ سے مؤثر کا سراغ لگایا جاسکے جو کہ غیر مشہود ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ تعلق جو اثر اور مؤثر کے درمیان حاصل ہے اور اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود تک پہنچنے کا سبب ہے۔ صوفیاء کے علم الیقین میں وہ تعلق بھی مشہود و مکشوف ہے۔ اور اہل استدلال کے علم الیقین میں وہ واسطہ نظری ہے جو کہ فکر و دلیل کا محتاج ہے تو لازماً اثر کے وجود سے موثر کے وجود تک انتقالِ صوفیا کے لئے حدسی بلکہ بدیہی ہوتا ہے اور علماء کے لیئے یہ انتقال نظری اور فکری ہوتا ہے۔

پس پہلی جماعت کا یقین کشف اور شہود میں داخل ہوتا ہے اور دوسری جماعت یقین استدلال کی تنگی سے باہر نہیں آتا۔ اور صوفیاء کے علم الیقین میں استدلال کا اطلاق ظاہر اور صورت پر مبنی ہے جو کہ اثر سے مؤثر تک انتقال کو متضمن ہے اور حقیقت میں کشف و شہود ہے۔ برخلاف علماء کے علم الیقین کے کہ وہ حقیقتاً استدلالی ہے۔ اور چونکہ یہ باریک فرق اکثر لوگوں پر پوشیدہ رہا ہے تو ناچار وہ مرتبۂ حیرت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنی نارسائی کی وجہ سے بعض بزرگوں پر اعتراض کی زبان دراز کرلی ہے۔ جنہوں نے صوفیاء کے علم الیقین میں اثر سے مؤثر پر استدلال سے تفسیر کی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ان کو حقیقت الامر کی اطلاع نہیں ہے۔ اور اللہ حق کو حق کرتا ہے اور وہی رستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۸۴

خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

(انہوں نے آنجناب سے اپنے متبعین سمیت سفر حج کے متعلق مشورہ طلب کیا تھا۔ ان کے جواب میں)

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اس علاقہ کے فقراء کے احوال واطوار تعریف کے لائق ہیں اور اللہ سبحانہ، وتعالیٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت کی دعا ہے۔ جو گرامی نامہ آپ نے از روئے شفقت اس فقیر کے نام لکھا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے شوق کا اظہار فرمایا ہے کہ "حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں اپنے متعلقین کے ساتھ سکونت اختیار کروں اور . . وہیں دفن ہو جاؤں"۔

میرے مخدوم مکرم! متعلقین کا جانا نظر میں نہیں آتا۔ بلکہ نزدیک ہے کہ ان کو روکنا معلوم ہو جائے۔ اگر آپ تنہا جائیں تو نظر میں اچھا معلوم ہوتا ہے اور امید ہے کہ سلامتی سے پہنچ جائیں گے اور معاملہ اللہ سبحانہ، کے سپرد ہے۔

دوسرا آپ نے سیادت مآب کے پارہ کے متعلق کچھ لکھا ہے کہ اطباء اس کے مضر ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ شفقت آثارا جتنا بھی غور سے دیکھا جاتا ہے اس پارہ سے کوئی ضرر نظر میں نہیں آتا۔ سوائے اس کے کہ ایک تاریکی سی اس جگہ محسوس ہوتی ہے کہ یہ ضرر تاریکی کے سوا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔

مختصر یہ کہ اطباء کا ضرر مفقود ہے۔ اور اللہ سبحانہ، وتعالیٰ ہی بہتر جانیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۴۱

ایک نیک خاتون کی طرف صادر فرمایا

(عورتوں کے متعلق ضروری نصائح اور اس آیت کریمہ کے مطلب میں یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ الْاٰیَة)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ

اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور چوری نہیں کریں گی۔ اور زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور کسی پر من گھڑت بہتان نہ لگائیں گی اور کسی اچھے کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت کر لو۔ اور ان کیلئے اللہ سے بخشش مانگ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے

اِنَّ اللّٰهَ[1] غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ — والا مہربان ہے۔

یہ آیت کریمہ فتح مکہ کے روز نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی بیعت شروع کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں سے بیعت صرف قول سے ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہرگز کسی بیعت کرنے والی عورت کے ہاتھ سے نہیں چھوا۔ اور برے اور ردی اخلاق عورتوں میں مردوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ اس بنا پر عورتوں کی بیعت کے وقت مردوں کی بیعت سے کچھ زائد احکام درمیان میں لائے گئے۔ اور خداوند تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اس وقت ان برے اخلاق سے نہی فرمائی گئی ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنانا چاہیئے کیا وجوب وجود میں اور کیا استحقاق عبادت میں کیونکہ جس کے اعمال ریا اور سمعہ کی آمیزش سے پاک نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا طلب اجر کے خیال سے اگرچہ وہ بات اچھے ذکر ہی سے کیوں نہ ہو۔ پاک نہ ہو وہ آدمی شرک کے دائرہ سے باہر نہیں ہوتا اور موحد اور مخلص نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلشِّرْكُ فِیْ اُمَّتِیْ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ الَّتِیْ تَدِبُّ فِیْ لَیْلَةٍ مُّظْلِمَةٍ عَلٰی صَخْرَةٍ سَوْدَآءَ — میری امت میں شرک چیونٹی کے اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چلنے کے نشان سے بھی زیادہ مخفی ہے۔

بیت۔

لاف[3] بے شرکی مزن کان از نشانِ پائے مور
در شب تاریک بر سنگ سیاہ پنہاں تراست

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

[2] اِتَّقُوا الشِّرْكَ الْاَصْغَرَ قَالُوْا مَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الرِّیَاءُ — چھوٹے شرک سے بچو۔ صحابہ نے پوچھا چھوٹا شرک کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ریا (دکھلاوا)

---

[3] بے شرکی لاف نہ مار کہ وہ سیاہ پتھر پر اندھیری رات میں چیونٹی کے پاؤں سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔ ۱۲

[1] پارہ ۲۸ - سورۃ

[2] ابن مردویہ - ترغیب ترہیب للمنذری - ۱۲

اور شرک کی رسومات کی تعظیم اور کفر کے مواسم کے احترام کو مشرک ہیں ایک مضبوط حیثیت حاصل ہے اور دونوں کی تصدیق کرنے والا بھی مشرک ہے اور اسلام اور کفر کے مجموعی احکام کی آمیزش کرنے والا بھی مشرک ہے۔ کفر سے بیزاری اسلام کی شرط ہے اور شرک کی آمیزش سے بیزاری توحید کی شرط ہے۔

اور بیماریوں اور مرضوں میں شیطانوں اور بتوں سے مدد طلب کرنا جو جاہل مسلمانوں میں عام ہو چکا ہے عین شرک اور گمراہی ہے۔ اور گھڑے ہوئے یا بن گھڑے پتھروں سے حاجتیں طلب کرنا نفسِ کفر اور واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض گمراہوں کے حال کی شکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ١

وہ چاہتے ہیں کہ اپنا فیصلہ شیطانوں کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی میں پھینک دے۔

اکثر عورتیں اپنی کمال جہالت کی وجہ سے اس ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمّٰی اسمائے سے اپنی مصیبتیں دور کرنے کی درخواست کرتی ہیں اور شرک اور مشرکوں کی رسومات کی ادائیگی میں گرفتار ہیں خصوصاً یہ بات ان کی نیک و بد سے چیچک کی وبا پھیلنے کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیتلہ کہتے ہیں مشہود و محسوس ہے کم ہی کوئی عورت ایسی ہوگی جو اس باریک شرک سے خالی ہوگی اور استمداد کی رسومات میں سے کسی رسم کا اقدام نہ کرتی ہو۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔

اور ہندوؤں کے معظم دنوں کی تعظیم کرنا اور ان دنوں میں ہندوؤں کی متعارف رسوم کا بجا لانا بھی شرک کو مستلزم اور کفر کا مستوجب ہے۔ جیسا کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں کافروں کی رسوم بجا لاتے اور اسے اپنی عید بناتے ہیں۔ اور کافروں کے ہدیوں کی طرح اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں تحفے تحائف بھیجتے ہیں اور اپنے برتنوں پر کافروں کی طرح اس موسم میں رنگ کرتے ہیں اور ان کو سرخ رنگ کے چاولوں سے بھر کر بھیجتے ہیں اور ان دنوں خاص اعتبار اور اہتمام کرتے ہیں۔ یہ سب شرک ہے اور دین اسلام سے کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم — اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر بھی

---

١ سورہ نساء پارہ ۵۔

مُشْرِكُوْنَ۔ مشرک رہتے ہیں۔

اور حیوانات کو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جاکر ان کو ذبح کرتے ہیں فقہی روایات میں اس عمل کو داخل شرک[1] کیا ہے اور اس معاملہ میں بڑا مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جنوں کے ذبیحوں کی جنس سے قرار دیا ہے جو کہ شریعت میں ممنوع ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔ اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے کہ اس میں شرک کی آمیزش ہے۔

نذر کی بہت سی اقسام ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ کسی جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانیں اور اس کے ذبح کرنے کا ارتکاب کریں۔ اور جنوں کے ذبیحوں سے ملحق کریں اور شیطانوں کے پجاریوں سے تشبیہ پیدا کریں۔ اور اسی قسم کا عورتوں کا وہ روزہ بھی ہے جو کہ عورتیں بیبیوں اور پیروں کی نیت سے رکھتی ہیں اور ان کے اکثر نام اپنی طرف سے تراش کر اپنے روزوں کو ان کے نام نسبت کرتی ہیں اور ہر روزہ کے روزہ کے افطار کے وقت ایک خاص طعام مخصوص طریقہ سے مقرر کرتی ہیں اور روزوں کے لئے دنوں کی تعیین بھی کرتی ہیں۔ اور اپنے مطالب و مقاصد کو ان روزوں سے وابستہ کرتی ہیں اور ان روزوں کے وسیلہ سے ان پیروں سے اپنی حاجتیں چاہتی ہیں اور اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کو ان کی طرف سے جانتی ہیں۔ یہ عبادت میں شرک ہے۔ اور غیر کی عبادتوں کے ذریعہ اپنی حاجت کو چاہنا ہے۔ اس کام کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ حالانکہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ[2] (کہ روزہ میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا)

یعنی روزہ صرف میرے لئے ہی خاص ہے اور میرے علاوہ روزے کی عبادت میں اور کوئی شریک نہیں ہے۔ اگرچہ کسی عبادت میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے۔ لیکن روزے کی تخصیص اس عبادت کے اہتمام اور اس عبادت کے شرک کی نفی کی تاکید کے لئے ہے۔

---

[1] فقہی روایات میں تقرب کی نیت سے ایسا کرنے کو شرک کہا ہے۔ تقرب کے معنی عبادت کے ہیں جو شخص مشائخ کو معبود جان کر ایسا کرے۔ بلاشبہ مشرک ہے اور اگر محض ایصال ثواب کی نیت سے ایسا کرتا ہے تو بالکل جائز اور روا ہے کمافی التفسیرات احمدیہ و ما اہل بہ لغیر اللہ۔ تقرب کی قید اڑا کر مطلقاً شرک کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ یہ اُن کی زیادتی ہے۔

[2] بخاری و مسلم شریف

اور بہانہ ہے وہ جو بعض عورتیں اس فعل کی برائی کے اظہار کے وقت کہتی ہیں کہ ہم یہ روزے خدا تعالیٰ کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں۔ اگر وہ اس معاملہ میں سچی ہیں تو روزوں کے لئے دنوں کی تعیین کس لئے ہے اور کھانے کی تخصیص اور افطاری میں مختلف برائیوں کے اوضاع واطوار کس لئے ہیں۔

بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ روزہ افطار کرتے وقت حرام امور کا ارتکاب کرتی ہیں۔ اور حرام چیزوں سے روزہ افطار کرتی ہیں اور بے ضرورت سوال اور گدا کرتی ہیں۔ اور اس سے روزہ کھولتی ہیں اور اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کو ان محرمات کے ارتکاب سے مخصوص سمجھتی ہیں۔ یہ خود عین گمراہی ہے اور شیطان مردود کی تزیین ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بچانے والے ہیں۔

اور دوسری شرط جو عورتوں کی بیعت کے وقت درمیان میں لائے ہیں وہ چوری کرنے سے ممانعت ہے کہ وہ کبیرے گناہوں سے ہے اور چونکہ یہ بد خصلت عورتوں کے اکثر افراد میں پائی جاتی ہے اور کم ہی کوئی ایسی عورت ہوگی کہ اس برائی کی باریکیوں سے خالی ہو تو اس برائی سے ممانعت ان کی بیعت کے لئے شرط قرار پائی۔ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کے مال میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف کرتی ہیں اور بے باکی سے تلف اور خرچ کرتی ہیں۔ وہ چوری میں داخل ہے اور چوری کے کبیرہ گناہ سے متصف ہیں۔ یہ بات عام عورتوں کے متعلق ہی کہی جا سکتی ہے۔ کہ ان میں یہ عادت ثابت ہے اور یہ خیانت عورتوں کے تمام افراد میں قریباً قریباً موجود ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائیں۔

کاش! اس بات کو گناہ سمجھیں اور برا تصور کریں۔ اس برائی کو حلال کرنے کا ڈر ان کے حق میں غالب ہے اور اس حلال سمجھنے کی راہ سے اس معاملہ میں کفر کا خوف زیادہ ہے۔ حکیم مطلق جل شانہٗ نے عورتوں کو شرک سے روکنے کے بعد چوری کرنے سے ممانعت فرمائی کہ یہ برائی ان کے حق میں بذریعہ اس کو عام حلال سمجھنے کے ان کا کفر میں راسخ قدم ہونا ہے اور باقی تمام کبیرے گناہوں کی نسبت ان کے حق میں بدتر ہے۔

اور چونکہ عورتوں کو اپنے شوہر کا مال بار بار لینے سے خیانت کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کے مال میں تصرف کرنے کی قباحت ان کی نگاہ سے زائل ہو جاتی ہے۔ یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ کہ شوہروں کے علاوہ دوسروں کے املاک میں بھی ظلم سے تصرف کریں اور دوسروں کے اموال میں

بے باکی سے خیانت اور چوری کریں۔ قریب ہے کہ یہ معنی تھوڑے سے غور سے واضح اور لائح ہو جائے گا۔ پس ثابت ہوا کہ عورتوں کو چوری سے منع کرنا اسلام کے اہم کاموں میں سے ہے اور شرک کے بعد ان کی نسبت اس برائی کی قباحت متعین ہو گئی۔

ذیلی بحث

ایک دن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ چوروں میں سے بدترین چور کون ہے۔ انہوں نے عرض کیا نہیں ہم نہیں جانتے۔ آپ ہی فرمائیں۔ تو رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چوروں میں سے بدترین چور وہ آدمی ہے جو اپنی نماز سے چوری کرے اور ارکان نماز کو پوری طرح مکمل ادا نہ کرے۔ اس چوری سے بھی پرہیز ضروری ہے تاکہ بدترین چوروں میں سے نہ ہو۔

حضور دل سے نماز کی نیت کرنی چاہیئے کہ نیت کے حصول کے بغیر عمل صحیح نہیں ہوتا اور قرأت درست پڑھنی چاہیئے اور رکوع سجود اطمینان سے بجالانا چاہیئے اور قومہ جلسہ کو بھی اطمینان سے ادا کرنا چاہیئے۔ یعنی رکوع کے بعد اچھی طرح کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور ایک تسبیح کی مقدار کھڑا ہونے میں دیر کرنی چاہیئے اور دو سجدوں کے درمیان بھی اچھی طرح بیٹھنا چاہیئے اور ایک تسبیح کی مقدار بیٹھنے میں دیر کرنا چاہیئے تاکہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان میسر ہو اور جو اس طرح نہ کرے وہ اپنے آپ کو چوروں کی صف میں داخل سمجھے اور وعید کا مستحق جانے۔

عورتوں کی بیعت میں تیسری شرط جو منصوص ہے وہ زنا سے نہی ہے۔ عورتوں کی بیعت کی تخصیص اس شرط سے اس لئے مشروط ہے کہ زنا کا حصول اکثر عورتوں کی رضامندی کے حصول سے وابستہ ہے کہ وہ اس عمل کے لئے اپنے آپ کو مردوں پر پیش کرتی ہیں۔ پس عورتیں اس عمل میں سابق ہوتی ہیں۔ اور اس عمل میں ان کی رضا معتبر ہوتی ہے۔ پس عورتوں کے حق میں اس عمل سے ممانعت زیادہ مؤکد ہوگی اور مرد اس عمل میں عورتوں کے تابع ہیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ [۵۷] — زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو کوڑے لگائیں۔

---

۵۷ سورہ نور پارہ ۱۸-۱۲-

اور یہ برائی دنیا و آخرت میں نقصان دینے والی ہے اور تمام دینوں میں بری اور منکر ہے۔
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آنحضرت نے فرمایا
اے آدمیوں کے گروہ زنا سے پرہیز کرو کہ اس میں چھ چیزیں ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ وہ
جو تین چیزیں دنیا میں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ زنا کرنے والے سے نورانیت اور صفائی اور رونق
زائل ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ زنا فقر اور محتاجی کا باعث ہے۔ تیسری یہ کہ آدمی کی عمر کو کم کرتا
ہے اور وہ تین چیزیں جو زانیوں کے لئے آخرت میں ہیں۔ ان میں سے ایک خداوند تعالیٰ کی ناراضگی
اور غصہ ہے۔ دوسرا حساب میں سختی اور تیسرا آگ کا عذاب"۔[۱]
جان لیں کہ حدیث نبوی[۲] میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "آنکھوں
کا زنا محرمات کی طرف دیکھنا ہے۔ اور ہاتھوں کا زنا محرمات کو پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا محرمات کی
طرف چلنا ہے۔
اللہ[۳] تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ	آپ ایماندار مردوں سے کہیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حرام سے حفاظت کریں یہ ان کے لئے بہت پاکیزہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا[۴]

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ	اور آپ ایمان دار عورتوں سے کہیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حرام سے حفاظت کریں۔

جاننا چاہیئے کہ دل آنکھ کے تابع ہے۔ جب تک آنکھ کو محرمات سے بند نہ کیا جائے دل کی
حفاظت مشکل ہے اور جب آنکھ گرفتار ہو جائے تو پھر دل کا بچنا مشکل ہے اور جب دل گرفتار
ہو جائے تو شرمگاہ کو بچانا دشوار ہے۔ پس آنکھ کو محرمات سے بند رکھنا ضروری ہوا تاکہ شرمگاہ کی

---

۱ ابو نعیم نے حلیہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی اور امام سیوطی نے اسے جامع کبیر میں بھی ذکر کیا۔

۲ مسلم شریف۔

۳ سورہ نور پارہ ۱۸۔

۴ سورہ نور پارہ ۱۸ - ۱۲۔

حفاظت ظلمت ہو اور دینی اور دنیاوی خسارے تک نہ پہنچائے اور قرآن مجید میں اس سے بھی روکا ہے کہ عورتیں بیگانہ مردوں سے بدکار عورتوں کی طرح نرم اور ملائم کلام کریں۔ ایسے طریقہ پر کہ بدکار مردوں کو برے وہم میں ڈال دیں۔ اور برا طمع ان کے دل میں پیدا ہو اور عورتیں مردوں سے اچھی بات ایسے انداز سے کریں جو اس وہم و طمع سے خالی ہو۔

اور اس سے بھی روکا گیا ہے کہ عورتیں اپنے محاسن اور زینت کا اظہار مردوں کے سامنے کریں اور مردوں کو خواہش میں ڈالیں

اور اس سے بھی روکا ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر ماریں۔ تاکہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔ جیساکہ سونے چاندی کی کڑیاں وغیرہ کہ وہ حرکت میں آئیں اور آواز پیدا کریں کہ وہ عورتوں کی طرف مردوں کی رغبت کا باعث ہے۔

مختصر یہ کہ ہر وہ چیز جو فسق تک لے جائے ممنوع اور بری ہے اس سے احتیاط کرنا چاہیئے۔ کہ محرمات کے ذرائع اور اسباب کا ارتکاب نہ کیا جائے تاکہ اصل محرمات سے سلامتی میسر آئے اور اللہ تعالیٰ ہی بچانے والے ہیں اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ میں نے اسی پر توکل کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اجنبی عورت بھی شہوت سے دیکھنے اور چھونے کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے۔ جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت اپنے آپ کو شوہر کے علاوہ کسی اور کے لئے آراستہ کرے۔ اور اپنے آپ کو زینت دے اور مزین کرے۔ شوہر کے علاوہ مرد ہو یا عورت جیساکہ مردوں کو بے ریش لڑکوں کی طرف شہوت سے دیکھنا اور ان کو چھونا منع ہے۔ اسی طرح حرام عورتوں کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا اور چھونا حرام ہے۔

اس نکتہ کی اچھی طرح رعایت کرنا چاہیئے کہ یہ شاہراہ دنیا اور آخرت کے خسارہ کی طرف جاتی ہے مردوں کا عورت تک پہنچنا صنف کی دوری کی وجہ سے مشکل ہے اور درمیان میں رکاوٹیں ہیں۔ برخلاف عورت کے عورت تک پہنچنے کے کہ صنف کے اتحاد کی وجہ سے اس میں کمال آسانی ہے۔ اس جگہ بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور عورتوں کے عورتوں کو دیکھنے اور چھونے میں مردوں کے عورتوں کی طرف دیکھنے یا عورتوں کے مردوں کی طرف دیکھنے سے زیادہ بلیغ انداز اور بلاغ مبین کرنا چاہیئے۔

چوتھی شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے وہ اولاد کے قتل سے ممانعت ہے کہ عرب کی عورتیں

اپنی لڑکیوں کو غریبی کے ڈر سے مار ڈالتی تھیں۔ یہ بدعمل جس طرح بغیر حق کے جان کو مار ڈالنے کا متضمن ہے اسی طرح اس میں قطع رحمی بھی ہے اور پھر یہ کبیرہ گناہوں میں سے بھی ہے۔

اور پانچویں شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے وہ بہتان اور افترا سے ممانعت ہے۔ اور چونکہ یہ صفت اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے خصوصاً اس چیز سے انہیں روکا ہے۔ یہ صفت بُری صفات میں سے بدترین صفت ہے اور رذائل اخلاق میں سے بہت رذیل خصلت ہے جو جھوٹ کی متضمن ہے۔ جو کہ تمام دینوں میں گناہ اور حرام رہا ہے۔ اور اس میں اس مومن کی ایذا بھی ہے جس کی نسبت بہتان و افترا کیا ہے۔ اور مومن کو ایذا دینا حرام ہے اور فساد فی الارض کو مستلزم ہے جو کہ قرآن کی نص سے ممنوع و محظور و حرام و مستنکر ہے۔

اور چھٹی شرط پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور نافرمانبرداری کے گناہ سے بچنا۔ وہ جو کچھ بھی فرمائیں یہ شرط تمام اوامر کی تعمیل اور تمام شرعی نواہی سے باز آجانے کو شامل ہے۔ کیا نماز اور کیا زکوٰۃ اور کیا روزہ اور کیا حج کہ اسلام کی بنیاد اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس کو ماننے کے بعد انہی چار رکنوں پر ہے۔ پنجگانہ نماز بغیر سستی اور بغیر فتور کے پوری کوشش اور محنت سے ادا کرنا چاہیئے اور مال کی زکوٰۃ رغبت اور منت سے مصارف زکوٰۃ میں ادا کرنا چاہیئے اور رمضان شریف کے روزے جو کہ سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے ان کی نگہداشت کرنا چاہیئے اور بیت اللہ شریف کا حج جس کی شان میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلْحَجُّ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَہٗ (حج اپنے سے پہلے تمام گناہوں کو کاٹ دیتا ہے)

بھی ادا کرنا چاہیئے تاکہ اسلام کو قائم رکھا جائے۔

اور اسی طرح پرہیزگاری اور تقویٰ سے بھی چارہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مِلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرْعُ (تمہارے دین کا تمام کارخانہ پرہیزگاری پر قائم ہے)

اور وہ نام ہے شرعی منہیات کے چھوڑ دینے کا۔ اور نشہ اور مستی لانے والی چیزوں سے شراب ہی کی طرح پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور انہیں حرام اور بُرا سمجھنا چاہیئے اور راگ رنگ سے بھی پرہیز ضروری ہے جو کہ لہو و لعب میں داخل ہے کہ حرام ہے اور آیا ہے کہ

اَلْغِنَاءُ رُقْیَۃُ الزِّنَا (کہ راگ رنگ زنا کا تعویذ ہے)

اور غیبت کہنے اور سخن چینی کرنے سے بھی پرہیز ضروری ہے جو کہ شرعی ممنوع ہے۔

اور ٹھٹھا اور مذاق کرنا اور مومن کو ناحق تکلیف دینا جس صورت میں بھی ہو منع ہے اور اس سے پرہیز بھی ضروری ہے۔

اور بُرے شگون پر اعتبار نہ کریں کہ اس کا کوئی اثر نہیں ہے اور کسی بیماری کو متعدی نہ سمجھیں کہ وہ ایک کو دوسرے سے لگ جاتی ہے اور کسی مریض سے تندرست آدمی کو جا لگتی ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

لا طِيَرَةَ وَلَا عَدْوىٰ۔[1] (نہ کوئی بدشگونی ہے اور نہ کوئی متعدی مرض)

یعنی شگون بد کا کوئی اصل نہیں ہے اور بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگنا بھی مطلقاً ثابت نہیں ہے اور کاہن اور نجومی کی بات پر بالکل اعتبار نہ کریں اور غیبی خبریں ان سے نہ پوچھیں اور ان کو غیبی امور کا جاننے والا نہ سمجھیں کہ شریعت میں ان سے روکنے کے متعلق بڑا مبالغہ آیا ہے[2]۔ اور جادو نہ کریں اور جادوگر کے پاس نہ جائیں کہ قطعی حرام ہے اور اس کا قدم کفر میں بڑا مضبوط ہے اور کوئی کبیرہ گناہ بھی جادو اور جادوگری سے زیادہ کفر کے نزدیک نہیں ہے۔ احتیاط کرنا چاہیئے کہ اس فعل کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ بھی نہ کیا جائے کہ آیا ہے کہ مسلمان جب تک مسلمان ہے جادو اس سے وجود میں نہیں آسکتا۔ اور جب اس سے ایمان جدا ہو جائے (اللہ اس سے بچائے) تو اس وقت اُس سے جادو سرزد ہوگا۔ پس گویا کہ جادو اور ایمان ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ اگر جادو ہے تو ایمان نہیں ہے اس نقطہ کی اچھی طرح رعایت کرنی چاہیئے تاکہ ایمان کے کارخانہ میں خلل نہ پڑے اور اس عمل کی نحوست سے ایمان ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔

مختصر یہ کہ جو کچھ بھی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور علماء نے کتب شرعیہ میں اس کو بیان فرمایا ہے دل و جان سے اس کی تعمیل میں کوشش کرنا چاہیئے اور اس کے خلاف کرنے کو زہر قاتل سمجھنا چاہیئے۔ جو کہ ہمیشہ کی موت تک پہنچا دیتا ہے اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور جب بیعت کرنے والی عورتوں نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قول سے ان سے بیعت فرمائی[3] اور خداوند تعالیٰ کے حکم سے ان کے لئے بخشش مانگی وہ بخشش جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالیٰ کے حکم سے کسی کے حق میں وقوع پذیر ہو پوری امید ہے کہ

---

[1] بخاری شریف۔

[2] ابو داؤد شریف۔ مشکوٰۃ

[3] معالم التنزیل۔

قبول ہو جائے گی اور وہ جماعت بخشی جائے گی۔

ہندہ ابو سفیان کی بیوی بھی اس بیعت میں داخل تھی بلکہ وہ ان عورتوں کی سردار تھی۔ عورتیں اسی کی زبان سے بات کر رہی تھیں۔ اور بیعت سے اور اس استغفار سے اس کے حق میں بہت بڑی امید ہے۔ پس عورتوں میں سے جو بھی ان شرائط کا اقرار کرے اور اس کے مطابق عمل کرے وہ حکماً اس بیعت میں داخل ہے اور اس استغفار کی برکات کی امیدوار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ۔ یعنی خداوند تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم اُس کا شکر بجالاؤ اور ایمان کو درست کرو۔

شکر بجالانا احکام شرعیہ کو قبول کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے عبارت ہے۔ نجات کا طریقہ اور خلاصی کی راہ یہی اعتقاد اور عمل میں صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ استاد اور پیر اسی غرض سے پکڑتے ہیں کہ شریعت کی راہنمائی کریں اور ان کی برکت سے اعتقاد اور شریعت کے مطابق عمل کرنے میں آسانی اور سہولت پیدا ہو نہ یہ کہ مرید جو کچھ چاہیں وہ کرتے پھریں اور جو کچھ چاہیں کھاتے رہیں اور پیران کی ڈھال بن جائیں اور ان کو عذاب سے بچائے رکھیں کہ یہ مطلب محض ایک آرزو ہے۔ اس جگہ بے اجازت کوئی بھی سفارش نہیں کرے گا۔ جب تک کہ وہ پسندیدہ نہ ہوگا۔ کوئی بھی اس کی سفارش نہیں کرے گا۔ اور مرتضیٰ (پسندیدہ) اس وقت ہوگا جب کہ شریعت کے مطابق عمل کرے گا اور اگر بہ تقاضائے بشریت اس سے کوئی غلطی ہو جائے گی تو شفاعت سے اس کا تدارک ممکن ہوگا۔

سوال:۔

گنہگار کو کس اعتبار سے پسندیدہ کہا جا سکتا ہے۔؟

جواب:۔

جب اللہ تعالیٰ اس کی بخشش چاہیں گے تو اس کی بخشش کے لئے درمیان میں کوئی وسیلہ لائیں گے وہ شخص اصل میں پسندیدہ ہے اگرچہ بظاہر گنہگار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام

ل پارہ ۵۵۔ سورہ نساء۔

مکتوب نمبر ۴۲

خواجہ محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(اس کو بشارت دینے کے متعلق)

حمد وصلوٰۃ اور دعاگوئی کے بعد عرض ہے کہ گرامی نامہ جو آپ نے ملا فتح اللہ کے ہمراہ بھیجا تھا۔ پہنچا۔ چونکہ اس میں محبت واخلاص اور حرارت واشتیاق تھا اس سے خوشی ہوئی۔ آپ کے خط کا مطالعہ کرتے وقت اس علاقہ میں آپ کی نورانیت بہت نظر آئی اور اس سے امید بندھی سو اس پر اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے اور اسی کا احسان ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔

محبت اطوار! معلوم نہیں ہو سکا کہ سیادت مآب میر محمد نعمان کے خط وکتابت چھوڑ دینے کا سبب کیا ہے۔ اگر اس طرف سے کدورت کا وہم ہو تو وہ وقوع میں نہیں آئے گی اور اس جانب سے کمال صفائی سمجھیں۔ فقیر میر ہے کی حفاظت میں بہت ہی کوشش ملحوظ رکھتا ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ طلبہ کے کام میں کوئی سستی پیدا ہو اور سالکین کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو۔ بالکل پرندے کی طرح جو اپنے بچوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور قریبًا دو ماہ ہو رہے ہیں کہ فقیر بہت کمزور ہے۔ آپ کے بعض سوالات جو پہلے خط میں لکھے گئے تھے ان کا جواب اگر صحت ہو گئی تو انشاءاللہ لکھوں گا۔ ورنہ دوستوں سے فاتحہ اور دعا کی التماس رکھتا ہوں۔

ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ تم پر اور تمام اللہ والوں پر سلام ہو۔ فرزندانِ گرامی برخوردار ہوں۔

مکتوب نمبر ۴۳

مخدوم زادگان کبار خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہا اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

(ان مکالمات کے بیان میں جو کہ بادشاہ وقت مدظلہ کی مجلس میں ہوئے۔)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اس علاقہ کے طور طریقے قابل تعریف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے عجیب وغریب صحبتیں گزر رہی ہیں۔ امور دینیہ اور اصول اسلامیہ کے متعلق گفتگو میں سستی اور خوشامد راہ نہیں پاتی اور وہی الفاظ جو کہ خلوتوں میں اور اپنی خاص مجلسوں میں بیان کرتا تھا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد سے ان سلطانی مجلسوں میں بھی بیان کرتا ہوں۔ اگر ایک مجلس کی گفتگو لکھوں تو دفتر چاہیئے۔ خصوصاً آج کی رات جو کہ رمضان مبارک کی سترھویں رات تھی۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت پر ایمان اور اس میں عذاب وثواب اور اثبات رویت باری تعالیٰ اور خاتم الرسل کی خاتمیت نبوت اور ہر صدی پر مجدد کے آنے اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتدا اور سنت تراویح اور تناسخ کے بطلان اور جن اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب وثواب اور ان جیسی باتوں کے متعلق بہت سی گفتگو ہوئی اور بادشاہ نے ان کو اچھی طرح سنا۔

اور اسی طرح ان باتوں کے ضمن میں دوسری چیزیں بھی بیان ہوتی رہیں۔ مثلاً اقطاب وابدال و اوتاد کے حالات اور ان کی خصوصیات کا بیان۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔ کہ بادشاہ اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں اور مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور ان واقعات اور ان ملاقاتوں میں شاید اللہ تعالیٰ کی مصلحتیں اور راز پوشیدہ ہوں۔ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی کی اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پا سکتے۔ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔

ختم قرآن کو سورہ عنکبوت تک پہنچایا ہے۔ آج رات جو ہم اس مجلس سے واپس آئے ہیں۔ تو تراویح میں مشغول ہوئے اور یہ قرآن مجید کے یاد کرنے کی دولت عظمیٰ ان فترات میں جو کہ عین جمعیت تھے حاصل ہوئی ہے۔

الحمد للہ اولاً وآخراً

مکتوب نمبر ۴۴

میر عبد الرحمٰن ولد میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(اُخروی رؤیت کے منکرین کے شبہات رفع کرنے کے بیان میں ۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

وہ اعتراض جو رؤیت کے مسئلہ پر رکھتے ہیں بلکہ وہ دلیل جو نفی رویت پر لاتے ہیں یہ ہے۔ کہ آنکھ سے دیکھنا دیکھنے والے اور دیکھے گئے کا آپس میں مقابل و برابر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ناممکن ہے کیونکہ وہ جہت کو مستلزم ہے جو کہ احاطہ اور تحدید اور نہایت تک لے جاتی ہے جو نقص کو مستلزم ہے۔

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا

جواب :- یہ ہے کہ

یہ کمال پر قادر جلّ سلطانہٗ نے جب کہ اس کمزور اور فانی دنیوی زندگی میں آنکھ کو جو کہ دو بے حس و حرکت جوف دار پٹھوں کے ٹکڑوں سے عبارت ہے یہ طاقت دے رکھی ہے کہ وہ مقابل اور برابر ہونے کی صورت میں چیزوں کا احساس کرتی ہے اور ان کو دیکھتی ہے۔ وہ کیوں ایسا نہیں کر سکتا کہ عالم آخرت میں جو قوی اور باقی ہے۔ انہی دونوں پٹھوں کو ایسی قوت عطا فرمائے کہ بے شرط مقابلہ و برابری مرئی کو دیکھ سکیں وہ مرئی (دیکھا گیا) خواہ تمام جہات میں ہو یا بے جہت ہو اس جگہ استبعاد کیا ہے اور محال کونسی چیز ہے کیونکہ فاعل جل سلطانہٗ اقتدار کے اعلیٰ مرتبہ میں ہے ۔ اور قبول کرنے والا دیکھنے اور احساس کرنے کے لئے مستعد ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بعض جگہوں اور بعض زمانوں میں

حِکَم و مَصَالح

کی بنا پر محاذات (برابری) کی شرط اور آنکھوں کے دیکھنے میں جہت کے تعیّن کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور بعض دوسرے امکنہ و ازمنہ میں اس شرط کا اعتبار نہیں فرمایا ہے اور اس شرط کے حصول کے بغیر آنکھوں کا دیکھنا مقرر کیا ہے۔ ایک مقام کو دوسرے مقام پر باوجود کمال درجہ کے اختلاف مواطن اور ان کے آثار کے قیاس کرنا انصاف سے دور ہے اور عالم مُلک و شہادت کی ظاہری چیزوں پر نظر کو بند رکھنا ہے ۔ اور عالم ملکوت سے عجائبات کا انکار ہے۔

سوال :-

اگر حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ مرئی (دیکھا گیا) ہو تو چاہیئے کہ وہ محاط (احاطہ کیا گیا) اور مدرَک بصر (آنکھ سے ادراک کیا گیا) بھی ہو اور وہ حدّ اور نہایت کو مستلزم ہے

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے)

::

جواب:۔

میں کہتا ہوں کہ جائز ہے کہ وہ مرئی ہو اور محاط اور مدرک بصر نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۞ — آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ باریک بین ہے خبردار۔

مومن آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور وجدانی یقین سے معلوم کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ لذت جو دیکھنے پر مترتب ہوتی ہے وہ بھی کمال درجہ کی اپنے اندر پائیں گے لیکن مرئی کچھ بھی ان کا

مُدْرَكْ (ادراک کیا گیا)

نہ ہوگا۔ اور مرئی سے انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا اور رویت کے وجدان کے سوا اور دیکھنے کی لذت کے بغیر کوئی چیز بھی مرئی سے ان کو حاصل نہ ہوگی۔

بیت:۔ [1] عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

وہ نقصان جس کا رویت میں وہم ہے وہ مرئی کا ادراک واحاطہ ہے جو کہ اس مقام میں مفقود ہے اور صرف بے جہت رویت اور اس لذت سے جو دیکھنے والے کو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے کے ثبوت میں تو کوئی نقص اور قصور نہیں ہے بلکہ مرئی کا کمال انعام و احسان ہے کہ وہ اپنے جمال پر کمال کو محبت کی آگ میں جلنے والوں پر جلوہ کرے اور رویت کے وصال کے ٹھنڈے اور میٹھے پانی سے ان کو لذت یاب اور سیراب کرے تو اس سے کوئی نقص اور قصور اللہ تعالیٰ کی جانب قدس میں عائد نہیں ہوتا اور کوئی جہت اور احاطہ اس جگہ پیدا نہیں ہوتا۔

[2] ازاں طرف نہ پذیرد کمالِ او نقصاں
وزیں طرف شرف روزگار من باشد

یا پھر میں کہتا ہوں کہ اگر حصول رویت میں محاذات و مقابلہ شرط ہے تو چاہیئے کہ جس طرح

---

[1] عنقا کسی کا شکار نہیں ہوتا اپنا جال اُٹھالے کہ اس جگہ ہمیشہ جال خالی ہی رہا ہے۔ ۱۲

[2] اس طرف تو اس کا کمال کوئی نقصان قبول نہیں کرتا اور اس طرف میرے روزگار کو شرف مل جائے گا۔ ۱۲

مرئی کی جانب شرط ہے۔ رائی (دیکھنے والے) کی جانب بھی شرط ہو۔ کیونکہ مقابلہ ایک ایسی نسبت ہے جو

مُتَقَابِلَیْنِ

سے قائم ہے جو کہ رائی (دیکھنے والا) اور مرئی (دیکھا گیا) ہے۔ پس لازم آیا کہ خداوند تعالیٰ بھی اشیاء کو نہیں دیکھتا اور چیزوں کو دیکھنے کی صفت اس کے لئے ثابت نہیں اور یہ قرآنی نصوص کے برخلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ	(اللہ تمہارے عملوں کو دیکھنے والے ہیں)
وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ	(اور وہ سننے والا ہے دیکھنے والا)
وَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَکُمْ۔	(اور عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو دیکھے گا۔)

اور پھر یہ نقص بھی ہے اور اللہ تعالیٰ سے صفتِ کاملہ کی نفی بھی ہے

سوال:۔

اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ میں رویت اس کے اشیاء کے علم سے عبارت ہے اور علم کے سوا کوئی دوسری چیز جو جہت کو مستلزم ہو نہیں ہے۔

جواب:۔

تو میں کہتا ہوں کہ شک نہیں ہے کہ رویت صفاتِ کاملہ سے ہے اور مستقل طور پر خدا تعالیٰ کے لئے نصوصِ قرآنی سے ثابت ہے اس کو علم کی طرف راجع کرنا خلاف ظاہر ہے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رویت اقسامِ علم سے ہے اور اس میں شرط محاذات کا عدم لازم نہیں آتا تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کا علم دو قسم کا ہے۔ ایک قسم وہ ہے کہ جس میں معلوم کا برابر ہونا شرط نہیں ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں محاذات کی شرط ہے۔ جس کا دوسرا نام رویت ہے اور وہ ممکنات میں علم کی سب سے اعلیٰ قسم ہے کیونکہ وہ اطمینانِ قلب کے مرتبہ میں ہے کیونکہ معقولات میں تو وہم کے مقابلہ سے امن حاصل نہیں ہے اور محسوس وہ چیز ہے جو معارضہ سے آزاد ہے اور اس رخنہ سے الگ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت خلیل الرحمان علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باوجود مُردوں کے زندہ ہونے کے یقین اور ایمان کے مُردوں کے زندہ ہونے کی رویت کا سوال کیا تاکہ اس

سے اطمینان قلب حاصل ہو

جاننا چاہیئے کہ رویت صفاتِ کاملہ سے ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ میں موجود نہ ہوگی تو ممکن میں کہاں سے آجائے گی۔ کیونکہ ہر وہ کمال جو ممکن میں ظہور پذیر ہوا ہے وہ اس کمال کا عکس ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں موجود اور ثابت ہے۔ اللہ ایسا نہ کرے کہ کوئی کمال ممکن میں ہو۔ اور اللہ تعالیٰ میں نہ ہو۔ کیونکہ ممکن اپنی ذات میں شر اور نقص ہے اگر کوئی کمال ہے تو اس میں عاریتاً (مانگا ہوا) ہے جو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوا ہے جو کہ سب خیر و کمال ہے۔

بیت:- نیاوردم از خانہ چیزے نخست [1]
تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

اور اصل سوال کا دوسرا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ یہ اعتراض تو اللہ تعالیٰ کے وجود میں بھی جاری ہے جسطرح رویت کی نفی معلوم ہوتی ہے اسیطرح اللہ تعالےٰ کے وجود کی نفی بھی معلوم ہوتی ہے پس یہ اعتراض صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ محال عقلی کو مستلزم ہے۔ اس کا بیان یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ موجود ہے تو اس عالم کی جہات میں سے کسی جہت میں ہوگا۔ خواہ وہ اوپر ہو یا نیچے خواہ آگے ہو یا پیچھے اور خواہ وہ دائیں ہو یا بائیں بہر حال وہ احاطہ اور تحدید کو لازم ہے جو مستوجب نقص ہے اور نقص الوہیت کے منافی ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

سوال:-

ہو سکتا ہے کہ وہ عالم کی تمام جہات میں ہو اور احاطہ اور تحدید لازم نہ آئے۔

جواب:-

میں کہتا ہوں کہ عالم کی تمام جہات میں ہونے سے بھی احاطہ اور تحدید کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس صورت میں بھی وہ عالم سے علیحدہ ہوگا اور علیحدہ ہونا غیریت کو لازم ہے اور "دو چیزیں آپس میں متغایر ہوتی ہیں"۔ ارباب معقول کا مقررہ قضیہ ہے اور وہ تحدید کو مستلزم ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس قسم کے ملمع شدہ غیر حق شبہات سے خلاصی کی صورت یہ ہے کہ احکام شہادت اور احکام غیب کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھا جائے اور غائب کو حاضر پر قیاس نہ کیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض احکام حاضر میں تو صادق ہوں اور غائب میں جھوٹے اور وہ حاضر میں کمال ہوں اور غائب میں نقص کیونکہ مقامات کا اختلاف احکام کے اختلاف کو مستلزم ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ مقامات میں بڑا دور کا فرق ہو۔ کہاں مٹی اور کہاں ربُّ الارباب۔

[1] میں اپنے گھر سے کچھ نہیں لایا تو نے تمام چیزیں دیں اور میں خود بھی تیری چیز ہوں۔

اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے کہ ایسے مشتبہ تخیلات اور توہمات سے نصوص قرآنی کا انکار نہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کو نہ جھٹلائیں۔ اس قسم کے احکام منزلہ پر ایمان لانا چاہیئے اور ان کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد کرنا چاہیئے اور ان کی کیفیت کے ادراک کے قصور کو اپنی طرف راجع کرنا چاہیئے نہ کہ اپنے ادراک کو راہنما بنا کر ان احکام کی نفی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ سلامتی اور ثواب سے دور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں جو حقیقت میں ثابت ہوں اور ہماری ناقص عقول کے ادراک سے بعید ہوں۔

عقل اگر کافی ہوتی تو بو علی سینا جیسا آدمی جو ارباب معقول کا پیشوا ہے تمام احکام عقلیہ میں حق پر ہوتا اور غلطی نہ کرتا۔ حالانکہ اس نے ایک ہی مسئلہ میں کہ

اَلْوَاحِدُ لَا یَصْدُرُ عَنْہُ اِلَّا اَلْوَاحِدُ۔ (ایک سے صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے)

اس قدر غلطی کھائی ہے کہ وہ منصف آدمی کے دل پر ادنیٰ تامل سے واضح ہو جاتی ہے۔ اس مقام میں امام فخر الدین رازی نے اس پر طعنہ کیا ہے اور یہ عبارت لائے ہیں۔

"اور تعجب ہے اس آدمی سے جو اپنی عمر فکر میں خطا سے بچانے والے آلہ کی تعلیم اور تعلم میں ضائع کر دے۔

پھر جب اشرف و اعلیٰ مطالب کی طرف آئے تو اس سے ایسی چیزیں ظاہر ہوں جس سے بچے بھی ہنسیں۔

علماء اہل سنت شکر اللہ سعیہم تمام شرعی احکام کا اثبات کرتے ہیں خواہ وہ احکام سمجھ میں آئیں یا نہ ان کی کیفیت معلوم نہ ہونے کی صورت میں ان احکام کا انکار نہیں کرتے۔ مثلاً عذاب قبر اور منکر نکیر کا سوال اور پلصراط اور اعمال کی میزان اور ان جیسی چیزیں کہ جن کے ادراک سے ہماری ناقص عقلیں قاصر ہیں۔ ان بزرگواروں نے اپنا پیشوا کتاب و سنت کو بنایا ہے۔ اور عقول کو ان کا تابع بنایا ہے۔ اگر وہ سمجھ میں آجائیں تو بہتر ورنہ احکام شرعیہ کو قبول کرتے ہیں اور اپنے عدم ادراک کو اپنے قصور فہم پر محمول کرتے ہیں۔ دوسروں کی طرح نہیں کہ جو کچھ ان کی سمجھ میں آتا ہے اور اس کو سمجھ سکتے ہیں قبول کرتے ہیں اور جو کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آتا قبول نہیں کرتے۔ شاید یہ لوگ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت ہی عقول کے قصور کی وجہ سے ہے کہ وہ اپنے مولائے بیچون و بے چگون کے بعض پسندیدہ مطالب کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

عقل اگرچہ حجت ہے لیکن حجّت کاملہ نہیں ہے۔ حجت کاملہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا — اور نہیں ہم سزا دینے والے یہاں تک کہ بھیج لیں ہم رسول۔

ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حاضر کی رؤیت میں اگرچہ مقابلہ و محاذات شرط ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ غائب میں یہ شرط نہ ہو جیسا کہ غائب موجود ہے۔ اور اس میں موجودات کی جہات میں سے کوئی جہت بھی نہیں ہے۔ مرئی۔ رائی کی رویت کے بغیر جہات سے پاک ہے اور رؤیت کے بعد کوئی رؤیت جہت بھی اس کے لئے ثابت نہیں ہے۔ اس جگہ صرف مقابلہ و محاذات ہے۔ اب بتاؤ اس جگہ کونسا استبعاد اور استحالہ ہے۔ بے چون کی رویت بھی بے چون ہے اس لئے کہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے "بادشاہ کے تحائف کو اسی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں"، اس بیچون کی رویت کو چون کی رویت پر جو کہ چون کی مرئیات سے متعلق ہے۔ قیاس کرنا نامناسب ہے۔ اور انصاف سے دور ہے اور اللہ تعالیٰ ہی درست بات کی توفیق دینے والے ہیں۔

مکتوب نمبر ۴۵

مولانا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا

(مومن کے دل کی بلندئ مرتبہ اور اس کو ایذا نہ دینے کے بیان میں)

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور درود اور سلام ہو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد اور ان کی تمام آل پر۔

اس کے بعد جان لو کہ دل اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ہمسایہ ہے اور دل جتنا قریب اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ سو تم اس کی ایذا سے بچو۔ خواہ وہ دل مومن ہو یا گنہگار۔ ہمسایہ اگرچہ گنہگار ہو اس کی حمایت کی جاتی ہے۔ سو تم اس سے بچ کر رہو بچ کر رہو کیونکہ کفر کے بعد جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایذا کا سبب ہے کوئی گناہ دل کے ایذا دینے جیسا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے والی چیزوں میں سے کوئی بھی دل سے زیادہ قریب نہیں ہے اور جان لیں کہ تمام خلق اللہ تعالیٰ کی

غلام ہے اور معلوم ہے کہ غلام کو مارنا یا اس کی اہانت کرنا اس کے مالک کی ایذا کا سبب ہے۔ پس قیاس کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ کی شان کا کہ وہ مالک علی الاطلاق ہے پس چاہیئے کہ اس کی مخلوق میں تصرف نہ کرے۔ مگر اسی اندازے کے مطابق جس کا اسے حکم دیا گیا ہے کیونکہ وہ ایذا میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ مثلاً کنوارا زانی کہ اس کی حد سو کوڑا ہے۔ پس اگر کوئی سو پر زیادہ کرے تو وہ ظلم ہوگا۔ اور ایذا میں داخل ہوگا۔

اور جان لو کہ دِل تمام مخلوقات سے افضل اور اشرف ہے۔ جیسا کہ انسان اپنے اجمال اور جمعیت کی وجہ سے عالمِ کبیر کی تمام چیزوں سے افضل اور اشرف ہے۔ اسی طرح دِل انسان کے اندر کی تمام چیزوں سے اپنے کمال بسیط ہونے اور اجمالیّت اور شمولیّت کی وجہ سے افضل ہے اور جب کوئی چیز اجمال میں زیادہ اور جمعیت میں اکثر ہوگی تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے اقرب ہوگی۔ اور انسان کے اندر جو کچھ ہے وہ یا تو عالمِ خلق سے ہے یا عالم امر سے اور دِل برزخ ہے۔

اور مراتب عروج میں انسان کے لطائف اپنے اصل کی طرف عروج کرتے ہیں۔ مثلاً اس کا پہلا عروج پانی کے اصل کی طرف ہوتا ہے۔ پھر ہوا کے اصل کی طرف پھر آگ کے اصل کی طرف پھر لطائف کے اصول کی طرف پھر اسم جزئی کی طرف جو کہ اس کا رب ہے پھر کلی اسم کی طرف پھر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے۔ برخلاف دِل کے کہ اس کا کوئی اصل نہیں ہے جس کی طرف وہ عروج کرے بلکہ اس کا عروج ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہوتا ہے اور وہ ذات مجرّدہ کا دروازہ ہے لیکن اس تفصیل کے بغیر صرف دِل کے طریق سے وصول بہت مشکل ہے بلکہ یہ وصول اس تفصیل کو پورا کرنے کے بعد میسر آتا ہے کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ جامعیت اور وسعت کی صفت دِل میں متحقق نہیں ہوتی۔ مگر ان تمام مراتب تفصیلیہ کو طے کرنے کے بعد اور اس مقام میں دِل سے مراد وہی دِل ہے جو جامع اور بسیط اور ابسط ہے نہ کہ گوشت کا ٹکڑا۔

مکتوب نمبر ۴۶

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا

(عروج و نزول کے بیان میں)

ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اپنے سردار اور مولیٰ اور

اپنے گناہوں کے شفارشی حضرت محمد اور ان کی آل اور صحابہ پر درود بھیجتے ہیں۔

جان لو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس فقیر پر منکشف فرمایا ہے کہ کائنات میں ایک نقطہ ہے جو عالمِ ظلی کا مرکز ہے اور وہ نقطہ تمام عالم کا اجمال ہے اور تمام عالم اس اجمال کی تفصیل ہے اور وہ نقطہ اپنی چمک دمک میں سورج کی طرح ہے اور آفاق کی ہر چیز اسی نقطہ سے روشن ہوتی ہے پس جس کسی کو بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی فیض پہنچتا ہے وہ اسی نقطہ کے وسیلہ سے پہنچتا ہے اور وہ نقطہ ذات مجرّد کے نقطہ کے برابر اور محاذ میں واقع ہے۔ اور وہ نقطہ مرتبۂ نزول میں موجود ہے۔ پس جب تک کہ اس مرتبۂ ہبوط و اسفلیت میں نزول متحقق نہیں ہوتا اس مرتبہ تک عروج میسر نہیں آتا کہ جس کا نام غیب ہویّت (ذات بحت) ہے اور یہ نزول دعوت و تکمیل کے لئے ہوتا ہے اور اس نزول سے متصف ہونے کے وقت جو کہ اس نقطہ کے مرتبہ میں واقع ہے ایسا خیال ہوتا ہے۔ کہ منہ عالم کی طرف ہے اور پشت خدا کی طرف۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عالم کی طرف توجہ اور خدا تعالیٰ سے انقطاع صرف موت کے وقت تک ہے۔ جب موت آتی ہے تو وصال کے وقت حال منعکس (الٹا) ہو جاتا ہے۔ پس اس دنیا میں فراق واشتیاق طرفین سے ثابت ہے اور ملاقات اس وقت پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ موت نہ آئے اور اس حدیث قدسی کا معنی معلوم ہوا کہ "آگاہ رہو کہ نیک لوگوں کا میری ملاقات کا شوق بڑا لمبا ہو گیا۔ اور میں ان کی طرف ان سے زیادہ شوق رکھتا ہوں"۔

اور جان لو کہ اس مرتبہ میں نزول کے تحقق کے باوجود سالک اور خدا تعالیٰ کے درمیان کسی قسم کا کوئی پردہ متحقق نہیں ہے بلکہ تمام پردے مرتفع ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ مفقود ہے بلکہ اس جگہ پوری توجہ خلق کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ مقام مقام دعوت ہے۔

اور کبھی اس نقطہ سے جو کہ عالمِ ظلی کے دائرہ کا مرکز ہے۔ اس نقطہ کی طرف نزول واقع ہوتا ہے جو دائرہ عدم کا مرکز ہے۔ اور یہ مقام اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء صلی اللہ علیہم وبارک وسلم اور آیتوں سے انکار کا مقام ہے اور اس نقطہ (مرکز عالم ظلی) سے اس نقطہ کی طرف عروج واقع ہوتا ہے جو دائرہ اصل کا مرکز ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات وعلیٰ آلہم واصحابہم اجمعین کے مقامات کا دائرہ ہے۔

اور یہ نقطہ (مرکز دائرہ عدم) جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ظلمانی ہے نہایت ہی تاریک پس اس مقام میں نزول اس عظیم الشان امر کے روشن اور منور کرنے کے لئے ہے اور اس نقطہ کے مقابل اسلام

کا نقطہ ہے اور یہ وہ نقطہ ہے کہ اس ظلمانی نزول کے بعد اس نقطہ پر عروج ہوتا ہے اور اس ظلمانی نقطہ کا چراغ کلمۂ توحید ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ والسلام مع الاکرام۔

مکتوب نمبر ۴۷

سلطان وقت مدظلہ کی طرف صادر فرمایا

(دعا کے اسرار اور علماء اور صلحا کی مدح کے بیان میں)

دعا کرنے والوں میں سے کمترین بندہ احمد خادمان والا بارگاہ اور درگاہ معلّٰی کے باریافتہ حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہے اور نیازمندی اور شکستگی کا اظہار کرتا ہے اور اس امن وامان کی نعمت کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ جو کہ دولت واقبال بندگانِ عوام اور خواص کے شاملِ حال ہے بجالاتا ہے اور امید کے اوقات اور دعا کی قبولیت کے گمان اور اجتماع فقراء کے وقت لشکر ظفر قرین کی فتح ونصرت کے لئے دعا کرتا ہے۔ کیونکہ ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند[1]

کارخانۂ خداوندی میں بے فائدہ (عبث) ممنوع ہے پس وہ کام جو مجاہدین کے لشکر اور جہاد سے وابستہ کیا ہے وہ پایۂ دولتِ قاہرہ سلطنت کی تائید ہے اور تقویت ہے کہ روشن شریعت کی ترویج اس کے ساتھ وابستہ ہے کہ کہا ہے۔

اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ (شریعت تلوار کے سایہ کے نیچے ہے)

اور یہی جلیل القدر کام دعا کے لشکر سے بھی وابستہ ہے جو کہ اربابِ فقر اور اصحابِ بلا ہیں۔ کیونکہ فتح ونصرت دو قسم ہے جو کہ ظاہری اسباب سے وابستہ ہے اور یہ فتح ونصرت کی ظاہری صورت ہے جو کہ مجاہدین کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری قسم فتح ونصرت کی حقیقت ہے جو کہ مسبب الاسباب کی طرف سے ہے۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (اور نہیں مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے)

کا اشارہ اسی طرف ہے اور یہ دعا کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے۔ اور بس۔ دعا کا لشکر اپنی

---

[1] ہر ایک کو کسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

ذلت وانکساری کی وجہ سے جہاد کے لشکر سے سبقت لے جاتا ہے اور سبب سے مسبب کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ ع

بردند شکستگان ازیں میدان گوئے۔[1]

اور یہ بھی ہے کہ دعا تقدیر کو روک دیتی ہے جیسا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ۔

لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ[2] (تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی)

اور تلوار اور جہاد یہ قدرت نہیں رکھتے کہ تقدیر کو رد کر سکیں۔ بس دعا کا لشکر باوجود کمزوری اور شکستگی کے لشکر مجاہدین سے زیادہ طاقت والا ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ مجاہدین کے لشکر کے لیے دعا کا لشکر روح کی طرح ہے اور مجاہدین کا لشکر جسم کی طرح ہے۔ پس مجاہدین کے لشکر کو دعا کے لشکر سے چارہ نہیں ہوتا۔ کہ جسم روح کے بغیر تائید اور نصرت کے قابل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ راویان حدیث نے کہا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[3] کَانَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْكِ الْمُهَاجِرِیْنَ آپ فقیر مہاجرین کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے تھے۔

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فتح و نصرت کی طلب فقراء اور مہاجرین کے توسل سے فرماتے حالانکہ مجاہدین کا لشکر اور جنگ کرنے والوں کا غلبہ ہوتا پس فقرا کا لشکر جو کہ دعا کا لشکر ہیں اپنی خواری وزاری و بے اعتباری کے باوجود کہ

اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِی الدَّارَیْنِ (فقر دونوں جہانوں میں روسیاہی کا باعث ہے)

کہا ہے کسی نہ کسی وقت کام آتے رہتے ہیں اور اس بے اعتباری کے باوجود اعتبار پیدا کر لیتے ہیں۔ اور اپنے ساتھیوں اور ہم کام لوگوں سے سبقت لے جاتے ہیں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کل قیامت کے روز شہیدوں کے خون کو علماء کی سیاہی سے وزن کرینگے۔

---

[1] اس میدان سے شکستہ لوگ گیند لے گئے۔

[2] ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ۔

[3] شرح السنتہ مشکوٰۃ ۱۲

اور اس سیاہی کا پلہ وزنی ہو جائے گا۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ

یہ سیاہی اور یہ سیاہ روئی ان کی عزت اور سرخ روئی کا باعث ہو گئی اور ان کے مرتبہ کو پستی سے بلندی تک پہنچا دیا۔ ہاں ؎

بتاریکی دروں آب حیات است[۱]

ایک شاعر کہتا ہے۔

غلام خویشتنم خواند لالہ رخسارے
سیاہ روئی من کرد عاقبت کارے[۲]

اگرچہ یہ کمترین اس لائق نہیں ہے کہ اپنے آپ کو دعا کے لشکر میں شمار کرے لیکن صرف اسم فقر اور قبولیت دعا کے احتمال کی وجہ سے اپنے آپ کو دولت قاہرہ کی دعا سے فارغ نہیں رکھتا۔ اور حال وقال کی زبان سے دعا اور فاتحہ سلامت میں رطب اللسان رہتا ہے۔ اے ہمارے رب ہم سے قبول کر لے یقیناً تو تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۴۸

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا

(اللہ تعالیٰ کی اقربیت کے راز اور اس بات کے بیان میں کہ کنہ ذات کا انکشاف علم حضوری سے ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اللہ تعالیٰ کی اقربیت کا معاملہ علم حضوری سے وابستہ ہے جو کہ اصل معلوم سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ صُوَر میں سے کسی صورت اور معلوم کے ظلال میں سے کسی ظل سے کہ وہ علم حصولی کا حصہ ہے پس علم حصولی اصل میں نفس شے کا علم نہیں ہوتا بلکہ اس شے کی صورتیں سے کسی صورت کا علم ہوتا ہے۔ اور اس شے کے نفس کی نسبت سے جہل ثابت ہوتا ہے۔

[۱] کہ آب حیات تاریکی کے اندر ہے۔

[۲] ایک لالہ رخسار نے مجھے اپنا غلام کہا۔ میری سیاہ روئی نے آخر کوئی کام کیا۔ ۱۲۔

سبحان اللہ! کسی شے سے جہالت کو علم شے سمجھ لیا جائے اور وہ ممنوع ہے اور عینیت کا دعویٰ نہیں سنا جا سکتا۔ کیونکہ شے اور صورتِ شے ایک دوسرے کے ساتھ دوئی کی نسبت رکھتے ہیں۔ اور جہاں دوئی کی نسبت ثابت ہے وہاں تغیر لازم ہے۔ "دو چیزیں آپس میں متغایر ہوتی ہیں" اربابِ معقول کا مقررہ قضیہ ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی صورت کا علم کس طرح کسی شے کے اصلی علم کو مستلزم ہو سکتا ہے کہ شے کی صورت شے کا ظاہر وجود ہے۔ جس نے آئینے کے احکام کا لباس اوڑھ کر ظہور پیدا کیا ہے اور شے میں بہت سے اسرار و حقائق ہوتے ہیں جن کا صورت میں کوئی نام و نشاں نہیں ہوتا۔ ؎

گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید[1]
حیرتے دارم کہ نازش راچساں خواہد کشید

کاش ظاہر شے پوری طرح صورت میں ظاہر ہوتا اور باطن موقوف رہتا۔ جب کہ ظاہر شے حکم محل اور آئینہ کی مشابہت اختیار کر کے صورت شے کو ظاہر کرتی ہے۔ تو یقین ہے کہ ظاہر بھی خالص کر کے نہیں دکھاتی۔ بلکہ ایک دوسری ہیئت پیدا کرتی ہے۔ پس جس طرح صورت باطن شے سے محروم ہے۔ ظاہر شے سے بھی محروم ہے تو لازماً اس صورت کا علم اس شے کے حقیقی علم کو مستلزم نہیں ہو گا۔

مختصر یہ کہ معلوم اصل میں وہ ہے جو کہ کائن کے ذہن میں ہے اور ذہن میں چونکہ کائن کی صورت ہے تو معلوم بھی وہی صورت ہو گی اور صورت کو جب کہ کسی شے کے ساتھ نسبت تغایر پیدا ہوئی۔ تو صورت کا علم کسی شے کے حقیقی علم کو مستلزم نہ ہوا۔

علمِ حضوری وہ ہے کہ قوتِ مدرکہ نزدیک اس جگہ نفس شے ہے اور ظل اور صورت درمیان میں حائل نہیں ہے۔ پس اس علم میں معلوم نفس شے ہوتی ہے نہ کہ اس شے کی صُوَر میں سے کوئی صورت پس علمِ حضوری اشرف ہوتا ہے بلکہ وہی علم ہوتا ہے اور بس اور اس علم کے ماسوا جو کہ علمِ حصولی ہے جہل ہے۔ جو کہ علم کی صورت میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے وہ جہل مرکب ہے کہ اپنے جہل کو علم سمجھتا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ وہ نہیں جانتا۔ پس علمِ حصولی کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں راہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اس علم سے معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ یہ علم اصل میں معلوم کی صورت کا علم ہے نہ کہ نفس معلوم کا علم جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور صورت کو اللہ تعالےٰ کی

[1] اگر کوئی مصور اس محبوب کی تصویر کھینچنا چاہے تو میں حیران ہوں کہ اس کے ناز و ادا کو کیسے ظاہر کرے گا۔ ۱۲

بارگاہ میں کوئی راہ نہیں ہے تاکہ صورت کے علم کو اصل صورت کا علم کہا جائے۔

اگرچہ بعض صوفیائے نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے۔ لیکن یہ صورت مثالی اگر ثابت ہو جائے تو ذہنی صورت کے علاوہ ہے کہ جو علم سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ عالمِ مثال میں جو کہ فراخ ترین مخلوقات ہے کائن کی صورت ہو اور ذہن میں ثابت نہ ہو۔

حدیث قدسی

لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ (میرے آسمانوں اور میری زمینوں میں میری گنجائش نہیں ہے لیکن میری گنجائش میرے مومن بندے کے دِل میں ہے)

بندۂ مومن کے دِل سے مخصوص ہے کہ اس کا معاملہ تمام لوگوں سے علیحدہ ہے کہ وہ فنا اور بقا سے مشرف ہوا ہے اور حصول سے آزاد ہو کر حضور سے مل چکا ہے۔ اس جگہ اگر کوئی گنجائش ہے تو باعتبارِ حضور ہے نہ باعتبارِ حصول۔ ؎

درکدام آئینہ درآید او [1]

جاننا چاہیئے کہ علمِ حضوری میں عالم اور معلوم کا اتحاد ہے پس اس علم کا زوال اس عالم سے جائز نہیں ہے کہ معلوم اس کا نفس ہے جو کہ اس سے جدا نہیں ہے بلکہ علم بھی اس جگہ عین عالم ہے۔ اور عین معلوم ہے پس اس جگہ علیحدگی کی گنجائش کیا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ علمِ حضوری میں چونکہ معلوم نفس شے ہے نہ کہ اس کی صورت تو لازماً اس جگہ معلوم جس طرح ہے اسی طرح منکشف ہوتا ہے اور اسی طرح علم میں آتا ہے اور اپنی کنہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی چیز کی کنہ اس کے نفس سے عبارت ہے اور جب تمام وجوہ و اعتبارات ساقط ہو گئے اور نفس ذات رہ گئی جو کہ مُدرِکہ میں حاضر ہے۔ تو اس کی کنہ معلوم ہو گئی۔ برخلاف علم حصولی کے کہ اس جگہ معلوم کسی شے کے وجوہ و اعتبارات ہیں جو کہ شے کی صُوَر اور مثال ہیں نہ کہ نفسِ شے جیسا کہ گزرا پس اِس جگہ معلوم ذات شے نہیں ہوتی اور شے کنہ سے معلوم نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم حصولی میں شے کا انکشاف بھی ہوتا ہے اور شے کا ادراک بھی اور علمِ حضوری میں شے کا انکشاف تو ہے لیکن شے کا ادراک نہیں ہے۔ پس معلوم کی کنہ تو منکشف ہوگی لیکن مدرک نہ ہوگی۔

---

[1] وہ کونسے آئینہ میں سما سکتا ہے ۱۲

پوشیدہ نہ رہے کہ جب علم حضوری خداوند تعالیٰ کی ذات کی نسبت ثابت ہوا جیسا کہ پہلے گذرا۔ تو لازم آیا کہ خداوند تعالیٰ کی ذات کی کُنہ منکشف ہو اور ذاتِ خداوندی جیسی کہ ہے معلوم ہو جائے۔ اور یہ علماء کے مقررہ اصول کے خلاف ہے تو میں کہوں گا کہ یہ علمِ حضوری جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق پیدا کیا ہے۔ رویت کی طرح ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی نسبت ثابت کرتے ہیں کہ اس جگہ انکشاف تو ہے لیکن درک مفقود ہے۔ اس علم میں بھی انکشاف ہوتا ہے۔ اور درک مفقود ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ رویت کا تعلق ہو سکتا ہے تو علم کا تعلق کیوں نہیں ہو سکتا جو کہ رویت سے زیادہ لطیف ہے؟ استحالہ ادراک میں ہے جو کہ احاطہ کو مستلزم ہے۔ نہ کہ انکشاف میں اللہ تعالیٰ نے

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں)

فرمایا ہے۔ یہ نہیں فرمایا۔

لَا تَرَاهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں)

سوال:۔

اگر درک حاصل نہ ہو گا تو انکشاف کس کام آئے گا۔؟

جواب:۔

میں کہتا ہوں کہ انکشاف سے مقصود دیکھنے والے کا لذت حاصل کرنا ہے جو کہ حاصل ہے درک ہو یا نہ ہو۔

سوال:۔

بغیر ادراک کے انکشاف کس طرح لذت حاصل کرنے کو مستلزم ہو گا۔؟

جواب:۔

لذت حاصل کرنے میں انکشاف کا علم کافی ہے ادراک ہو یا نہ ہو۔ یا میں یہ کہوں گا کہ اس مقام میں درک بھی حاصل ہے لیکن مجہول الکیفیت ہے وہ درک جس کی نفی ہے (اور اللہ ہی بہتر جانے) وہ درک ہے جس کی کیفیت علم میں آسکے اور احاطہ معلوم کرائے

لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ (وہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے)

کیونکہ وہ علم حصولی کے مناسب ہے۔ اگر درک علم حضوری میں نہ ہو گا تو علمِ حصولی میں کہاں سے آجائے گا۔ کیونکہ جو کچھ ظل میں ہے وہ اصل کے مرتبہ سے مستفاد ہے لیکن درک اصل میں

تو مجہول الکیفیّت ہے اور ظلّ میں وہ معلوم الکیفیّت ہے۔

مکتوب نمبر ۴۹

بجناب میر محمد نعمان کی خدمت میں ارسال فرمایا

(اس بیان میں کہ عارف کو جو علم حضوری اپنے متعلق ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیتا ہے)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

جاننا چاہیئے کہ علمِ حصولی آفاق کے متعلق ہے اور علم حضوری انفس کے متعلق اور پوری معرفت والے عارف کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ کی اقربیّت کا معاملہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس بلند مقام سے آراستہ ہوتا ہے تو یہ انفس اس کے حق میں آفاق کا حکم پیدا کرتا ہے اور اس کا علم حضوری علم حصولی سے بدل جاتا ہے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی اقربیت انفُس کا حکم پیدا کرتی ہے اور علم حضوری جو پہلے انفس سے تعلق رکھتا تھا اس اقربیّت سے تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اس صورت میں نہیں کہ اپنے آپ کو عین خدا تعالیٰ سمجھے اور وہ علم جو اس کے نفس کے متعلق ہے اس کو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھے یہ خود توحید کا معاملہ ہے اور مقامات قرب سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ قرب کی انتہا اتحاد ہے۔ اقربیّت اور چیز ہے اور اس کا معاملہ اور چیز ہے۔ اتحاد سے گزرنا چاہیئے اور دوئی میں آنا چاہیئے تاکہ اقربیت متصوّر ہو سکے۔

کوئی کوتاہ فہم دوئی کے لفظ سے وہم میں نہ پڑے اور اتحاد کو اس سے زیادہ نہ سمجھے۔ وہ دوئی جو اتحاد سے نیچے ہے۔ وہ عوام کالانعام کا مقام ہے اور یہ دوئی جو اتحاد پر ہزاروں فضیلتیں رکھتی ہے انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقام ہے جیسا کہ ہوش (صحو) جو مستی سے پہلے ہے وہ عوام کا حال ہے اور وہ صحو (ہوش)، جو سکر (مستی) کے بعد ہے خواص بلکہ اخصّ الخواص کا مقام ہے اور جیسا کہ اسلام جو کفر طریقت سے پہلے ہے عوام مسلمانوں کا اسلام ہے اور وہ اسلام جو کفر طریقت کے بعد ہے اخص الخواص کا اسلام ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ جتنا بھی عارف اپنے آپ کو خدا تعالیٰ نہیں سمجھتا اتنا ہی اس کا علم حضوری جو نفس عارف سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیتا ہے اور اس کا اپنے متعلق علم جو کہ حضوری ہوتا ہے علم حصولی ہو جاتا ہے۔

ع در عشق[1] چنیں بو العجبیہا باشد

عقلمند آدمی کی عقل ان باریکیوں کے پیچھے نہیں پڑتی بلکہ اس کو جمع ضدین کی طرف راجع کرتی ہے۔ ایک عارف کہتا ہے۔

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ میں نے اپنے رب کو اضداد کو جمع کرنے سے پہچانا۔

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۵۰

قاضی نصر اللہ کی طرف صادر فرمایا

(علماء راسخین کے استدلال اور ارباب ظاہر کے استدلال اثر سے مؤثر تک کے فرق کے بیان میں)

اثر سے مؤثر پر اور مخلوق سے خالق پر استدلال کرنا علماء ظواہر کا کام بھی ہے۔ اور علماء راسخین کا کام بھی جو کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے کامل وارث ہیں۔ علماء ظواہر مخلوق کے وجود کے علم سے خالق کے وجود کا علم پیدا کرتے ہیں۔ اور اثر کے وجود کو مؤثر کے وجود پر دلیل بنا کر مؤثر کے وجود پر ایمان اور یقین پیدا کرتے ہیں۔ اور علمائے راسخین جو کہ ولایت کے کمالات کے درجات کو قطع کر کے مقام دعوت پر پہنچ چکے ہیں جو کہ اصل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے، بھی تجلیات و مشاہدات کے حصول کے بعد اثر سے مؤثر پر استدلال کرتے ہیں۔ اور اس راہ سے بھی مؤثر حقیقی پر ایمان پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ آخر کار انہوں نے جان لیا ہے کہ جو کچھ بھی مشہود و متجلّی تھا وہ مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظلّ تھا جو کہ نفی کے لائق اور عدم ایمان کا مستحق ہے۔ اور انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ بیچون کے ساتھ بغیر استدلال کے ایمان لانا اس دنیا میں میسر نہیں ہے تو وہ مجبور ہو کر استدلال کی طرف توجہ کرتے ہیں اور مطلوب کو ظلال کے حائل ہونے کے بغیر طلب کرتے ہیں۔

اور چونکہ یہ بزرگوار خداوند تعالیٰ سے محبت کا رشتہ قوی رکھتے ہیں اور ماسوا کو محبوب حقیقی کی محبت

---

[1] عشق میں ایسی عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں۔

پر قربان کر چکے ہیں تو لازماً

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ اس کی محبت ہو)

استدلال کی راہ سے مطلوب حقیقی تک پہنچتے ہیں اور تجلیات و ظہورات کے تنگ کوچہ سے جو کہ ظلال سے مخلوط ہے خلاصی حاصل کر کے اصل الاصل سے مل جاتے ہیں۔

وہ مقام جہاں تک علماء ظواہر کا علم پہنچتا ہے۔ یہ بزرگوار محبت کے کنڈے سے کھنچ کر بذاتِ خود وہاں تک پہنچ جاتے ہیں اور بے کیف اتصال پیدا کر لیتے ہیں۔ اور یہ فرق محبت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ جو مُحِبّ ہے اور محبوب کے علاوہ دوسروں سے الگ ہو چکا ہے وہ محبوب تک پہنچ جاتا ہے اور جس میں یہ محبّت نہیں ہے وہ علم پر کفایت کرتا ہے اور اسی کو غنیمت جانتا ہے۔ بلکہ جس جگہ وہ بزرگوار خود پہنچ جاتے ہیں ان کا علم بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

علم کی انتہا بشرطیکہ وہ صحیح علم ہو مطلوب کی دہلیز تک ہے اور وہ جو مطلوب سے واصل ہے وہ مطلوب کے ساتھ ہے۔ معیّت کوئی ایسا دقیقہ نہیں چھوڑتی جو واصل کے نصیب میں نہ ہو ایک بزرگ کہتے ہیں۔

ع بندہ با حق ہمچو شیر و شکر است[۱]

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ تعالیٰ کے لئے بلند مثل ہے)

بندہ بننا چاہیئے اور ماسوا کی غلامی سے آزاد ہونا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۵۱

ملا شیر محمد لاہوری کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ دل کی تصدیق اور دل کے یقین میں کیا فرق ہے)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

سوال :-

بعض محقق متکلّمین نے جو ایمان کی حقیقت[۱] دل کا

---

[۱] بندہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مل جاتا ہے جیسے دودھ اور شکر۔ ۱۲

مُؤْمِنٌ بِہٖ (جس پر ایمان لایا جائے۔)

کے ساتھ گرویدہ ہونا کہا ہے۔ اس کا کیا معنی ہے اور گرویدہ ہونا

مُؤْمِنٌ بِہٖ

کی تصدیق اور یقین قلب سے عبارت ہے یا یہ نفس تصدیق

مُصَدَّقٌ بِہٖ (جس کی تصدیق کی جائے)

پر دل کے یقین کے علاوہ کوئی اور امر زائد ہے۔؟

جواب:۔

دِل کا گرویدہ ہونا یقین دِل کے علاوہ ہے اگرچہ یہ تصدیق سے الگ نہیں ہے لیکن اس یقین پر متضرع ہے۔ یقین کے حاصل ہونے کے بعد دِل دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو جس پر ایمان لایا ہے اس کی فرمانبرداری اور پیروی کرے گا۔ یا جس پر ایمان لایا ہے اس کا انکار اور نافرمانی کرے گا۔

اور تسلیم وانقیاد کی علامت مومن بہ پر دل کی رضامندی اور انشراح صدر ہے اور انکار وجحود کی علامت مصدق بہ

مُصَدَّقٌ بِہٖ

سے دل کی کراہت اور سینہ کی تنگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔

سو جس آدمی کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑنا چاہے اس کے سینہ کو نہایت تنگ کر دیتا ہے گویا کہ وہ آسمان میں چڑھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

اور دل کو مومن بہ کی تصدیق و یقین کے بعد تسلیم وانقیاد کا حاصل ہونا محض اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے اور اس کا خالص نا تتناہی کرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "ایمان کو خدا تعالیٰ کی عنایت" کہتے ہیں۔ اور

مُصَدَّقٌ بِہٖ

پر یقین اور تصدیق حاصل ہونے کے بعد انکار و جحود کا منشا نفس امارہ کی ردّی صفات کا پختہ ہونا اور عادت بن جانا ہے کیونکہ وہ اپنی سرداری اور جاہ و مرتبہ کی محبت پر پیدا ہوا ہے اور دوسرے کے تابع ہونے اور تقلید کرنے کو قبول نہ کرنے پر بنایا گیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سب اس کی تصدیق کریں اور گرویدہ ہوں۔ اور وہ کسی دوسرے کی تقلید و پیروی نہ کرے اور کسی کا فرمانبردار اور تبع نہ ہو۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ — اور ان پر اللہ نے ظلم نہ کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کو محض اپنے فضل و کرم سے اس پیدائشی مرض سے نکالا ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کہ صراطِ مستقیم کی راہنمائی کرنے والے ہیں کی تقلید اور فرمانبرداری اور تسلیم سے مشرف کیا اور نعمتوں والی جنت کا ان کو وعدہ دیا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے۔ اور ایک گروہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور جبر و قہر سے اس کو طبعی رذائل سے نہ نکالا اور اس دولت تک نہ کھینچا لیکن کتابیں نازل کر کے اور رسول بھیج کر صراطِ مستقیم کو بیان فرمایا اور مصدّق اور مطیع کو بشارت دی اور مکذب و عاصی کو ڈرایا۔ اپنا پیغام پوری طرح پہنچا دیا اور دونوں فریق پر حجت پوری کر دی۔

مکتوب نمبر ۵۲

فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(قلب اور نفس کی فنا اور علم حصولی اور حضوری کے زوال کے بیان میں)

فنا اللہ تعالیٰ کے سوا کو بھول جانے کا نام ہے اور ماسویٰ کی دو قسم ہے آفاق اور انفس نسیانِ آفاق۔ آفاق کے علم حصولی کے زوال کا نام ہے اور نسیانِ اَنفُس۔ انفس کے متعلق علمِ حضوری کے نسیان کا نام ہے۔ کیونکہ علمِ حصولی آفاق سے تعلق رکھتا ہے اور علم حضوری انفس سے۔ اشیاء کے علم حصولی کا مطلق طور پر زوال بھی اگرچہ مشکل ہے کہ وہ اولیا کا حصّہ ہے۔ لیکن علم حضوری کا مطلق طور پر زوال بہت ہی مشکل ہے اور یہ بہت ہی کامل تر اولیاء کا حصّہ ہے

قریب ہے کہ اس کا جائز ہونا بلکہ اس کا تصور بھی عقلاء کے لئے محال ہو اور معلوم کا جاننے والے کے لئے عدمِ حضور باطل سمجھیں کیونکہ حضورِ شے نفس شے کے لئے ان کے نزدیک ضروری ہے۔ پس علمِ حضوری کا زوال ان کے نزدیک اگرچہ ایک لمحہ کے لئے ہی ہو جائز نہیں ہے پھر اس کا اس طرح پر مطلقاً زوال جو کبھی واپس نہ آسکے کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔

پہلے کا نسیان جو کہ علمِ حصولی کی نسبت ہے۔ فنائے قلب سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرے کا نسیان جو علم حضوری کی نسبت ہے فنائے نفس کو مستلزم ہے جو کہ اتم واکمل ہے اور فنا کی حقیقت اسی مقام میں ہے۔ اور پہلی فنا اس فنا کے لئے صورت اور سایہ کی طرح ہے۔ کیونکہ علمِ حصولی اصل میں علمِ حضوری کا ظل ہے۔ تو لازماً اس کا فنا ہونا ظل کا فنا ہونا ہے۔ اور اس فنا کے حاصل ہونے میں نفس اطمینان میں آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے راضی و مرضی ہو جاتا ہے اور بقا اور رجوع کے بعد تکمیل و ارشاد کا معاملہ اس سے تعلق رکھتا ہے اور اس کو عناصر اربعہ کی مختلف طبیعتوں کے ساتھ جہاد میسر ہو جاتا ہے جو کہ بدن کے ارکان ہیں اور ان میں سے ہر ایک کچھ امور میں سے کسی امر کا مطالبہ کرتا ہے اور اشیاء میں سے کسی شے کی خواہش کرتا ہے۔

اور لطائف بدن میں سے کسی کو بھی یہ دولت میسر نہیں ہے۔ یہ نفس ہی ہے جو شیطانی انانیّت کو جو کہ ناری عنصر سے پیدا ہوا ہے اپنی حکومت سے اصلاح میں لاتا ہے۔ اور قوتِ شہویہ اور غضبیہ اور باقی تمام بُرے اوصاف کو کہ چوپائے اور دوسرے جانور بھی ان میں شریک ہیں۔ اپنی اچھی تربیّت سے اعتدال پر لے آتا ہے۔ سبحان اللہ۔ وہ لطیفہ جو بدترین لطیفہ تھا ان میں سے بہترین ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا — جو تم میں سے جاہلیّت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں۔ جب کہ وہ دین کو سمجھ جائیں۔

تنبیہ

دِل سے ماسوا کے نسیان کی علامت دل میں ماسوا کا خیال نہ آنا ہے۔ اس طرح کہ اگر اس کو تکلف سے بھی کوئی چیز یاد کرائیں تو اسے یاد نہ آئے بلکہ دِل اس کو قبول نہ کرے اور نفس عالم کے متعلق علم حضوری کے زوال کی علامت یہ ہے کہ عالم اپنی ذات اور صفت کے لحاظ سے نیست و نابود ہو جائے تاکہ علم اور معلوم کا زوال اس سے متصور ہو کیونکہ علم اور معلوم اس مقام

ہیں نفس عالم ہے اور جب تک نفسِ عالم زوال پذیر نہ ہو علم اور معلوم منتفی نہیں ہوتے۔ اور پہلے کی فنا فنائے آفاق ہے اور دوسرے کی فنا فنائے انفس ہے۔ جو کہ فانی کی حقیقت ہے۔

مکتوب نمبر ۵۲

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ کی طرف صادر فرمایا

(ذات اور صفات کے وجودی اور شہودی طور پر زوال کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا

بیشک انسان پر ایسا بھی زمانہ آیا ہے کہ جب وہ کوئی چیز ذکر کے قابل نہ تھا۔

ہاں میرے اللہ واقعی انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے جب کہ وہ کوئی چیز ذکر کے قابل بھی نہ تھا۔ نہ اس کی ذات تھی اور نہ صفت اور نہ شہود تھا اور نہ وجود۔ پھر اس کے بعد اگر تو چاہے تو تیری زندگی سے زندہ اور تیری بقا سے باقی اور تیرے اخلاق سے متخلّق ہو جاتا ہے۔ بلکہ تیرے فضل سے عین فنا میں بھی باقی ہو گیا اور عین بقا میں بھی تجھ میں فانی ہوا کیونکہ ان دونوں میں تلازم ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے کمال کا حصول دوسرے کے وجود سے ہے۔

اس کی مثال اس انسان کی سی ہے جو نمک کی کان میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ وہ آہستہ آہستہ ایسی چیز بن جائے جو نمک کے احکام سے رنگی جائے۔ یہاں تک کہ وہ پوری طرح نمک ہو جائے۔ اس میں کوئی چیز اپنی نہ رہے نہ ذات نہ صفت تو لازماً اس کا قتل کرنا بھی جائز ہو گا اور کاٹنا بھی اور اس کا کھانا بھی جائز ہو گا۔ اور اس کی خرید و فروخت بھی اور اگر اس کی کوئی ذات یا صفت باقی ہوتی تو یہ چیزیں جائز نہ ہوتیں اور فارسی شعر میں کیا ہی اچھا کہا گیا ہے۔ ؎

لہ سگے کاندر نمک زار او فتد گم گردد اندر وے
من ایں دریائے پر شور از نمک کمتر نمے دانم

لہ کتا جو نمک کی کان میں گر پڑے وہ اس میں گم ہو جاتا ہے میں اس دریائے پرشور کو نمک سے کمتر نہیں سمجھتا۔

اگر تم پوچھو کہ تم نے تو اپنے مکاتیب اور رسائل میں لکھا ہے کہ ذات اور صفت کا زوال شہودی طور پر ہوتا ہے وجودی طور پر نہیں ہوتا کیونکہ اس سے الحاد اور زندقہ پیدا ہوتا ہے اور دوئی جو عبودیت اور ربوبیت کے درمیان ثابت ہے وہ اُٹھ جاتی ہے تو اب ذات اور صفت کے وجود میں بھی زائل ہو جانے کا کیا مطلب ہے۔؟

تو میں کہتا ہوں کہ کسی چیز کا دوسری چیز میں اس طرح رنگ جانا کہ ان میں سے ایک اپنے احکام سے الگ ہو جائے اور دوسری کے احکام میں رنگ جائے تو اس میں دونوں سے دوئی نہیں اُٹھ جاتی کہ وہ الحاد اور زندقہ بن جائے پس یقیناً وہ انسان جو نمک کی کان میں پھینک دیا گیا ہو وہ نمک سے متحد نہیں ہو جاتا اور نہ اس کی دوئی زائل ہو جاتی ہے بلکہ اس کو اپنی ذات اور اپنی صفات سے نمک کی ہمسائیگی اور اس کے غلبہ سے فنا حاصل ہوئی اور دوئی کی بقا کے باوجود اسے نمک اور اس کے احکام سے بقا ملی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ دوئی اصل کے ساتھ سائے کی دوئی کی طرح ہے جس میں اپنا استقلال نہیں ہے اور اس زائل ہونے والی دوئی کو عوام کی نظر میں ایک طرح سے استقلال حاصل ہے پس دوئی تو اس کے بعد بھی باقی ہے پھر الحاد اور زندقہ کہاں رہا۔؟

اور وہ جو میں نے اپنے مکاتیب اور رسائل میں زوال وجود کے منع کے متعلق کہا ہے۔ تو وہ عوام کے فہم کے قصور پر محمول ہے کہ وہ اس سے دوئی کا ختم ہو جانا سمجھتے ہیں اور الحاد اور زندقہ میں جا پڑتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی باتوں سے بہت بلند ہیں"۔

باقی رہی وہ صورت جو حکمی طور پر اس انسان کے نمک بن جانے کے بعد باقی رہی ہے تو وہ حقیقت میں نمک کی صورت ہے کہ جس کے رنگ سے انسان رنگین ہوا ہے نہ کہ انسان کی صورت مگر یہ کہ اس حکمی نمک کو اس انسان کی صورت پر قیاس کیا گیا ہے اور اس کو اس کی صورت دی گئی ہے نہ یہ کہ انسان کی صورت باقی رہی ہے کہ کوئی اس کا اثر باقی رہ جائے۔

تنبیہ :-

اس نمک میں جسے انسان کی صورت پر قیاس کیا گیا ہے صورت کا زوال ممکن ہے بلکہ واقع ہے اور جو بحث ہم کر رہے ہیں وہ اس طرح نہیں ہے۔

فَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (سو اللہ کے لئے بلند مثال ہے)

پس اللہ تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس سے متحد ہوتی ہے اور نہ وہ اشیاء سے متصل ہے اور نہ اشیاء سے منفصل ہے اور اشیاء بھی اس سے متصل نہیں ہیں اور نہ اس سے منفصل ہیں۔ تو ذات پاک ہے۔ وہ اللہ جو اکوان کے حدوث سے نہ اپنی ذات سے متغیر ہوتا ہے اور نہ صفات سے اور نہ اسماء سے۔ تو اللہ تعالیٰ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلے خالص تنزیہ اور تقدیس پر تھا۔ تو اللہ تعالیٰ عالم سے قریب ہے اور عالم کے ساتھ ہے لیکن یہ قرب و معیّت وہ ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں ہے۔ یہ اس طرح کا قرب نہیں جو جسم کو جسم سے ہوتا ہے اور نہ وہ قرب جو جسم کو عرض سے ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ امکان کی صفات اور حدوث کے نشان سب کے سب خدا تعالیٰ کی ذات سے مسلوب ہیں۔ اولیاء کا عروج اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف قرب میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔ اور اصفیاء کے وصول سے ان کا اللہ تعالیٰ سے اتصال حاصل نہیں ہوتا اور فنا اور بقاء عرفاء کے احوال ہیں لیکن وہ نہیں جو عقلا سمجھتے ہیں۔ اور ذات اور صفت کے زوال کا ایک معنی ہے جسے وہی سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نصیب کرے جیسا کہ اس کی تحقیق آئے گی۔ سو تو اس جماعت کے کلام کو حسنِ ظن اور قبول سے سُن اور اس سے اس کا ظاہری مدلول اور مطابقی معنی نہ سمجھ کیونکہ اس طرح تو بسا اوقات بڑی فحش غلطی کرے گا سو تو خود بھی گمراہ ہو گا اور لوگوں کو بھی گمراہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہی نیکی کا الہام کرنے والا اور توفیق دینے والا ہے۔

اگر تو کہے کہ تم نے انسان کی ذات اور صفت کے زائل ہو جانے کو جائز رکھا ہے۔ تو اس کے متعلق کیا کہتے ہو جو قرآن مجید میں خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے متعلق آیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ۔	آپ کہہ دیں کہ میں بھی تم جیسا آدمی ہوں (فرق یہ ہے) کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور جو حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ۔	میں بھی تمہارے جیسا آدمی ہوں مجھے بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جیسا دوسرے لوگوں کو آتا ہے۔

اور یہ بات انسانیت کے اثر کے باقی رہنے ہی کی وجہ سے ہے۔

تو میں کہوں گا اسطرح نہیں ہے اور نہ اس کی اثر کے بقا پر دلالت ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے

کہ جب انسان کامل کو فنا اور بقا کے بعد عالم اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کیلئے واپس کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ بشری صفات اور انسانی خصوصیات کو مرکب کر دیا جاتا ہے۔ جو کہ ان صفات کی تیزی کو توڑنے کے بعد اس سے زائل ہوئی تھیں۔ تاکہ اس کے اور عالم کے درمیان مناسبت زائل ہونے کے بعد از سر نو مناسبت پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس مناسبت سے اس کے اور عالم کے درمیان افادہ اور استفادہ کا دروازہ کھول دے۔

اور ان بشری صفات کو زوال کے بعد پھر واپس کرنے اور اس سے ملحق کرنے میں ایک اور حکمت بھی ہے اور وہ ہے مکلفین کا امتحان اور دعوت دیئے گئے لوگوں کی آزمائش تاکہ ناپاک سے پاک الگ ہو جائے اور جھٹلانے والا تصدیق کرنے والے سے جدا ہو جائے اور ان صفات کے رجوع سے معاملہ ملتبس ہونے اور حال کے ملتبس ہونے کے بعد ایمان بالغیب حاصل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ۔ — اور اگر ہم اسے فرشتہ بناتے تو اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور جس شبہے میں وہ اب پڑے ہیں پھر بھی اسی شبہے میں پڑے رہتے۔

اگر کوئی کہے کہ انسان کامل سے ذات اور صفات کے زوال کا کیا مطلب ہے حالانکہ اس کا ظاہر ہمیشہ صفات بشری پر دائم ہے۔ وہ کھاتا ہے اور پیتا ہے اور سوتا ہے اور آرام کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام کے متعلق فرمایا۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ۔ — اور ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔

تو میں کہوں گا فنا اور بقا باطن کی صفات سے ہیں ان کا اصل میں ظاہر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس ظاہر ہمیشہ اپنے مقام پر ہے اور باطن کبھی علیحدہ ہوتا ہے اور کبھی صفات سے موصوف ہوتا ہے۔

پھر اگر کہا جائے کہ باطن کے لطائف کئی ایک ہیں کیا یہ سارے فنا اور بقا سے متحقق ہیں۔ یا ان میں سے بعض اور پھر وہ بعض کونسے ہیں؟

تو میں کہوں گا کہ ان دونوں سے جو متحقق ہے وہ لطیفۂ نفس ہے جو کہ اصل میں انسان کی حقیقت ہے جس کی طرف وہ "میں" کے قول سے اشارہ کرتا ہے۔ پس یہی ابتدا میں برائی کا حکم دینے والا ہے اور آخر میں نفس مطمئنہ ہے اور ابتدا میں وہ خداوند تعالیٰ کی عداوت پر ہے۔ ہے۔ اور آخر میں اس سے راضی اور مرضی ہے۔ یہ سب بُروں میں سے بُرا ہے اور بھلوں میں سے بھلا ہے۔ اس کی بُرائی ابلیس کی بُرائی سے بڑھ کر ہے اور اس کی بھلائی تسبیح و تقدیس کرنے والوں کی بھلائی سے زیادہ ہے۔

تنبیہ:-

فنا اور زوال وجودی اور بقا باللہ کا یہ معنی نہیں ہے کہ ممکن سے پورے طور پر امکان زائل ہو جائے اور پھر اسے وجوب حاصل ہو جائے کیونکہ یہ محال عقلی ہے اور اس طرح کہنا کفر ہے۔ بلکہ وہ امکانیت کے بقا کے ساتھ الگ ہونا اور موصوف ہونا ہے۔ بالکل اسی طرح کی علیحدگی اور پوشیدگی جسے اربابِ معقول نے عناصر میں بطریق کون و فساد ثابت کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے بطریق مادے کو دونوں حالتوں میں صورۃ نوعیہ کی تبدیلی کے باوجود ثابت رکھا ہے اور ہم مادے اور اس کے ثبوت کے متعلق نہیں کہتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فنا و بقا قادر مختار جل شانہٗ کی طرف سے ایجاد اور اعدام ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "وہ آدمی ہرگز آسمانوں کے ملکوت میں داخل نہ ہوگا جو دو دفعہ نہیں جنا گیا"۔

گویا کہ دلالت ثانیہ سے ایجاد ثانی کی طرف اشارہ ہے۔

اور وہ جو بقا باللہ کہتے ہیں تو یہ رذیل صفات کے زوال اور اخلاقِ حمیدہ کے حصول کی وجہ سے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی شبیہہ ہیں مجاز اور تشبیہہ کے طور پر کہتے ہیں اور میں نے کئی ایک مقامات پر تحقیق کی ہے کہ یقیناً ممکن کی ذات یہی عدم ہے اور بس۔ پس اس کا زوال کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ ممکن اپنے تمام احوال میں ممکن ہے خواہ وہ حال فنا ہو یا حال بقا جیسا کہ یہ دونوں اپنے عدم کے حال میں تھے۔ اور واجب تعالیٰ (خدا تعالیٰ) ہمیشہ اور دائمی طور پر واجب ہے کوئی چیز اس کی ذات پاک سے ملحق نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے کوئی امر متصل ہو سکتا ہے۔ اور شعر فارسی میں کیا ہی خوب کہا گیا ہے ؎

سیاہ روئی ز ممکن در دو عالم
جدا ہرگز نہ شد واللہ اعلم

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور تجھ پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ ممکن میں امکان کا بقا ممکن میں بقاء اثر اور ثبوت کے مراتب میں سے کسی مرتبہ میں اس کے ثبوت کے بقا سے عبارت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پوری فنا کے منافی ہے اور اس فنا کے ساتھ فنا ہونے والا امانتوں کو اس کے اہل کے پاس واپس کرنے کے بعد اور اس میں منعکس ہونے والے ظلال۔ کو ان کے اصل وجود اور اس کے سارے توابع صفات کاملہ اور نعوت فاضلہ کی طرف رد کرنے کے بعد عدم محض سے جو کامل ہے ملحق ہو گیا ہے۔ اس طرح پر کہ اس میں کسی چیز کی طرف اضافت اور نسبت نہیں پائی جاتی اور نہ کوئی اسم اور نہ کوئی نشان باقی رہتا ہے۔ کیونکہ عدم میں اضافت کا وجود اس کے ثبوت سے خبر دیتا ہے ولو فی الجملۃ فافہم۔

مکتوب نمبر ۵۴

خانجہاں کی طرف صادر فرمایا

(شرع متین کی اتباع اور دشمنان دین سے جنگ کرنے کے بیان میں)

حق سبحانہ، وتعالیٰ بہ طفیل نبی اور ان کی بزرگ آل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اپنی پسندیدہ چیزوں کی توفیق عنایت فرمائیں اور سلامت ومعزز ومحترم رکھیں۔ ؎

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند[۱]
کس بمیداں درنمے آید سواراں راچہ شد

دنیا کی فانی نعمتیں اور لذتیں اس وقت گوارا اور حلال ہوتی ہیں کہ ان کے ضمن میں شریعت غراء کے مطابق عمل کیا جائے اور آخرت کے ساتھ جمع ہو جائے۔ ورنہ زہر قاتل کا حکم رکھتی ہیں کہ جس کو شکر میں لپیٹ دیا گیا ہو اور اس سے بیوقوفوں کو فریب دیا جائے۔ افسوس ہے اگر اس زہر کا علاج حکیم مطلق جل شانہ، کے تریاق سے نہ کیا جائے اور اس شیرینی کی تلافی شریعت کے اوامر اور نواہی کی تلخی سے نہ کی جائے۔

مختصر یہ کہ تھوڑی سی کوشش اور تردد سے شریعت کے مطابق کہ جس کی بنا سہولت پر

(حاشیہ صفحہ سابقہ) ممکن سے اس کی سیاہ روئی دونوں جہانوں میں زائل نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] توفیق اور سعادت کا گیند درمیان میں پڑا ہے کوئی بھی میدان میں نہیں آتا سواروں کو کیا ہوا۔ ۱۲

ہے۔ ابدی ملک ہاتھ آتا ہے اور تھوڑی سی غفلت اور فراغت سے وہ ہمیشہ کی دولت ہاتھ سے جاتی ہے۔ دور اندیش عقل کو کام میں لانا چاہیئے اور بچوں کی طرح اس کو اخروٹ اور منقہ سے نہ بیچنا چاہیئے۔

یہی ملازمت جو آپ رکھتے ہیں اگر اس کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تعمیل کے ساتھ جمع کر دیں تو آپ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام کریں گے اور دین متین کو منور کریں گے ہم فقیر لوگ اگر کئی سال تک بھی اس عمل میں اپنی جان لڑائیں تو آپ جیسے شاہبازوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ ؎

گوئے توفیق و سعادت در میان افگندہ اند

کس بمیداں در نمے آید سواراں راچہ شد

اے اللہ ہمیں ان کاموں کی توفیق دے جنہیں تو پسند کرتا ہے۔ باقی مقصد یہ ہے کہ دعائیہ رقعہ لے جانے والے فضائل مآب خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد اشرف اپنے مخصوص دوستوں سے ہیں جس قدر بھی آپ اُن کے احوال کی رعایت کریں گے فقیروں پر احسان کا باعث ہوگا۔ آپ کا معاملہ بہت بلند ہے اور آپ کی شان بہت رفیع ہے

مکتوب نمبر ۵۵

ممریز خاں کی طرف صادر فرمایا

(فقر سے غنا کی طرف واپس چلے جانے کی برائی کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

میرے بھائی میاں ممریز خاں نے فقر کی تنگیوں سے بھاگ کر اغنیاء سے التجا کی ہے۔ اور دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں مشغول ہو گئے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے اچھا نہیں سوچا۔ اگر دنیا میں اغنیاء کی صحبت میں رہ کر بہت ترقی بھی کر لیں تو ایک ہزاری منصب پر چلے جائیں گے۔ اور مان سنگھ پنج ہزاری یا سات ہزاری تھا آپ اس سے تو

لہ توفیق اور سعادت کا گیند درمیان میں پڑا ہے اور کوئی بھی میدان میں نہیں آتا سواروں کو کیا ہوا۔؟ ۱۲

نہ بڑھ سکیں گے۔ اور اگر بالفرض مان سنگھ کے منصب پر بھی پہنچ جائیں تو سوچو کہ کیا چیز کر لو گے اور کونسی بزرگی حاصل کر لو گے۔ کیا فقر میں روٹی نہ ملتی تھی۔ اب مرغن روٹیاں کھاتے ہو اس سے بھی گذر رہی ہے۔ اور اس سے بھی گذر جائے گی

لیکن سوچو کہ کونسا معاملہ تمہارے ہاتھ سے گیا اور جب تک رہو گے ہاتھ سے جاتا ہی رہے گا اور زیادہ سے زیادہ غریب ہوتے چلے جاؤ گے۔ جو اپنے نقصان پر راضی ہو وہ شفقت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اب جب کہ آپ مبتلا ہو گئے تو کوشش کرو کہ شریعت کا التزام اور اس کی استقامت تمہارے ہاتھ سے نہ جائے اور شغل باطن میں فتور نہ پڑے اگرچہ اس کو دنیا کے ساتھ جمع کرنا مشکل ہے کہ جمع ضدّین ہے۔

اس قدر ضرور ہے کہ جو وضع آپ نے اختیار کی ہے اور جس خدمت پر آپ ماموز ہوئے ہیں اس میں اگر اپنی نیّت صحیح کر لیں تو جہاد میں داخل ہے اور نیک عمل ہے لیکن نیت کی درستی مشکل کام ہے۔ آج یہ خدمت جو فی الجملہ اچھی ہے کل کو شاید کوئی ایسی خدمت فرمائیں جو عین وبال ہو مختصر یہ کہ کام مشکل ہے ہوشیار رہیں۔ خبر شرط ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۵۶

حضرت مجدد صاحب کے پیرزادہ خواجہ محمد عبد اللہ اور خواجہ جمال

جمال الدین حسین ولد خواجہ حسین الدین احمد کی طرف صادر فرمایا۔

(صحبت گزشتہ کے فوت ہونے پر افسوس اور اسرار جدیدہ کی طرف اشارہ کے بیان میں۔)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

میری دونوں آنکھوں کی ٹھنڈک اور کانوں کی مسرت خواجہ محمد عبد اللہ و خواجہ جمال الدین حسین ظاہری اور باطنی اطمینان سے آراستہ رہیں۔ آپ نے عجب غفلت اختیار کی ہے اور بڑی نامہربانی ہے کہ ہمسائیگی کا قرب حاصل ہونے کے باوجود سرہند میں نہیں پہنچے اور نہ اس غریب کو پوچھا اور حقوق شناسائی بجا نہ لائے اور خواجہ محمد افضل کا کیا گلہ کروں۔ آشنائی میں ان سے ہمیشہ کئی مراحل تک دور رہتے ہیں۔ بلکہ ہماری آشنائی سے خوف زدہ ہیں۔

میر منصور بیگ سے کیا کہوں کہ وہ ہمیشہ صحبت کی آرزو رکھتے ہیں اور امکان سے وجود میں نہیں

لائے۔ فقہائے عظام کا قول ہے۔

اَلرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ۔ (جو اپنے نقصان پر راضی ہو وہ شفقت کا مستحق نہیں ہوتا)

لشکر اگرچہ دریائے ظلمات ہے لیکن آب حیات کو شامل ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اگرچہ بہ طریق قلت ہی سہی ایسے موتی ہاتھ آتے ہیں کہ دوسری جگہوں میں اگر اس گوہر سے کمتر بھی میسر ہو تو غنیمت ہے۔ جس سپاہی نے قدر و قیمت پیدا کی ہے تو وہ اس کو دشمنوں کے غلبہ کے وقت میسر ہوتی ہے اگرچہ سلامتی گوشے میں ہے۔ لیکن جہاد اور شہادت کی دولت میدان جنگ میں ہے گوشہ اور زاویہ عورتوں اور کمزور لوگوں کے مناسب ہے۔

حدیث میں آیا ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ (طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے)

طاقتور مردوں کا کام میدان جنگ میں لڑنا ہے۔

قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا۔ آپ کہیں ہر ایک اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے۔ سو تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ اس کو جو زیادہ راہ پانے والا ہے۔

رخصت کی مدت گزارنے کے بعد جب لشکر گاہ کی طرف متوجہ ہوا تو فرزند محمد سعید کو ضرورت کے لئے گھر میں چھوڑا اور جب وہ فیوض و برکات و علوم و معارف جو کہ فرزند کی جدائی کے بعد ظاہر ہوئے ملاحظہ کئے تو ان کی جدائی سے پشیمان ہوا فرصت کو غنیمت سمجھا ان کو طلب کیا اس امید پر سب چھوٹے بڑے آگئے۔ کہ ان برکات سے گدائی کریں۔ عجیب معاملہ ہے کہ گویا ہم ملامتیہ گروہ میں ہیں یا قلندریہ جماعت میں۔ حالانکہ ہم ان دونوں فریق سے جدا ہیں اور کاروبار علیحدہ رکھتے ہیں۔

تھوڑا سا علوم جدیدہ میں سے سن لو۔ ایک مکتوب کا عنوان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا۔ بیشک انسان پر ایسا وقت بھی آیا ہے جب کہ یہ کوئی چیز بھی قابل ذکر نہ تھا۔

ہاں اے میرے اللہ واقعی انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جب یہ کوئی چیز بھی قابل ذکر نہ تھا۔ نہ اس کی ذات تھی نہ صفت نہ شہود نہ وجود الخ۔

اور آپ نے مکتوبات میں دیکھا ہوگا کہ میں نے زوال وجودی کو الحاد و زندقہ کی قسم سے شمار کیا ہے اور اس جگہ میں نے یہ عبارت لکھی ہے۔ اور اللہ سبحانہ کے کرم سے اس کا علاج کیا ہے۔ ع

قیاس[1] کن ز گلستان من بہار مرا

یہ تمام دولتیں ان واقعات کی برکات سے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو یہ بھی نہ ہوتیں۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ مولانا محمد مراد چونکہ اس طرف جا رہے تھے لہذا دو کلمے لکھ دیئے گئے۔ انجام بخیر ہو۔

مکتوب نمبر ۵۷

مولانا حمید احمدی کی طرف صادر فرمایا

(حدوثِ عالم اور عقل فعال کے رد کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کے ساتھ موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہستی بذاتِ خود قائم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس طرح ہے ہمیشہ اسی طرح سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ عدم سابق اور عدم لاحق کو اس کی ذاتِ پاک کی جناب میں راہ نہیں ہے کیونکہ وجوب وجود اس درگاہ مقدس کا کمینہ خادم ہے اور سلب عدم اس بارگاہ محترم کا کمترین خاکروب ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہے جس کا نام عالم ہے خواہ وہ عناصر و افلاک ہوں اور خواہ عقول و نفوس اور خواہ بسائط و مرکبات تمام خداوند تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں۔ اور عدم سے وجود میں آئے ہیں اور صرف خداوند تعالیٰ کے لئے قدم ذاتی اور زمانی ثابت ہے اور بس اور اس کے سوا جو بھی ہے اس کے لئے حدوثِ ذاتی اور زمانی ثابت ہے جیسا کہ زمین کو دو روز میں خلق فرمایا ہے اور آسمانوں اور ستاروں کو زمین کی پیدائش کے بعد دو روز میں عدم سے وجود میں لایا ہے۔

---

[1] میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کر لو۔ ۱۲

آیت کریمہ

خَلَقَ الۡاَرۡضَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ (اس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا)

اور آیت کریمہ

فَقَضٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ (پھر دو روز میں ان کو سات آسمان بنایا)

اس بات کی تصدیق ہے۔

وہ بیوقوف ہے بلکہ قرآنی نص کا منکر جو ماسوی میں سے بعض چیزوں کے قدیمی ہونے کے متعلق لب کشائی کرے اور افلاک و کواکب کے قدیمی ہونے کا حکم لگائے اور بسیط عناصر کو قدیم جانے اور عقول و نفوس کو ازلی و قدیم تصور کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے حادث ہونے پر تمام اہل ملت کا اجماع ہو چکا ہے اور سب نے عدم سابق کے بعد ماسوا کے وجود میں آنے کا حکم لگایا ہے۔ چنانچہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے اپنے رسالہ منقذ عن الضلال میں اس معنی کی تصریح کی ہے اور اس جماعت کی جو اجزائے عالم میں سے بعض اجزا کے قدیم ہونے کے قائل ہے اس وجہ سے ان کی تکفیر کی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پس ممکن اشیاء میں سے بعض کے قدیم ہونے کا حکم لگانا دین اسلام سے نکلنا ہے۔ اور فلسفہ میں داخل ہونا ہے۔

اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کے لئے عدم سابق ثابت ہے عدم لاحق بھی اس کا دامن گیر ہے۔ ستارے آسمانوں سے گر پڑیں گے اور آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور سب معدوم ہو جائیں گے جیسا کہ قرآن مجید کی نص اس کی تصریح کرتی ہے اور تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اجماع ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں فرمایا ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَیَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ وَ انۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوۡمَئِذٍ وَّاهِیَةٌ

پھر جب ایک ہی دفعہ نرسنگھا پھونکا جائے گا اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک ہی دفعہ کوٹ دیئے جائیں گے۔ تو اس دن واقعہ ہونے والی واقع ہوگی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس دن بالکل کمزور ہوگا۔

-:-

اور فرمایا ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ — جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے گدلا جائیں گے اور پہاڑ چلائے جائیں گے۔

اور فرمایا ہے۔

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ۔ — جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ پڑیں گے۔

اور فرمایا ہے۔

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ — جب آسمان پھٹ جائے گا۔

اور فرمایا ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ — اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اور ان جیسی قرآن مجید میں بہت سی آیات وارد ہیں۔ کوئی جاہل ہی ہوگا جو ان کے فنا ہونے کا انکار کرے اور یا وہ ہوگا جس کا قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ اور فلاسفہ کی ملمع شدہ باتوں پر فدا ہے۔

مختصر یہ کہ ممکنات میں عدم لاحق عدم سابق کے اثبات کی طرح تسلیم کرنا دین کے ضروریات سے ہے اور اس پر ایمان لانا لازم ہے اور وہ جو علماء نے کہا ہے۔ کہ سات چیزیں فنا نہ ہوں گی۔ عرش۔ کرسی۔ لوح۔ قلم۔ بہشت۔ دوزخ اور روح یہ باقی رہیں گی۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ چیزیں فنا قبول نہیں کرتیں اور زوال کی قابلیت نہیں رکھتیں۔

حَاشَا وَكَلَّا

بلکہ قادر مختار جلّ شانہٗ جس کو چاہے اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر وجود کے بعد فنا کر دے اور جس کو چاہے باقی رکھے۔

يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ۔ — (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہے فیصلہ کرتا ہے۔)

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ عالم اپنے تمام اجزا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔

اور اپنے وجود و بقا میں اس کا محتاج ہے۔ کیونکہ بقا اس وجود کے نفس کا دوسرے اور تیسرے اور جہاں تک اللہ چاہے زمانہ میں برقرار رہنا ہے۔ اس وجود پر کوئی امر زائد نہیں ہے۔ کہ جس کا نام بقا ہو پس نفس وجود اور وجود کا برقرار رہنا دونوں اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سپرد ہیں عقل فعال کیا ہوتی ہے۔ جو چیزوں کا سرانجام کرے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہوں کیوں کہ اس کے اپنے وجود اور ثبوت میں ہزاروں شکوک ہیں کیونکہ اس کا تحقق اور اس کا حصول فلاسفہ کے ملمع شدہ مقدمات پر مبنی ہے جو کہ اسلام کے اصول حقہ کی رو سے ناتمام اور نامبارک ہیں۔

کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو اشیاء کو قادر مطلق جل شانہٗ سے روک کر ایسے امر موہوم کیطرف ان کو منسوب کرے بلکہ خود اشیاء کو ہزار عار و ننگ ہے کہ فلسفی کی من گھڑت چیز کی طرف وہ منسوب ہوں۔ بلکہ اشیاء اپنے عدم پر راضی اور خوش ہیں اور ہرگز وجود کی رغبت نہ کریں گی اس سے کہ ان کے وجود کو سفسطی کی بنائی ہوئی چیز کی طرف منسوب کیا جائے اور قادر مختار جل سلطانہٗ کی قدرت کی طرف ان کو منسوب ہونے کی سعادت سے محروم کر دیا جائے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔ — بہت بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے۔ وہ صرف جھوٹ کہتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۵۸

خواجہ صلاح الدین احراری کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ وجود ممکنات کی نمود و تعلق مرتبۂ وہم و حس میں ہے جس نے استحکام پیدا کر لیا ہے)

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ۔ (اللہ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی)

اور جب اس نے چاہا کہ اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرے تو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہر اسم نے مظاہر میں سے ایک مظہر کا مطالبہ کیا۔ تاکہ اپنے کمالات کو اس مظہر میں جلوہ گر کرے اور وجود اور توابع وجود کی مظہریت کے لئے عدم کے سوا اور کوئی چیز قبول کرنے والی نہیں تھی۔ کیونکہ کسی شے کا آئینہ اور مظہر اس شے کے مقابل اور اس سے علیحدہ ہے۔ اور وجود کا مباین اور مقابل صرف عدم ہے۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عالم عدم میں اپنے اسمائیں سے ہر اسم کے لئے مظاہر میں سے ایک مظہر متعین فرمایا۔ اور اس کو مرتبۂ حس و وہم میں جب چاہا اور جس طریقہ پر چاہا پیدا کیا" اس نے اشیاء کو جب چاہا اور جس طرح چاہا پیدا کیا" - اور ابدی معاملہ اس کے ساتھ وابستہ کیا۔ یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ عدم خارجی کے منافی ثبوت خارجی ہے وہ ثبوت منافی نہیں جو مرتبۂ حس و وہم میں پیدا کرے کہ وہ منافات کی بو نہیں رکھتا اور عالم کا ثبوت مرتبۂ وہم و حس میں ہے نہ کہ مرتبۂ خارج میں کہ وہ اس کے منافی ہو۔ پس جائز ہے کہ عدم حس و وہم کے مرتبہ میں ثبوت پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کی صنعت سے اس کو اس جگہ استواری اور مضبوطی حاصل ہو اور اس مرتبہ میں بطریق انعکاس و ظل وہ زندہ اور علم والا اور قدرت والا اور ارادہ کرنے والا اور دیکھنے والا اور سننے والا اور بولنے والا ہو اور مرتبۂ خارج میں اس کا کوئی نام و نشان نہ ہو اور خارج میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا کوئی چیز ثابت اور موجود نہ ہو اور اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے۔

(اب بھی وہ ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔)

اس کی مثال تیزی سے گردش کرنے والے نقطہ اور دائرہ موہومہ کی سی ہے کہ موجود تو صرف وہی نقطہ ہے اور بس اور دائرہ خارج میں معدوم ہے۔ وہ خارج میں کوئی نام و نشاں نہیں رکھتا۔ لیکن اس کے باوجود اس دائرہ نے مرتبۂ حس و وہم میں ثبوت پیدا کیا ہے اور اس مرتبہ میں بطریق ظلّیت اس کو چمک دمک حاصل ہے۔ اس تحقیق سے ان لمبے چوڑے مقدمات سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو کہ شیخ محی الدّین ابن عربی اور اس کے متبعین نے فرمائے ہیں اور تنزلات کا بیان کیا ہے اور تعینات علمی و خارجی بنائے ہیں - اور اللہ تعالیٰ کے علم کے مرتبہ میں حقائق اور اعیان ثابتہ کو ثابت کیا ہے اور ان کے عکوس کو خارج میں جو کہ ظاہر وجود ہے مقرر رکھا ہے اور ان کے آثار کو خارجی کہا ہے جیسا کہ ان کے کلام کو انصاف سے دیکھنے والے اور ان کی اصطلاحات کو جاننے والے پر مخفی نہیں ہے۔

اور اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے سوا خارج میں موجود نہیں ہے۔ کیا ذوات اور کیا ذوات کے صفات بلکہ ان کا ثبوت مرتبۂ حس و وہم میں ہے اور کوئی استحالہ لازم نہیں آتا کیونکہ یہ عالم موہوم نہیں ہے کہ جس نے وہم کے اختراع سے ثبوت پیدا کیا ہے کہ وہم کے زوال سے وہ زائل ہو جائے گا بلکہ اس کا ثبوت خدا تعالیٰ کی صنعت سے مرتبۂ وہم میں ہے اور کوئی مرتبہ میں ثبات و تقرر اور استواری اور استحکام رکھتا ہے۔

صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ۔ اللہ کی صنعت نے ہر چیز کو مضبوط کر دیا۔

-۔-

اس بیان سے واضح ہوا کہ ممکنات کے حقائق عدمات ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے علم میں تعین وتمیز پیدا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی صنعت سے دوسری مرتبہ حس ووہم کے مرتبہ میں ثابت ہوئے ہیں۔ اور بعض ان میں سے اللہ جل شانہٗ کے اسماء کے آئینہ بنے اور اس مرتبہ میں بطور ظل وانعکاس زندہ وعالم قادر ومرید اور دیکھنے اور سننے اور بولنے والے ہوئے۔

اور شیخ اور اس کے متبعین کی تحقیقات کے مطابق ممکنات کے حقائق اسماء الٰہی جل سلطانہٗ کے صُور علمیہ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے تنزلات خمسہ میں سے ایک ہیں مختصر یہ کہ اس فقیر کے فہم کے نزدیک ممکنات کے حقائق عدمات ہیں اور حضرت شیخ کے نزدیک وجودات منزلہ اور حضرت شیخ نے کثرت کی نمود کو خارج میں ثابت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ صُور علمیہ متکثرہ جو کہ ممکنات کے حقائق ہیں اور ان کو اعیانِ ثابتہ سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود ظاہر کے آئینہ میں کہ اس کے سوا خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ منعکس ہوئے ہیں اور خارج میں ظہور پیدا کیا ہے۔ اور ایسا دکھائی دیتے ہیں کہ خارج میں ہیں اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی چیز خارج میں موجود نہیں ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ صور علمیہ میں سے ہر ایک کو اوقات میں سے کسی وقت میں ظاہر وجود کے ساتھ جو کہ ان صُور کے لئے آئینہ کی طرح ہے۔ نسبت مجہول الکیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ خارج میں اس کے نظر آنے کا سبب ہوتی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ مجہول الکیفیت نسبت کسی کو بھی معلوم نہیں حتی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی گئی ہے۔ اور خارج میں ان صورتوں کے اظہار کو اس مجہول الکیفیت نسبت کے حصول کے بعد خلق کہا ہے اور ایجاد اشیاء جانا ہے۔

اور اس سابق تحقیق کے مطابق کہ اس فقیر کو اس کی راہنمائی ہوئی ہے۔ جس طرح اشیاء کا خارج میں وجود نہیں ہے۔ ان کی نمود بھی خارج کے خانہ میں اسی اپنی بے رنگی پر ہے۔ اس میں نہ غیر کا وجود ہے اور نہ نمود۔ اگر اس کی نمود ہے تو وہ بھی مرتبۂ وہم میں ہے اور اگر ثبوت ہے تو وہ بھی خدا تعالیٰ کی صنعت سے مرتبۂ وہم میں ہے مختصر یہ کہ اس کی نمود اور اس کا ثبوت ایک ہی مرتبہ میں ہے نہ یہ کہ اس کی نمود ایک جگہ میں ہو اور اس کا وجود دوسری جگہ میں مثلاً دائرہ موہومہ جو کہ

نقطہ جوّالہ (گردش کرنے والا) سے پیدا ہوا ہے جس طرح اس کا ثبوت مرتبۂ وہم میں ہے اس کی نمود بھی اسی مرتبہ میں ہے کہ اس کا نقش وہم میں ہے نہ خارج میں اور نمود بھی اسی مرتبہ میں ہے۔ کیونکہ خارج میں اس کا کوئی نشان نہیں ہے کہ وہ ظاہر ہو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ نمود وہمی کو نمود خارجی سمجھتے ہیں جس طرح کہ عالم مثال میں بیداری کی حالت میں باطن کی حسّ سے صُوَر مثالیہ کو دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان صورتوں کو عالم شہادت میں اور حسّ ظاہری سے دیکھتے ہیں اور اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو دوسرے مرتبہ سے مشتبہ پاتے ہیں اور ایک کا حکم دوسرے پر لگا دیتے ہیں۔ پس جس بحث میں ہم ہیں وہ دائرہ موہوم جو کہ خیال میں منتقش ہوا ہے خیال کی آنکھ سے اس مرتبہ میں کہ جس میں وہ منتقش ہے دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس کو ظاہری آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور ایسا نہیں ہے۔

کیونکہ اس دائرہ کا خارج میں کہ نقطہ جوّالہ کا محلّ ہے کوئی نام و نشاں نہیں ہے تاکہ وہ دیکھا جا سکے اور آدمی کی صورت جو آئینہ میں منعکس ہوئی ہے وہ بھی اسی دستور پر ہے کہ صورت کا نہ خارج میں ثبوت ہے اور نہ نمود۔ بلکہ اس کا ثبوت و نمود دونوں مرتبہ خیال میں ہیں۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

پس جس کو شیخ قدس سرہ نے خارج سمجھا ہے اور چیزوں کا اس میں بطریق انعکاس نمود ثابت کیا ہے وہ خارج نہیں ہے بلکہ مرتبۂ وہم ہے جس نے خداوند تعالیٰ کی صنعت سے تقرّر و ثبات پیدا کیا ہے اور خارج متوہم ہوتا ہے۔ اور خارج اس سے آگے ہے جو ہمارے شہود و احساس سے بہت بلند ہے اور وہ جو ہمیں مشہود و محسوس و معقول و متخیّل ہوتا ہے۔ یہ سب دائرہ وہم میں داخل ہے۔ موجود خارجی جل سلطانہٗ ہمارے وہم سے دور بہت دور ہے اس جگہ آئینہ کیا گنجائش رکھتی ہے اور وہ کونسی صورت ہو سکتی ہے جو اس حضرت سبحانہ میں منعکس ہو آئینے اور صورت سب ظلال کے مراتب میں ہیں کہ جس کا تعلق دائرہ وہم و حسّ سے ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

مکتوب نمبر ۵۹

خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا

(حوادث روزمرہ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے اور اُن سے لذت حاصل کرنے کے بیان میں)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی شاہراہ پر استقامت عطا فرمائے اور پوری طرح اپنی جناب قدس کا اسیر بنالے۔

فرزند عزیز باتمیز!

روزمرہ کے حوادث چونکہ اللہ تعالیٰ جل سلطانہ، کے ارادہ سے ثابت ہیں اور اس کے فعل سے ثابت ہیں۔ تو اپنے ارادہ کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع کر کے ان حوادث کو اپنی مراد بنانا چاہیئے اور ان سے لذت حاصل کرنا چاہیئے۔ اگر بندگی ہے تو اس نسبت کو پورا کرنا چاہیئے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو بندگی سے سر کھینچنا ہے۔ اور اپنے مولا جل شانہ، سے جنگ کرنا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے۔

مَنْ لَمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ وَلْیَخْرُجْ مِنْ تَحْتِ سَمَائِیْ۔

جو میری تقدیر پر راضی نہ ہوا اور میری مصیبت پر صبر نہ کرے وہ میرے سوا کوئی اور رب بنالے اور میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے۔

ہاں فقراء اور مساکین اور کمزوروں کی ایک جماعت آپ کی رعایت اور حمایت سے آسودہ اور مرفہ حال ہے۔ چونکہ یہ بھی اپنا ایک مالک رکھتے ہیں اور وہ ان کو کافی ہے۔ البتہ آپ کی نیک نامی باقی رہ گئی ہے۔ اللہ سبحانہ، و تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دنیا اور آخرت میں عطا کرے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۰

آپ کے پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ انسان کی ذات عدم ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ظلال کا اسکے بیچ عکس ہے اور یہ کہ انسان کی ذات اس کا نفس ناطقہ ہے۔ نفس وقلب اور علم حصولی اور علم حضوری کے بیان میں)۔

صرف وہی موجود و آشکارا ہے پاک ہے وہ اللہ جو حدوث اکوان کی وجہ سے اپنی ذات وصفات واسماء میں متغیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدوثِ اکوان میں ہر تغیر و تلون جو ظاہر ہوا ہے وہ عدم کے مراتب میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی تنزل اور تبدل خواہ وہ خارج میں ہو خواہ علم میں ہو راہ نہیں پا سکتا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا کہ اپنے ذاتی وصفاتی واسمائی کمالات کو ظاہر کرے اور اشیاء کے آئینہ میں ان کو جلوہ گر کرے تو ہر کمال کے لئے عدم کے مراتب میں اس کمال کے برخلاف کو کہ وہ اس کے مقابل تھا اور تمام اعدام کی نسبت سے متمیز ہے۔ اس کمال کی مرآتیت کے لئے متعین فرمایا۔ کیونکہ کسی شے کا آئینہ اس شے کا مقابل ہے۔ اور اس شے کے ظہور کا سبب ہے۔ "چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں"

اور ان اعدام کو کہ ان کمالات کی آئینگی کی قابلیت رکھتے ہیں۔ جب چاہا مرتبہ حس ووہم میں ایجاد کیا اور ان کو استقرار واستحکام بخشا اور ان تمام کمالات کو ان میں منعکس کیا اور اس انعکاس سے ان اعدام کو اس مرتبہ میں زندہ اور عالم اور قادر اور ارادہ کرنے والا اور سننے والا۔ دیکھنے والا اور بولنے والا بنایا لیکن محسوس ہوا ہے کہ پہلے عدم میں تصرف کرتے ہیں بغیر اس کے کہ اس میں کسی دوسری چیز کو ملائیں اور اس کو اس تصرف سے نرم اور ملائم کرتے ہیں اس کے بعد اس میں کمال کا ظہور کرتے ہیں۔ جس طرح کہ پہلے موم کو نرم اور ملائم کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس سے صورت واشکال پیدا کرتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ عدم سے مراد اس جگہ عدمِ خارجی ہے جو وجودِ خارجی کے مقابل ہے پس اس کی ایجاد کے منافی جو کہ مرتبۂ وہم میں واقع ہوا ہو گا اور ثبوت وہمی اس سے کوئی جنگ نہیں رکھتا۔ باوجود اس کے کہ میں کہتا ہوں کہ عدم کا منافی وجود ہے۔ جو کہ اس کا نقیض ہے۔ اور عدم وجود نہیں ہوتا لیکن اگر بالفرض عدم موجود ہو جائے تو بھی کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ حکماء نے وجود کے متعلق کہا ہے جو کہ معقولات ثانویہ سے ہے جو کہ خارج میں معدوم ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اشیاء کے حقائق اَعْدَام ہیں کہ مرتبہ وجود تعالیٰ

شانہٗ کے کمالات ان میں منعکس ہوئے ہیں اور انہوں نے خداوندی جل سلطانہٗ کی ایجاد سے وہمی ثبوت وتحقق پیدا کر لیا ہے اور مرتبۂ حس ووہم میں استقرار واستمرار حاصل کیا ہے گویا کہ اشیاء کی ذوات تو وہ اعدام ہیں اور ان میں کمالات کا انعکاس ان اعدام کے ہاتھ پاؤں کی طرح ہیں اور اس کے قویٰ وجوارح ہیں۔

ان مقدمات کی تمہید کے بعد چند باتیں اصلی مقصد سے جو کہ ولایت خاصہ سے تعلق رکھتی ہیں مذکور ہوتی ہیں۔ گوش ہوش سے سننا چاہیئے۔ جان لے کہ اللہ تیرا بھلا کرے اور تجھے سیدھے رستے کی رہنمائی کرے کہ انسان کی حقیقت اور اس کی ذات عدم ہے جو کہ نفس ناطقہ کی حقیقت ہے اور ابتدا میں اس نفس کو نفس امارہ کہتے ہیں اور انسان کا ہر فرد "میں" کے لفظ سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس انسان کی ذات نفس امّارہ ہوتا ہے اور انسان کے باقی لطائف اس کے لئے قویٰ وجوارح کی طرح ہیں اور چونکہ عدم بذات خود محض شر ہے وہ بھلائی کی بو بھی نہیں رکھتا تو نفس امارہ بھی خالص شر (برائی) ہوتا ہے اور اس میں بھلائی کی بو نہیں ہوتی اور یہ بھی شرارت وجہالت ہے کہ منعکس ہونے والے کمالات کو جو کہ اس کے اندر بطریق ظلّیت ظاہر ہوتے ہیں اپنی طرف سے جانتا ہے اور ان کے قیام کو جو اپنے اصل کے ساتھ ثابت ہیں اپنے نفس کی طرف نسبت کرتا ہے اور اپنے آپ کو ان کمالات کی وجہ سے کامل اور خیر جانتا ہے۔ اور اس وجہ سے سرداری کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے خدا جل سلطانہٗ کے ساتھ ان کمالات میں اپنے آپ کو خدا کا شریک ٹھہراتا ہے اور طاقت اور قوت کو اپنی طرف سے تصور کرتا ہے اور اپنے آپ کو متصرف سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب اس کے تابع رہیں اور وہ کسی کے تابع نہ ہو اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے اور دوسروں کو اپنے لئے دوست رکھتا ہے نہ کہ ان کے لئے اور ان فاسد خیالات کی بنیاد پر اپنے مولا جل سلطانہٗ سے ذاتی عداوت پیدا کر لیتا ہے۔ اور اس کے اتارے ہوئے احکام کا معتقد نہیں ہوتا۔ اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہتا ہے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے۔

عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِي۔ — اپنے نفس سے دشمنی رکھ کہ یہ میری دشمنی پر کھڑا ہو گیا ہے۔

اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کمال رافت ورحمت سے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ

والسلام کو مبعوث فرمایا۔ جو کہ جہانوں کے لئے رحمت ہیں تاکہ خداوند تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔ اور اس دشمن کے کارخانہ کو تباہ و برباد کر دیں اور اس کو اپنے خالق اور مولا کی طرف رہنمائی کریں۔ اور اس جہالت اور خباثت سے اس کو باہر نکالیں اور اس کی شرارت اور نقص پر مطلع کریں پھر جو آدمی ازلی سعادت رکھتا تھا اس نے ان بزرگواروں کی سعادت کو قبول کیا اور اپنی جہالت و خباثت سے باز آگیا۔ اور احکام منزلہ کا تابع ہوا۔

جاننا چاہیئے کہ تزکیۂ نفس کا طریقہ دو قسم پر ہے۔ ایک طریقہ وہ ہے جو ریاضت اور مجاہدات سے تعلق رکھتا ہے اور یہ انابت کا طریقہ ہے جو مریدوں سے مخصوص ہے اور دوسرا طریقہ جذب اور محبت کا طریق ہے جو کہ اجتباء کی راہ ہے اور یہ مُرادوں سے تعلق رکھتا ہے اور ان دونوں طریقوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلا طریق تو مطلوب کی طرف چل کر جانا ہے۔ اور دوسرا طریق مقصود تک لے جانا ہے اور جانے اور لے جانے میں بڑا فرق ہے اور جب سابقہ کرم کی بنا پر کسی صاحبِ دولت کو چاہتے ہیں کہ اجتباء کی راہ سے لے جائیں تو اس کو جناب قدس میں جذب اور محبت عطا فرماتے ہیں اور کشاں کشاں لے جاتے ہیں اس دوران میں کوئی سعادت مند ہوتا ہے جس کو فنا کی حد تک لے جاتے ہیں اور ماسوا کی دید و دانش سے رہا کر دیتے ہیں۔ اور انفس و آفاق سے گذار دیتے ہیں۔

آفاق کا نسیان دِل کی فنا سے وابستہ ہے اور اَنفُس کی فنا نفس امارہ کی فنا پر موقوف ہے پہلے میں علمِ حصولی کا زوال ہے اور دوسرے میں علم حضوری کا زوال ہے اور علمِ حضوری کا زوال اس وقت تک متصور نہیں ہوتا جب تک کہ نفس حاضر کا زوال متحقق نہ ہو کیونکہ جب تک حاضر قائم ہے علمِ حضوری اپنی جگہ پر ہے کیونکہ علم حضوری نفس حاضر سے عبارت ہے نہ کہ اس پر کوئی زائد امر ہے۔ پس زوالِ شہودی فنائے نفس میں اس کے زوال وجودی سے عبارت ہے۔ برخلاف زوالِ شہودی کے کہ اس کو فنائے قلب میں اعتبار کیا جاتا ہے اور وہ وجود قلب کے زوال کو مستلزم نہیں ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لے یہ ایسا باریک فرق ہے جس کی بہت کم راہنمائی ہوتی ہے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

تنبیہ :-

کوئی نادان یہ خیال نہ کرے کہ زوال نفس حاضر تو مقام بقا باللہ میں جو کہ توحید وجود والوں کو میسر ہوتا ہے بھی حاصل ہے کیونکہ اس مقام میں حاضر تو اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ نفس سالک جو

کہ فانی ہو چکا ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ اس مقام میں حاضر نفس سالک ہے کہ اس کو عنوان حقیقت سمجھا ہے نہ کہ حضرت حق تعالیٰ شانہ کہ وہ اس تعین اور اس حضور سے پاک اور منزّہ ہے ۔ اسی قبیل سے ہے جو کہا گیا ہے ۔ ؎

بخواب اندر مگر موشے شتر شد[1]

اس جگہ نفس حاضر کے علم کا زوال ہے جو کہ علم حصولی کی قسم سے ہے نہ کہ نفس حاضر کا زوال جو کہ علم حضوری کے زوال کو مستلزم ہوتا ہے اور نفس حاضر کا زوال ذات وصفات کے زوال سے عبارت ہے نہ کہ نفس حاضر کے علم کا زوال ۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے ۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر دے ۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے ۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ۔

مکتوب نمبر ۶۱

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ بعض مظاہر کی رویت عارف کے لیے عروج کا زینہ ہو جاتی ہے اور اس کے علاوہ اور چیزیں بھی)

جب عارف کا معاملہ خالص اللہ تعالیٰ کی ذات تک چلا جاتا ہے اور تمام نسبتیں اور اعتبارات ساقط ہو جاتی ہیں اور اس مقام میں عروج مشکل ہو جاتا ہے اور بغیر علاقہ و تعلق کے اس سے باہر آنا مشکل ہو جاتا ہے تو اس وقت کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بحکم

اَلنَّظْرَۃُ الْاُوْلٰی لَکَ ۔ (پہلی نگاہ تیرے لیے فائدہ مند ہے)

پہلی نگاہ جو مظاہر جمیلہ سے تعلق پیدا کرتی ہے ۔ اس مقام میں مدد کرتی ہے اور بڑی تیزی سے بلندی پر لے جاتی ہے اور مجاز سے جس کو حقیقت کا پل کہا گیا ہے حقیقت تک پہنچا دیتی ہے لیکن ایسے وقت میں دوسری نگاہ سے جس کو

اَلنَّظْرَۃُ الثَّانِیَۃُ عَلَیْکَ[2] (دوسری نگاہ تجھ پر وبال ہے ۔)

حفاظت لازم ہے کہ وہ مضر اور سمّ قاتل ہے ۔ اس جگہ امداد و اعانت کا کیا تصوّر

---

[1] خواب میں شاید کوئی چوہا اونٹ ہو گیا ہو۔

[2] یہ حدیث مسند احمد ۔ ترمذی ۔ ابو داؤد اور دارمی میں ہے ۔ مشکوٰۃ ۔

ہو سکتا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ فِی الْحَرَامِ شِفَاءً۔ (اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفا نہیں رکھی۔ؔ)

محسوس ہوا ہے کہ اگر خام طبع کی وجہ سے دوسری نظر واقع ہوئی ہے تو خالی گئی ہے اور دوسرے اینٹ روڑوں کی طرح پائی ہے اور جن لوگوں نے دوسری تیسری اور چوتھی نظر کو جو مظاہر جمیلہ سے تعلق رکھتی ہے کو مفید سمجھا ہے اور حقیقت کے عروج کے اسباب میں سے اس کو جانا ہے۔ وہ لوگ ارباب استدراج ہیں اور وہ حقیقت جس کی طرف وہ عروج کرتے ہیں عالم مجاز سے ہے۔

آیت کریمہ ؔ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِہِمْ۔ آپ ایمانداروں سے کہیں اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

اس جماعت کے ردّ میں کافی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس وقفہ میں ہمسائیگی کی تاریکیاں فائدہ مند ہوتی ہیں اور ہمسایوں کا کفر وفسق امداد کرتا ہے اور جتنی بھی یہ تاریکی زیادہ ہوگی زیادہ امداد کرے گی۔ اس کا وہ مطلب نہیں ہے جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فیوض جو اس جماعت پر وارد ہوتے ہیں۔ جو غفلت کے اندھیروں میں غرق ہے تو ان کی ناقابلیت کی وجہ سے وہ فیوض ان کو نہیں ملتے بلکہ دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جو ان کے حضور میں باحضور ہوتا ہے اور وہ شخص دوسروں کے فیوض سے ترقیات حاصل کرتا ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہے کیونکہ اپنے بلند درجہ کی وجہ سے اس عارف کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ وارد ہونے والے فیوض اس کے ماحول میں نہ پہنچیں جہ جائے کہ ان کی امداد سے وہ عروج حاصل کرے۔ ان بزرگوں کا کارخانہ بہت بلند ہے ہر عمل اور ہر فیض اس جگہ نافع نہیں ہے۔

بلکہ اس جگہ ایک نہایت باریک راز ہے جو کہ ارباب حال پر منکشف ہے اس قدر اس کو ظاہر کرتا ہوں کہ نور کے کامل طور پر ظاہر ہونے کے لئے اندھیرا بھی درکار ہے۔

ؔ: شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ میں فرمایا کہ حدیث کے یہ الفاظ بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مروی ہیں۔ اس مضمون سے ملتی جلتی ایک حدیث ابوداؤد شریف میں بھی ہے۔

ؔ سورہ نور پارہ ۱۸، ۱۲۔

وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ (چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہے)

آپ نے سنا ہو گا۔

اور چونکہ ظلمت کا ارتکاب منع ہے لہذا کمال کرم سے ہمسایہ کی ظلمت ہی کو معتبر رکھا ہے۔ اور ظہور نور میں جو کہ نور الانوار ہے نافع کیا ہے۔ اگر کہیں کہ طاعات و عبادات کو خصوصاً فرائض کی ادائیگی کو اس مقام میں کیوں نفع نہیں ہوتا اور کیوں اس کی عروج میں امداد نہیں کرتیں۔ میں کہتا ہوں کہ کیوں نافع نہیں ہیں اور کیسے عروج میں امداد نہیں کرتیں۔ لیکن کامل نفع و امداد جو پہلے حاصل ہوتا تھا اس وقت حاصل نہیں ہے اور اسباب خارجی کی طرح جو کہ اوپر مذکور ہوئے اور ان جیسے اور اسباب نافع نہیں ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتے ہیں۔ تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کوئی علم نہیں ہے یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۶۲

مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ انسان کے عدم ذاتی کی بنا پر اس کی فنائے وجودی نہیں ہوتی)

انسان کی حقیقت اور ذات نفس ناطقہ ہے جو لفظ "میں" سے انسان کا مشار الیہ ہے۔ اور نفس ناطقہ کی حقیقت عدم ہے کہ اس نے وجود اور صفات وجود تعالیٰ شانہٗ کے پرتو سے اپنے آپ کو موجود تصور کر لیا ہے اور اپنے آپ کو زندہ و عالم اور قادر مستقل طور پر سمجھ لیا ہے اور ان صفاتِ کمال یعنی زندگی و علم وغیرہ کو اپنی طرف سے تصور کر لیا ہے اور اپنے آپ کو قائم بالذات سمجھ لیا ہے۔ اور اس وہم سے اپنے آپ کو کامل اور خیر تصور کر لیا ہے اور اپنے ذاتی نقص اور شرارت کو جو کہ عدم سے پیدا ہوئی ہے اور جو محض شر ہے فراموش کر دیا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی اس کو پہنچتی ہے اور جہل مرکب اور جھوٹی تکذیب سے اس کو آزاد کر دیتی ہے تو جانتا ہے کہ یہ کمالات تو دوسری جگہ سے آئے ہیں اور یہ صفاتِ کاملہ اس کی اپنی نہیں ہیں نہ اس کے ساتھ قائم ہیں اور وہ جاننے لگتا ہے کہ اس کی

اپنی حقیقت اور ذات عدم ہے جو کہ محض شر اور نقص خالص ہے۔ اور یہ دیکھنا اگر خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے غالب آجائے اور پوری طرح کمالات کو اس کے صاحب کی طرف لے جائے اور اس امانت کی ادائیگی پوری طرح اس کے اہل تک پہنچائے تو وہ اپنے آپ کو عدم محض پاتا ہے اور خیریت کی بو بھی اپنے اندر نہیں رکھتا تو اس وقت نہ اس کا نام رہتا ہے نہ نشان نہ ذات نہ ہستی ہے نہ صفت کیونکہ عدم محض لاشے ہے کہ وہ مراتب میں سے کسی مرتبہ میں بھی ثبوت نہیں رکھتا اور اگر بالفرض مراتب میں سے کسی مرتبہ میں ثبوت متحقق ہو تو اس سے پورے کمالات مسلوب نہیں ہوتے کیونکہ ثبوت خود عین کمال ہے بلکہ ام الکمالات ہے۔

اس تحقیق سے لازم آیا کہ اس فنا کے حصول میں جو اتم و اکمل ہے وجودی فانی زوال کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا ہرگز وجود نہیں ہے تاکہ زوال متصور ہو وہ ایک عدم تھا جو وجود کے وہم سے اپنے آپ کو قائم رکھتا ہے اور جب یہ وہم زائل ہو گیا اور زوال شہودی سے متصف ہوا تو خالص عدم ہو گیا۔ جو کہ ہالک اور لاشے ہے پس زوال شہودی سے چارہ نہیں ہوتا اور زوالِ وجودی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اللہ سبحانہٗ حقیقت حال کو بہتر جانے۔

مکتوب نمبر ۶۳

میر منصور کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کے احاطہ و قرب و معیّت کا راز کیا ہے اور یہ کہ یہ راز عظیم قرآن مجید کے مشکل و مجمل مقامات میں سے ہے)

قرب و معیّت اور احاطہ و سریان اور وصل و اتصال اور توحید و اتحاد اور ان جیسے الفاظ اللہ تعالیٰ کے متعلق متشابہات اور شطحیات کے قبیل سے ہیں۔ وہ قرب و معیت اور وصل و اتصال جو ہمارے فہم میں آتا ہے اور جس کو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی ذات اس مدرک اور معلوم سے پاک و مبرّا ہے۔ لیکن آخر کار اس قدر معلوم ہوا ہے کہ یہ قرب وغیرہ اس قرب و اتصال جیسا ہے جو کہ آئینہ اور اس صورت کے درمیان ہوتا ہے جو اس آئینہ میں متوہم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عالم سے قرب و اتصال موجود کا موہوم سے اتصال ہے اور چونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ موجود حقیقی ہے اور عالم مرتبۂ حس و وہم میں پیدا ہوا ہے تو لازماً اللہ تعالیٰ واجب اور ممکن کے درمیان اتصال موجود کے موہوم سے قرب کی طرح ہے اور اس قرب و معیت سے خدا تعالیٰ کی جناب پاک میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ اگر خبیس چیزیں آئینہ میں منعکس ہوں اور آئینہ کو ان کا قرب و احاطہ حاصل ہو تو آئینہ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا اور کوئی کمینگی اس میں سرایت نہیں کرتی کیونکہ جس مرتبہ میں آئینہ ہے ان خسیسہ متوہمہ اشیاء کو اس مرتبہ میں کوئی نام و نشان نہیں ہے کہ ان کی صفات اس میں تاثیر کریں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب عالم کو مرتبہ حس و وہم میں پیدا کیا ہے اور چاہتا ہے کہ اس مرتبہ کو اثبات و استقامت دے تو وہ احکام و آثار جو موجود پر مترتب ہیں اس موہوم پر جاری کئے اور آثار موجود کو موہوم پر مترتب کیا لہٰذا قرب و احاطہ موہومہ کو قرب و احاطہ موجودہ کی طرح اثبات فرمایا ہے اور احکام صادقہ سے بنایا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ کسی خوبصورت شکل کو خارج میں دیکھنا لذت حاصل کرنے اور گرفتاری کا موجب ہے۔ اسی طرح وہی صورت اگر آئینہ میں منعکس ہو اور اس جگہ ثبوت وہی پیدا کرے تو وہ بھی لذت حاصل کرنے اور گرفتاری کا موجب ہے۔ باوجود اس کے کہ پہلی صورت موجود ہے۔ اور دوسری موہوم اور اثر کے حاصل ہونے میں دونوں شرکت رکھتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے موہوم کو موجود کے ساتھ ترتب احکام میں شرکت پیدا ہوئی اور موہوم میں موجود کی طرح اثر مترتب ہوئے تو اس موہوم نامراد کو موجود سے امید پیدا ہوئی اور موجود کے اتصال و قرب کی دولت کی خوشخبری اس کو حاصل ہوئی۔

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ[1]

اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ قرب و اتصال اس معنی کے بغیر جس کا ذکر ہوا ہے جس طرح سے بھی تصور کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں وہ تجسیم اور تشبیہ کی آمیزش سے پاک نہیں ہوگا۔ مگر یہ کہ ایمان لائیں اور ان کی کیفیت میں مشغول نہ ہوں اور ان کو خداوند تعالیٰ کے علم کے سپرد کریں۔

[1] نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کے لئے تو وہی ہے جو وہ گھونٹ گھونٹ پیتا ہے۔

جب ان الفاظ کو ایک طرح کا بیان لاحق ہوا اگر متشبہات کو سے باہر لاکر ان کو مجمل یا مشکل میں داخل کریں تو اس کی گنجائش ہے اور حقیقت حال کو اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانے۔

مکتوب نمبر ۶۴

حضرات مخدوم زادگان کبار جامع الاسرار والعلوم خواجہ محمد سعید

و خواجہ محمد معصوم سلمہا اللہ تعالیٰ والقاہما کی طرف

صادر فرمایا۔

(فنائے اتم کے بیان میں جو کہ زوال ذات وصفات سے وابستہ ہے اور وجود واجب سبحانہٗ کی تحقیق اور ممکن سے عدم کے زوال اور اس کے عروج و ثبوت کے بقا کا بیان اور دوسرے باریک نکات)

پوری فنا اس وقت متحقق ہوتی ہے جبکہ فانی کی ذات وصفات کا زوال حاصل ہو جائے اور اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے۔

سوال:۔

ممکنات کی حقیقت جب کہ اعدام ہیں جنہوں نے نسبت سے امتیاز حاصل کیا اور اسمائ و صفات واجبی جلّ سلطانہٗ کا آئینہ ہوئے جیسا کہ ہم نے اس معنی کی تحقیق اپنے مکاتیب میں کی ہے تو لازم آتا ہے کہ اس فنا کے حصول کی تقدیر پر کوئی نام و نشان عدم سے جو کہ اس کی حقیقت ہے ممکن میں باقی نہ رہے اور خالص وجود کے سوا اس میں کوئی چیز نہ رہے اس لئے کہ دو نقیض میں سے ایک کا زوال دوسرے کے نقیض کے حصول کو مستلزم ہے تاکہ ارتفاعِ نقیضین لازم نہ آئے اور صوفیہ کے نزدیک وجود عین واجب تعالیٰ ہے یا اس کی خاص ترین صفات میں سے ہے۔ اور ہر صورت میں حقیقت کا الٹ لازم آتا ہے اور یہ الحاد و زندقہ کو مستلزم ہے۔

جواب:۔

عدم کا نقیض ایسا وجود نہیں ہے جو عین واجب تعالیٰ ہو یا اس کی خاص ذاتی صفات میں سے ہو بلکہ عدم کا نقیض اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظلّ ہے اور اس کے عکوس میں سے ایک عکس ہے۔ مختصر یہ کہ ہر وجود جس کے مقابل عدم ہے امکان کے مظان سے ہے اور رفعِ

عدم جو کہ اس کا نقیض ہے کی احتیاج رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اگرچہ امکان کے دائرہ سے خارج ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے احتیاج رکھتی ہیں اور ہر ایک کے مقابل اعدام ثابت ہیں تو وہ امکان کی آمیزش سے باہر نہیں ہیں۔ اور ان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی احتیاج دامن گیر ہے اگرچہ وہ قدیم ہیں اور ذات واجب تعالیٰ سے جدا نہیں ہیں کیونکہ نفس احتیاج امکان کی دلیل ہے۔ اگر غیر کی احتیاج ہے تو نقص اور امکان کامل ہے اور امکان کے دائرہ میں داخل ہے اور اگر غیر کی احتیاج نہیں تو پھر بھی امکان کی بو رکھتی ہے۔ اگرچہ وہ امکان کے دائرہ میں داخل نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کہ ان کا کمال اللہ تعالیٰ کی ذات کے کمال سے کمتر ہے۔

پس وجوب کامل خدا تعالیٰ کی ذات کے لئے متحقق ہوتا ہے جو کہ نقص کے گمان اور قصور کے گمان سے پاک اور منزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ وجوب میں قدم رکھتی ہیں لیکن چونکہ وہ ذات کی محتاج ہیں لہٰذا ان کا وجوب اللہ تعالیٰ کی ذات کے وجوب سے کمتر ہے جیسا کہ ان کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کے وجود سے کمتر ہے کیونکہ صفات کا وجود عدم نقیض رکھتا ہے۔ جو کہ مثال کے طور پر عدم علم اور عدم قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا کوئی مقابل نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نقیض متصور ہو سکتا ہے کیونکہ اگر خداوند تعالیٰ کے وجود کو اعدام میں سے کوئی عدم نقیض ہو تو اس نقیض کے رفع کا محتاج ہوگا اور احتیاج نقص کی علامات سے ہے۔ جو کہ امکان کے حال کے مناسب ہے۔

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا

پوشیدہ نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق امکان کا لفظ استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے حدوث کا وہم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کی صفات بذات خود قائم نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے لحاظ سے واجب ہیں کیونکہ وہ ذات سے الگ نہیں ہیں اور اس معنی کا حاصل اگرچہ امکان تک کھینچنے والا ہے لیکن وہ حدوث کے وہم سے خالی ہے۔ اور نقیض کے حصول کا عدم جو کہ عدم ہوگا اللہ تعالیٰ کے لئے کشفی اور شہودی ہے۔ اگرچہ بصورت استدلال نظر آتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ کسی بدیہی بات پر استدلال کی صورت میں تنبیہ کریں۔

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ ممکن سے برتقدیر فنا زوال عدم کے بعد وجود کے سوا کوئی اور چیز اس میں باقی نہیں رہتی اور سوائے ثبوت

اور تحقق کے کوئی چیز اس کے نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی ذات اور صفت سے عدم منتفی ہو چکا ہے لیکن یہ وہ وجوب و ثبوت ہے جو کہ ممکن کے لئے وہم اور حس کے مرتبہ میں ثابت کیا ہے اور آثار کو اس پر مترتب کیا ہے اور زوالِ عدم کے بعد اللہ تعالیٰ کے کمالات کا آئینہ بنا ہے جیسا کہ عدم زائل ممکن کی حقیقت ہوا ہے اور یہ ثبوت صفات سے زوال عدم سے پہلے عدم تھا کہ جس کو مرتبۂ حس و وہم میں ثابت کیا اور اب وہی ثبوت زوالِ عدم کے بعد اس کا قائم مقام ہوا اور ممکن کی ذات بنا اور صفات کو اپنی طرف منسوب کیا اور عدم کا کارخانہ اس پر برپا ہوا اور یہ کارخانہ جو عدم کی نیابت کے ساتھ تھا اس حد تک ثابت ہے کہ اس ثبوت کا نقیض اپنی جگہ پر قائم ہے اور امکان کو بقا ہے۔

اور ثبوت کے نقیض سے معاملہ اوپر چلا جاتا ہے تو وجود کا کوئی مقابل نہیں رہتا بلکہ عدم کو بھی اس کے مقابلہ کی مجال نہیں رہتی اور امکان کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس وقت دوسرا کاروبار دوسرا ہے اور دوسرے ہی دمساز و غمگسار ہیں

اَوْ اَدْنٰی (یا اس سے بھی بہت قریب)

کا راز اس جگہ سے تلاش کرنا چاہیئے اور ہر وہ جگہ جہاں امکان کی آمیزش اور عدم کی مجال ہے اگرچہ نقیض کی صورت میں ہو وہ

قَابَ قَوْسَیْنِ (دو کمان کا اندازہ)

میں داخل ہے۔ اور جب امکان اور عدم پوری طرح اپنا سامان باندھ لیتے ہیں اور کوچ کا نقارہ بجاتے ہیں تو

اَوْ اَدْنٰی

کے کمالات سامنے آتے ہیں نہ اس طرح کہ اس وقت ممکن واجب تعالیٰ کی ذات ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات سے ثابت ہو جاتا ہے اور وہ قیام جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ظلال میں سے کسی ظل کے ساتھ تھا زائل ہو جاتا ہے۔ ؎

کسے[1] کو در خدا گم شد خدا نیست

اس عارف کا ذات واجب سے قیام اللہ تعالیٰ کی صفات کے قیام کی طرح ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہیں بلکہ اس کا قیام اس مرتبہ میں ہے کہ اس جگہ صفات کچھ بھی

[1] جو آدمی خدا میں گم ہو وہ خدا نہیں ہے۔

ملحوظ نہیں ہیں۔ اگرچہ صفات کو ذاتِ خداوندی سے علیحدگی نہیں ہے لیکن صفات کا قیام ازلی اور ابدی ہے اور وہ قدیمی ہیں اور اس کا قیام ازلی نہیں ہے اور حدوث کے داغ سے داغدار ہے۔ لیکن صفات کے نقیض موجود ہیں جو کہ عدم ہیں مثلاً عدمِ علم عدمِ قدرت اور اس عارف کا معاملہ اعدام کی نقاضت سے اوپر چلا گیا ہے۔ جیسا کہ تحقیق ہو چکا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جب معاملہ نقاضت سے اوپر چلا جاتا ہے تو وجوب متحقق ہو جاتا ہے۔ اور ممکن واجب ہو جاتا ہے اور وہ محال ہے۔

میں کہتا ہوں کہ واجب اس وقت ہو گا جب کہ وجود خارجی پیدا کرے گا اور ممکن کا ثبوت مرتبۂ حس و وہم کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو وجوب وجود کہاں سے متصور ہو گا۔ اس بیان سے ایک اور فرق قیامِ صفات اور قیامِ عارف کے درمیان پیدا ہوا۔ کہ قیامِ صفات باعتبارِ وجودِ خارجی ہے اور قیام عارف باعتبارِ وجود وہمی اگرچہ اس نے ثبات و استقرار پیدا کیا ہے اور مبدأ آثار ہے۔

جاننا چاہیئے کہ عارف سے

اَنَا (میں)

کی بقا عدم کی بقا تک ہے جو کہ اس کی حقیقت ہے۔ اور جب عدم زائل ہوا تو اَنَا کا کوئی مورد نہ رہا جس پر اس کا اطلاق کیا جا سکے۔ زوال عدم کے بعد ثبوت کے معاملات اگرچہ بڑا دراز دامن رکھتے ہیں اور اگرچہ ثبوت ممکن کی ذات ہو چکا ہے لیکن کلمہ

اَنَا (میں)

کا اس جگہ کوئی مورد نہیں ہے۔ گویا کہ لفظ اَنَا حقیقت عدمیّہ کے لئے وضع ہوا ہے۔ جو کہ حقیقتِ ثبوتیہ سے نفرت رکھتا ہے۔

ہاں ممکن میں جزو اعظم عدم ہے اور ممکن عدم سے ممکن ہوا ہے اور ممکن کا کارخانہ عدم سے فراخ ہوا ہے اور وہ احتیاج جو ممکن میں ہے وہ عدم سے آئی ہے اور وہ حدوث جو امکان کا دامن گیر ہے وہ بھی عدم سے ظاہر ہوا ہے اگر ممکن میں کثرت ہے تو وہ بھی عدم کی راہ سے آئی ہے اور اگر امتیاز ہے تو وہ بھی اس کی راہ سے ممکن کے حق میں وجود مستعار ہے اور وہ بھی خیالی اور وہمی ہے۔ اگرچہ اس میں ثبات اور استقرار ہے۔

جان لینا چاہیئے کہ وہ صفات جو اللہ جل سلطانہٗ سے قیام رکھتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی

پوری ذات ان صفات میں سے ہر ایک صفت کے ساتھ ظہور فرماتی ہے یہ نہیں ہے کہ ذات کا کچھ حصہ ایک صفت سے متصف ہو اور دوسرا کچھ حصہ کسی دوسری صفت سے متصف ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تبعض و تجزی (حصے اور جزو ہونا) نہیں ہے وہ بسیط حقیقی ہے۔ ہر حکم جو اس جگہ ثابت کریں گے وہ کلیّت کے اعتبار سے ہو گا جیسا کہ کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات ساری کی ساری علم ہے۔ ساری کی ساری ارادہ ہے اور پوری کی پوری قدرت ہے اور وہ قیام جو عارف کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے اسماء و صفات کے ملاحظہ کے بغیر پیدا ہوتا ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ جو پوری طرح اس کے رنگ میں باہر آتا ہے برخلاف دوسرے آئینوں کے کہ وہ اس کے تعیّن سے اپنی آئینگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ جس نے سمجھ لیا سمجھ لیا۔ ے

قیامت[۱] میکنی سعدی بدیں شیریں سخن گفتن
مسلّم نیست طوطی را بدور انت شکر خائی

اس طرح کا ظہور کہ آئینہ پوری طرح اس صورت کو ظاہر کرے اگر عارف کو فنائے اتم کے بعد اس ظہور کے ساتھ بقا پیدا ہوئی ہے تو اس کے اکمل تعیّنات سے ہو گا۔ کیونکہ وجود موہوب حقیقی نہیں ہے جو کہ اس کو ولادت ثانی سے میسّر ہوا ہے اور یہ تعین باوجود حدوث وامکان کے چونکہ مرتبۂ جمع سے پیدا ہوا ہے تو دوسرے تعیّنات پر جو اس مرتبہ سے پیدا نہیں ہوئے بزرگی اور فضیلت رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے قرآن مجید کے کلمات و حروف کو دوسرے کلمات و حروف پر فضیلت حاصل ہے اگرچہ یہ دونوں حدوث و امکان سے داغدار ہیں۔ کوئی بیوقوف ہی ہو گا جو اپنی ظاہر بینی سے ان تعیّنات کو دوسرے تعیّنات کے برابر سمجھے اور قرآن مجید کے ان کلمات و حروف کو دوسرے کلمات و حروف کے برابر جانے اس جگہ سے عارف کی فضیلت کو سمجھ اور اس کی فضیلت دوسروں پر خدا تعالیٰ کے کلام کی طرح ہے دوسروں کے کلام پر قیاس کر۔

بیت:۔

ہر[۲] کس افسانہ بخواند افسانہ است
وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است

[۱] اے سعدی تو قیامت بپا کرتا ہے اتنی میٹھی بات کہنا؟ تیرے زمانہ میں طوطی کی میٹھی باتیں کرنا مسلم نہیں ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جو لوگ محجوب[1] تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح ان کو تصور کیا تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا اور صاحب دولت لوگ کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت اور رحمت عالمیان کے عنوان سے جانا اور دوسرے لوگوں سے ان کو ممتاز دیکھا۔ وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور اہل نجات ٹھہرے۔

تنبیہ:-

بعض دقیق مطالب کی ادائیگی میں جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے تعلق رکھتے ہیں عبارت کے میدان کی تنگی کی وجہ سے ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جو ممکن کی صفات کے موہم ہوتے ہیں اور جو نقص وقصور کو مستلزم ہیں۔ ان الفاظ کو ظاہر سے پھیر دینا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو تمام صفات نقص اور قصور کی علامات سے پاک اور منزّہ جاننا چاہیئے اور بعض ایسے الفاظ جو شریعت میں اللہ تعالےٰ کے متعلق وارد نہیں ہوئے ہیں۔ مشائخ عظام کی تقلید میں ان کو بطریق مجاز استعمال کیا ہے مثلاً آئیت وغیرہ میں ان سے لرزاں و ترساں ہوں۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

اگر یہ کہا جائے کہ تمہاری عبارات میں جو لفظ تجلی اور ظہور ظلّی وغیرہ آئے ہیں تو ان سے مراتب ظہورات وجود کا تنزّل لازم آتا ہے جیسا کہ دوسرے مشائخ نے کہا ہے حالانکہ تم تنزّل وجود کا انکار کرتے ہو اس کی کیا وجہ ہے تو میں کہوں گا کہ تنزّل اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ میں مظہر کو عین ظاہر کہوں جیسا کہ دوسرے کہتے ہیں۔ لیکن اگر میں عین نہ کہوں تو تنزّل کیوں ہوگا؟ اور اس فقیر کے نزدیک پسندیدہ ظاہر کی مظہر سے عدمِ عینیّت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ) ؛۔ جس نے اس کو فسانہ سمجھا اور جس کی نگاہ نے اپنے آپ کو پرکھا وہ مرد ہے۔

[1] حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مثل جاننے والے بدعقیدگی میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں ہدایت عطا کرے۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۶۵

مولانا صفر احمد رومی کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ عارف کی ذات کی بقا کے بعد صفات میں سے ہر صفت اور لطائف میں سے ہر لطیفہ عارف کی پوری ذات میں پیدا ہوتا ہے)

پوری معرفت والے عارف کامل کو بقائے ذات کے بعد جب صفات و اخلاق کاملہ عنایت فرماتے ہیں تو صفات میں سے ہر صفت کے ساتھ وہ پوری ذات سے متصف ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کی ذات کا کچھ حصہ کسی صفت سے موصوف ہو اور کچھ حصہ کسی اور دوسری صفت سے متصف ہو مثلاً اس کی ذات پوری کی پوری علم ہوگی اور بتمامہ آنکھ ہوگی اور ساری کی ساری کان ہوگی جیسا کہ محققین صوفیاء نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق کہا ہے

کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پوری کی پوری علم ہے اور پوری کی پوری قدرت ہے اور پوری کی پوری کان ہے اور پوری کی پوری آنکھ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مومن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو بہشت میں بے جہت دیکھیں گے کہ وہ خود پوری بصر (آنکھ) ہو چکے ہوں گے اور جب تمام آنکھ ہوں گے تو جہت کی کیا گنجائش ہوگی۔ صوفیاء نے کہا ہے کہ جو کچھ عام مومنوں کو بڑا کچھ دیکھنے کے بعد آخرت میں میسر ہوگا وہ اولیاء کو جو کہ خاص مومن ہیں دنیا میں میسر ہو جاتا ہے۔ کہ جو کچھ عوام کے لئے وعدہ ہے وہ ان کے لئے نقد ہے اور جو ان کے لئے وعدہ ہے اس کا اس سے قیاس کرنا چاہیئے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا[1]

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور لطائف میں سے ہر لطیفہ اس عارف کا اس وقت کلیت کے طور پر ظاہر ہوتا ہے اور عارف پورے کا پورا لطیفۂ روح ہو جاتا ہے اور پورے کا پورا لطیفہ قلب ہو جاتا ہے اور اسی طرح تمام لطائف انسانیہ کا حال ہے۔ مثلاً نفس ناطقہ اور سر اور اخفیٰ اور اس کے اجزاء میں سے ہر جزو اور عناصر میں سے ہر عنصر اسی طریقہ پر ہے کہ حکم کل پیدا کر لیتا ہے مثلاً عارف پوری طرح

[1] میرے باغ سے میری بہار کا قیاس کر۔ ۱۲

اپنے آپ کو عنصر خاک پاتا ہے اور پوری طرح عنصر آب تصور کرتا ہے۔

اور جب لطیفۂ قلب جو کہ حقیقت جامعہ ہے کل کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے اور اس کا وہ تعلق جو دل کے ٹکڑے گوشت سے تھا زائل ہو جاتا ہے اور گوشت کا ٹکڑا اس وقت خالی ہو جاتا ہے تو بے روح جسم کی طرح نظر آتا ہے اور ایسا خیال گزرتا ہے کہ اس راہ سے آمد و رفت میں اس پر کوئی گرد نہیں پڑی ہے۔ اور وہ اپنی اصلی خالصیّت پر ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے پکی ہوئی دیگ میں کوئی کچا دانہ اپنی اصلی خالصیّت پر قائم رہتا ہے نہ آگ کی حرارت اس میں اثر کرتی ہے اور نہ پانی کی رطوبت اس تک پہنچتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اس تعلق کے رفع ہونے اور خالی ہونے کے بعد باقی اجزا کی طرح رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے اور دوسرے اجزا کی طرح کل کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔

مکتوب ۶۶

محمد مقیم قصوری کی طرف صادر فرمایا

ان کے سوال کے جواب میں کہ انہوں نے

اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِیْقَةِ (مجاز حقیقت کا پل ہے)

کا معنی پوچھا تھا۔

(میرے بھائی محمد مقیم نے پوچھا تھا کہ

اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِیْقَةِ (مجاز حقیقت کا پل ہے)

صوفیا نے کس حیثیت سے کہا ہے)

جان لیں کہ مجاز حقیقت کا پل ہے کہ ظل سے اصل تک ایک شاہراہ کھلی ہے شاید اس اعتبار سے کہا ہے کہ

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

کیونکہ ظلّ کی معرفت اصل کی معرفت کو مستلزم ہے اس لئے کہ ظل اپنے اصل کی صورت پر موجود ہے پس وہ اپنے اصل کے انکشاف کا سبب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کسی

چیز کی صورت وہ ہے جس کے ساتھ یہ چیز منکشف ہو جائے۔

لیکن جان لیں کہ

اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِیْقَةِ

اس صورت میں ہے کہ مجاز میں گرفتاری درمیان میں نہ آئے بلکہ دوسری نظر تک نوبت نہ پہنچے وہ پہلی نظر ہے جو حقیقت کا پل ہے۔ کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو

اَلنَّظْرَةُ الْاُوْلٰی لَکَ (پہلی نظر تیرے لئے ہے)

فرمایا ہے گویا کہ

لَکَ (تیرے لئے)

کے لفظ سے اس دولت کے حصول کا اشارہ کیا ہے اور اگر معاذ اللہ درمیان میں گرفتاری آ گئی بلکہ دوسری نظر تک نوبت پہنچ گئی تو ایسا مجاز وصول حقیقت کی راہ میں دیوار ہے پل کیا ہوتا ہے وہ تو ایک بُت ہے جو اپنی پرستش کی طرف بلاتا ہے اور ایک شیطان ہے جو حقیقت سے ہٹاتا ہے اسی لئے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسری نگاہ کو مُضر جانتے ہوئے

اَلنَّظْرَةُ الثَّانِی عَلَیْکَ (دوسری نگاہ تیرے لئے وبال ہے)

فرمایا ہے اور اس سے زیادہ مُضر اور کون چیز ہو گی جو حق سے روکے اور باطل میں گرفتار کرے۔

اور جاننا چاہیئے کہ پہلی نگاہ بھی اس وقت نافع ہے جبکہ اپنے اختیار سے نہ ہو اور اگر اختیار سے ہو تو دوسری نگاہ کا حکم رکھتی ہے۔

آیت کریمہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ آپ ایمانداروں سے کہیں اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔

اس مطلب کے اثبات کے لئے کافی ہے۔ بیوقوف ناپختہ صوفیوں نے اس عبارت کا معنی نہ سمجھا اور غلط کیا اور خوبصورت شکلوں سے گرفتاری پیدا کرتے ہیں اور ان کے ناز و ادا پر فریفتہ ہوتے ہیں اس امید پر کہ اس کو وصولِ حقیقت کا وسیلہ بنائیں گے اور حصولِ مطلوب کا زینہ سمجھتے ہیں۔

خبردار! یہ راہ مطلوب کے لئے خود رکاوٹ ہے اور مطلوب کے سامنے قوی پردہ ہے، وہ ایک باطل ہے جو ان کی نظر میں مزین ہوا ہے اور حقیقت کے دھوکے میں پڑے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے ان صورتوں کے حسن و جمال کو اللہ تعالیٰ کا حسن سمجھ رکھا ہے۔ اور ان کی گرفتاری کو اللہ تعالیٰ کی گرفتاری سمجھتے ہیں اور ان کے مشاہدہ کو خدا تعالےٰ کا مشاہدہ جانتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا ہے ؎

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

"اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بہت بلند ہیں" ان بیوقوفوں نے خدا تعالیٰ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ اور اس کے حسن و جمال کو کیا تصور کر رکھا ہے شاید ان لوگوں نے نہیں سنا کہ اگر بالفرض بہشت کی کسی حور کا ایک بال بھی جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے دُنیا میں گرے تو اِس بال کی روشنی اور چمک سے دنیا میں رات نہ پڑے اور اندھیرا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ایک ہی تجلّی سے کوہ طور کے جلنے اور اس کے ریزہ ریزہ ہونے اور موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بیہوش ہو کر گرنے کا قصہ نصّ قرآنی سے ثابت ہے۔ اور یہ لوگ باوجود اس بے عقلی کے ہر وقت اللہ تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنے والے ہیں اور اخروی رویت کے وعدہ پر تعجب کرنے والے ہیں۔

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِیْرًا	وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں اور انہوں نے بہت بڑی سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔

علمائے اہل سنت وجماعت
شَکَرَ اللّٰہُ سَعْیَھُمْ

نے اپنی جانیں مار ڈالی ہیں اور نقلی دلائل سے مخالفین پر اخروی رویت ثابت کی ہے۔ کیونکہ اہل سنت کے علاوہ مخالف فرقوں میں سے کوئی بھی خواہ وہ اہل ملت سے ہو یا غیر ملّت سے اللہ تعالیٰ کی رویت کا قائل نہیں ہے بلکہ اس کو محالِ عقلی سمجھتے ہیں اور اہل سنت نے بھی اس کو بلا کیف کہا ہے اور اس کو آخرت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور یہ بوالہوس اس فانی دنیا میں اس دولت قاہرہ کے حصول کا تصور کئے بیٹھے ہیں۔ اور اپنے خواب و خیال

لہ آج جب کہ تیرا حسن بے پردہ ظاہر ہے میں حیران ہوں کہ کل کا وعدہ کس لئے ہے۔ ۱۲

پر خوش ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر
والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ و علی آلہٖ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا۔

مکتوب نمبر ۶۷

میر منصور کی طرف صادر فرمایا

(کائنات کی حقیقت اور حضرت مجدد قدس سرہ کے کشف اور صاحب فتوحات مکیہ کے کشف کے درمیان فرق کے بیان میں)

یہ میدان کائنات جو دیکھا جاتا ہے اور مشہود اور کشادہ اور مسطح اور طویل و عریض متخیّل ہوتا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی اور اس کے تابعین کے نزدیک یہ سب کچھ حضرت وجود ہے کہ اس کے سوا خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے اور وہ وجود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ اس کو ظاہر وجود کہتے ہیں جو کہ انعکاس کے ذریعہ اور صُوَرِ علمیہ متکثرہ کے لباس میں آنے کی وجہ سے کہ جس کو باطن وجود کہتے ہیں اور اس کو اعیان ثابتہ سے تعبیر کرتے ہیں وہ وجود جو کہ اپنی وحدت و بساطت پر ہے وہ خیال میں متکثر و منبسط و طویل و عریض نظر آتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ مشاہد و محسوس سب کچھ کیا عوام اور کیا خواص اس صفحہ میں کوئی لباس میں اور الگ الگ اشکال و صُوَر میں خداوند تعالیٰ ہیں جو کہ عوام کو عالم متوہم ہوتا ہے۔ اور کبھی بھی علم کے خانہ سے باہر نہیں آیا ہے اور اس نے خارجی وجود کی بو نہیں پائی ہے۔ یہ ان صُوَرِ علمیہ کے عکوس ہیں جو کہ حضرت وجود کے آئینہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اور خارج میں نمود پیدا کی ہے اور عوام کو اپنے وجود خارجی کے وہم میں ڈال دیا ہے۔ مولوی جامی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے۔

رباعی:۔

مجموعۂ کون را بقانون سبق[۱]

حاشیہ صفحہ آئندہ

کردیم تصفّح ورقاً بعد ورق
حقّا کہ ندیدم ونخواندیم درو
جز ذاتِ حق وشیون ذاتیہ حق

اور اس فقیر کا عقیدہ اور کشف یہ ہے کہ یہ میدان وہم کا میدان ہے اور یہ صُوَر واشکال جو اس میدان میں ہیں ممکنات کے اشکال وصُوَر ہیں جنہوں نے خداوند تعالیٰ کی صنعت سے مرتبۂ حِسّ ووہم میں ثبوت پیدا کیا ہے اور استحکام پایا ہے اور جو کچھ بھی اس صفحہ میں مشہود ومحسوس ہے وہ ممکنات کی جنس سے ہے اگرچہ بعض سالکین کو وہ مشہود واجب متوہّم ہوتا ہے اور عنوانِ حقیقت سے ظاہر ہوتا ہے لیکن اصل میں عالَم کے افراد سے ہے اور اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے اور ہماری دید ودانش سے الگ ہے اور ہمارے کشف وشہود سے مبرّا ومنزّہ ہے۔

خلق را وجہ کے نماید او ؎
در کدام آئینہ درآید او

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ متوہّم عرصہ اس میدانِ خارجیہ کا ظلّ ہے جو کہ حضرت وجوب کے مرتبہ کے لائق ہے۔ چنانچہ اس مرتبہ کا وجود اس مرتبہ کا ظل ہے اور اس وہم کے مرتبہ کو اگر اس اعتبار سے کہ مرتبۂ خارج کا ظل ہے خارج کہہ لیں تو اس کی گنجائش ہے جیساکہ ظلّی وجود کے اعتبار سے اس کو موجود بھی کہتے ہیں۔ اور یہ وَہم کا عرصہ عرصۂ خارجی کی طرح نفس الامری ہے۔ اور یہ احکامِ صادقہ رکھتا ہے۔ اور ابدی معاملہ اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ جیساکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق خبر دی ہے۔

ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ ان دونوں کشوف میں سے کونسا کشف خداوند تعالیٰ کی تنزیہ وتقدیس کے زیادہ قریب اور زیادہ لائق ہے اور خداوند تعالیٰ کی جناب قدس کے زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر ہے اور ان دونوں میں سے کونسا بدایت (ابتدا) اور توسّط حال سے مناسبت رکھتا ہے اور کونسا انتہائی حال کے مناسب ہے۔

لہ کائنات کے مجموعہ کو پہلے قانون کے مطابق ہم نے ورق ورق تلاش کیا تو حق بات یہ ہے کہ سوائے ذاتِ حق اور شیون ذاتیہ حق کے اور کوئی چیز نہ پڑھی اور نہ دیکھی۔ (حاشیہ صفحہ ہٰذا)

لہ وہ مخلوق کو اپنا چہرہ کس طرح دکھا سکتا ہے اور وہ کونسے آئینہ میں سما سکتا ہے۔

کئی سال تک یہ فقیر پہلے کشف کا معتقد رہا ہے اور عجیب احوال اور مشاہدات غریبہ اس مقام میں گذارے اور اس مقام سے بڑا حصہ حاصل کیا آخر الامر محض خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے معلوم ہوا کہ جو کچھ دیکھا یا جاتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے سوا ہے کہ اس کی نفی لازم ہے بہر حال خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے نفی کرنے کے بعد معاملہ انتفاء (نیست ہونے) تک پہنچ گیا۔ اور وہ باطل جس نے اپنے آپ کو حق ظاہر کیا تھا دید و دانش سے گر گیا۔ اور غیب الغیب سے گرفتاری حاصل ہوئی اور موہوم موجود سے جدا ہوا اور قدم حادث سے الگ ہو گیا جو کہ کشف ثانی کا حاصل ہے۔

رباعی للمؤلف

درعرصۂ کائنات بادقت فہم
بسیار گذشتیم بسرعت چوں سہم
گشتیم ہمہ چشم ندیدیم درو
جز ظل صفات آمدہ ثابت در وہم

تمام تعریفیں اس اللہ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی کی۔ اور اگر اللہ تعالےٰ ہمیں اس کی رہنمائی نہ کرتے تو ہمیں یہ ہدایت نصیب نہ ہوتی۔ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۸

فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(مرتبہ وہم کی تحقیق میں کہ عالم نے اس مرتبہ میں اپنے وجود کی نمود کی ہے۔ اور اس کے مناسبات کے بیان میں)

عالم کو جو ہم موہوم کہتے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عالم وہم کی اختراع اور تراش ہے۔ وہ فہم کی اختراع کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وہم خود بھی عالم میں سے ہے۔

ل عرصۂ کائنات میں نہایت باریک بینی سے ہم نے تیر کی طرح تیزی سے گزر گیا ہم ہمہ تن چشم بنے اور اس میں سوائے ظل صفات کے وہم میں کوئی چیز ثابت نظر نہ آئی۔ ۱۲۔

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم کو اللہ سبحانہ وتعالےٰ نے مرتبہ وہم میں پیدا کیا ہے۔ اور اگرچہ اس وقت وہم وجود میں بھی نہیں آیا تھا لیکن اللہ تعالےٰ کے علم میں موجود تھا اور مرتبۂ وہم بے حقیقت نمود (ظہور) سے عبارت ہے۔ اس دائرہ کی طرح جو کہ گردش کرنے والے نقطہ سے وہم میں پیدا ہوا ہے کہ اس میں ظہور تو ہے لیکن اس کی حقیقت کچھ نہیں ہے۔

حکیم مطلق جل سلطانہ نے عالم کو اس مرتبہ میں خلق فرمایا اور اس کے محض دکھلاوے کو ثبوت اور ثبات بخشا اور غلط سے صحت میں لایا اور جھوٹ سے سچ بنا دیا اور امر واقعی کر دیا۔

اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

مرتبۂ موہوم عجیب مرتبہ ہے کہ اس کو موجود کے ساتھ نہ کوئی مزاحمت ہے نہ مقابلہ اور جہات میں سے کوئی جہت بھی اس سے ثابت نہیں کرتا اور اس کی کوئی حد اور نہایت پیدا نہیں کرتا۔ دائرہ موہومہ کو گردش کرنے والے نقطہ سے کوئی جنگ نہیں ہے اور جہات میں سے کوئی جہت بھی اس کے ساتھ ثابت نہیں رکھتا اور نہ اس نقطہ کو اس دائرہ کے پیدا ہونے سے کوئی نہایت پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نقطہ دائرہ کی دائیں جانب ہے یا بائیں جانب آگے ہے یا پیچھے اُوپر ہے یا نیچے۔ اس دائرہ کے لئے ان جہات کا ثبوت ان اشیاء کی نسبت سے ہے جو اس کے مرتبہ میں ثابت ہیں اور جو چیزیں کسی دوسرے مرتبہ میں ثابت ہیں دائرہ کو ان جہات میں سے ان کے ساتھ کوئی جہت ثابت نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ اس نقطہ کو اس دائرہ کے حدوث سے کوئی حد اور نہایت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ وہ اپنی پہلی خالص حالت پر ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ کے لئے بلند مثال ہے)

اس بیان میں اور اس مثال سے عالم کا صانع عالم کے ساتھ حال معلوم کر کہ اللہ تعالیٰ کو اس عالم کی ایجاد سے کوئی حد اور کوئی نہایت حاصل نہیں ہوئی ہے اور نہ جہات میں سے کوئی جہت ثابت ہوئی ہے۔ یہ نسبت اس جگہ کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ کہ اس بلند مرتبہ میں ان کا نام ونشان بھی نہیں ہے تاکہ نسبت کا تصور کیا جا سکے۔

کچھ بے نصیب لوگوں نے اپنی کوتاہ نظری سے ان نسبتوں کا حصول اور ان جہات کا ثبوت خدا تعالےٰ کے حق میں عالم کی نسبت سے تصور کیا اور اللہ تعالیٰ کی رویت کی نفی کر دی اور اس کو محال سمجھا اور اپنے جہل مرکب اور تصدیق کاذب کو کتاب وسنت پر مقدم رکھا

اور گمان کیا کہ اگر خداوند تعالےٰ مرئی (دیکھا گیا) ہو تو یقیناً دیکھنے والے سے جہات میں سے کسی جہت میں ہو گا اور وہ حد و نہایت کو مستلزم ہے۔

سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں ہے۔ رویت کو ثابت کریں یا نہ رویت ہو گی اور جہت نہ ہو گی جیسا کہ اس معنی کی تحقیق آئندہ آئے گی۔ شاید ان لوگوں کو یہ سمجھ نہیں آئی کہ یہ استحالہ تو وجود عالم کے وقت بھی ثابت ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ عالم کی نسبت جہات میں سے کسی جہت میں ہو گا اور یہ بھی کہ عالم سے بلند ہو گا اور یہ بھی حد و نہایت کو مستلزم ہے اور اگر عالم کی تمام جہات میں کہیں تو اس حد و نہایت کو کیا کہیں گے۔ جو کہ ورائیت کو لازم ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ جہت کا فساد استلزام نہایت کے ذریعہ ہے اور وہ خود لازم ہے۔

اس تنگی سے خلاصی صوفیاء کے قول کو اختیار کرنے میں ہے جو عالم کو موہوم کہتے ہیں اور جہت و نہایت کے اشکال سے آزاد ہو جاتے ہیں اور موہوم کہنے میں کوئی استحالہ بھی لازم نہیں آتا۔ کہ وہ موجود کی طرح احکام صادقہ رکھتا ہے اور ابدی معاملہ اور ہمیشہ کی نعمتیں اور عذاب اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ وہ موہوم اور ہے جس کا بیوقوف سوفسطائی قائل ہے۔ کہ وہ وہم کی اختراع اور خیال کی تراشش ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دائرہ موہومہ کے لئے جو کہ گردش کرنے والے نقطہ سے پیدا ہوا ہے اس نقطہ سے کوئی جہت بھی ثابت نہیں ہے اور وہ نقطہ اس کی جہات سے باہر ہے کہ اگر بالفرض وہ دائرہ تمام کا تمام بصر (آنکھ) ہو جائے تو یقیناً اس نقطہ کو بے جہت دیکھے گا کیونکہ جہت ان کے درمیان مفقود ہے اور ہم جو بحث کر رہے ہیں اگر دیکھنے والا تمام بصر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کو بے جہت دیکھے تو اس میں کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔ مومن بہشت میں تمام آنکھ بن جائیں گے اور کوئی جہت ثابت نہ ہو گی اولیاء اللہ کو بحکم

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا)

دنیا میں ہی یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ تمام کے تمام بصر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ رویت نہ ہو کہ وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ لیکن حکمِ رویت رکھتی ہے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ بحکم

تَخَلَّقُوْ بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ
یہ اس لئے ہے کہ صوفیاء نے اللہ تعالٰے کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالٰی کی ذات سب کی سب بصر (آنکھ) ہے۔ سب کی سب سمع (کان) ہے اور سب کی سب علم ہے۔

اور اللہ تعالٰے کے اخلاق سے متخلقین کو اُن اخلاق سے یقیناً حصہ ہے۔ ان کی ہر صفت بھی اس مقام سے پوری طرح ان سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً وہ سب کے سب بصر ہو جاتے ہیں اور دوسرے مومنوں کو آخرت بہ نسبت عطا فرما کر رویت کی دولت سے مشرف کریں گے۔

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰے
اور اس صورت میں کوئی استحالہ اور کوئی اعتراض لازم نہیں آتا اور اللہ سبحانہٗ و تعالٰے ہی حقیقت حال کو بہتر جانے۔

مکتوب نمبر ۶۹

قاضی موسٰی شوخین کی طرف صادر فرمایا

(ارباب جمعیت کی صحبت اور شریعت کے التزام کی ترغیب کے بیان میں)

حمد و صلوٰۃ اور دعاگوئی کے بعد عرض ہے کہ اس علاقہ کے فقراء کے احوال قابل تعریف ہیں۔ آپ کا گرامی نامہ جو درویش رحم علی کے ہاتھ بھیجا تھا۔ پہنچا۔ خوشی ہوئی۔ اللہ آپ سب کو سلامتی اور استقامت بخشے۔ آپ نے نصیحتوں کی طلب کے متعلق لکھا تھا۔

میرے مخدوم! نصیحت تو دین اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ متابعت کی کئی قسمیں ہیں۔ اس کی ایک قسم احکام شرعیہ کی تعمیل ہے۔ اور باقی اقسام کو فقیر نے ایک مکتوب میں جو کہ بعض محبوں کی طرف لکھا ہے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ میں ان شاء اللہ کہوں گا کہ اس کی نقل آپ کو بھیجیں۔

مختصر یہ کہ اس طریقہ میں افادہ و استفادہ کا دار و مدار صحبت پر ہے۔ کہنا اور لکھنا کافی نہیں ہوتا۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ صحبت ہے۔

اور اصحاب کرام صحبتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ ہی سے اولیاء امت سے افضل ہیں کہ کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اگرچہ وہ اویس قرنی ہی کیوں نہ ہوں۔ اور بھائیوں سے سلامتی ایمان کی دعا کی درخواست ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔ رحم علی نے اپنا ورق خود الٹ لیا ہے اور اصلاح کی طرف آگیا ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس کو استقامت عطا فرمائے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۷

مولانا اسحاق ولد قاضی موسیٰ کی طرف صادر فرمایا

(ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب میں)

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

وہ مکتوب شریف جو آپ نے رحم علی درویش کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچا۔ چونکہ اس سے ذوق و شوق کی اطلاع ملتی تھی۔ اس لئے خوشی پیدا ہوئی۔ اور ایک علیحدہ کاغذ میں جو واقعہ دیکھا تھا اس کی روداد لکھی تھی۔ اس کے مطالعہ سے خوشی پر خوشی ہوئی۔ اس قسم کے واقعات خوشخبری دینے والے ہیں۔ کوشش کریں کہ یہ امکان سے وجود میں آجائیں اور کان سے آغوش تک پہنچیں۔

آج جو تقصیر و کوتاہی کا تدارک ممکن ہے اس فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور تاخیر اور دیر نہ کرنا چاہیئے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہم کچھ درویش اکٹھے بیٹھے تھے کہ جمعہ کے روز کی اس ساعت کا تذکرہ شروع ہوا جس میں دعا قبول ہوتی ہے اور یہ بات درمیان میں آگئی کہ اگر وہ میسر ہو جائے تو اس ساعت میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیئے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ کہا جب میری باری آئی تو میں نے کہا اربابِ جمعیت کی صحبت طلب کرنا چاہیئے کہ اس کے ضمن میں تمام سعادتیں میسر ہیں۔

بعض مکاتیب کو نقل کر کے حامل رقعہ کے ہاتھ بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے نفع دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرے بھائی شیخ کریم الدین کچھ مدت سے آئے ہوئے

ہیں۔شاید اپنے حالات تم کو لکھیں۔دوستوں سے دعا کی توقع ہے۔اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے۔یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات۔

مکتوب نمبر ۱۷

جناب پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ کی طرف صادر فرمایا

(اس فرق کے بیان میں جو کہ حقائق موہوم کہ عالم ہے۔اور موجود حقیقی جو کہ صانع عالم ہے کے درمیان آیا)

وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلیٰ (اور اللہ کے لئے بلند مثال ہے)

وہ گردش کرنے والا نقطہ کہ دائرہ اس سے وہم میں پیدا ہوا ہے۔وہ جس طرح خارج میں ہے وہم میں بھی ہے لیکن اس جگہ دائرہ کی بے پردہ نمود ہے۔اور اس جگہ اس پردہ کے ساتھ اور خارج میں موجود اور وہم میں موجود اس معنی سے نہیں ہے۔کہ وہ ہر مرتبہ میں علیحدہ وجود رکھتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ایک موجود ہے وہی خارج میں ہے اور وہی وہم میں کہ اس جگہ بے پردہ دائرہ ہے۔اور اس جگہ باپردہ اور یہ دائرہ موہومہ جو وہم میں نمود رکھتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ وہ حس کی غلطی سے پیدا ہوا ہے۔اگر اس کو اس مرتبہ میں موجود بنا دیں۔اور ثبات و تقرر دے دیں۔اور اس کی حقیقت بنا دیں گے تو یقیناً وہ حس کی غلطی سے باہر آجائے گا۔اور امر واقعی ہو جائے گا۔اور احکام صادقہ پیدا کرے گا۔

پس اس دائرہ کی وہم میں حقیقت ہے اور صورت ہے۔اور اس کی حقیقت وہی گردش کرنے والا نقطہ ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صورت وہی دائرہ ہے جس نے ثبوت اور ثبات پیدا کر لیا ہے۔یہ صورت اگرچہ اس صورت کا عین نہیں ہے کیونکہ اس کے صفات اور احکام الگ ہیں۔لیکن حقیقت سے دور نہیں ہے اور جدائی نہیں رکھتا۔وہ ایک حقیقت ہے۔جس نے اپنے آپ کو اس نمود سے متخیل کیا ہے۔ع

شعر:-

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں ؎
گفتہ آید در حدیث دیگراں

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ اس مقام میں کہتے ہیں "اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ خدا ہے اور اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ مخلوق ہے۔ اور اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ ایک حیثیت سے حق ہے اور ایک حیثیت سے خلق ہے اور اگر تو چاہے تو حیرت کے متعلق کہہ دے کیونکہ ان دونوں میں تمیز نہیں ہے"۔

لیکن جاننا چاہیئے کہ یہ تمیز صورت وحقیقت کے درمیان اگرچہ وہم میں ہے لیکن جب اس مرتبہ میں خداوند تعالیٰ کی صنعت سے صورت موجود ہوئی ہے اور اس نے ثبات اور تقرر پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ امر واقع ہو گئی ہے اور اسے نفس الامری تمیز حاصل ہوا ہے۔ بلکہ بطور ظلی موجود خارجی ہو چکا ہے۔

کیونکہ صورت کا وجود جس طرح حقیقت کے وجود کا ظل ہے تو ظل کے بود کے حصول کے بعد خارج میں آیا پس حقیقت اور صورت کے درمیان تمیز چونکہ نفس الامری ہے بلکہ خارجی ہو چکا ہے تو ایک کو دوسرے پر محمول کرنا محال ہوا اور ایک دوسرے کا عین نہ ہوا اور جس نے عین کہا ہے اس نے تمیز وہمی پر زیادہ نہ سمجھا اور امتیاز علمی کے سوا کچھ نہ جانا۔

سبحان اللہ مرتبۂ وہم ایجاد خداوندی جل شانہ کے ذریعہ اس مرتبہ میں واقع ہوا ہے خارج ہوا ہے اور حقیقت واقعی بنا اور علم وخارج سے وراء جو کہ متعارف ہے ہوا اور چونکہ یہ مرتبہ خارج میں آیا ہے تو لازماً اس میں مرتبۂ وہم کو جدا کیا ہے۔ اور گردش کرنے والا نقطہ موجود خارجی ہوا اور وہ دائرہ جو اس سے پیدا ہوا ہے اس نے موہوم نام پایا۔

عجب معاملہ ہے کہ صورت جو کہ حقیقت سے پیدا ہوئی ہے اور جو کچھ بھی وہ رکھتی ہے۔ وہ حقیقت سے رکھتی ہے۔ اور اس کو حقیقت سے کوئی جدائی نہیں ہے۔ اس کو طاقت سے حقیقت سے علیحدہ کیا ہے اور وہم سے حقیقت میں لائے ہیں۔ اور تمیز وہمی کو خارجی قرار دیا ہے۔

آیت کریمہ:۔

صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتْقَنَ — اللہ کی صنعت وہ ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط کر دیا

؎ یہ بڑا اچھا طریقہ ہے کہ دوستوں کا راز دوسروں کی بات میں ڈال کر بیان کر دیا جائے۔ ۱۲

كُلِّ شَيْءٍ۔

کو اس جگہ ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ لاشئے محض کو اپنی قدرتِ کاملہ سے شئے بنا دیا ہے اور دانا و بینا اور قادر و مرید بنایا ہے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں۔

چونکہ او شد گوش و چشم و دست و پا[۱]
خیرام در چشم بندیٔ خُدا

چشم بندی کیا گنجائش رکھتی ہے اس لیئے کہ چشم بندی اس جگہ ثابت ہے کہ غیر واقع کو واقع کر دکھائے اور اس جگہ خدا تعالیٰ کی قدرت نے غیر واقع کو واقع بنا دیا ہے اور احکامِ کاذبہ کو جو اس مرتبہ میں تھے صادق کر دکھایا۔

شیخ فرماتا ہے کہ "ان دونوں میں تمیز نہیں ہے۔ حالانکہ بندے اور رب کے درمیان پنجاہ ہزار سالہ راہ ہے۔

کہ آیت کریمہ،

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔

روح اور فرشتے اس کی طرف ایک دن میں چڑھتے ہیں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے۔

میں اسی طرف اشارہ ہے اور شیخ کو خود بھی اس دوری راہ کا اقرار ہے یہی وجہ ہے۔ کہ وہ حیرت کا قائل ہوا ہے۔ کوئی بیوقوف آدمی اس راہ کی دوری سے خدا تعالیٰ کو دُور نہ سمجھے اور اپنے آپ کو دُور نہ جانے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ قریب ہے بلکہ بندے کی طرف بندے کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ بلکہ یہ دوری دَرک اور معرفت کے اعتبار سے ہے۔ نہ باعتبار مکان و مسافت کے۔ دائرہ کے آخر کا نقطہ دائرہ کے مبدا سے نزدیک ترین نقطہ ہے۔ لیکن چونکہ اس کی پشت مبداء کی طرف ہے اور اس کا منہ دوسری طرف پھیر دیا ہے تو لازماً اس کی یافت باوجود مبداء سے قرب ہونے کے دور جا پڑی ہے اور تمام نقاط طے کرنے کے بعد وابستہ ہوئی ہے۔ ۔ ۔

---

[۱] جب کہ وہ کان۔ آنکھ۔ ہاتھ اور پاؤں ہو گیا۔ میں خدا تعالیٰ کی چشم بندی سے حیران ہوں۔

(۱) اے کمان و تیرہا بر ساختہ[1]
صید نزدیک و تو دور انداختہ

(۲) ہر کہ دور انداز ترا او دور تر[2]
از چنیں صید است او مہجور تر

ہاں جب تک بُعد کی شدت نہ کھینچے گا قرب کی دولت کا قدر نہ جانے گا۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے وہ بہتر ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۲۷

خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ لشکر کی مختلف مصروفیات میں بھی ارباب جمعیت کے لئے تسلی ہے اور اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے مولود خوانی کے متعلق کیا تھا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

گرامی نامہ اور بہت بڑی مہربانی جو از روئے کرم و شفقت اس فقیر کے نام کی گئی تھی اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔

اللہ سبحانہ کی تعریف اور احسان ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں اور دور افتادہ لوگوں کا حال معلوم کرنے سے غافل نہیں ہیں اور تفرقہ کی جگہ میں جمعیت حاصل ہے لڑکے اور دوست جو ہمراہ ہیں ان کے اوقات بھی جمعیت سے ہیں اور ان کے احوال ترقی و زیادتی میں ہیں۔ لشکر ان کے حق میں عین خانقاہ ہے کہ لشکریوں کی عین رنگا رنگی میں ان کو تمکین نصیب ہے۔ اور مختلف گرفتاریوں کے باوجود جو کہ اس مقام کے لوازم سے ہے کہ وہ سب ایک ہی مطلب کے گرفتار ہیں۔ نہ کسی کو ان سے کوئی کام اور نہ ان کو کسی کا بوجھ اس کے باوجود مجبور اور بے اختیار ہیں اور حبس و قید میں گرفتار ہیں۔

---

[1] اے وہ کہ جس نے تیر و کمان بنائے ہیں تیرا شکار نزدیک ہے اور تو تیر دور پھینک رہا ہے۔

[2] جو آدمی زیادہ دور پھینکنے والا ہے وہ زیادہ دور ہے اور ایسے شکار سے وہ زیادہ مہجور ہے۔

یہ عجب قسم کی قید ہے کہ اس کے عوض رہائی ایک جو میں نہیں خریدتے اور عجیب قسم کی گرفتاری ہے کہ آزادی کو اس جگہ ایک دمڑی میں نہیں خریدتے اور اس نعمت اور دوسری تمام بڑی بڑی نعمتوں پر اللہ سبحانہ کی تعریف اور احسان ہے۔

میرے مخدوم! قرۃ العینین کو خط بھیجنے کا مقصد بعض نعمتوں کے فوت ہو جانے پر کہ اس مقام کے نزدیک ان کے حصول کی توقع تھی۔ اظہار افسوس تھا۔ اور لشکر میں آنا اور صحبت بھی رکھنا ان کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ لشکر اور لشکریوں کے طور طریقوں کو بہتر جانتے ہیں۔ اور اس مقام کے نفع و نقصان کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا اگر آپ فرمائیں کہ وہ آفات سے محفوظ رہیں گے تو آجائیں۔ غیب تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کہ ہمراہیوں میں سے اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے باوجود ارباب تفرقہ کے ساتھ کثرت سے میل جول رکھنے کے اس وقت تک کسی کو بھی تفرقہ کی آفت نہیں پہنچی ہے اور وہ مطلب سے نہیں رُکا۔

اور پھر آپ نے مولود خوانی کے متعلق لکھا تھا۔ اچھے آواز سے صرف قرآن مجید اور نعت و منقبت کے قصائد پڑھنے میں کیا حرج ہے۔ منع تو یہ ہے کہ قرآن مجید کے حروف کو تبدیل و تحریف کیا جائے۔ اور مقامات نغمہ کا التزام کرنا اور الحان کے طریق سے آواز کو پھیرنا اور اس کے مناسب تالیاں بجانا جو کہ شعر میں بھی جائز نہیں ہے۔

اگر ایسے طریقہ سے مولود پڑھیں کہ قرآنی کلمات میں تحریف واقع نہ ہو۔ اور قصائد پڑھنے میں شرائط مذکورہ متحقق نہ ہوں اور اس کو بھی صحیح غرض سے تجویز کریں تو پھر کونسی رکاوٹ ہے۔ میرے مخدوم! فقیر کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ جب تک اس دروازہ کو پوری طرح بند نہ کریں گے بوالہوس باز نہ آئیں گے۔ اگر تھوڑا سا جائز کرو گے تو وہ زیادہ ہو جائے گا۔ مشہور مقولہ ہے کہ تھوڑی چیز سے زیادہ بن جاتی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۷

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا

صفت حیات کے اسرار کے بیان میں جو کہ علم سے اوپر ہے اور اس بیان میں کہ جس طرح علم صفات زائدہ سے ہے اسی طرح وہ شیون غیر زائدہ سے بھی ہے اور تمام صفات کی یہی کیفیت ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن العربی اور ان کے متبعین کہ جنہوں نے تنزّلات خمس لکھے ہیں۔ انہوں نے تعیّن اول علم کی بارگاہ کے اجمال سے اعتبار کیا ہے اور اس کو حقیقت محمدی علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کہا ہے اور اس کے کشف کو تجلی ذات جانا ہے۔ اور اس تعیّن سے اوپر لاتعیّن جانتے ہیں جو کہ خالص ذات اور تمام نسبتوں اور اعتبارات سے خالی احدیّت کا مرتبہ ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ شان العلم سے اوپر شان الحیوٰۃ ہے کہ علم اس کا تابع ہے اور وہ تمام صفات کی ماں ہے کیا علم اور کیا غیر علم اور کیا علم حصولی اور کیا علم حضوری اور یہ حیوٰۃ کی شان بڑی ہی عظیم الشان شان ہے۔ دوسری تمام صفات اور شیون اس کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے کہ دریائے محیط کے مقابل چھوٹی چھوٹی لہریں۔ عجیب بات یہ ہے کہ شیخ بزرگوار نے اس وسیع مملکت میں سیر نہیں کی ہے اور اس باغ سے علوم و معارف کے پھول نہیں چُنے ہیں اور اگرچہ یہ شان حضرت ذات عزّ شانہٗ سے بہت زیادہ قریب ہے اور جہالت اور عدم ادراک کے بہت زیادہ مناسب ہے۔ لیکن چونکہ وہ تنزّل اور ظلیّت کا شائبہ رکھتی ہے اور علم و معرفت کے مظنّہ سے ہے۔ خواہ تھوڑا ہو زیادہ۔

جن دنوں میں یہ فقیر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس عظیم الشان حالت میں سیر کر رہا تھا۔ تو اس مقام کے نیچے دُور بہت دُور ایسا مشہود ہوتا تھا کہ شیخ نے اس جگہ ایک کٹیا بنا رکھی ہے۔ اور اس میں اقامت اختیار کر رکھی ہے۔ شاید آخر میں شیخ نے اس مقام سے حصہ حاصل کیا ہو۔

اس طرح کے بُعدِ مسافت بے چون کا بُعد دو اعتبار سے ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ میدان عبارت کی تنگی ہے۔ یا اس کی صورت مثالی ہے۔ عالم مثال میں بُعد بے چونی بُعد

مسافت سے مشہود ہے۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ ہمیں صرف وہی علم ہے جو تو نے ہمیں بتایا یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

فصل بالخیر:۔

اس بیان سے لازم آیا کہ علم حیٰوۃ کے مرتبہ میں جو اس سے اوپر ہے ثابت نہیں ہوتا کیا علم حصولی اور کیا علم حضوری اور جب مرتبۂ حیٰوۃ میں علم ثابت نہ ہو گا تو مرتبہ ذات عز شانہٗ میں کس طرح ثابت ہو گا۔ جو کہ اوپر سے بھی اوپر ہے اور جب علم ثابت نہ ہو گا تو اس کا نقیض ثابت ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

اِس اشکال سے رہائی ایک باریک نکتہ کی معرفت پر مبنی ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی نے کم ہی اس کے متعلق گفتگو کی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اللہ جل شانہٗ کا علم مثلاً جیسا کہ صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ زائدہ سے ہے۔ جس طرح کہ اہل حق نے فرمایا ہے اسی طرح شیون اور اعتبارات ذاتیہ غیر زائدہ سے بھی ہے اور جب پہلی قسم اللہ تعالیٰ کی ذات سے زائد صفات سے ہے تو جن سے ان کا تعلق ہے وہ بھی ذات کے سوا ہوں گے۔ اور وہ ماسویٰ خواہ عالم ہو یا اللہ تعالیٰ کی صفاتِ زائدہ کیونکہ جو کچھ بھی ظلیّت کے داغ سے داغدار ہو چکا ہے۔ اور زیادتی کا نام اس پر آچکا ہے وہ اللہ تعالیٰ و تقدس کی ذات کے لائق نہیں ہے اور نہ اس کا خدا تعالیٰ کی ذات سے کوئی تعلق ہے۔ وہ علم خواہ حصولی ہو یا حضوری۔ اگر حضوری بھی ہے تو وہ بھی اللہ تعالےٰ کے ظلال میں سے کسی ظل سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ اس نے علم اور عالم اور معلوم میں اتحاد پیدا کیا ہے کیونکہ یہ اتحاد کا مرتبہ بھی اللہ تعالےٰ کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ نہ کہ اس کا عین۔ اگرچہ ایک جماعت نے اس کی عینیت کا گمان کیا ہے۔

اور دوسری قسم جو شیونِ ذاتیہ غیر زائدہ سے ہے تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور بس اور اللہ تعالیٰ و تقدس اس سے بہت بلند تر ہے کہ وہ اپنی ذاتِ پاک کے سوا تعلق پیدا کرے۔ مختصر یہ کہ وہ علم جو زائد ہے اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے سوا سے ہے اور وہ علم جو زائد نہیں ہے اور صرف ایک اعتبار ہے اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے ہے اور وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے منتفی (معدوم) ہے وہی

علم زائد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے مرتبہ مقدسہ کے لائق نہیں ہے کہ وہ اس علم غیر زائدہ کی شان کا ظل ہے۔ اس علم کے اُٹھ جانے سے اس کے نقیض کا ثبوت کہ جہل ہے لازم نہیں آتا اگرچہ علم صفاتِ کاملہ سے ہے لیکن اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا۔ تو اس کا نقیض جو سراسر نقص ہے اس کو کیا طاقت ہے کہ اس بارگاہ میں دخل پا سکے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ دونوں نقیض اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مسلوب ہوں اور کوئی استحالہ بھی لازم نہ آئے۔ ایک عارف کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع کرنے سے پہچانا گویا اس مقام کی بلندیٔ مرتبہ کے ذریعے ان دونوں نقیض میں سے کوئی بھی اس جگہ نہیں پہنچ سکتا۔ جب تمام نسبتیں اور اعتبارات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مسلوب ہوں گی تو علم اور عدم علم کہ وہ بھی منجملہ نسبتوں میں سے ہیں مسلوب ہوں گے۔ وہ ممکن ہی ہوتا ہے جسے نسبتوں اور اعتبارات سے چارہ نہیں ہوتا اور اس میں نقیض جمع و رفع نہیں ہوتا۔ نسبتوں اور اعتبارات کا پیدا کرنے والا ان تمام نسبتوں اور اعتبارات سے منزّہ ہے اور غائب کا حاضر پر قیاس اس جگہ ممتنع ہے۔

یا پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ علمِ خاص کا انتفاء عدم علم مطلق کو مستلزم نہیں ہے بلکہ وہ خاص علم کے عدم کو مستلزم ہے جو کہ ظلیّت کا شائبہ رکھتا ہے اور اس صورت میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا اور ارتفاع نقیضین نہیں ہوتا۔ اس کو اچھی طرح سمجھ۔

جاننا چاہیئے کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے شیون سے ہے اس کی اس علم سے کوئی مناسبت نہیں ہے جو صفاتِ زائدہ سے ہے اگر اس علم زائد کا اصل وہی علم غیر زائد ہے کیونکہ صفت زائدہ ظل شانِ ذات ہے۔ اس جگہ تو انکشاف ہی انکشاف ہے اور عین حضور میں حصول ہے۔ اس علم کے درجہ کی بلندی کی وجہ سے جہل کو طاقت نہیں ہے کہ اس کے مقابل آئے اور اس کے نقیض بننے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ برخلاف صفت علم کے کہ جہل اس کی نقاضت پر قائم ہے۔ اگرچہ اس کا وقوع جائز نہیں ہے اور بالکل خطا ہے۔ اور اس میں نقیض کا احتمال ہی اس کے انحطاط کا باعث ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے اس کو روک دیا ہے۔ کیونکہ کمال کے نقیض کا احتمال خواہ وہ کوئی ہی کمال ہو اس کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گنجائش نہیں ہے۔ وہ قدرت جو اللہ تعالیٰ کے مرتبۂ مقدسہ کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ وہی قدرت ہے جس کی دوسری طرف عجز نہیں ہے۔ برخلاف صفت قدرت کے کہ

اس میں نقیض کا احتمال ہے اگرچہ واقع نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات و شیون کو اسی پر قیاس کر لیں۔

اور جب شان علم کو صفت علم سے کوئی مناسبت نہیں ہے تو علم مخلوقات کو اس شان عظیم الشان سے کیا نسبت ہو سکتی ہے اور کونسی نسبت ہوگی اور اس کا تعلق اس مرتبۂ مقدس سے کس طرح متصور ہو سکتا ہے مگر یہ کہ وہ بندہ نوازی فرمائے اور مخلوق کے ناقص انکشاف کو اپنے انکشاف کے نزدیک سے روشن کرے اور فنائے اتم کے بعد اس کو بقائے اکمل اپنی طرف سے بخشے۔ اس وقت ہو سکتا ہے کہ اس مرتبۂ مقدسہ سے بے کیف تعلق پیدا کرے اور اس جگہ تک پہنچ جائے کہ اس کا اصل بھی وہاں تک نہ پہنچ سکے اور اصل کے زینہ سے اصل الاصل سے واصل ہو جائے۔

یہ وہ خصوصیت ہے جو بنی آدم کو عطا ہوئی ہے اور ان پر ترقی کی راہ کھولی ہے یہ اپنے اصل سے بھی گزر جاتے ہیں اور اصل الاصل سے بھی اور اس جگہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اصل ظلّ کی طرح راہ ہی میں رہ جاتا ہے اور یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

مکتوب نمبر ۷

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

اصاحب فصوص کے کلام کی شرح اور تجلی ذات کے بیان میں اور اس باب میں حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کی خاص رائے اور اتفاق ایسا ہوا کہ یہ مکتوب شریف مکمل نہ ہو سکا۔)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔ "اور تجلی ذات اس آدمی کی صورت میں ہوتی ہے جس پر وہ تجلّی ہوئی ہے پس شخص متجلی لہٗ (جس پر تجلی ہوئی ہے۔) نے اللہ تعالیٰ کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا اور اس نے خدا تعالےٰ کو نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی اس کو دیکھنا ممکن ہے۔"

اور "اللہ کے آئینہ" سے مراد وہی شان ذاتی ہے کہ اس کا ظل وہ اسم زائد ہے جو کہ متجلّی لہٗ

کا مبدا تعین ہے۔ اس لئے کہ ہر اسم زائد کے لئے جو کہ مخلوقات کے تعینات میں سے کسی تعین کا مبدا ہے، مرتبۂ ذاتیہ میں اصل ثابت ہے اور وہ اصل وہی شان ہے جو ذات میں اعتبار سے خالی ہے جیسا کہ میں نے کئی ایک مقامات پر اس کی تحقیق کی ہے اور "اللہ تعالیٰ کے آئینہ" سے مراد ذات مطلق نہیں ہے۔ کیونکہ مطلق آئینہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اور جب آئینہ اس صورت کی شکل میں جو اس میں موجود ہے۔ مقید ہو گیا اور اس صورت کا اصل الاصل ہوا تو لازماً آئینہ متجلی لہ کی نظر میں اس کی صورت پر جو آئینہ میں موجود ہے بغیر زیادت ونقصان کے جلوہ گر ہو گا کیونکہ تجلی اور اس شان کا ظہور اس مرتبہ میں کہ اس میں تجلی واقع ہوئی ہے نہیں ہو سکتا مگر اسی صورت میں کہ متجلیٰ لہٗ اس پر تھا لیکن اس شان کا اس صورت میں ظہور عالم سے عدم تعلق اور استغناء کے سبب سے مشروط ہے۔ اس اسم ظلی کے واسطہ سے جو کہ متجلی لہ کی صورت کے تعین کا مبدا ہے اور یہ آئینہ مقدس دوسرے آئینوں کے خلاف ہے کیونکہ ان آئینوں میں صُوَر کا ظہور ان کے اجزا میں سے کسی جزو میں ہوتا ہے اور وہ آئینے ان صورے ظاہر نہیں ہوتے جو کہ ان میں حلول کئے ہوئے ہیں اس تباین کی وجہ سے جو ان کے درمیان واقع ہے برخلاف اس آئینہ مقدسہ کے کہ نہ تو صورت اس میں حلول کئے ہوئے ہے اور نہ اس کے اجزا میں سے کسی جزو میں حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس بارگاہ میں حالیت اور محلیت کا فقدان ہے اگرچہ باعتبار ظاہر حس کے ہو اور اس مرتبۂ مقدسہ میں تبعض وتجزی بھی نہیں ہے۔ اگرچہ باعتبار توہم وتخیل ہو۔

بلکہ یہ مقدس آئینہ پورے کا پورا متجلی لہٗ شخص کے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس وقت وہ مقدس آئینہ آئینہ بھی ہوتا ہے اور صورت بھی پس متجلی لہ شخص نے آئینہ حق میں صرف اپنی ہی شکل وصورت کو دیکھا کہ وہی اس کی ذات کی شان ہے کہ متجلی لہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اور اس کی خاص شان کو نہ دیکھا تنزیہی طریقہ اور تقدیسی نہج پر اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس کو دیکھے۔

اور یہ قول شیخ کی رائے پر مبنی ہے کہ وہ مرتبۂ تنزیہ میں امکان رویت کی نفی اور ظہورات شبیہہ میں رویت کا اثبات کرتے ہیں اور یہ جامعہ لطیفہ بطریق تمثل ومثال ہے اور شیخ کی یہ رائے جیسا کہ تو دیکھتا ہے اس قول کے مخالف ہے جس پر علماء اہل سنت شکر اللہ سعیہم نے اتفاق کیا ہے اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رویت جائز لیکن واقع نہیں

ہے اور آخرت میں بلا کیف رویت حق ہے اور واقع ہے اور وہ تمثل وانتثال کے طور پر نہ ہوگی جیسا کہ بدء الامالی میں کہا ہے۔

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ[۱]
وَاِدْرَاکٍ وَضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

کیونکہ مثل کو دیکھنا کیف کو دیکھنا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا بلکہ وہ مخلوق کی رویت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایجاد فرمائی ہے اور بطریق تمثل ظاہر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ تمثل وانتثال سے بلند تر ہے اور توہم وخیال سے بھی بلند ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔

اور تعجب ہے ان اکابر عرفاء پر جو تنزیہ سے تشبیہہ کے ساتھ اور قدیم سے حادثات کے ساتھ خوش ہیں اور مثال پر قناعت کر بیٹھے ہیں اور صورت پر اقامت کر چکے ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ سب اس بیماری کی وجہ سے ہے جو ان کے قول توحید واتحاد سے پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے اپنے اس حکم پر اصرار کیا ہے کہ عالم ہی حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور بس تو لازماً ان کے نزدیک افراد عالم میں سے ہر فرد کی رویت اللہ تعالیٰ کی رویت ہوگی۔ اس سبب سے کہ ان کے نزدیک ان دونوں میں اتحاد واقع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض نے فارسی کا یہ شعر کہا ہے ؎

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است[۲]
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

ہاں اتنا ضرور ہے کہ شیخ قدس سرہ نے افراد عالم میں سے خاص جامع فرد کو جو بطریق تمثل اپنے حصول کو پہنچا ہو اس فضیلت کے لئے مخصوص کیا ہے اور یہ تخصیص اس کو کوئی نفع نہیں بخشتی۔ گویا کہ شیخ قدس سرہ نے کتاب وسنت کے کمال علم اور علماء کے اقوال کی وجہ سے اس قول کی جو کہ مطلق رویت اور ان کے ان چیزوں کی رویت کو اللہ تعالیٰ کی رویت قرار دینے کے متعلق ہے۔ برائی کو معلوم کر لیا ہے اور اس کے باوجود غلبہ سکر اور قوت حال توحید کی وجہ سے تشبیہہ کی تنگی سے پوری طرح خلاصی نہیں پائی اور خالص

---

[۱] مومن اللہ تعالیٰ کو بلا کیف و درک و تمثل دیکھیں گے۔

[۲] آج جب کہ تیرا جمال بے پردہ ظاہر ہے میں حیران ہوں کہ کل کا وعدہ کس لئے ہے۔ ؟ ۱۲۔

تنزیہ کے کمالات کے حصول کے لئے فارغ نہ ہوا بلکہ اس نے یہ خیال کیا کہ خالص تنزیہ کا قائل قاصر ہے اور ناقص اور اللہ تعالیٰ کا محدد (حد بندی کرنے والا) ہے جیسا کہ تشبیہ کا قائل ہے پس خالص تنزیہ سے انہوں نے گریز کیا اور یقین کر لیا کہ کمال تشبیہہ اور تنزیہ کو جمع کرنے میں ہے اور اس حکم لگانے میں کمال ہے کہ ان دو میں سے ایک دوسرے کا عین ہے تاکہ تحدید و تقیید بالکلیہ مرتفع ہو جائے۔

اور یہ تو تم پر مخفی نہیں ہے کہ تشبیہ اس کے نزدیک خارج میں مفقود ہے اور خارج میں موجود یہی خالص تنزیہ ہے پس ان میں سے ایک دوسرے کے لئے محدد اور مقید نہ ہو گا جیسا کہ وجودِ خارجی اور عدمِ خارجی کہ نہ تو عدم وجود کا محدّد ہے اور نہ وجود عدم کا محدّد ہے۔ بلکہ وجود عدم سمیت اپنے اطلاق پر ہے اور عدم وجود سمیت بھی اپنے اطلاق پر ہے اور ان میں سے ایک دوسرے سے مقیدّ نہیں ہے اور اگر عدم وجود کا محدّد ہوتا تو اس لائق ہوتا کہ حکم کیا جاتا کہ وجود اور عدم کے جمع کرنے میں کمال ہے اور ان میں سے ایک دوسرے کا عین ہوتا اور اس کا بطلان ظاہر ہے

پس خالص تنزیہ کا قول اللہ تعالیٰ کے لئے تحدید نہ ہو گا اور تنزیہ ، و تشبیہہ کو جمع کرنا کمال ہو گا بلکہ نقص ہو گا اور ناقص کا کامل سے الحاق ہو گا اور یہ تو معلوم ہو گا کہ ناقص اور کامل سے مرکب ناقص ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ صُور علمیہ جن کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں شیخ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہیں اور وہ بھی موجود خارجی کی تحدید کو لازم نہیں کرتے تاکہ اللہ تعالےٰ اور ان چیزوں کے درمیان اتحاد اور عینیت کا حکم لگایا جائے اور یہ بات تو کھلی ہوئی ہے کہ موجود خارجی کی تحدید اسی طرح کا موجود خارجی ہی کر سکتا ہے۔ باقی رہا موجود علمی پس نہ تو وہ موجود خارجی کی تحدید کرتا ہے اور نہ اس کے مزاحم ہوتا ہے اس لئے کہ ان دونوں مراتب میں تباین ہے۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالےٰ کے شریک کا تصور اور علم میں اس کا ثبوت کہ اس پر استحالہ کا حکم لگایا جائے گا ہرگز اللہ تعالیٰ کے مزاحم نہ ہو گا جو کہ موجود فی الخارج ہے اور نہ اس کی تحدید کرتا ہے اور نہ اس کی تقیید کرتا ہے تاکہ اس کے دفعیہ میں غیر واقع (جھوٹا) حیلہ کیا جائے کہ ایک ان میں سے دوسرے کا عین ہے اس کو یاد رکھ۔

اب چاہیئے کہ ہم کلام شیخ کی طرف رجوع کریں جو کہ تجلی ذات اور اس کے مناسبات کے متعلق ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ شیخ نے اس تجلی کے بعد ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے

کہ یقیناً تجلیات میں سے یہ آخری تجلی ہے اور انتہائی عروج ہے اور اس کے بعد صرف عدم محض ہے پس تو طمع نہ کر اور اپنے آپ کو محنت میں نہ ڈال کہ اس سے بلند عروج حاصل ہو اور اس سے اوپر وصول نصیب ہو اس لئے کہ تجلی ذاتی کے درجہ سے بلند تر کوئی مقام نہیں ہے۔

مکتوب نمبر ۷۵

اس حقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات وافعال کی تجلی کے بیان میں)

میرے بھائی خواجہ محمد ہاشم جان لیں کہ تجلی افعال سالک پر حق تعالےٰ کے ظہور سے عبارت ہے ایسے طریقہ پر کہ بندوں کے افعال اس فعل کے ظلال نظر آئیں۔ اور اس فعل کو ان افعال کا اصل پائے اور ان افعال کے قیام کو اس فعل واحد سے سمجھتے ہیں اور اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال اس کی نظر سے پوری طرح پوشیدہ ہو جائیں اور اپنے اصل سے ملحق ہو جائیں اور ان افعال کے فاعل کو جمادات کی طرح بے حس وحرکت پائے۔ اور وہ جو ارباب توحید وجود نے جو عینیّت اشیاء کے قائل ہیں اور ہمہ اوست (سب وہی ہے) کہتے ہیں اسس مقام پر کہا ہے اور بندوں کے ان بہت سے افعال کو ایک فاعل جلّ شانہ، کا فعل جانے۔ اس جگہ نسبت افعال کا اختفاء ہے جو اپنے فعل سے سمجھتے تھے۔ اور نسبت کا حدوث ان افعال کے لئے فاعل واحد سے ثابت کرتے ہیں نہ کہ نفس افعال کا اختفاء ہے اور ان کا اصل سے الحاق ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور قریب ہیں کہ یہ بعض پر مخفی رہیں۔

تجلی صفات سالک پر اللہ تعالےٰ کی صفات کے ظہور سے عبارت ہے۔ ایسے طریقہ پر کہ بندوں کی صفات کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظلال سمجھے اور ان کے قیام کو ان کے اصول سے سمجھے۔ مثلاً ممکن کے علم کو خدا تعالےٰ کے علم کا ظل پائے اور اس کے ساتھ قائم سمجھے اور اسی طرح ممکن کی قدرت کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظل سمجھے اور اس کا قیام اس کے ساتھ تصور کرے اور اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ صفات ظلال پوری طرح سالک کی نگاہ

سے پوشیدہ ہو جائیں اور اپنے اصول سے ملحق ہو جائیں اور اپنے آپ کو جوان صفات کا موصوف ہے۔جمادات کی طرح میّت بے حیات اور بے علم پائے اور وجود اور کمالات و توابع وجود کا کوئی اثر اپنے اندر نہ پائے۔نہ اس جگہ ذکر ہوتا ہے نہ توجہ اور نہ حضور ہوتا ہے نہ شہود۔اصل سے الحاق کے بعد اگر توجہ ہے تو خود بخود متوجہ ہے اور اگر حضور ہے تو خود بخود حاضر ہے۔اور اس مقام سے سالک کا حصہ حقیقت فنا و نیستی کا حصول اور کمالات کے انتساب کی نفی ہے جو بزعم خود ان کمالات کو اپنی طرف نسبت کرتا تھا اور امانت کو امانت والے کے سپرد کرنا ہے کہ جھوٹ اور تہمت سے اس امانت کو اپنی طرف سے سمجھتا تھا۔

اور پھر کلمۂ

اَنَا (میں)

کے مورد کا زوال بھی ہے۔اس حد تک کہ اگر اسے کو بقا باللہ سے مشرف کریں تو پھر بھی ہرگز اَنَا کا مورد نہ ہو اور اپنے آپ کو "میں" کے لفظ سے تعبیر نہ کر سکے۔اور اگرچہ اپنے آپ کو وہی اپنا اصل پائے تو اس پر بھی کلمۂ اَنَا کے اطلاق کی گنجائش نہ ہو اور اپنے آپ کو اپنے اصل کا عین نہیں کہہ سکے گا کہ خودی اس سے برطرف ہو چکی ہے اور انانیّت زائل ہو چکی ہے

اَنَا الحَقّ

کہنا اس نسبت کے عدم کے حصول کی وجہ سے ہے۔اور

سُبحَانِیُ

زبان پر لانا اس دولت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہے۔لیکن اکابر سے جو اس قسم کے الفاظ صادر ہوئے ہیں ان کو ان کے توسّطِ احوال پر محمول کرنا چاہیئے اور کمال شان کو اس گفتگو سے بالا اعتبار کرنا چاہیئے۔یہ فنا کی دولت جو نیستی کی حقیقت ہے اگرچہ تجلی صفات کی انتہا ہے۔لیکن اس کا حصول تجلی ذات کے پَرتو سے ہے اور جب تک ذات متجلّی نہیں ہوتی یہ فنا کی دولت میسر نہیں آتی۔بلکہ تجلی صفات بھی انجام تک نہیں پہنچتی "جبتک تو نہ پائے گا آزاد نہ ہو گا" تجلی ذات ہی کی وجہ سے ہے کہ عارف کا وہ بقیہ جو اس کی نظر میں جماد میّت کی طرح نظر آتا تھا وہ بھی زائل ہو جاتا ہے اور وہ عدم تھا جو کہ ہر ممکن کا اصل ہے جو کہ اللہ تعالےٰ کی صفات کاملہ کے انعکاس کے ذریعہ اس میں امتیاز اور تعین پیدا ہوا ہے اور اس آئینہ

داری سے دوسرے اعدام سے جدا ہوا ہے اور جب یہ منعکس ہونے والے ظلال اپنے اصول سے ملحق ہوئے توان اعدام میں کوئی امتیاز چیز نہ رہی اور یہ عدمِ خاص بھی عدم مطلق سے ملحق ہوا تو اس وقت عارف کا نہ کوئی نام رہتا ہے نہ نشان۔

لَا تُبۡقِیۡ وَلَا تَذَرُ۔ (نہ باقی رکھتی ہے اور نہ کچھ چھوڑتی ہے)

جس طرح وجود .... اس سے وداع ہو کر چلے گئے عدم بھی اس سے جدا ہوا اور اپنے اصل سے جا ملا۔

جاننا چاہیئے کہ دوسرے اعدام سے اس عدم کا امتیاز جو کہ اس میں صفات کے ظلال کے حصول کے ذریعہ حاصل ہوا تھا وہ باعتبار توہم ہے اور اصل میں کوئی ظل بھی اس میں ثابت نہیں ہے بلکہ بالکل دوسرے آئینوں کی طرح کہ ان میں صورتوں کا حصول باعتبار توہم ہے اور اجب اس میں حصول ظلال باعتبار توہم تھا اس کا امتیاز بھی وہمی ہوگا۔ پس جس طرح وجود ممکن وہمی ہے اس کا عدم بھی وہمی ہوگا۔ وہمی کے دائرہ کے باہر اس کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت وجود اپنے خالص اطلاق پر قائم ہے اور عدم اپنے خالص اطلاق پر نہ وجود میں تنزل آیا ہے اور نہ عدم کو ترقی حاصل ہوئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت ہے کہ مرتبۂ وہم میں وجود اور عدم سے جہان کو پیدا فرمایا ہے اور اسے پوری مضبوطی عطا کی ہے اور ابدی معاملہ اور عذاب و ثواب دائمی کو اس سے متعلق کیا ہے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔

اور وہ جو ہم نے اوپر کہا ہے کہ اس دولت فنا کا حصول تجلی ذات کے پرتَو سے ہے۔ یعنی نفس تجلی ذات کا حصول اس دولت فنا کے حصول کے بعد ہے جب تک تو آزاد نہ ہوگا نہ پائے گا۔

نفسِ تجلی اور پرتو تجلی میں وہ فرق ہے جو فرق طلوعِ آفتاب اور صبح کے روشن ہونے کا سا فرق سمجھ لینا چاہیئے۔ صبح کے روشن ہونے کے وقت تو آفتاب کی تجلی کا پرتَو ہے۔ اور طلوعِ آفتاب کے بعد نفس تجلی آفتاب ہے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تجلّی کا پرتَو ڈالنے کے بعد بعض کو نفس تجلی سے مشرف نہیں کرتے اور بعض عوارض کے پیش آجانے کی وجہ سے اِس اعلی دولت تک نہیں پہنچاتے۔ وہ اسفار (صبح کی روشنی) کو پاتے ہیں۔ اور کسی آسمانی یا زمینی علت کی وجہ سے طلوعِ آفتاب تک راہ نہیں پاتے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ شہود اسفار کے لئے قوت باصرہ (دیکھنے کی قوت) کا کمال درکار نہیں ہے۔ شہود آفتاب ہے جو کمال قوت باصرہ طلب کرتا ہے اور نظر کی تیزی چاہتا ہے مسکین چمگادڑ اسفار کے درک پر تو قادر ہے اور سورج دیکھنے میں عاجز ہے۔ وہ دوسری آنکھ چاہیئے کہ جس سے سورج دیکھا جا سکے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ تجلیؔ آفتاب کے پرتو کی استعداد تو ہوتی ہے لیکن نفس تجلی آفتاب کی استعداد نہیں ہوتی۔ چمگادڑ کو تجلی آفتاب کے پرتو کی استعداد تو ہے لیکن نفس تجلی آفتاب کی استعداد نہیں ہے میں سربستہ کہہ رہا ہوں شاید نفع دے۔

تجلی صفات کے ختم ہونے اور فنائے صفات و ذوات کے بعد عارف کو ایک تجلی نظر آتی ہے جو گویا کہ تجلی ذات کی دہلیز ہے اور گویا کہ وہ تجلی ذات و تجلی صفات کے درمیان برزخ ہے۔ جس صاحب دولت کو اس تجلی سے گزار کر لے جاتے ہیں تو اسے تجلی ذات سے اس کی استعداد کے مطابق حصہ ملتا ہے۔ اور یہ برزخی تجلی اس فقیر کے خیال میں اس تجلی ذاتی کا اصل ہے کہ جس کے متعلق شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ نے اس عبارت سے اس تجلی کو تعبیر فرمائی ہے "تجلی ذاتی شخص متجلیؔ لہٗ کی صورت میں ہوتی ہے پس متجلی لہ اللہ تعالےٰ کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور اس نے حق تعالےٰ کو نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی ممکن ہے کہ اس کو دیکھ سکے"۔

اور شیخ نے اس تجلی کو منتہائے تجلیات کہا ہے اور اس سے اوپر کوئی مقام نہیں جانا اور کہا ہے "اور اس تجلی کے بعد جو کچھ ہے وہ عدم محض ہے سو نہ تو اس کا طمع کر اور نہ اس لئے محنت کر کہ اس تجلی ذاتی سے اوپر تو ترقی نہ کر سکے گا"۔

یہ عجیب معاملہ ہے مطلوب حقیقی کا وصول تو اس تجلیؔ کے بعد ہے اور شیخ اس جگہ سے ڈراتا ہے اور اس آیت سے

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (اور اللہ تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے)

تحذیر و تحدید کرتا ہے۔ ہم آوارہ لوگ اگر اس کا طمع نہ کریں اور اس کے حصول میں مشقت نہ کریں تو ہم نے کیا کام کیا اور جوہر نفیس چھوڑ کر کوڑیوں سے مطمئن ہو گئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہر مرتبہ سے حصہ اسی مرتبہ کے مناسب ہوتا ہے وہ حصہ جو

بیچون سے میسر ہوتا ہے وہ بھی بیچون ہوگا کیونکہ چون کو بیچون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس وہ معرفت جو اس مرتبہ سے تعلق پیدا کرتی ہے وہ اس معرفت کی طرح نہیں ہے۔ جو چون سے متعلق ہوتی ہے کہ اس معرفت کے لئے اس جگہ کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق علم جہل ہے یعنی یہ وہ علم نہیں ہے جو اس علم کی جنس سے ہو جو کہ ممکن کے علم سے متعلق ہے۔ کیونکہ وہ تو کیف کے مقولہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیف نہیں ہے۔"

اور تفکر جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق منع کیا ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ تفکر و تخیل سے ماوراء ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ ہی سے پایا جا سکتا ہے۔ نہ کہ فکر اور خیال سے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

اور شیخ قدس سرہ کو چاہیئے تھا کہ اس طرح کہتا کہ "اس تجلی کے بعد خالص وجود اور نور محض ہے"۔ ظاہراً جو اس نے اس تجلی کے بعد عدم کہا ہے وہ اس اعتبار سے کہا ہے کہ عالم صفات کا ظل ہے اور صفات سے اوپر گزرنا اپنے عدم ہونے کی کوشش کرنا ہے۔ لیکن یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ عارف جو صفات سے جو کہ اس کا اصل ہے اوپر نہیں جاتا اور شیون و اعتبارات ذاتیہ سے اوپر نہیں گزرتا تو اس نے کیا کام کیا اور کس لئے آیا اور وہ فنا و بقا جو اس کو ہر مرتبہ میں میسر ہوئی ہے اس نے اس کو اپنے اصل سے اوپر جانے پر دلیر بنا دیا ہے اور بقائے اصل کے ساتھ اصل سے گذرا ہے اور اصل الاصل تک پہنچا ہے۔

یُحْرَقُ بِالنَّارِ مَنْ یَّمَسُّ بِهَا
وَمَنْ هُوَ النَّارُ کَیْفَ یَحْتَرِقُ[1]

اور شیخ قدس سرہٗ اگر اس ظل کے اصل تک پہنچتے تو اس سے اوپر ترقی کرنے سے نہ ڈرتے اور نہ ڈراتے۔ لیکن حسن ظن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ بزرگوار اس مقام سے ترقی فرما چکے ہوں گے اور معاملہ کی حقیقت کو پا لیا ہو گا۔ بزرگ کے حال کو اس کے قال کے ترازو سے نہ تولنا چاہیئے شاید وہ بات اس

[1] آگ سے تو وہی جلایا جائے گا جو اس کو چھوئے گا اور اس سے الگ ہوگا اور جو خود آگ ہو چکا ہو وہ کس طرح جلے گا۔

نے ابتداء یا وسط میں کہی ہو اور اس کے بعد کئی مرحلے اس سے آگے نکل گیا ہو" جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے"۔ اور اللہ سبحانہ، وتعالےٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

اور تجلی ذات کے متعلق کیا لکھوں اور کیا لکھا جا سکتا ہے کہ وہ ایک وجدانی چیز ہے جس نے پایا اس نے معلوم کیا اور جس نے نہ چکھا نہ جانا۔

قلم اینجا رسید سر بشکست [1]

صرف اس قدر ظاہر کرتا ہوں کہ تجلی ذات اس عارف کے حق میں جس کی فنا اوپر ذکر ہوئی ہے دائمی ہے اور وہ جو دوسروں کے لئے بجلی کی طرح ہے وہ اس کے لئے ہمیشہ ہے۔ بلکہ تجلی برقی اصل میں تجلی ذات نہیں ہے۔ اگرچہ بعض نے اس کو تجلی ذات کہا ہے لیکن وہ شیون ذات میں سے کسی شان کی تجلی ہے جو بڑی تیزی سے چھپ جاتی ہے جس جگہ بھی تجلی ذات ہے اور اعتبارات و شیون کے ملاحظہ کے بغیر ہے تو اس کو دوام لازم ہے اور پوشیدہ ہونا اس جگہ متصور نہیں ہے۔ تجلیات میں رنگا رنگی صفات اور شیون کا پتہ دیتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک وہ ہے جو تمام تلوینات سے منزہ و مبّرا ہے اور پوشیدہ ہونے کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے۔ والسّلام

دفتر سوم کا حصہ ہشتم اللہ تعالےٰ کی توفیق سے پورا ہوا اب آگے حصہ نہم ہے۔

[1] قلم اس جگہ پہنچا تو اس کا سر ٹوٹ گیا۔

مکتوباتِ امامِ ربانی

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

اردو ترجمہ

دفتر سوئم —— حصہ دوم

تصحیح وحواشی وترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

خطیب وامام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

الحمد للہ ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اُردو ترجمہ

مکتُوباتِ امامِ ربّانی

حضرت مجدّد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ

دفتر سوم — حصّہ دوم

تصحیح و حواشی و ترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی
خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

طبع اوّل ——— آفسٹ ایڈیشن ——— ۱۹۷۲ء

طابع و ناشر ——— مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

مطبع ——— مشہور آفسٹ پریس کراچی

تعداد ——— دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت ——— {حصہ ہفتم، ہشتم، نہم مجلد معہ پلاسٹک کور}

ملنے کا پتہ:-

مدینہ پبلشنگ کمپنی ═══ بندر روڈ۔ کراچی

فہرست مکتوبات مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حصّہ نہم۔ جلد سوم

تمت بالخیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اُردو ترجمہ مکتوبات دفتر سوم حصّہ دوم

مکتوب نمبر ۷۶

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

(شان العلم کی بلندی اور اس مرتبہ مُقدّسہ کا بیان جو اس سے اُوپر ہے۔ جیسے خالص نُور کہا جاتا ہے)

شان العلم اگرچہ شان الحیٰوۃ کے تابع ہے لیکن علم کو اللہ تعالیٰ کے مرتبہ ذات میں صفات وشیون کے اعتبار کے سقوط کے بعد ایک ایسی شان اور گنجائش ہے کہ وہ حیٰوۃ کو بھی نہیں ہے پھر دُوسری صفات اور شیون کا کیا حال ہے۔ وہ ایک مرتبہ ہے جو تمام نسبتوں سے تجرد کا مقام ہے کہ اطلاق نور کے علاوہ اپنے لئے کچھ اور تجویز نہیں کرتے۔ مَیں جانتا ہُوں کہ علم کو بھی اس جگہ گنجائش ہے لیکن وہ علم نہیں جس کو حصولی یا حضوری کہتے ہیں کہ وہ اپنی دونوں قسموں کے ساتھ حیٰوۃ کا تابع ہے بلکہ وہ علم اللہ تعالیٰ کی طرح بے چون و بے چگون ہے اور وہ سب بے چون شعور ہی شعور ہے اس میں عالم ومعلوم کا اعتبار نہیں ہے۔

اور اس مرتبہ کے اُوپر ایک مرتبہ ہے کہ علم کو بھی دُوسرے شیون کی طرح اس مقام میں گنجائش نہیں ہے اس جگہ سب نُور ہے کہ اس کا اصل بے چون وبے چگون شعُور ہے اور جب حضرت نُور کا ظلّ بھی بے چون وبے چگون ہے تو اصل جو کہ عین نُور ہے کی بے چونی وبے چگونی کے متعلق کیا کہوں، اور کیا کہا جا سکتا ہے اور تمام کمالات خواہ وُہ وجوبی ہوں یا امکانی نور کے ظلال ہیں اور نُور کے ساتھ قائم ہیں وجود بھی نورِ وجود سے ظاہر ہُوا ہے اور مبدأ آثار ہُوا ہے پہلا جو کہ حضرت نور کے مرتبہ سے صرف انحطاط کی بو رکھتا ہے اور شعور ونور کا جامع ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس کو مخلوق کہا ہے اور کبھی اُسے عقل سے تعبیر فرمایا ہے اس جگہ آپ نے فرمایا:-

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ — سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وُہ عقل ہے۔

اور کبھی اس کو نُور سے یاد فرمایا اور کہا:-

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ — سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔

اور یہ دونوں ایک ہیں یہی نور ہے اور یہی عقل و شعور، اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ کی اپنی طرف نسبت کی ہے "میرا نور" فرمایا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ حقیقتِ محمدی کا مرتبہ تھا اور یہ تعینِ اوّل ہوگا نہ وہ حقیقت و تعینِ اوّل جو کہ متعارف ہو چکی ہے کیونکہ وہ تعین اگر اس تعین کا ظلّ ہو تو بھی غنیمت ہے کیونکہ اس عقل سے مراد وہ عقل نہیں ہے کہ فلاسفہ نے اس کو اللہ تعالیٰ سے بطریقِ اضطرار صادرِ اوّل کہا ہے اور اس کو صدورِ کثرت کا مصدر بنایا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جس جگہ بھی تعیّن ہے اس میں امکان کی بُو ہے اور عدم کی آمیزش اس کے ہمراہ ہے جو تعیّن و تمیّزِ وجود کا باعث ہوا ہے۔ وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ (چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں) اللہ تعالیٰ کی صفات جنہوں نے تعیّن و تمیّز پیدا کیا ہے وہ باوجود قدیمی ہونے کے واجب لذاتہا نہیں ہیں، بلکہ واجب لذات الواجب ہیں کہ اس کا حاصل وجوب بالغیر ہے جو کہ امکان کے اقسام میں سے ہے۔ اگرچہ صفات قدیمہ میں امکان کے لفظ سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے حدوث کا وہم ہوتا ہے اور اس جگہ مناسب وجوب کا اطلاق ہے جو کہ ذات واجب سے آیا ہے لیکن حقیقت میں اس جگہ امکان کی گنجائش ہے کیونکہ ان کا وجوب ذاتی نہیں ہے اور غیر کی طرف سے آیا ہے اگرچہ اس کو غیر یہ کہیں گے اور اصطلاحی غیر کہیں گے لیکن دو (اثنینیّت) غیریت کا تقاضا کرتی ہے "دو آپس میں متغایر ہوتے ہیں" یہ اربابِ معقول کا مسلّمہ قاعدہ ہے۔

عجیب معاملہ یہ ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے دو تعیّن کو وجوبی کہا ہے اور تین تعیّن کو امکانی لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ تمام تعینات ظلیّت کا داغ اور امکان کی بُو رکھتے ہیں اگرچہ ممکن سے ممکن تک بڑا فرق ہے ایک قدیم ہوتا ہے اور دوسرا حادث لیکن یہ سب امکان کے دائرہ سے خارج نہیں ہیں اور عدم کی بُو رکھتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ جو خالص نور ہے اور لاتعیّن سے متعیّن ہے اس کو بھی دوسروں کی طرح ذات محض اور احدیّت مجردہ خیال نہ کریں کہ وہ بھی نورانیّت خالص کے حجابوں میں سے ایک حجاب ہے کہ اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّظُلْمَةٍ (اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمت سے ستر ہزار پردے ہیں)۔ اگرچہ تعیّن نہیں ہے لیکن مطلوبِ حقیقی کا حجاب ہے اگرچہ یہ آخری حجاب ہے اور اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ یہ نور چونکہ تعیّن کے دائرہ میں داخل نہیں ہے لہٰذا عدم کی ظلمت سے منزّہ و مبرّا ہے، وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ تعالیٰ ہی کی صفت بلند ہے)

اس کی مثال نورِ آفتاب کی شعاعوں کی سی ہے جو کہ سورج کی ٹکیا کا حاجب ہیں اور قرص (ٹکیا)،

آفتاب کے عین سے منتشر ہو کر اس کا حجاب ہو گئی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے حِجَابُہُ النُّوْرُ (اس کا حجاب نُور ہے) اور یہ بلند مرتبہ تجلیاتِ ذاتیہ سے اُوپر ہے پھر تجلیات فعل و صفت کے متعلق کیا کہوں کیونکہ تجلی تعیّن کی آمیزش کے بغیر متصور نہیں ہے اور یہ مقام تمام تعینات سے اوپر ہے لیکن ان تجلیاتِ ذاتیہ کا منشا وہی خالص نُور ہے اور تجلی اُس کے واسطہ کے بغیر متصور نہیں ہو سکتی اگر وہ نہ ہو تو تجلّی حاصل نہیں ہوتی

اور کعبۂ ربّانی کی حقیقت میں سمجھتا ہوں کہ یہی نُور ہے جو کہ سب کا مسجود ہے اور تمام تعیّنات کا اصل ہوا ہے۔ اگرچہ تجلیاتِ ذاتیہ کا ملجا و ماوی یہی نور تھا تو دوسروں کی مسجودیت سے اسکی کیا تعریف کروں اور جب اللہ تعالیٰ کا کمال فضل و کرم ہزاروں میں سے کسی عارف کو اس دولت کے وصول سے مشرف کرتا ہے اور فنا و بقا سے اس مقام میں سرفراز فرماتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ بقا اسی نور سے حاصل ہو اور فوق الفوق سے وافر حصہ پائے اور نور کے ساتھ نور سے گذر کر اصل نور تک پہنچ جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہ علوم جس طرح نظر و فکر سے بالا ہیں اسی طرح کشف و شہود سے بھی بالا ہیں اور یہ بھی ہے کہ ارباب کشف و شہود اس معلوم کے سمجھنے میں اہلِ علم و عقل کی طرح ہیں نبوت کی فراست کا نور چاہیئے جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت سے ان حقائق کو پا لینے کی ہدایت فرمائے اور ان علوم و معارف کو پا لینے کی دلالت کرے۔

جاننا چاہیئے کہ یہ نور دوسرے انوار کی طرح ہرگز نہیں ہے جو کہ امکان کا شائبہ رکھ کر ممکن ہو، یا جوہر و عرض کی جنس سے ہو وہ ایک ایسا مرتبہ ہے کہ نور کے علاوہ اس پر کسی چیز کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اگرچہ وجوب وجود ہی کیوں نہ ہو کہ وجوب اس سے نیچے ہے۔

تنبیہ :۔ اس بیان سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمام حجابات کا دور ہو جانا اس عارف کے حق میں متحقق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تمام حجابات میں سے آخری حجاب اسی نور کو کہا ہے اور اس کا زوال ممتنع ہے اس حدیث کی رُو سے جسے نقل کیا ہے۔

اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ الف حجاب من نور و ظلمۃ لو کشفت لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ

اللہ تعالیٰ کے نور و ظلمت میں ستر ہزار پردے ہیں۔ اگر وہ دُور ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے انوار ہر اس مخلوق کو جلا کر رکھ دیں جہاں تک اس کی نظر جائے۔

کیونکہ اس جگہ تحقق و بقا حجابات سے ہے جو کہ ایک دوسرے کے لئے اسباب ہیں نہ کہ حجابات کا دُور ہونا اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اے ہمارے ربّ ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے

معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۷۷

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا

(کعبۂ ربّانی کی حقیقت کے اسرار اور عجز و معرفت کے حقائق اور نماز اور کلمہ طیّبہ نفی و اثبات کی حقیقت کے بیان میں)

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پاسکتے ہمارے ربّ کے رسُول حق لے کر آئے۔

بلند مقام نور خالص کے بعد کہ جس کو اس فقیر نے کعبہ ربّانی کی حقیقت پایا ہے اور لکھا ہے کہ وُہ مرتبہ ہے بہت بلند جو کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن مجید کی حقیقت ہے۔ کعبۂ معظمہ قرآن مجید کے حکم کے مُطابق آفاق کا قبلہ ہُوا ہے اور سب کی مسجودیت کی دولت سے مشرف ہُوا ہے امام قرآن ہے اور مقتدی پیش قدم کعبہ معظّمہ اور یہ مرتبۂ مُقدّسہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون کی وسعت کا مبداء ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے چونی و بے چگونگی کے امتیاز کا مبدأ بھی ہے وُہ ایک ایسا بُلند درجہ ہے اس درجۂ مقدّسہ میں وُسعت درازی طول و فراخی عرض کی وجہ سے نہیں ہے کہ وہ نقص و امکان کی علامات ہیں وہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جب تک اس سے متحقق نہ ہوں معلوم نہیں ہوسکتا۔ اور اسی طرح امتیاز بھی اس مرتبہ مقدّسہ میں مباینت اور مزایلت سے نہیں ہے کہ وہ تبعّض اور تجزّی کو مستلزم ہے جو کہ جسم و جسمانی کے لوازمات سے ہے اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے۔

اس مقام میں فرض شئے غیر شئے متصوّر نہیں ہے کہ غیریت مغایرت اور دوئی کی خبر دیتی ہے بلکہ وُہاں فرض کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ وُہ فرض محال کے قبیل سے ہے "جس نے نہ چکھا نہ جانا"۔ ؎

(۱) چہ گویم با تو از مُرغے نشانہ   کہ با عنقاء بود ہم آشیانہ

(۲) ز عنقا ہست نامے پیش مردم   ز مرغے من بود آں نام ہم گم

اس مقام میں جو شئے بھی فرض کی جائے اگرچہ فرض محال ہی کیوں نہ ہو اور اس شئے میں جتنا بھی دُور دُور پہنچا جائے اگرچہ کچھ بھی نہیں جایا جاسکتا اس جگہ ہرگز کوئی امر پیدا نہیں ہوتا کہ اس شئے سے اختصاص رکھا جائے۔ اور کسی دُوسری شئے میں وہ مفروض پایا نہ جائے۔ اور اس کے باوجود ان دو چیزوں میں امتیاز مفروض

ؔ (۱) میں اس پرندے کا نشان تجھے کیا بتاؤں جو عنقا کے ساتھ آشیانہ رکھتا ہے (۲) عنقا کا نام تو کم از کم لوگ جانتے ہیں اور میرے پرندے کا تو نام بھی نہیں ہے ۱۲

ثابت اور بائن ہے اور ایک کے احکام دُوسرے سے متمیز ہوتے ہیں۔ سو پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنی طرف خلقت کے لئے سوائے اس کی معرفت کے عجز کے اور کوئی راستہ نہیں بنایا۔

اور معرفت سے عجز اکابر اولیا کا حصہ ہے عدم معرفت اور چیز ہے اور معرفت سے عاجز آنا اور چیز ہے۔ مثلاً اس مقام مقدس میں عدم امتیاز کا حکم لگانا اور ہر ذاتی کمال کو دُوسرے کا عین پانا جیسا کہ صوفیاً نے کہا ہے۔ علم عین قدرت ہے اور قدرت عین ارادت ہے۔ اس جگہ اس مقام کے امتیاز کی عدم معرفت ہے اور اس مقام کے امتیاز کا حکم لگانا اور اس امتیاز کی حقیقت کی عدم دریافت کا اقرار کرنا اس مقام کے امتیاز کی معرفت سے عجز ہے۔ عدم معرفت جہالت ہے اور معرفت سے عجز علم ہے۔ بلکہ عجز دو علم کا متضمن ہے ایک شے کا علم اور ایک اس کی حقیقت کی دریافت کا عدم علم اس شے کی کبریائی اور کمال عظمت کی وجہ سے اگر تیسرے علم کو بھی ہم درج کریں تو اس کی بھی گنجائش ہے اور وہ اپنے عجز و قصور کا علم ہے جو کہ اپنی عبودیت و عبدیت کے مقام کا مؤید ہے۔

اور عدم معرفت میں جو کہ جہل ہے بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وُہ جہل مرکب ہوتا ہے اور اپنے جہل کو جہل نہیں سمجھتا بلکہ اس کو علم جانتا ہے اور عجز معرفت میں اس مرض سے پُوری نجات ہے بلکہ یہ مرض اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا کہ اپنے عجز کا خود اعتراف کرتا ہے۔ اگر عدم معرفت اور معرفت سے عجز ایک ہوتے تو تمام نادان عارف ہوتے اور ان کا جہل ان کے کمال کا ذریعہ ہوتا بلکہ اس جگہ جو زیادہ جاہل ہوتا وُہ زیادہ عارف ہوتا کہ اس جگہ معرفت عدم دریافت معروف کا نام ہے اور معرفت سے عجز میں یہ مقدمہ صادق ہے جو معرفت سے زیادہ عاجز ہو وہ معارف کا زیادہ عارف ہوتا ہے معرفت سے عجز ایک مدح ہے جو ذم سے مشابہت رکھتی ہے اور عدم معرفت ایک ایسی ذم ہے جو مدح کی بُو بھی نہیں رکھتی۔ اے اللہ تو پاک ہے مجھے اپنی معرفت کے کمال عجز سے علم زیادہ عطا فرما۔

شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ اگر اس فرق کو ملاحظہ کر لیتے جس کی اس فقیر کو راہنمائی ہوئی ہے تو ہرگز معرفت سے عجز کو جہل سے تعبیر نہ کرتے اور اُسے عدم علم نہ سمجھتے۔ جیسا کہ اُنہوں نے کہا ہے "کچھ ہم میں سے وُہ ہیں جنہوں نے جانا اور کچھ وُہ ہیں جو جاہل ہیں اور پھر کہا ادراک کے درک سے عاجز آجانا بھی ادراک ہے" اور اس کے بعد شق اوّل کے علوم کو بیان کیا ہے اور اس پر فخر کیا ہے اور ان علوم کو اپنے سے مخصوص سمجھا ہے اور کہا ہے کہ خاتم الانبیاء بھی ان علوم کو خاتم الاولیاء سے حاصل کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ولایت محمدیہ کا خاتم کہا ہے اور اس وجہ سے خلقت کے طعنوں کا مورد بنا ہے اور فصوص کے شارحین نے اس عبارت کی توجیہات میں اپنی ہمتیں صرف کی ہیں اور اس فقیر کے نزدیک بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ حقیقت میں یہ علوم جو شیخ نے

بیان کئے ہیں کئی درجے عجز سے نیچے ہیں بلکہ اس عجز سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے کیونکہ وہ علوم ظلال سے وابستہ ہیں اور عجز اس مقام میں اصل ہے۔

سُبحان اللہ اس قول کے قائل حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں جیساکہ راویوں نے کہا ہے اور اس عجز کے ظہور کا مصدر بھی وہی ہیں جو عارفوں کے سردار اور صدیقوں کے رئیس ہیں علم کی کیا حقیقت ہے کہ اس عجز سے سبقت کرے اور وہ کونسا قادر ہے جو اس عاجز سے آگے قدم رکھ سکے۔ ہاں جب وہ شیخ حضرت صدیق کے سردار صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق اس طرح کہہ سکتا ہے تو اگر صدیق کے متعلق ایسا کہہ دے تو اس کا کیا کیا جا سکتا ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ شیخ اس طرح کی گفتگو اور اس شطح کے باوجود جو کہ ناجائز ہے مقبولین سے نظر آتا ہے اور اولیاء کے شمار میں مشاہدہ ہوتا ہے ؎

باکریماں کارہا دشوار نیست[1]

ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دعا سے ناراض ہوتے ہیں اور کبھی گالی سے ہنستے ہیں۔ شیخ کو رد کرنے والا خطرے میں ہے اور اس کو ایسی باتوں سمیت قبول کرنے والا بھی خطرے میں ہے۔ شیخ کو قبول کرنا چاہیئے اور اس کی اختلافی باتوں کو قبول نہ کرنا چاہیئے، یہ ہے شیخ کو قبول کرنے اور نہ کرنے کے متعلق متوسط راہ جو اس فقیر کی پسندیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت کو بہتر جانے۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ مقدسہ کہ جس کو ہم نے قرآن مجید کی حقیقت کہا ہے اس مرتبہ میں نور کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے اور دوسرے کمالات ذاتیہ کی طرح نور بھی راہ میں رہ جاتا ہے اس جگہ بے چون وسعت اور بے چگون امتیاز کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے اور اس آیت کریمہ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا) میں اگر نور سے مراد قرآن ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ باعتبار انزال وتنزل ہو جیساکہ کلمہ قَدْ جَآءَكُمْ اس طرف اشارہ کرتا ہے۔

اور اس مرتبۂ مقدسہ کے اوپر ایک اور نہایت بلند مرتبہ ہے جو کہ نماز کی حقیقت ہے کہ عالم شہادت میں اس کی صورت نمازیان ارباب نہایت سے قائم ہے ہو سکتا ہے کہ اسی نماز کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہو وہ جو قصۂ معراج میں آیا ہے کہ قِفْ يَا مُحَمَّدُ فَإِنَّ اللّٰهَ يُصَلِّيْ (اے محمد ٹھہر جا کہ اللہ تعالےٰ نماز پڑھتا ہے) ہاں وہ عبادت جو تجرد و تنزہ کے مرتبہ کے لائق ہے وہ مراتب وجود سے صادر ہوتی ہے اور قدم کے طریقوں سے ظاہر ہوتی ہے" پس وہ عبادت جو اللہ تعالےٰ کی جانب کے لائق ہے وہ مراتب وجوب سے صادر ہوتی ہے نہ کسی اور سے تو وہی عابد ہوتا ہے وہی معبود۔"

---

[1] کسی کام کریم لوگوں پر دشوار نہیں ہوتے ۱۲

اور اس مرتبۂ مقدسہ میں کمال وسعت اور بے چون امتیاز ہے کہ اگر حقیقت کعبہ ہے تو اس کا جزو ہے، اور اگر حقیقت قرآن ہے تو بھی اس کا بعض ہے اس لئے نماز عبادات کے مراتب کے تمام کمالات کی جامع ہے اور درک بہ نسبت اصل الاصل کے ثابت ہے کیونکہ محض معبودیت اسی کے لئے ثابت ہے اور نماز کی حقیقت جو کہ تمام عبادات کی جامع ہے اس مرتبہ میں وہ اپنے سے اوپر کے مرتبہ مقدسہ کے لئے عبادت ہے، کہ معبودیت کا استحقاق صرف اسی اوپر کے مرتبہ کے لئے ثابت ہے جو کہ کُل کا اصل اور تمام کی جائے پناہ ہے اس مقام میں وسعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ وہ بے چون و بے چگون ہوتا ہے۔ کامل انبیاء اور اکابر اولیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے اقدام کی انتہا حقیقت نماز کے مقام کی نہایت تک ہے جو عابدوں کی عبادت کا آخری مرتبہ ہے اور اس سے اوپر خالص معبودیت کا مقام ہے کہ اس دولت میں کسی کو بھی کسی طرح سے شرکت نہیں ہے تاکہ وُہ اس سے بلند تر قدم رکھے کیونکہ ہر وہ مقام جہاں عبادت اور عابدیت کی آمیزش ہے وہاں تک نظر کی طرح قدم کو گنجائش ہے اور جب معاملہ خالص معبودیت تک پہنچا تو قدم کوتاہی کرتا ہے اور سَیر انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

لیکن اللہ سبحانہٗ کی تعریف ہے کہ نظر کو اس جگہ سے منع نہیں فرمایا ہے اور اس کو استعداد کے مطابق گنجائش دی ہے ؎

بلا بُودے اگر ایں ہم نہ بودے[1]

ہو سکتا ہے کہ اُمرقِفْ یا مُحَمَّدْ (اے محمدؐ ٹھہر جا) میں اسی کوتاہی قدم کی طرف اشارہ ہو یعنی ٹھہر جا اے محمدؐ اور قدم آگے نہ رکھ کہ نماز کے مرتبہ سے اوپر جو کہ مرتبۂ وجوب سے صادر ہے اللہ تعالیٰ کا مرتبہ تجرّد و تنزّہ ہے اس جگہ قدم کی جولانگاہ نہیں ہے اور نہ گنجائش ہے اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت اس مقام میں متحقق ہوتی ہے اور غیر مستحق الٰہ کی عبادت کی نفی اس جگہ صورت باندھتی ہے اور معبودِ حقیقی کا اثبات کہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اس مقام میں حاصل ہوتا ہے اور عابدیّت اور معبودیّت میں کمال درجہ کا امتیاز اس جگہ ظاہر ہوتا ہے اور عابد معبود سے کماحقہٗ جُدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کا معنی منتہی کے حال کی نسبت سے لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) جیسا کہ شرع میں اس کا معنی مقرر ہو چکا ہے اور لَا مَوْجُوْدَ وَلَا وُجُوْدَ وَلَا مَقْصُوْدَ (کوئی موجود نہیں، کسی کا وجود نہیں، کوئی مقصود نہیں) کہنا ابتدا اور وسط کی نسبت سے ہے اور لَا مَقْصُوْدَ کا مرتبہ لَا مَوْجُوْدَ اور لَا وُجُوْدَ کے مرتبہ سے بلند ہے کیونکہ وہ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کا دریچہ ہے۔

---

[1] اگر یہ بھی نہ ہوتا تو مصیبت ہوتی ۱۲

جاننا چاہیئے کہ اس مقام میں نظر میں ترقی اور بصارت میں تیزی نماز کی عبادت سے وابستہ ہے وہ نماز ہی ہے جو منتہی لوگوں کا کام ہے دُوسری عبادتیں شائد نماز کی تکمیل میں مدد دیتی ہیں اور شائد اس کے نقصان کی تلافی کریں۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کو ایمان کی طرح حسن لذاتہٖ کہتے ہیں اور دُوسری عبادتیں بذاتِ خود حسن نہیں ہیں۔

مکتوب نمبر ۷۸

حضرت مخدوم زادگان عالی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

(ان کی ملاقات کے شوق اور ان پر شفقت اور لشکر گاہ کے نتائج کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ میرے گرامی قدر بیٹے جتنا ہماری صحبت کے خواہاں اور مشتاق ہیں ہم بھی اتنا ہی ان کی حاضری اور ملاقات کے آرزومند ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ تمام آرزوئیں پُوری نہیں ہوتیں ؎

تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَہِی السُّفُنُ

لشکر گاہ میں اس طرح بے اختیار اور بے رغبت ہونا غنیمت سمجھتا ہُوں اور اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے اچھا سمجھتا ہوں۔ اس جگہ دو چیزیں میسر ہیں جو دُوسری جگہوں میں معلوم نہیں کہ اس کی مثال میسّر ہو سکے۔ اس مقام کے علوم و معارف جُدا ہیں اور اس مجموعہ کے احوال و مقامات علیحدہ ہیں وہ پابندی جو بادشاہ کی طرف سے ہے اس کو اپنے مولا کی رضا مندی اور کمال مہربانی کا دریچہ سمجھتا ہوں اور اپنی خوش قسمتی مَیں اس قید میں دیکھتا ہوں خصُوصًا ان اختلافات کے دنوں میں عجیب کاروبار ہے اور اُن پُر تفرقہ اوقات میں عجیب و غریب ناز و ادا ہیں۔ لیکن ہر دولت تازہ و عجیب جوہر روز مسلسل پہنچتی رہتی ہے وہ دل میں فرزندوں کی کھٹک ہے اور ان کی دُوری اور عدم ملاقات سے جگر میں ایک بے چینی ہے۔ مَیں سمجھتا ہُوں کہ میرا شوق تمہارے شوق پر غالب ہے اور یہ مسلّم ہے کہ جتنا باپ اپنے بیٹے کو چاہتا ہے بیٹا اُتنا باپ کو نہیں چاہتا اگرچہ اصل اور فرع کا تقاضا اس معنی کے عکس کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ اصل کو محتاجی نہیں ہے اور فرع (شاخ) سراسر اصل کی محتاج ہے لیکن ابتداء ہی سے ایسا چلا آیا ہے کہ اصل کو زیادہ شوق ہوتا ہے ؎

درخانہ بکد خدائے ماند ہمہ چیز

؎ ہوائیں کشتیوں کے اُلٹ رُخ چلتی ہیں ۱۲

اگر دہلی ہے تو وہ آپ کے ہمسایہ میں ہے اور اگر آگرہ ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے قریب ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۹۰

مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

(عارف کو عنایت کی ہوئی ذات کی بے چونی کے اسرار اور تجلّی ذات و رویت اخروی کے بیان میں)

جب عارف کا معاملہ شیون وصفات سے اوپر چلا جاتا ہے اور ذات تعالےٰ کے اعتبارات اور وجوہ سے اوپر پہنچتا ہے اور اس مقام سے کہ جس کو ہم نے نماز کی حقیقت کہا ہے برتری پیدا کرتا ہے تو توجہ اور متوجّہ بھی متوجّہ الیہ (جس کی طرف توجہ کی جائے) کی طرح بے چون ہو جاتے ہیں کیونکہ چون کو بے چون سے کوئی راہ نہیں ہے اور وہ متوجّہ (توجہ کرنے والا) عارف کی ذات ہے جبکہ تمام وجُوہ و اعتبارات اس سے الگ ہو جائیں اور کُنہ و ذات اللہ تعالےٰ کی ذات مجرّدہ سے عبارت ہے جو کہ بذاتِ خود ہے نہ کہ وجہ و اعتبار کی رُو سے اور جو ذات اور کُنہ کی طرف توجہ کرنے والا ہے وُہ خود اپنا مطلوب و معروف ہے۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ کُنہ (حقیقت) ذات مجرّدہ سے عبارت ہے وہ اس لئے کہا ہے کہ کسی چیز کی کُنہ وہ ہے جو شے کے تمام وجوہ و اعتبارات سے ماوراء ہو اور کسی شے کی ذات وُہ ہے جو تمام وجوہ و اعتبارات شے سے الگ ہو۔ کیونکہ جو کچھ بھی وجُوہ و اعتبارات شے سے اعتبار کیا جائے گا تو ذات شے ان سب سے بلند ہوگی۔ مرتبۂ ذات میں کسی امر کا اثبات کوئی گنجائش نہیں رکھتا اور اس جگہ جو بھی اثبات کیا جائے گا وہ وجوہ و اعتبارات میں داخل ہوگا اور ذات اس سے دُور بہت دُور ہے۔ نفی اور سلب کے سوا اس مقام میں کوئی چیز متصوّر نہیں ہے اگر امتیازی کا علم ہے تو وُہ بھی سلب سے ہے اور اگر تعبیر و تفسیر ہے تو وہ بھی سلب سے ہے اور ہر وہ چیز کہ اثبات کو اس میں گنجائش نہ ہو اور بغیر سلب کے تعبیر میں نہ آسکے تو وہ مجہُول الکیفیّت ہے اور بے چونی سے حصّہ رکھتا ہے اور وُہ توجہ جو مرتبۂ ذات میں ثابت کی جاتی ہے وہ عین متوجّہ کی ذات ہوتی ہے نہ کہ ذات کی وجہ و اعتبار۔ کیونکہ تمام وجوہ و اعتبارات اس جگہ مسلوب (منفی) ہو چکے ہیں اور ایک ذات کے بغیر کچھ نہیں رہا تو لازماً وہ توجہ جو عین ذات ہے وہ بھی بے چونی سے حصّہ رکھتی ہے پس یہ بات سچ ثابت ہوئی کہ توجّہ اور متوجّہ بھی متوجہ الیہ کی طرح بے چون ہونگے اگرچہ بے چون سے بے چون تک بڑا فرق ہے مَا لِلتُّرَابِ وَ رَبِّ الْاَرْبَابِ (مٹی اور رب الارباب کی آپس میں کیا نسبت ؟)

یہی وجہ ہے کہ توجّہ اور متوجّہ میں بے چونی کا حصّہ ثابت کیا ہے کہ متوجَّہ الیہ بے چون حقیقی ہے اور بس، اور جبکہ ممکن کی کُنہ مجہوُل الکیفیّت اور بے چون ہوتی ہے اور کسی طرح اثبات میں نہیں آسکتی تو اللہ تعالیٰ کی ذات جو کمال لطافت و تقدّس و تنزہ میں ہے اس کا ادراک کس طرح ہو سکتا ہے اور کونسا حاصل اس سے ہاتھ آسکتا ہے ؎

آگہ[1] از خویشتن چوں نیست جنیں چہ خبر دارد از چناں و چنیں

ارحم الراحمین نے اپنی کمال مہربانی و شفقت سے ممکن کو جو کہ سراسر چون ہے بے چونی کا حِصّہ عطا فرمایا تاکہ بے چون حقیقی سے آگاہی پیدا کرے اور اس کے ساتھ گرفتاری حاصل کرے ؎

وَلِلْاَرْضِ[2] مِنْ کَاسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٌ

اور وہ جو کُنہ ذات کی معرفت کو محال کہا ہے وہ متعارف معرفت ہوگی جو کہ عالمِ کیف اور چون سے ہے اور اس کا بے چون سے تعلّق محال ہے لیکن وہ امر جو عالم بے چون سے ہو اور بے چون کا بے چون سے اتصال ہو اور اس دولت عظمیٰ سے حصّہ حاصل کرے تو وہ کیوں محال ہوگا " یہ ایک عجیب معرفت ہے اور نہایت دقیق اور غریب مسئلہ ہے اور وہ اہل کشف و عرفان سے آج تک بہت ہی کم ظاہر ہوُا ہے"۔

یہ ذات مجرّد جو بے چونی سے حصّہ رکھتی ہے اور جس کا بیان تفصیل سے ہو چکا ہے پُوری معرفت والے عارف سے خاص ہے جو کہ ذات مجرّدہ کی بارگاہ سے واصل ہو چکا ہے اور اس درجۂ بلند میں فنا و بقا حاصل کر چکا ہے اور یہ دولتِ اثر اس بقائے ذات سے ہے اور تمام ممکنات کو سوائے اس عارف کے جو بھی ہوں ذات سے حِصّہ نہیں ہے اور وہ ہرگز ایسی ذات نہیں رکھتے کہ ان کی صفات اس سے قائم ہوں ان کا تمام وجود اسماء و صفات کے ظلال ہیں اور شیوُن و اعتبارات کے عکوس کہ وہ اپنے اصل کے ساتھ قیام رکھتے ہیں جو کہ اسماء و صفات ہیں نہ کہ ایسا امر کہ ذات سے اس کی تعبیر کریں۔

انسان کے سات لطائف جو کہ جامع ترین ممکنات ہے اگرچہ خفی ہے تو بھی صفات کا اثر ہے اور اس کے جسمانی اور روحانی لطائف اللہ تعالیٰ کی ذات کے اعتبارات و اسماء ہیں۔ نفسِ ذات کو اس میں اس کو پوشیدہ نہیں کیا ہے اور ان کا قیام ذات سے نہیں رکھا ہے۔

سوال :- اسماء و صفات تو بذاتِ خود قائم نہیں ہیں بلکہ ان کا قیام اللہ تعالےٰ کی ذات سے ہے تو پھر کوئی دوسری چیز ان کے ساتھ کیسے قائم ہو سکتی ہے ؟

جواب :- مَیں کہتا ہوُں دوسری چیز اس وقت ان سے قائم نہ ہو سکے گی جبکہ وہ موجوُد ہو اور اگر

---

[1] پیٹ کا بچہ جب اپنے آپ کی خبر نہیں رکھتا تو وہ اس طرح اور اُس طرح کی کیا خبر رکھے گا ۱۲۔ [2] شرفا کے پیالہ سے زمین کو حصّہ ملتا ہے ۱۲۔

وہ دُوسری چیز مرتبہ وہم میں ثبوت اور استقرار پیدا کرے تو کیوں ان کے ساتھ قائم نہیں ہو سکے گی کہ وہ بہت زیادہ کمزور ہے اور وہ جو میں نے کہا اور لکھا ہے کہ ممکن کی ذات عدم ہے وہ اسی طرح ہے جیسے کہ کہیں کہ ممکن کی کوئی ذات نہیں ہے ۔ ذَاتُہٗ عَدَمٌ، وَلَا ذَاتَ لَہٗ (اس کی ذات عدم ہے اور اس کی کوئی ذات نہیں) ان دونوں جملوں کا ایک ہی معنی ہے اگرچہ فلسفی موشگافیاں ان دونوں کے مفہوم میں تغایر پیدا کریں لیکن اس کا کچھ حاصل نہیں ہے اور حقیقت میں ان کا مرجع ایک ہے ۔ عدم اپنے لئے بھی نہیں ہے دوسروں کے کیا کام آئے گا ۔ وہ اپنے آپ کو نہیں اُٹھا سکتا دوسروں کو کیا اُٹھائے گا ۔

اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ چونکہ اسماء و صفات کے عکوس عدم کے آئینہ میں ظاہر ہوتے ہیں بظاہر ان کا قیام ان آئینوں سے معلوم ہوتا ہے اور وہ آئینے ان کی ذات کی طرح باعتبار اس کے قیام کے متخیّل ہوتے ہیں اور حقیقت میں ان کا قیام اپنے اصول سے ہے آئینوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور سوائے توہّم کے ان کو عدم کے مرآت سے کوئی کام نہیں ہے ان آئینوں کی ذاتیّت اور جوہریّت کی اس جگہ کیا گنجائش ہے وہ تو عرض ہونے کی قابلیت بھی نہیں رکھتے جوہر کس طرح ہو سکیں گے ۔

اور یہ پُوری معرفت والا عارف جو مرتبہ ذات سے واصل ہے اور ذات سے ہمیشہ کی بقا پا چکا ہے یہ ایک نادر الوجود عنقا کا حکم رکھتا ہے اور نہایت غریب الوقوع ہے ۔ فنا و بقا کے بعد اس کو ایک ایسی ذات عنایت کی گئی ہے کہ اسماء و صفات کے عکوس و ظلال کا قیام جو کہ اس کی حقیقت ہے اسکی ذات سے ہوتا ہے جیسا کہ ان کے اصول کو جو کہ اسماء ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے قیام ہے تو اُن اسماء کے ظلال کو اس ذات کے پرتو سے قیام ہوگا جو کہ عارف کو عطا ہوا ہے ۔

پس یہ عارف جوہر و عرض ہوتا ہے اور باقی ممکن کے تمام افراد صرف اعراض ہوتے ہیں جن میں جوہریّت کا شائبہ نہیں ہوتا ۔ صاحب فتوحات مکیہ نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ عالم عین واحد میں اعراض مجتمعہ کا نام ہے یعنی سب اعراض کا قیام ایک ذات سے ہے لیکن شیخ نے اس جگہ دو نکات میں فروگذاشت کی ہے ایک یہ کہ کامل ترین عارف کو اس سے مستثنےٰ نہیں کیا اور دُوسرا یہ کہ اس کا قیام ذات احد سے رکھا ہے حالانکہ اس کا قیام اپنے اصل سے ہے جو کہ اسماء و صفات ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اگرچہ اسماء و صفات کا قیام ذات سے ہوتا ہے ، کیونکہ حضرت ذات کو عالم سے ذاتی استغناء (بے نیازی) حاصل ہے ۔ عالم کا قیام اس بلند مرتبہ سے کیونکہ ہو سکتا ہے اور عالم کی کیا حقیقت ہے کہ اس بلند درجہ کے ساتھ قیام کی ہوس کرے ؎

ما تماشا کنانِ کوتاہ دستے   تو درختِ بلند و بالائی

ہم تماشہ دیکھنے والوں کے ہاتھ چھوٹے ہیں اور تو ایک بلند و بالا درخت ہے ۱۲

اور اس عارف کا معاملہ عالم سے جدا ہے اور اس کا حکم عالم کے احکام سے مستثنٰی ہے وہ اپنی محبت ذاتی کی وجہ سے بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو) اپنے اصل سے گذر کر اپنے اصل الاصل سے معیت پیدا کر چکا ہے اور اپنے آپ کو اس اصل اصول میں فانی کر چکا ہے اکرم الاکرمین نے بہ تقاضائے آیت کریمہ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (نیکی کا بدلہ نیکی ہے) اس کی فنا کا بدلہ اس کو اس کی بقا سے دیا ہے اور جس چیز میں وہ فانی ہوا تھا اسی کے ساتھ اس کو باقی کیا ہے اور اپنی ذات و اسماء و صفات کا مظہر بنا کر ایک جامع آئینہ بنایا ہے۔

پس تمام افراد عالم اس عارف کی جامعیت کے مقابلہ میں کاش اتنی ہی نسبت رکھیں جتنی ایک قطرے کو دریائے محیط سے ہوتی ہے کیونکہ اسماء و صفات کو اللہ تعالٰی کی ذات کے مقابلہ میں کوئی قدر اور مقدار نہیں ہے قطرہ کو تو پھر بھی دریائے محیط سے کوئی نہ کوئی نسبت ہوگی اور ان کو تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ نسبت بھی نہیں ہے اس جگہ سے اس عارف کے درک و ادراک اور علم و معرفت کا دوسروں کی نسبت سے قیاس کرنا چاہیئے اور اس کی بڑائی اور بلندی درجہ کو اس جگہ سمجھنا چاہیئے "اور اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"

اس صاحب دولت کو جس کو ذاتی بقا سے مشرف کیا ہے اور ایسی ذات عطا کی ہے کہ اس کی صفات کا قیام مثلاً علم اور قدرت وغیرہ اس ذات سے ہے جیسا کہ پہلے ان کا قیام دوسرے افراد عالم کی طرح ان کے اصول سے تھا۔ باوجود اس بقاء اکمل کے کلمۂ اَنَا (میں)، کا اطلاق جو اس سے زائل ہو چکا تھا واپس نہیں آتا اور مراتب بقا میں سے کسی مرتبہ میں بھی اَنَا کا اطلاق اپنے اوپر نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی بقائے اکمل اس کی فنائے اتم پر متفرع ہے کہ جس نے کلمۂ اَنَا کے اطلاق کا نام و نشان بھی اس سے مٹا دیا ہے اور واپس آنے کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے اَلزَّائِلُ لَا یَعُوْدُ (زائل ہونے والا واپس نہیں آسکتا) مشہور مقولہ ہے اور جو واپس آجائے وہ زائل نہیں ہوا ہے بلکہ وہ مغلوب و مستور ہوا ہے اور کسی پیش آنے والے عارضہ کی وجہ سے اس نے سر نکالا اور غالب آگیا۔ کیونکہ کبھی "مغلوب بھی غالب آجاتا ہے"

جاننا چاہیئے کہ حضرت ذات کے مرتبۂ علیا سے حصہ اس صاحب دولت کے لئے خاص ہے جو ذات کے حصول سے باقی ہوا ہے اور صفات نے اس کے ساتھ قیام پایا ماسوائے اس کے جس قسم کی بھی وہ فنا و بقا پیدا کرے گا اس کا حصہ اسماء و صفات سے ہے نہ کہ ذات تعالٰی و تقدس سے اگرچہ اسماء و صفات کو ذات سے علیحدگی نہیں ہے لیکن ذات حصہ کچھ اور چیز ہے اور صفات سے حصہ اور چیز ہے۔ اگرچہ اسی ذات سے صفات کے علیحدہ نہ ہونے نے ایک جماعت کو وہم میں ڈالا اور انہوں نے صفات کے حصہ کو ذات کا حصہ

سمجھا لیکن ہر ایک کی علامات اور نشان الگ الگ ہیں اور علوم و معارف علیحدہ علیحدہ ہیں جو کہ اس دولت عظمیٰ پر پہنچنے والوں پر مخفی نہیں ہیں۔

لیکن پوشیدہ نہ رہے کہ تجلّی ذاتی اس بزرگ سے خاص نہیں ہے جائز ہے کہ اس کے سوا دُوسرے دل پر بھی تجلّیٔ ذات ہو لیکن وہ نفسِ ذات کا حصّہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک طرح کی ظلیّت طلب کرتی ہے کہ وُہ مرتبہ ثانی میں ظہور ہے اور نفسِ ذات کا حِصّہ جو کہا گیا ہے وُہ ظلیّت کا شائبہ نہیں رکھتا اور نفس تجلّی اور ظہور سے بھی پوشیدہ ہوجاتی ہے اور وُہ ظہورِ ذات جو صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ موجود ہو وہ بھی مرتبہ ثانی میں ذات کا ظہور ہے لیکن تجلّیٔ ذات نہیں بلکہ وہ ذات کے اعتبارات میں سے کسی اعتبار کی تجلّی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی ذات تمام اعتبارات کی جامع ہے بلکہ تمام سے منزّہ و پاک ہے پس وہ تجلّی جو اعتبارات میں سے کسی اعتبار سے ہوگی وہ ذات کی تجلّی نہ ہوگی۔

سوال:- شیخ محی الدین ابن عربی اور اس کی پیروی کرنے والوں نے تعیّن اوّل کو تجلّیٔ ذات کہا ہے اور وہ تعیّن علمی جملی کے ساتھ جو کہ ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے اگرچہ اس میں جامعیّت ہے ذات کا ظہور ہے

جواب:- جو کچھ اس فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ظہور علمی جملی کہ جس کو تعیّن اوّل سے تعبیر کرتے ہیں، وُہ بھی تجلّیٔ ذات نہیں ہے اس لئے کہ وہ ذات کے شیونات میں سے کسی شان سے ماخوذ ہے اور تجلّی ذات تمام شیون و اعتبارات کی جامع ہے بلکہ تمام شیون و اعتبارات سے بلند ہے۔ علم کا اعتبار اس جگہ ذات کے دوسرے اعتبارات کی طرح ہے کہ ان کے وصُول کا ہاتھ اس مرتبہ مقدّسہ کے دامنِ غنا سے چھوٹا ہے۔

اگر یہ کہیں کہ مرتبہ ثانی میں ظہُور علم پر مقصود ہے کیونکہ نفس ذات سے خارج میں ہے پس مرتبہ ثانی میں اس کا ظہور علم کے خانہ میں ہوگا کیونکہ ظہُور یا تو علم میں ہے یا علم سے خارج علم کی تیسری شق تو ہے ہی نہیں تاکہ اس ظہور کا اثبات کیا جائے؟

مَیں کہتا ہوں کہ وہ قادر جلّ وعلا جس نے شانِ علم سے جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے ظہُور فرمایا ہے وُہ اس پر بھی قادر ہے کہ ایسے طریقہ پر ظہُور فرمائے کہ اعتبار ظہور علم اس ظہُور جامع کا بعض ہو بلکہ ایسے طریقہ پر ظہُور فرمائے کہ اعتبار علم اور دُوسرے اعتبارات کو اس جگہ گنجائش نہ ہو اور وُہ ظہُور جامع کا مرتبہ، مرتبہ خارج و مرتبہ علم سے جو کہ خارج کا ظلّ ہوتا ہے ماوراء ہو اور علم سے کوئی کام نہ رکھتا ہو اور تجلّی ذات کو تعیّن علم سے مقید کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنا ہے بلکہ پانی کو سراب میں تلاش کرنا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

کسے[1] در صحن کاچی قلیہ جوید   اَضَاعَ الْعُمْرَ فِیْ طَلَبِ الْمُحَالِ

---

[1] جو آدمی حلوے کے تھال میں گوشت کی بوٹیاں تلاش کرے وہ ایک محال کام میں اپنی عمر ضائع کرے گا ۱۲

ہاں علم کا اعتبار ذات کے تمام اعتبارات سے جامع ترین اعتبار ہے جتنے ذات کے کمالات کو علم کا اعتبار شامل ہے اتنے کمالات کسی اعتبار میں نہیں ہیں اور اگر بطریق مجاز ظہور علمی کو ظہور ذات کہیں اور اس پر تجلی ذات کا اطلاق کریں تو اس کی گنجائش ہے اگرچہ ان کے اطلاقات سے بعید ہے اور انکے مفہوم اسے دور ہے جیسا کہ ان کے کلام کو دیکھنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

سوال:- شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے رویت اُخروی کو لطیفہ جامعہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا ہے آپ کا اس مسئلہ میں کیا عقیدہ ہے؟

جواب:- صورت جامعہ مذکورہ کی رویت اللہ تعالےٰ کی رویت نہیں ہے بلکہ اس کے کمالات کے مظاہر میں سے ایک مظہر کی رویت ہے جس نے عالم مثال میں ثبوت پیدا کیا ہے ؎

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ وَ اِدْرَاکٍ وَ ضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

اللہ تعالےٰ کی روایت کو صورت کی رویت قرار دینا اصل میں اللہ تعالےٰ کی رویت کی نفی کرنا ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ صورت جو عالم مثال میں حاصل ہوتی ہے خواہ وہ کتنی ہی جامع ہو آخر عالم مثال کے اندازہ کے مطابق ہی ہوگی اور عالم مثال اگرچہ وسعت رکھتا ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ کے مخلوق عوالم میں سے ایک عالم ہے اس صورت کی جامعیت جو اس میں ہوگی کیا گنجائش رکھتی ہے کہ خدا تعالےٰ کے تمام کمالات کی جامع ہو اور سب کو ضبط کر سکے تاکہ اس مرتبۂ مقدسہ کا آئینہ بنے اور اس کی رویت اللہ تعالےٰ کی رویت ہو۔

اگرچہ صفت علم کہ صفات وجوبیہ میں سے ہے اور صفات ذاتیہ میں سے جامع ترین ہے اس کی گنجائش نہیں رکھتا کہ تمام صفات واعتبارات ذاتیہ کا جامع ہو جیسا کہ اس کی تحقیق اوپر گذر چکی ہے۔ عالم مثال جو کہ ممکن اور مخلوق ہے اس کی کیا حیثیت ہے کہ اس میں کوئی ایسی صورت ہو جس میں اللہ تعالیٰ کے تمام کمالات جمع ہوں اور اگر بالفرض ہم اُس کو جامع بھی کہیں تو پھر بھی وہ اس مرتبہ مقدسہ کے ظلال میں سے ایک ظل ہوگی۔ اور ظل کی رویت اصل کی رویت نہیں ہوتی۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اُخروی رویت کو لیلۃ البدر میں چاند کی رویت سے تشبیہ دی ہے اور پردہ نہیں چھوڑا ہے اور ظل کی روایت ایسی ہے جیسے چاند کو پانی کے تھال میں دیکھا جائے کہ بلند فطرت والے اس کو پسند نہیں کرتے۔

اور راقم میں اس قدر آتا ہے کہ اس مرتبہ مُقدسہ کا ظہور ہو سکتا ہے کہ علم کے خزانہ سے باہر ہو اور مرتبۂ خارج کے ظل میں ثبوت پیدا کرے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور اس ظہور جامع کا خانۂ علم میں کوئی جامع ظل ہو کہ اس کو تعین اوّل سے تعبیر کریں اور اس ظل جامع کا عالم مثال میں ایک دُوسرا ظل ہو جامع جو کہ ظل جامع علمی کی مرآتیت

ے مومن اللہ تعالیٰ کو بغیر کیف ولو راک اور مثال کے دیکھیں گے۔ ۱۲

کرے اور یہ جامع مثالی ظل جو کہ لطیفہ کی صورت میں عالم مثال میں ظاہر ہو اور انسانی صورت میں ثابت ہو جو کہ جامع ترین مخلوق ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ہو سکتا ہے کہ یہ اسی اعتبار سے آیا ہو۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی رویت وہ ہے جو ظہورات اور صور سے ماوراء ہو اور عالم بے کیف و بے چگون سے ہو۔ رویت اُخروی پر ایمان لانا چاہیئے اور کیف و چند و چون میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔ آخرت کی خلق و وجود کو دُنیا کے خلق و وجود سے کوئی نسبت نہیں ہے تاکہ ایک کے احکام کو دُوسرے پر قیاس کیا جائے اس جگہ آنکھ دُوسری ہے اور فہم و ادراک دُوسرا ہے اُس کو دوام ابدی ہے اور اس کے پیچھے فنا اور زوال ہے وہ سراسر نظافت و لطافت ہے اور یہ خبیث اور کثیف ہے اور شیخ قدس سرہٗ اللہ تعالےٰ کے لئے خانہ علم سے باہر ظہور ثابت نہیں کرتے اور مجالی و مظاہر کے سوا شہود اور مشاہدہ اور رویت تجویز نہیں کرتے ؎

آن ایشانند و من چنینم یارب[1]

کیا کیا جائے کہ اس میدان میں شیخ قدس سرہٗ ہے کہ کبھی اس سے جنگ ہے اور کبھی صلح۔ وُہی ہے جس نے معرفت اور عرفان کی باتوں کی بُنیاد رکھی ہے اور اُن کو شرح و بسط دیا ہے اور وُہی ہے جس نے توحید و اتحاد کے متعلق تفصیل سے بات کی ہے اور تکثر و تعدد کا منشا بیان فرمایا ہے اور وُہی ہے جس نے وجُود کو کلی طور پر خدا تعالےٰ کے لئے مقرر کیا ہے اور عالم کو موہوم و متخیل قرار دیا ہے اور وُہی ہے جس نے وجُود کے لئے تنزلات ثابت کئے ہیں اور ہر ایک کے احکام کو جدا کیا ہے اور وہی ہے جس نے عالم کو عین حق سمجھا ہے اور "ہمہ اوست" (سب کچھ وہی ہے) کہا ہے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کے مرتبہ کو عالم سے علیحدہ پایا ہے اور اپنی دید و دانش سے اللہ سبحانہٗ و تعالےٰ کو منزہ اور مبرا جانا ہے۔

وُہ مشائخ جو شیخ سے پہلے تھے اُنہوں نے اگر اس باب میں کوئی بات کہی بھی ہے تو وہ اشارات سے کہی ہے اور اس کی شرح و تفصیل میں مشغول نہیں ہوئے اور وہ لوگ جو شیخ کے بعد اس طائفہ میں آئے ہیں ان میں سے اکثر نے شیخ کی تقلید کی ہے اور اسی کی اصطلاح کے موافق بات کی ہے۔ ہم عاجز لوگوں نے بھی اس بزرگوار کی برکات سے بہت سے استفاضے کئے ہیں اور اس کے علوم و معارف سے بہت سا حصّہ لیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اسے ہماری طرف سے اچھی جزا دے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ چونکہ بحکم بشریت خطا کا مظنہ اور محل صواب آپس میں ملے ہُوئے ہیں اور انسان احکام میں کبھی غلطی کرتا ہے اور کبھی درست بات کہتا ہے تو لازمی طور پر اہل حق کے سواد اعظم کے مطابق صواب سمجھنا چاہیئے

[1] اے اللہ وہ اُس طرح ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

اور اس کی مخالفت کو خطا کی دلیل سمجھنا چاہیئے خواہ قائل کوئی ہو اور منقولہ بھی کوئی ہو۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ (بڑی جماعت سے ملحق رہو)

اور یہ بھی مقررہ قاعدہ ہے کہ کسی پیشہ کی تکمیل افکار کے ملنے اور نظریوں کے اختلاف سے ہوتی ہے۔ سیبویہ کے متعلق اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وُہ علم نحو کے احکام کا بانی ہے لیکن وہ نحو جس نے پچھلے لوگوں کے افکار کے ملنے اور ان کے نظریوں کے اختلافات سے کمال درجہ کی تنقیح پیدا کی ہے وُہ چیز ہی دُوسری ہے اور اس نے دوسری زیب و زینت پائی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ وُہ ایک دوسری قسم بن گئی ہے اور اس نے علیحدہ احکام پائے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۸۰

بجناب مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالےٰ صادر فرمایا

(عارف کو بخشی ہوئی ذات کی طرف چیزوں کی نسبت کرنے کے بیان میں)

تمام تعریفیں اس اللہ تعالےٰ کے لیئے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی اور اگر ہمیں اللہ تعالےٰ راہ نہ دکھاتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے علیہم الصلوات والتسلیمات۔

ہر ایک ظلّ کو اپنے اصل کی طرف ایک شاہراہ ہے اور کوئی کانٹا اور تنکا ان کے درمیان حائل نہیں ہے اگر کوئی کانٹا اور تنکا ہے بھی تو اس کی توجہ اپنی طرف ہے اور اصل سے اعراض (مُنہ پھیرنا) ہے اور ظلّ کی حیثیت اصل کے امانت دار ہونے سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ وہ جو کچھ بھی رکھتا ہے یعنی وجُود اور توابع وجُود کے کمالات وہ اصل سے مستفاد ہیں وہ صرف عدم ہی ہے جو اصل کے واسطہ کے بغیر اس کو حاصل ہو سکتا ہے اور وہ محض لاشئے ہے اور صرف ایک اعتبار ہے اور اس ظلّ نے اپنی کمال نادانی سے اپنے اصل کو فراموش کر دیا ہے اور اس کی امانتوں کو اپنی طرف سے سمجھ لیا ہے اور امانت میں خیانت کی ہے اور باوجود ذاتی قباحت کے جو وہ عدم کی راہ سے رکھتا ہے اپنے آپ کو اس نے اچھا اور کامل سمجھ لیا ہے۔

لیکن اپنی طرف توجہ کرنے اور اصل سے مُنہ پھیرنے کے باوجود بھی اس کو اپنے اصل سے طبعی لگاؤ اور محبت ثابت ہے اسے وہ جانے یا نہ جانے بلکہ وہ محبت جو وہ اپنے آپ سے رکھتا ہے وُہی محبت حقیقت میں اصل سے متعلق ہے کیونکہ حسن و کمال جو کہ محبت کا متعلق ہے اصل سے ہے نہ کہ اس سے کہ وہ سوائے عدم

اور قباحت کے اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں رکھتا کہ محبت اس سے تعلق پیدا کرے جب کہ کئی بار تحقیق کیا جا چکا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ خود بینی کا مرض اس سے دُور ہو جاتا ہے اور وہ اپنے جہلِ مرکب سے باز آ جاتا ہے اور امانت کو اہلِ امانت سے سمجھتا ہے اور اس کی توجہ کی بجائے جو وہ اپنی طرف رکھتا تھا اپنے آپ سے مُنہ پھیر لیتا ہے اور وہ اعراض جو وہ اپنے اصل سے رکھتا تھا اس کی طرف توجہ کرنے سے تبدیل ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کو سعادت کا سرِ رشتہ ہاتھ میں آ جاتا ہے اور اصل سے وصول کی امید حاصل ہو جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جبکہ عالم اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء کا ظل ہے تو اس کے اصول بھی اسماء و صفات ہوں گے اور ظلال اعراض ہیں کہ جن کا قیام اپنے اصول سے ہے جو کہ اسماء و صفات ہیں اور ان میں کوئی چیز بھی جوہر نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ قائم ہوں نظّام معتزلی بحکم ان الکذوب قد یصدق (کبھی جھوٹا بھی سچی بات کہہ دیتا ہے) اس راز پر آگاہ ہوا اور اس نے کہا کہ عالم سب کا سب اعراض ہے اور ان میں کوئی جوہر نہیں ہے جس کے ساتھ وہ قائم ہوں۔ لیکن اس نے اس بات میں غلطی کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ "ان اعراض کا قیام ان کی اپنی ذات سے ہے" اور ان کے اصول سے غافل رہا کہ جس کے ساتھ وہ قیام رکھتے ہیں۔

اور صوفیاء میں سے شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے عالم کو اعراض مجتمعہ فرمایا ہے اور ان کے قیام کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے کہا ہے نہ کہ اسماء و صفات سے جو کہ ان کے اصول ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمام وجوہ و اعتبارات سے خالی صرف ذات سے قیام کا کیا مطلب ہے حالانکہ اس جگہ قیام کا معنی صرف اختصاص ناعت ہے (یعنی تعلق خاص جو قائم اور محل قیام کے درمیان ہو) ہے اور اس جگہ نعت ہی نہیں ہے تو قیام کیسا؟ اور یہ بھی ہے کہ قیام عبارات و وجوہ منفیہ کے اقسام میں سے ہے تو اس مرتبۂ مقدسہ میں اس کے اثبات کا کیا معنی ہے؟

اور جب افرادِ عالم اسماء و صفات کے ظلال ہوں گے تو لازماً ان کا وصول بھی ان کے اصول سے ہوگا جو کہ اسماء و صفات ہیں اور اگر اصول کے اصول تک بھی پہنچ جائیں تو ذات مجرد مقدس تک منتہی ہوں گے اور اس سے آگے نہ گذر سکیں گے کہ اصل کو بھی اس جگہ گنجائش نہیں ہے کہ اس جگہ سب سے غنا ذاتی ہے خواہ وہ اسم ہو خواہ صفت اور خواہ شان ہو اور خواہ اعتبار۔ پس عالم کو اللہ تعالیٰ کے مرتبۂ مقدسہ سے سوائے محرومی کے اور کچھ نصیب نہیں ہوتا اور وصل و اتصال کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ اپنی کمال شفقت و مہربانی سے بڑی لمبی مدت اور دراز عرصہ کے بعد کسی صاحب دولت کو فنائے اتم کے بعد بقائے اکمل بخشتے ہیں اور ذاتِ اقدس کا نمونہ اس کو عطا فرماتے ہیں کہ اس کا قیام جیسا کہ پہلے اس کے اصل سے تھا جو کہ اسماء و صفات ہیں اب وہ اس نمونہ سے قائم ہے اور ان اعراض سابقہ کا مجموعہ جو وہ رکھتا تھا اور یہ ذات موہوب (بخشی ہوئی) اس کی حقیقت ہوتی ہے اور اس کا انسانی کمال انجام تک پہنچتا ہے اور اس کے

حق میں اللہ تعالےٰ کی نعمت پوری ہوتی ہے۔

مَیں ایک بات کہتا ہوں اس کو غور سے سُن کہ عارف کا قیام اس ذات موہوب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام افراد عالم جو کہ اعراض مجتمعہ ہیں جیسا پہلے قیام اسماء وصفات سے رکھتے ہیں اب ان کا قیام اس ذاتِ موہوب سے وابستہ کردیتے ہیں اور اس ایک ذات سے سب کو قائم کرتے ہیں ؎

خاصّ کند بندۂ مصلحت عام را

انسان کی خلافت کا راز جو آیت کریمہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) میں آیا ہے اس جگہ متحقق ہو جاتا ہے اور اس حدیث کی حقیقت کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) اس مقام میں واضح ہو جاتی ہے اور وہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس کو ذاتِ اقدس کا نمونہ عطا فرماتے ہیں یہ میدان عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ نمونے کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے اور کونسی چیز ہے جو اس کی صورت پر آئے اور صورت کو اس جگہ کیا مجال ہے؛

جاننا چاہیئے کہ اس قسم کے بزرگ ایک زمانہ میں متعدد نہیں ہوتے بلکہ وہ بڑی مدت کے بعد پیدا ہوتا ہے تو ایک زمانہ میں ان کا متعدد ہونا کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ اگر اس قسم کی دولت کے ظہور کی مدت مقرر کروں تو شاید بہت تھوڑے لوگوں کو اس کا یقین آئے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

جاننا چاہیئے کہ وہ عارف جس کو بقائے ذات سے مشرف کرتے ہیں تو وہ ذات موہوب بے چون ہوگی اور وجوہ واعتبارات سے بلند نہ ہوگی کہ جو بھی چوں ہے وہ وجوہ واعتبارات کا مقید ہے جب تک وہ بے چوں نہ ہوگا وجہ واعتبار سے رہائی نہ پائے گا اور وہ ذات جس کو بے چونی سے حصہ ملا ہے اس کو ذات بے چون حقیقی جل شانہ کی طرف شاہراہ ہے جس طرح کہ وجہ واعتبار ظلّی کو وجہ واعتبار کی طرف راہ ہے جو کہ اس کا اصل ہے اور اس ذات کو جو ظل سے مجرّد ہے اس کو بھی ذات مجرّد بے چون کی طرف شاہراہ ہے اور یہ ذات موہوب عارف کی حقیقت ہے کیونکہ حقیقت وہ ہوتی ہے کہ جو تمام وجوہ واعتبارات سے ماوراء ہو اور یہ ذات تمام اعتبارات سے ماوراء ہے اور باقی افراد عالم کی حقیقت نہیں ہے کہ ان کا تمام وجود وجوہ واعتبارات ہے اس جگہ اعتبارات کے علاوہ کوئی ذات نہیں ہے کہ جس کو حقیقت کہا جائے۔ پس چونکہ اُن میں کُنہ (حقیقت) نہیں ہے تو اصل کنہ سے ان کو کیا حصہ مل سکتا ہے؟ حقیقت کو حقیقت سے راہ ہوتی ہے وجہ کو کُنہ سے کیا مناسبت ہے۔ گویا کہ کُنہ کُنہ کے متقابل ہے اور وجہ کو کُنہ سے انحراف ہے وُہ کُنہ تک کیسے پہنچ

لہ وہ کسی بندے کو عام لوگوں کی مصلحت کے لیئے خاص کر لیتا ہے ۱۲

سکتا ہے جتنا وہ دُور جائے گا اتنا ہی وہ دُور تر جا پڑے گا ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است[1]

اور کُنہ کو کُنہ کے مقابل کہنا عبارت کے میدان کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ اس بارگاہ میں محاذات (برابری) کی کیا صُورت ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ بے چون معنی مثالی صورت میں چونکہ محاذات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اس لئے محاذات کا اطلاق بر سبیل مجاز کیا گیا ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا ہم غلطی کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

سنو! جب افرادِ عالم کو جو کہ اعراض مجتمعہ ہیں عارف کی ذات موہوب سے قیام پیدا ہوتا ہے جیسا کہ گذر چکا تو ان کو اللہ تعالٰے سے نسبت بھی اسی عارف کی ذات کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے اور ان کے افراد کو اسی راہ سے اس مرتبۂ مقدّسہ سے حصّہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کی ذات وہی عارف کی ذات ہے گویا کہ اپنی ذات کے ذریعہ سے ذات بے چون سے تعلّق پیدا کیا ہے۔ اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے ان کی نسبت اس عارف کے ذریعہ سے ہے کہ وہ ذات حقیقت میں ذات عارف ہے۔

ایک عجیب بات سُن کہ جس کو بھی اپنی ذات سے نسبت بذاتِ خداوندی جل شانہٗ اور اس مرتبۂ مُقدّسہ سے بے چون وصول ہے تو اس مرتبۂ مقدّسہ سے فیوض و برکات اخذ کرنے میں اصالت و استقلال رکھتا ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے وسائط اس مرتبۂ مقدّسہ سے بہت نیچے ہیں جس کو بھی واصلین میں سے اپنی استعداد کے مطابق حِصّہ ملتا ہے وہ بطریق اصالت ملتا ہے اور اللہ سُبحانہٗ و تعالٰے ہی تمام امور کے حقائق کو خوب جانتا ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۱۸

خواجہ جمال الدین حسین کی طرف صادر فرمایا

(ایک معاملہ کے حل اور واقعہ کی تعبیر کے بیان میں)

حمد و صلوٰۃ و دُعا گوئی کے بعد فرزند عزیز کو بتاتا ہوں کہ جو صحیفہ شریفہ آپ نے ارسال کیا تھا پہنچا۔ چونکہ اس میں عافیت اور صوری و معنوی جمیعت کے متعلّق لکھا تھا اس لئے خُوشی ہوئی وہ کشف (واقعہ) جو پیش آیا تھا لکھا تھا اور اس کی تعبیر پوچھی تھی، لکھا تھا کہ "میں وضو کرنے کے خیال میں تھا کہ یکبارگی بے ہوش ہو کر

---

[1] اے اعرابی میں ڈرتا ہوں کہ تو کعبہ تک نہ پہنچ سکے گا کہ یہ راہ جس پر تو جارہا ہے ترکستان کو جاتا ہے۔

گر پڑا گویا جان بدن سے نکل آئی اور جب کچھ آفاقہ ہُوا تو ایک نُور دیکھا جو سورج کی طرح روشن تھا جس نے اپنی انتہائی لطافت سے بے ہوش کر دیا تھا جیسا کہ کوئی شخص اپنے محبُوب کو دیکھے اور اس کے جمال کے پرتو میں محو ہو جائے اور اس کا اپنا کوئی نام و نشان باقی نہ رہ جائے "

عزیز بیٹے کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انسان لطائف سبعہ مشہورہ سے مرکب ہے اور ہر ایک لطیفہ کا کاروبار الگ ہے اور احوال و مواجید علیحدہ ہیں اس وقت تک فرزند کے احوال و اذواق لطیفۂ قلب سے تعلق رکھتے تھے اور تلونیات قلب سے متلوّن تھا۔ اب یہ قوی وارد جو بے شعور تیرے روح پر اترا اور روح کو اپنے تصرّف میں لایا۔

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها	بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو
وجعلوا اعزة اهلها اذلة	اسکو تہس نہس کر دیتے ہیں اور اس کے عزت
(سورہ نمل پارہ ۱۹)	والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

جب دانش و شعور کا منشا جو کہ روح ہے ایک وارد سے مغلوب ہو گیا تو بیہوشی ہو گئی۔ اس وقت آپ کا کاروبار لطیفہ رُوح سے متعلّق ہے۔ آج کے حلقہ میں اس نسبت کی تکمیل کے لئے کچھ تھوڑی سی امداد و اعانت وقوع میں آئی ہے اور اس کے اثر کا ظہور مشہُود ہوا ہے۔ معلوم ہُوا کہ وسعت پیدا کی ہے اور سرایت کرنے کے درپے ہے خُداوند تعالےٰ انجام تک پہنچائے۔

اور دُوسرا واقعہ جو لکھا تھا کہ "تمہارے گھر میں بنات النعش اور پروین اکٹھے ہو گئے ہیں" اس کی تعبیر بھی پہلے واقعہ کی تعبیر کے مطابق ہے کہ نسبت قلبی اور نسبت روحی کو ان دو قسم کے ستاروں کی ملاقات سے ظاہر کیا ہے۔ پروین میں چونکہ ستاروں کی جمعیت ہے وہ دل کے مناسب ہے اور بنات النعش میں چونکہ ستاروں کی پراگندگی ہے وہ رُوح کے مناسب ہے۔ دوسرا واقعہ اگر پہلے واقعہ کے بعد ظاہر ہوا ہے تو درست ہے اور دو نسبتوں کے حصُول کو جمع کیا ہے اور اگر اس سے پہلے ہے تو بھی درست ہے کیونکہ بہُت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور ظاہر نہیں ہوتی اس کے حصول کو دکھایا ہے اور اس کے بعد ایک دُوسرے واقعہ سے اس کو ظاہر کیا ہے اور اللہ تبارک و تعالےٰ ہی درست بات کو بہتر جانے، تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کچھ بھی علم نہیں ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۸۲

حضرات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم مدظلہما کی طرف صادر فرمایا۔

(فراق کے درد کے اظہار اور بعض بشارتوں کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ فرزندانِ گرامی ظاہری و باطنی جمعیت سے رہیں۔ ان سفروں میں دونوں بیٹوں کی مفارقت کے برابر کوئی تکلیف نہیں دیکھی اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ان کی یاد سے فارغ ہوں۔ جتنی بھی خدا تعالیٰ کی نعمتیں زیادہ آ رہی ہیں اتنی ہی دُور افتادہ دوستوں کی یاد بھی زیادہ آ رہی ہے۔ روزمرہ کے حالات روز بروز لکھے جا رہے ہیں اور ان کو صاف کر کے تحریر کیا جا رہا ہے لیکن ان کو سمجھنے والا کون ہے اور جو ان سے فائدہ اُٹھائے وہ کون ہے۔ خواجہ محمد ہاشم بھی غنیمت ہے کہ بات سمجھنے کا ملکہ رکھتا ہے اور مختصر یہ کہ ان سے لذت بھی حاصل کرتا ہے لیکن اس سفر اجمیر میں محنت کی شدت سے صحیح العذر، پیچھے رہنے والوں سے ہو چکا ہے شاید کچھ لوگ موافقت کریں۔ "ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے"۔ ساتھی بھی کم ہیں اور راہ کا خرچ اور خوراک وغیرہ بھی کم ہے "کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے"، کیوں نہیں۔

دُوسری یہ بات ہے کہ تمہاری جدائی سے آزردہ ہو کر ایک رات نماز تہجد کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ تم دونوں بھائی اپنے دوستوں میں سے ایک آدمی کے ساتھ بادشاہ کے وکیل کے سامنے گئے ہو کہ بادشاہ کے نوکر ہو جاؤ اور نوکری کی تجویز کو اس وکیل کے سپرد کر دیا گیا ہے جس کو قابل سمجھے اسے نوکر رکھ لے اور جس کو وہ تجویز کرے ایک کاغذ پر اس کا حلیہ لکھ لے اور اس ورق کے کنارہ پر لکھے کہ اس کو نوکر رکھ لیں۔ ان تین آدمیوں میں سے تم دونوں بھائیوں کا حُلیہ اس نے لکھا ہے اور نوکری تجویز کی ہے اور اس تیسرے دوست کا حُلیہ اس نے نہیں لکھا اور نہ نوکر رکھا ہے۔ مَیں تم سے پُوچھتا ہوں کہ اس تیسرے آدمی کا حُلیہ کیوں نہیں لکھا تو تم نے کہا ہے کہ حلیہ لکھتے وقت اپنے چہرہ کو اس کے چہرہ کے قریب لایا ہے اور اچھی طرح ملاحظہ کیا اور کہا کہ یہ چہرہ سیاہ ہے یا اس کے قریب قریب کچھ الفاظ کہے اور حُلیہ نہ لکھا۔

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی تعریف ہے کہ تم دونوں کی جانب سے دل مطمئن ہو گیا کہ ان کو قبول کر لیا ہے لیکن اس تیسرے دوست کی طرف سے دل آزردہ ہے جو کہ تجویز نہیں ہو سکا۔ شاید بادشاہ کے نوکروں کی نوکری کے لئے اس کو قبول کر لیں۔ عاقبت بخیر ہو۔

مکتوب نمبر ۸۳

حضرات مخدوم زادگانِ کبار سلمہا اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(لشکر کی برکات کے بیان میں کہ ان میں رہنا اپنے اختیار میں نہیں ہے)

فرزندان گرامی جمعیت خاطر سے رہیں۔ آدمی ہر وقت ہماری محنت کو نظر میں رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ نامرادی اور بے اختیاری اور ناکامی میں کس بلا کا حسن و جمال ہے اور کونسی نعمت اس کے برابر ہے کہ اس آدمی کو بے اختیار اختیار سے باہر لائیں اور اپنے اختیار سے اس کو زندگانی دیں، اور اس کے اختیاری امور کو بھی اس بے اختیاری کے تابع کر دیں اور اس کو دائرۂ اختیار سے باہر لے آئیں اور جیسے مُردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس کو بھی ایسا ہی بنا دیں۔

قید کے دنوں میں کبھی اپنی ناکامی و بے اختیاری کا مطالعہ کرتا تو عجیب طرح کی لذت پاتا اور عجیب ذوق معلوم ہوتا۔ ہاں ارباب فراغت ارباب بلا کے ذوق کو کیا پائیں اور ان کی بلا کے جمال کا وہ کیا ادراک کر سکیں بچوں کے لئے لذت صرف مٹھائی میں ہے اور جس نے تلخی سے حصہ پایا ہو وہ شیرینی کو ایک جَو سے بھی نہیں خریدتا۔[1]

مرغِ آتش خوارہ کے لذت شناسد دانہ را

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۸۴

حافظ عبد الغفور کی طرف صادر فرمایا

(اس طریقہ علیہ کے آداب کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اس راہ کے طالب کو چاہیئے کہ اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی درست آراء کے مطابق عقائد کی درستی کے بعد اور احکام فقہیہ ضروریہ کے بعد اور اس علم کے مطابق عمل کرنے کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رکھے لیکن شرط یہ ہے کہ اس ذکر کو کسی شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو کیونکہ ناقص سے کامل نہیں آتا اور اپنے اوقات کو ذکر سے اس طریقہ

[1] آگ کھانے والا پرندہ دانہ کی لذت کب جانتا ہے۔ ۱۲

پر آباد رکھے کہ فرائض و سنن مؤکدہ کی ادائیگی کے بغیر کسی چیز میں مشغول نہ ہو یہاں تک کہ تلاوت قرآن مجید اور نفلی عبادتوں کو بھی موقوف رکھے اور باوضو ذکر کہے اور کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی اسی کام میں مشغول رہے اور آمد و رفت اور خورد و نوش اور سوتے جاگتے کسی وقت بھی ذکر سے خالی نہ رہے ؎

ذِکر گو ذِکر تا ترا جان است پاکئ دل ز ذکر رحمان ست[1]

اس طرح ہمیشہ ذکر میں مشغول رہے کہ مذکور کے سوا ہر چیز اس کے سینہ کے میدان سے اپنا سامان باندھ کر کوچ کر جائے اور اس کے باطن میں ماسوا کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے یہاں تک کہ بطور وسوسہ بھی ماسوا اس کے دل میں گذر نہ کرے اور اگر تکلف سے بھی غیر کو دل میں لانا چاہے تو اس نسیان کی وجہ سے جو اس کے دل کو مذکور کے سوا حاصل ہو چکا ہے میسّر نہ ہو اور یہ نسیان جو دل کو مطلوب کے سوا تمام ماسوا سے حاصل ہوا ہے حصُول مطلوب کا مقدمہ ہے اور اس کے وصول کی بشارت دینے والا ہے اور حصول مطلوب اور وصول حقیقی بمقصود کے متعلق کیا لکھوں کہ وہ وراء الوراء ہے ؎

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَهَا قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُیُوْفُ[2]

اور جب برادرِ عزیز اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سبق کو انجام تک پہنچا لے گا تو دوسرے سبق کی طلب کرلے گا اور اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

مکتُوب نمبر ۸۵

حضرات ذوی البرکات مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید و محمد معصوم سلمہما اللہ کی طرف صادر فرمایا

(اوقات کی حفاظت کے متعلق نصیحت کے بیان میں)

اس علاقہ کے احوال و اوضاع قابلِ تعریف ہیں اور اللہ سُبحانہٗ و تعالےٰ ہی کی مشیّت کے مُطابق تمہاری سلامتی اور عافیت کی دُعا ہے۔

اگر اجمیر پہنچ گئے اور راہ کی سختیوں کی گھاٹیوں اور شدید گرمی سے نجات میسّر ہو گئی تو تمہیں لکھوں گا اور انشاء اللہ تعالےٰ بلالوں گا جمعیت خاطر سے رہیں اور اپنی تمام ہمّت کو اللہ جل شانہٗ کی رضامندی میں مصروف رکھیں ایسا نہ ہو کہ فراغت میں پڑ جائیں اور نفس کو خوش کریں اور اہل و عیال سے پُوری محبت کرنے لگیں اور اس ضروری کارخانہ میں

---

[1] جب تک تجھ میں جان ہے ذکر کرتا چلا جا دل کی پاکیزگی خدا تعالےٰ کے ذکر سے ہے۔ ۱۲

[2] سعاد تک کس طرح پہنچا ہو سکے اس کے سامنے پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں اور ان سے پہلے کئی بلندیاں اور پستیاں ہیں۔

فتور پڑھ جائے کہ پھر سوائے محرومی اور ندامت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا اس صحبت واس دولت کو غنیمت جانیں اور اہم امور میں وقت گذاریں، اطلاع دینا شرط ہے نئے معارف جو لکھے گئے ہیں یہ سب یکے بعد دیگرے آپ کے سبق ہیں ان کو سرسری طور پر نہ پڑھیں اور ان کے مطالعہ کی جدوجہد کریں شاید ان کے پوشیدہ رازوں کا دریچہ کھل جائے اور سرمایہ سعادت بن جائے۔

میں نے تمہارے بارے میں ایک بشارت پائی ہے جسے ایک خط میں لکھ کر محمد ہاشم کشمی کے سپرد کیا ہے کہ تمہیں پہنچادے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تم کو ضائع نہ کرے گا اور قبول فرمائے گا لیکن ترساں ولرزاں رہیں اور لہو ولعب میں نہ گذاریں صحبت کی دوری ایسا نہ ہو کہ کوئی تاثیر پیدا کرے اور خداوند تعالیٰ سے ملتجی اور متضرع رہیں اور بقدر ضرورت اہل حقوق سے اختلاط رکھیں اور ان کی خاطرداری کریں اور عورتوں کی جماعت سے وعظ ونصیحت سے زندگی گذاریں اور ان کے حق میں امر معروف اور نہی منکر سے دریغ نہ کریں اور اپنے تمام گھر والوں کو نماز اور درستی اور شرعی احکام کی تعمیل کی ترغیب دیں کہ تم اپنی رعیت کے متعلق پوچھے جاؤگے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تم کو علم دیا ہے اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے اور اس پر استقامت دے آمین۔

مکتوب نمبر ۸۶

درویش حبیب خادم کی طرف صادر فرمایا

(کرامات کے کم یا زیادہ ظاہر ہونے کے اسرار کے بیان میں)

ضرورت سے زیادہ مباح چیزوں کا ارتکاب کرامات کے کم ظاہر ہونے کا سبب ہے خصوصاً جبکہ زائد چیزوں کی کثرت مباشرت مشتبہ حد تک پہنچ جائے اور پھر اس جگہ سے خدا کی پناہ کہ حرام کے اردگرد پھرنے لگے کرامات کہاں اور خوارق کونسے؟ جتنا بھی مباح چیزوں کا دائرہ تنگ کردیا جائے گا اور ضرورت کے اندازہ پر اکتفا کیا جائے گا۔ اتنی ہی کشف وکرامات کی گنجائش زیادہ ہوگی اور ظہور وخوارق کی راہ اتنی ہی کشادہ تر ہوگی۔

ظہور خوارق نبوت کی شرط ہے نہ کہ شرط ولایت کیونکہ نبوت کا اظہار واجب ہے نہ کہ اظہار ولایت بلکہ اس مرتبہ میں چھپنا اور پوشیدہ رکھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس جگہ خلق کو دعوت دینا ہے اور اس جگہ اللہ جل شانہ، کا قرب ہے اور معلوم ہے کہ دعوت کے لئے اظہار لازم ہے اور قرب کے لئے پوشیدگی مناسب ہے کسی ولی سے خوارق کے ظہور کی کثرت اس کی دوسروں پر افضلیت پر دلالت نہیں کرتی کہ جن سے اس قدر خوارق

ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا ولی ہو جس سے کوئی بھی کرامت ظاہر نہ ہوتی ہو اور وہ ان اولیاء سے افضل ہو جن سے کرامات کا ظہور بکثرت ہوتا ہے۔

چنانچہ شیخ الشیوخ نے اس معنی کی تحقیق کتاب عوارف المعارف میں فرمائی ہے جب کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام میں ظہور کثرت وقلت خوارق جو کہ نبوّت میں شرط ہے فاضلیّت ومفضولیّت کا سبب نہیں ہے اور ولایت جس میں شرط نہیں ہے تفاضل کا سبب کیسے ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ریاضات و مجاہدات اور اپنے نفس پر مباح چیزوں کے ارتکاب کا دائرہ تنگ کرنے کا اصلی مقصد ظہور خوارق ہے جو کہ ان پر واجب ہے اور ان کی نبوت کی شرط ہے نہ کہ قربِ الٰہی جلّ شانہٗ کے درجات تک وصول کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام مجتبا ہیں کہ جن کو جذب محبت کی کنڈی سے کھینچ کھینچ کر لے جاتے ہیں اور بے مشقت ان کو قرب الٰہی کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں وہاں صرف انابت و ارادت ہے۔ کیونکہ ریاضات و مجاہدات قربِ الٰہی جل شانہٗ کے درجات تک پہنچنے کے لئے درکار ہے جو کہ مریدوں کی راہ ہے اور مُرادوں کی راہ اجتباء، مرید مشقّت سے اور اپنے پاؤں کی محنت سے خود چلتے ہیں اور مُرادوں کو ناز ونعمت سے لے جاتے ہیں اور بغیر محنت کے ان کو قرب کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ ریاضات و مجاہدات انابت و ارادت کی راہ کی شرط ہے اور اجتباء کی راہ میں مجاہدات شرط نہیں ہیں اس کے باوجود نفع بخش ضرور ہیں۔ مثلاً وہ شخص جس کو کھینچ کر لے جا رہے ہیں وہ اس کشش کے ساتھ اپنے لے جانے میں خود بھی محنت اور کوشش کرے تو اپنے مطلب پر جلدی پہنچ جائے گا اور اس آدمی سے بہت آگے نکل جائے گا جو اپنی کوشش نہیں کرتا اگرچہ ہو سکتا ہے کہ کبھی تنہا کشش بھی جبکہ بہت زیادہ طاقتور ہو بہت سا کام کرتی ہے اور اس کشش مرکّب سے زیادہ فائدہ دیتی ہے۔ پس راہ اجتباء میں کوشش و تردّد و مشقت کمال وصول کی شرط نہیں ہوتی جیسا کہ نفس وصول کی شرط نہیں ہے ہاں نفع کا احتمال ضرور رکھتی ہے اگرچہ بعض مقامات میں ہو۔

اور ریاضات و مجاہدات جو کہ ضروریات مباحہ پر اقتصار کرنے کا نام ہے کے فوائد و منافع ارباب اجتباء کے لئے بھی اس فائدہ کے بغیر کہ جس کا ذکر ہوا بہت ہیں۔ مثلاً جہاد اکبر کا دوام اور کمینی دُنیا کی آلودگیوں سے نظافت و طہارت کیونکہ جس قدر بھی حوائج ضروری ہیں وہ دُنیا میں داخل نہیں ہیں اور جو زائد ہیں وہ دنیا سے ہے اور ریاضات اور ضرورت پر اقتصار کرنے میں دُوسرا فائدہ آخرت کے محاسبہ و مواخذہ کی کمی ہے اور پھر اُخروی درجات کی بلندی کا سبب بھی ہے کیونکہ جس قدر بھی دنیا میں محنت ہے اس سے کئی گنا زیادہ آخرت میں راحت ہے۔

پس دُوسرے وجوہات بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ریاضات و مجاہدات کے لئے سوائے

مذکورہ بالا وجہ کے پیدا ہو گئے۔ پس واضح ہُوا کہ ریاضات اور جائز ضروریات پر اکتفا کرنا اگرچہ راہِ اجتباء میں وصُول کی شرط نہیں ہے لیکن بذاتِ خود وہ محمود و مستحسن ہے بلکہ مذکورہ فوائد کی بنا پر ضروری اور لازم ہے۔ اے ہمارے ربّ ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علےٰ من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۸۷

مولینا صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا

(حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مُرادی و مریدی کے اسرار کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الّذین اصطفی۔ مَیں اللہ تعالےٰ کا مُرید بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا مُراد بھی، میری ارادت کا سلسلہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے متصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ کے قائم مقام ہے اور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ارادت بہت سے واسطوں سے ہے طریقہ نقشبندیہ میں درمیان میں اکیس[۲۱] واسطے ہیں اور طریقہ قادریہ میں پچیس[۲۵] اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس[۲۷]، اور میری اللہ تعالےٰ سے جو ارادت ہے وہ واسطے کو قبول نہیں کرتی۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ میں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُرید بھی ہوں اور ان کا متبع، ہم پیر بھی اس دولت کے دسترخوان پر اگرچہ مَیں طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں اور اگرچہ میں تابع ہوں لیکن اصل سے بے نصیب نہیں ہوں اور اگرچہ مَیں امتیؐ ہوں لیکن دولت میں شریک ہوں لیکن وہ شرکت نہیں جس سے ہمسری کا دعویٰ پیدا ہو کہ وُہ کفر ہے بلکہ یہ شرکت خادم کی اپنے مخدوم کے ساتھ شرکت ہے مجھے جبتک بُلایا نہیں گیا میں اس دسترخوان پر حاضر نہیں ہوا ہوں اور جب تک انہوں نے خود نہیں چاہا مَیں نے اس دولت کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا ہے۔ اگرچہ مَیں اُویسی ہُوں لیکن مَیں اپنا حاضر و ناظر مربّی رکھتا ہوں۔ اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرا پیر عبد الباقی ہے لیکن میری تربیّت کا کفیل خود اللہ الباقی ہے میری تربیت اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہوئی ہے اور مَیں اجتباء کی راہ چلا ہوں میرا سلسلہ سلسلہ رحمانی ہے کہ مَیں عبد الرحمان ہوں کیونکہ میرا ربّ رحمان ہے اور میرا مربّی ارحم الراحمین، اور میرا طریقہ طریقۂ سُبحانی ہے کہ مَیں تنزیہ کی راہ پر چلا ہوں اور اللہ تعالےٰ کی ذات کے سوا کسی اسم اور صفت کو نہیں چاہا ہے یہ میرا سُبحانی کہنا وہ سُبحانی نہیں ہے جس کا بُسطامی قائل ہُوا ہے کہ اس کو اس سے کوئی ربط نہیں ہے کہ وہ اَنفُس کی چوٹی سے باہر نہیں آیا ہے اور یہ انفس و آفاق سے ماوراء ہے اور وہ تشبیہ ہے جس نے تنزیہ کا لباس پہنا ہے اور یہ تنزیہ ہے کہ جس کو تشبیہ کی بُو بھی نہیں

پہنچی ہے اور اُس نے شکر کے چشمہ سے جوش مارا ہے اور یہ عین صحو سے بر آمد ہوا ہے۔ ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو موقوف علیہ نہیں رکھا ہے اور میری تربیت میں اپنے فضل کے سوا کسی کو علت فاعلی نہیں بنایا اور اپنے کمال کرم سے اور اس غیرت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ میرے حق میں رکھتا ہے جائز نہیں رکھا ہے کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فعل کا کوئی دخل ہو یا میں اس معنی میں دوسروں کی طرف متوجہ ہُوں، میں اللہ تعالےٰ کا پروردہ ہوں اور اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم نامتناہی کا مجتبا ہوں ؎

با کریماں کارہا دشوار نیست[1]

الحمد للہ ذی الجلال والاکرام والمنۃ والصلوٰۃ علیٰ رسولہ والتحیۃ اوّلاً وآخراً

مکتوب نمبر ۸۸

حضرت مخدوم زادہ عالی مرتبہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(خُلّتِ خلیل اور تعیّن وجودی کے اثبات کے اسرار کے بیان میں)

اللہ تبارک وتعالیٰ جس بندہ کو اپنی خُلّت کی دولت سے جو کہ بالاصل حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص ہے مشرف فرماتا ہے اور ولایت ابراہیمی سے سرفراز کرتا ہے تو اس کو اپنا انیس وندیم بنا لیتا ہے اور اُنس اور اُلفت کی نسبت جو کہ خُلّت کے لوازم سے ہے درمیان میں لاتا ہے تو خلیل کے اوصاف اور اس کے اخلاق کی کراہت اور قباحتِ نظر سے مرتفع ہو جاتی ہے کیونکہ قباحت اگر نظر میں ہو تو وہ نفرت اور بے اُلفتی کا سبب بن جاتی ہے جو کہ خُلّت کے مقام کے منافی ہے کہ وہ سراسر اُلفت ہے۔

سوال:۔ خلیل کے اوصاف کے قُبح کا نظر سے مرتفع ہونا مجاز میں تو ظاہر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس مقام میں خُلّت کی نسبت غالب آئے اور خلیل کے اوصاف کی قباحت کو پوشیدہ کر دے لیکن مرتبہ حقیقت میں کہ اس جگہ کسی شے کا علم اپنی اصل صورت میں ہے تو قبیح کو غیر قبیح جاننا اور خُلّت کی نسبت سے مغلوب ہونا جائز نہیں ہے۔

جواب:۔ ہر قبیح میں حُسن کے وجوہات میں سے کوئی نہ کوئی وجہ ثابت ہے پس ہو سکتا ہے کہ قبیح کو اس وجہ حسن کی وجہ سے حسن جانے اور اس کے حسن ہونے کا حکم فرمائے۔ جاننا چاہیئے کہ اگرچہ اس قبیح میں حُسنِ مطلق پیدا نہیں ہُوا ہے لیکن جب اس کے حُسن کی وجہ اللہ تعالےٰ کو منظور وملحوظ ہوتی ہے تو لازماً وہ بحکم اَلَا اِنَّ حِزْبَ

[1] سخی لوگوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ہوتے۔

اللہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ (خبردار! اللہ تعالےٰ کا لشکر وہی غالب آنے والا ہے) دوسرے وجوہ قبح پر وہ غالب آجاتی ہے اور تمام کو اپنے رنگ میں رنگین کر دیتی ہے اور پسندیدہ بنا دیتی ہے۔ اُولٰئِكَ یُبَدِّلُ اللہُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالےٰ نیکیوں سے تبدیل کر دیتا ہے)

جان لے اللہ تعالےٰ تجھے سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کرے کہ محبت اور خُلّت میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے خُلّت عام ہے اور محبّت اس کا ایک کامل فرد ہے کیونکہ انس والفت کا حد سے گذرنا محبت ہے جو کہ گرفتاری کا باعث ہوتی ہے اور بے قراری اور بے آرامی لاتی ہے۔ خُلّت سراسر اُنس و اُلفت و آرام ہے اور محبّت وہ ہے جس نے گرفتاری کا عالم پیدا کیا ہے اور خُلّت کے دُوسرے افراد میں سے الگ ہوئی ہے گویا کہ دوسری جنس بن گئی اور وہ ہنر جو محبت نے اس امتیاز میں خُلّت کے دُوسرے افراد کے علاوہ پیدا کیا ہے وہ درد اور غم ہے اور نفس خُلّت سب عیش اور سرور ہی سرور اور خوشی ہی خوشی اور انس در انس ہے۔

یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے خلیل علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دُنیا میں بھی جو کہ محنت کا گھر ہے عمل کا اجر عطا فرمایا ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالےٰ نے ان کے حق میں فرمایا۔ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (اور ہم نے اس کو دنیا میں بھی اس کا اجر دیا اور یقیناً وہ آخرت میں نیک لوگوں سے ہے) پس جبکہ محبّت درد و حزن کا منشا ٹھہری تو جس فرد میں بھی محبت غالب ہوگی اس میں درد و حزن زیادہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ کہا ہے کہ "رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم دائم الفکر اور ہمیشہ حزن میں رہتے" اور خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ — جتنی مجھے تکلیف دی گئی ہے اتنی کسی نبی کو تکلیف نہیں دی گئی۔

کیونکہ افراد انسانی میں سے کامل فرد محبّت کے حصول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور اگرچہ آپ محبوب تھے (صلے اللہ علیہ وسلم) لیکن جب محبت کی نسبت درمیان میں آگئی تو محبوب بھی مُحب کی طرح شیدا و گرفتار ہُوا۔ حدیث قدسی ہے اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَیْهِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا (کہ میری ملاقات کے لئے نیک لوگوں کا شوق بڑا لمبا ہوگیا اور میں اُن کی طرف زیادہ شوق رکھتا ہوں) اس جگہ ایک مشہور۔

سوال:۔ ہے کہ شوق تو مفقود میں ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مفقود نہیں ہے تو شوق کیا ہے اور اشد شوق کیا ہوتا ہے؟

جواب:۔ میں کہتا ہوں کہ کمال محبّت کی آرزو ہوتی ہے کہ دوئی ختم ہو جائے اور محب اور محبوب کا

اتحاد ہو جائے اور جب یہ بات مفقود ہے تو شوق موجود ہے اور چونکہ بالاصل اتحاد کی تمنا محبوب میں ثابت ہے کیونکہ محبّت شائد صرف وصل محبوب پر ہی قناعت کرے تو لازماً زیادہ شوق محبوب کی جانب ہی ہوگا اور ہمیشہ غمگین رہنا حبیب کی صفت ہوگی۔

سوال:۔ اگر کہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ تمام امور پر قادر ہے وہ جو چاہے اس کو میسّر ہے پس اللہ تعالیٰ کے حق میں کوئی چیز مفقود نہ ہوگی تاکہ شوق متحقق ہو۔ **جواب:۔** کسی چیز کی تمنا اور چیز ہے اور اس چیز کا ارادہ کرنا اور چیز ہے اللہ تعالیٰ کی مُراد اس کے ارادہ سے پیچھے نہیں رہتی اور یہ ہوسکتا ہے کہ تمنا ہو اور اس کے حصُول کا ارادہ نہ ہو اور اس کے وجود کو نہ چاہے۔

در عشق چنیں بو العجبیہا باشد

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عشق میں صرف مطلوب کا ورد ہوتا ہے اور وصل ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ وصل کو نہیں چاہتا اور محبوب کے اتصال سے گریز کرتا ہے اور یہ عشق کی دیوانگیوں میں سے ہے بلکہ عشق کے ہنروں میں سے ہے "جس نے نہ چکھا نہ جانا"۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خُلّت بہت بلند مقام ہے اور کثیر البرکۃ ہے۔ عالم مجاز میں جس کسی کو بھی کسی سے کوئی اُنس والفت وسکون وآرام ہے وُہ سب خُلّت کے مقام کا ظلال ہیں۔ مثلاً وہ محبّت جو باپ کو بیٹے سے ہے اور بھائی کو بھائی سے اور عورت کو شوہر سے یہ سب اسی خُلّت کی جنس سے ہے اور اسی طرح ہر حظّ اور لذّت اور آرام جو کہ صورِ حسنہ اور مظاہر جمیلہ سے ثابت ہے وہ مقام خُلّت سے ہے۔ محبت دوسری چیز ہے جو کہ ایک اور عالم رکھتی ہے اور اگر خُلّت واُنس واُلفت درمیان میں نہ ہو تو کوئی مرکب وجود میں نہ آئے اور اس کا کوئی جزو دُوسرے جزو کے ساتھ خاص طور پر جبکہ ان میں تضاد کی نسبت ہو پیوستہ نہ ہوتا بلکہ کوئی وجود بھی کسی ماہیّت کے ساتھ نہ ملتا بلکہ کوئی عالم بھی اللہ تعالےٰ کی ایجاد کے تحت داخل نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ محبت ہی ہے جس نے ایجاد کے سلسلہ کو حرکت دی ہے اور وجود اشیاء کی باعث ہوئی ہے فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (پس مَیں نے پسند کیا کہ مَیں پہچانا جاؤں سو مَیں نے مخلوق کو پیدا کیا) حدیث قدسی ہے اور حُبِّ خُلّت کا فردِ کامل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا پس اگر خُلّت نہ ہوتی تو کوئی چیز بھی موجود نہ ہوتی اور کوئی چیز بھی کسی کے ساتھ جمع نہ ہوتی اور اُلفت نہ پکڑتی۔ عالم کا وجود اور اس کا نظام دونوں خلّت سے وابستہ ہیں اگر خلّت نہ ہوتی تو وجود کی طرح نظام بھی مفقود ہوتا پس خُلّت ایجاد کا اصل ہوئی، مُوجِد کی جانب بھی اور موجود کی جانب بھی کیونکہ وہ خلّت ہی ہے جس نے ممکن کو وجود قبوُل کرنے کے لئے مانوس کیا ہے اور ایجاد کی قید میں لایا ہے بلکہ عدم میں بھی اپنے خلوت خانہ میں خلّت کی دولت ہی سے آرام پایا ہے اور اپنی نیستی کے ساتھ موافقت کی ہے بلکہ اپنے نقیض (وجود) سے بھی اُلفت واُنس

کر کے اس کے کمالات کا آئینہ ہُوا ہے اور ممکنات کے وجود کا ذریعہ بنا ہے۔ پس خُلّت تمام اشیاء سے زیادہ مُبارک ہُوئی اور اس کی برکات موجود اور معدوم کو شامل ہیں۔ جب تو نے خُلّت کے باریک نکات معلوم کر لئے اور اس کے عموم برکات کو معلوم کر لیا اور یہ بھی جان لیا کہ مقام خُلّت اصل میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی ولایت ولایتِ ابراہیمی ہے۔

پس جان لو کہ اب اس فقیر پر ان معارف کی برکات کے وسیلہ سے ظاہر ہُوا ہے کہ تعیّن اوّل اللہ تعالےٰ کی ذات کا حضرت وجود سے تعیّن ہے اور وہ تعیّن اوّل وجودی حضرت خلیل علیٰ نبینا و علیہ و علیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والسلام کا ربّ ہے لہٰذا وہی سب کے امام ہوئے اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (میں تجھے سب لوگوں کے لئے امام بنانے والا ہوں) اور سید البشر ان کی ملّت کی متابعت کے مامور ہوئے۔ اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا (آپ ملّت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں) اور ان کے بعد جو پیغمبر بھی مبعوث ہُوا اسے ابراہیم علیہ السلام کی متابعت کا حکم دیا گیا۔ اور تمام تعیّنات اس تعیّن وجودی کے ضمن میں مندرج ہیں اگر تعیّن علمی جملی ہے تو وہ بھی اس کے ضمن میں ہے اور اگر تفصیلی ہے تو وہ بھی اس میں مندرج ہے۔

اس وجہ سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "باپ" کے لفظ سے یاد کرتے تھے اور باقی انبیا علیہم السلام کو "بھائی" کے لفظ سے اور اگر تمام انبیاءؑ کو "بیٹے" کے لفظ سے یاد کرتے تو گنجائش رکھتا تھا کیونکہ ان بزرگواروں کے تعیّنات اس کے تعیّن کے ضمن میں کہ جس کو تعیّن علمی جملی کہا ہے مندرج ہیں علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات، اور وہ جو نماز ماثورہ میں آیا ہے کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ (جیسا کہ تُو نے ابراہیم پر رحمت کی) ہو سکتا ہے کہ یہ اس لئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک وصول بغیر وسیلہ تعیّن اوّل وجودی اور بغیر وسیلہ ولایت ابراہیمی کے تمام کمالات کے میسّر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کے لئے سب سے پہلا خیمہ وہی ہے جس نے غیب الغیب کی آئینہ داری کی ہے اور باطن سے باطن کو بھی ظہور میں لایا ہے پس کسی کو بھی اس کے واسطہ سے چارہ نہیں ہے خاتم الانبیاء کو ان کی متابعت کا حکم فرمایا ہے تاکہ آپ کی متابعت سے ولایتِ ابراہیمی تک پہنچیں اور اس جگہ سے اللہ تعالےٰ کی ذات تک ناز سے خراماں خراماں چلے جائیں علیہ و علےٰ جمیع الانبیاء الصلوات والتحیات۔

سوال:- اس بیان سے لازم آیا کہ حضرت ابراہیم حضرت خاتم الرسل سے افضل ہوں علیٰ جمیع الانبیاءِ الصلوٰۃ والسلام حالانکہ حضرت خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر اجماع ہے اور یہ بھی لازم آیا

کہ تجلّی ذات بالاصل حضرت خلیل صلے اللہ علیہ وسلّم کا حصّہ ہو اور دوسروں کے لئے بالتبعیت ہو حالانکہ اکابر صوفیاء کا مقررہ مقولہ ہے کہ تجلی ذات اصل میں حضرت خاتم الرّسل صلّے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لئے آپ کی تبعیّت میں ہے۔

جواب۔ ذات تک وصول بھی تجلّی ذات کی طرح دو قسم پر ہے ایک باعتبار نظر ہے اور دوسرا باعتبار قدم یعنی یا نظر واصل ہے یا ناظر بنفس خود واصل ہے اور جو قسم وصولی نظری ہے وہ اصل میں حضرت خلیل علیہ الصلوات والسلام کا حصّہ ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی ذات سے اقرب تعینات تعین اوّل ہے جو کہ حضرت ابراہیم کا رب ہے

جیسا کہ اوپر گذر چکا اور جب تک اس تعین تک نہ پہنچے اس سے آگے نظر نفوذ نہیں کرتی اور وہ قسم جو باعتبار قدم ہے وہ اصل میں حضرت حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص ہے جو کہ رب العٰلمین کے محبوب ہیں۔ محبُوبوں کو اس مقام تک لے جاتے ہیں کہ خلیل اس جگہ سے عاجز ہیں مگر یہ کہ ان کی تبعیت میں جائیں۔ کوئی خلیل ہی چاہیئے کہ اس کی نظر رئیس محبُوبان کے وصول کے مقام تک پہنچ سکے صلے اللہ علیہ وسلم اور راہ بیں کوتاہی نہ کرے۔

مختصر یہ کہ تجلّی ذات ایک وجہ سے تو بالاصل حضرت خلیل سے مخصُوص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور دُوسری وجہ سے وہ تجلی اصل میں حضرت خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں اور چونکہ دوسری وجہ زیادہ طاقتور اور مراتب قُرب میں زیادہ دخل پانے والی ہے تو لازماً تجلّی ذات کو حضرت خاتم الرسل سے زیادہ مناسبت حاصل ہوئی اور ان کے ساتھ خصوصیّت پیدا کی اور آپ حضرت خلیل اور باقی دوسرے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ٹھہرے پس انبیاء میں سے کلّی فضیلت ان دو بزرگواروں کو ملی اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے افضل ہے علیہما وعلیہم الصلوات والتسلیمات اور موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ محبّین کے رئیس ہیں جب کہ ہمارے پیغمبر محبوبین کے رئیس ہیں علیہ وعلی اتباعہ الصلوٰۃ والسلام تو لازماً حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کو بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبت ہو) اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ ایک طرح کی معیّت ہے جو دُوسروں کو نہیں ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ اس بارگاہ میں ان کو ایسا مرتبہ ملا ہے جو کہ ان کی محبت کی وجہ سے ہے اور دوسرے کو اس جگہ کوئی دخل نہیں ہے۔ لیکن یہ فضیلت جزوی ہے جس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ کلّی کے برابر ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک بہت بڑی جماعت اس مقام میں ان کے تابع ہے اور

اس کے باوجود کلی فضیلت وہی ہے جو حضرت خلیل وحبیب کے حصہ میں آئی ہے علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ اور اگرچہ ہر ایک ایک طرح سے دوسرے کا تابع ہے۔ وصول نظری میں حضرت خلیل اصل ہیں اور حضرت حبیب ان کے تابع ہیں علیہما الصلوات والتحیات والبرکات اور وصول قدمی میں حضرت حبیب اصل ہیں اور حضرت خلیل ان کے تابع ہیں علیہما الصلوٰۃ والسلام اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص فضائل وکمالات کو جتنے کہ وہ اس فقیر پر ظاہر ہوئے ہیں دل میں ہے کہ ایک علیحدہ کاغذ میں تحریر کروں ان شاء اللہ تعالےٰ

جاننا چاہیئے کہ وہ انبیاء جو کسی نبی کے وسیلہ سے اللہ تعالےٰ کی ذات تک پہنچتے ہیں تو وہ نبی اللہ تعالےٰ کی ذات اور ان انبیاء کے درمیان حائل نہیں ہے اور ان انبیاء کو بالاصل اللہ تعالیٰ کی ذات سے حصہ ملتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان کا اپنے درجہ تک پہنچنا اس نبی کی تبعیت سے وابستہ ہے برخلاف کسی نبی کی امت کے جو کہ نبی کے وسیلہ سے پہنچے تو وہ پیغمبر درمیان میں حائل ہے مگر اس صورت میں کہ افراد امت میں سے کسی فرد کو بالاصل اللہ تعالےٰ کی ذات سے حصہ ملے تو اس وقت وہ نبی درمیان میں حائل نہیں ہوتا اور اس کی تابعداری موجود ہوتی ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ایسے بندے تھوڑے ہیں بلکہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

سوال:۔ اس صورت میں اس امتی فرد اور دوسرے انبیاء میں کیا فرق ہوگا کہ دونوں میں حیلولت مفقود ہے اور تبعیت موجود۔

جواب:۔ فرد امت میں تبعیت بطور تشریع ہے کہ جب تک نبی کی متابعت نہ کرے گا نہ پہنچے گا اور انبیاء میں تبعیت اس اعتبار سے ہے کہ نبی متبوع کا وصول پہلے ہے اور بالذات ہے اور دوسروں کا وصول ثانوی حیثیت میں ہے اور بالعرض ہے۔ کیونکہ دعوت کا مطلوب تو محبوب ہے اور دوسروں کو اس کی طفیل سے بلاتے ہیں اور اس کی تبعیت میں طلب کرتے ہیں لیکن وہ سب ایک ہی دستر خوان پر بیٹھتے ہیں اور ایک ہی مجلس میں اپنے درجات کے مطابق لذتوں اور نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور امتوں کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ان انبیاء کے حاشیہ بردار ہیں اور ان کا پس خوردہ (بچا کھچا) کھانے والے ہیں شاذ ان کے افراد میں سے کوئی فرد اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے مخصوص ہو جائے اور اکابر کی مجلس میں ہم نشین ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے

باکریماں[1] کارہا دشوار نیست

---

[1] شرفا کے لئے کوئی کام مشکل نہیں

اس کے باوجود امت امت ہے اور پیغمبر پیغمبر۔ امت خواہ کتنی ہی سر بلند ہو جائے اور خواہ کتنی ہی بلندی پیدا کرلے بہت بڑی دولت ہے اگر اس کا سر پیغمبر کے پاؤں تک پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ

اور یقیناً ہمارا کلمہ پہلے اپنے پیغمبر بندوں کے لئے گذر چکا ہے کہ وہی مدد دیئے جائیں گے اور یقیناً ہمارا لشکر وہی غالب آنے والا ہے۔

سوال:۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی متابعت کہ ہمارے پیغمبر اس کے مامور ہوتے ہیں کیا وجہ ہے؟ اور باوجود آپ کی شریعت مستقل ہونے کے ان کی تبعیت کا حکم کیا ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

جواب:۔ شریعت کا مستقل ہونا تبعیت سے جنگ نہیں رکھتا۔ جائز ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کو بالاصل اخذ کیا ہو لیکن کسی امر کے حصول کے ذریعہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے مامور ہوئے ہوں کیونکہ وہ امر تبوع کے خصائص میں سے ہے جس کی متابعت کا حکم دیا گیا ہے اور اس امر کا حصول اس متابعت کے حصول سے وابستہ ہے مثلاً ایک شخص فرائض میں سے کسی فرض کو ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ متابعت کی نیت بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس فرض کو ہمارے نبی نے ادا کیا ہے ہم بھی ادا کرتے ہیں تو اس تقدیر پہ امید ہے کہ اس کو ادائے فرض کے ثواب کے علاوہ متابعت کا ثواب علیحدہ ملے اور چونکہ اُس نے نبی سے مناسبت پیدا کی ہے۔ لہٰذا اس کی برکات سے استفادہ بھی کرے گا۔

اور اس بات کی تفتیش کہ متابعت ملت سے مراد تمام ملت کی متابعت ہے یا بعض کی، اگر تمام کی ہے تو باوجود بعض احکام کے منسوخ ہو جانے کے کل کی متابعت کسی طرح ہو سکے گی اور اگر بعض مراد ہے تو بھی بے خدشہ نہیں ہے۔ اس کا حل علمائے تفسیر نے کیا ہے اس جگہ رجوع کرنا چاہیئے کہ یہ باب علماء ظواہر کا ہے علوم صوفیہ سے یہ بہت کم مناسبت رکھتا ہے۔

سبحان اللہ ایسے معارف مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں کہ اُن کی غرابت سے نزدیک ہے کہ ابنائے جنس بھی مجھ سے نفرت کریں اور محرم بھی برخلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور مجرم ہو جائیں۔ میرا ان معارف کے حصول میں کیا اختیار ہے اور ان کے اظہار میں کیا کاروبار ہے۔ اُنہوں نے خود ہی بتایا ہے کہ تعین اوّل تعین وجودی ہے، اور وہ حضرت خلیل کا رب ہے اور ان کے تعین کا مبدأ ہے علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اس ہزار سال میں کیا کسی نے جانا ہے یا سُنا ہے کہ تعین اوّل تعین وجودی ہوتا ہے اور وہ حضرت خلیل الرحمٰن کا رب ہے علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ متقدمین میں یہ عبارت متعارف نہ تھی اور نہ تعین و تنزل کی گنجائش تھی پچھلے لوگوں میں اس قسم کی باتیں متعارف ہوئیں تو تعین اوّل تعین علمی جملی قرار پایا اور وہ حضرت خاتم الرسل کا رب قرار

پایا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

آج اگر کسی سے اس کے خلاف ظاہر ہو تو خیال کرنا چاہیئے کہ اس کے سر پر کیا گذرے گی اور وُہ کس طرح مطعون و مُلام ہو گا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خلیل کو حبیب پر فضیلت دیتا ہے اور حبیب کو خلیل کا جزو بناتا ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کیونکہ تمام تعینات کو تعینِ اوّل میں مندرج جانتا ہے اگرچہ اوپر اس وہم کا ازالہ کیا ہے اور جواب شافی دیا ہے لیکن معلوم نہیں کہ اس پر اکتفا کریں اور اس شفا سے متشفی ہوں کیا کیا جائے کہ جہالت اور عناد اور تعصب کا کوئی علاج نہیں ہے مگر یہ کہ مقلب القلوب اپنی قدرت کاملہ سے ان کے دلوں کو پھیر دے اور حق سننے اور اس کو قبول کرنے کے قابل بنا دے۔

حضرت خلیل کی بزرگی اور ان کی بلندی مرتبہ کو حکم اِتَّبِعْ (پیروی کر) سے جو کہ اپنے حبیب کو دیا ہے دریافت کرنا چاہیئے علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ تبوع کو تابع سے کیا نسبت ہے لیکن وہ محبوبیت جو خاتم الرُسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے حصہ میں آئی ہے وہ قُرب کے تمام مراتب و فضائل پر غالب ہے اور سب سے آگے ہے قُرب کے ہزار مراتب بھی محبُوبیت کی ایک نسبت سے برابر نہیں ہو سکتے۔ محب اپنے محبُوب کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے دُوسروں کی کیا طاقت ہے کہ اس کے ساتھ مشارکت طلب کریں۔

سوال :۔ تم نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ حضرت خلیل کا رب بھی شان العلم ہے جیسا کہ وہ حضرت حبیب کا رب ہے علیہما الصلوات والتسلیمات۔ بس اس قدر فرق ہے کہ اس جگہ تفصیل ہے اور اس جگہ اجمال۔

جواب :۔ یہ معرفت ولایتِ خُلت کی حقیقت کے وصُول سے پہلے کی ہے اور جب اس ولایت کی حقیقت سے متصف ہُوا تو معلوم جیسا کہ تھا ظاہر ہو گیا گویا کہ وہ معرفت اس حقیقت کے ظل سے متعلق تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ہی درستی کا الہام کرنے والا ہے۔

ان معارف سے واضح ہوا کہ وجود عین ذات نہیں ہے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے تعینات میں سے سب سے پہلا تعین ہے اور جس نے وجود کو عین ذات کہا ہے تو اس نے تعین کو لاتعین سمجھا ہے اور غیر ذات کو ذات جانا ہے اور غیریت میں مناقشہ فائدہ نہیں رکھتا کیونکہ وہ تنگی عبارت سے ہے۔

سوال :۔ یہ تعینِ اوّل وجودی جس کو تم نے پایا ہے اس تعینِ علمی جملی سے کہ جس کو دوسروں نے پایا ہے کیا نسبت ہے اور ان دو تعین کے درمیان کوئی اور تعین بھی ہے یا نہیں؟

جواب :۔ تعین وجودی، تعین علمی سے بلند ہے اور تعین علمی سے اوپر کہ جس کو مرتبہ ذات و لاتعین کہتے ہیں یہی تعین وجودی ہے جس کو عین حضرت ذات پایا ہے اور وجُود کو عین ذات سمجھا ہے اور ان دو تعین کے درمیان شان الحیوٰۃ ہے جو تمام شیونات سے پہلے ہے اور اس کے بعد شان العلم ہے اجمالاً و

تفصیلاً اور اس کے تابع ہے لیکن اس درمیانے تعین کا مظہر نظر میں نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے سب سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور استغنائے ذاتی اس میں بہت جلوہ گر ہے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فیوض و برکات خصوصاً روحانیوں پر انڈیلے جاتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانتے۔ اے اللہ تو پاک ہے ہمیں تیری بتائی ہوئی چیزوں کے بغیر کچھ علم نہیں ہے یقیناً تو ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

تنبیہ:- وہ جو اوپر گذرا ہے کہ وصال نظری اصل میں حضرت خلیل کا حصّہ ہے اور وصول قدمی اصل میں حضرت حبیب کا حصّہ ہے علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام، یہ اس معنی سے نہیں ہے کہ اس جگہ شہود و مشاہدہ ہے یا قدم کو اس جگہ گنجائش ہے اس جگہ بال کی بھی گنجائش نہیں ہے قدم کا کیا معنی بلکہ اس جگہ مجہول الکیفیت وصول ہے اگر صورت مثالیہ میں نظر میں منقش ہو تو وصول نظری ہے اور اگر قدم مرتسم ہو تو اسے وصول قدمی کہتے ہیں ورنہ قدم و نظر دونوں اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں حیران و پریشان ہیں۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۸۹

قاضی اسمٰعیل فرید آبادی کی طرف صادر فرمایا

(شیخ روزبہان بقلی کے سخن کی شرح میں اور بعض دقائق توحید وجودی کے بیان میں)

شیخ روزبہان بقلی قدس سرہٗ نے متصوفین کے غلطات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے "دوسری غلطی وہ ہے جو کہتے ہیں کہ "ہمہ اوست" (سب کچھ وُہی ہے) اور اُن تمام جزئیات متفرقہ حادثہ کے باوجود ایک ہی ذات مُراد رکھتے ہیں اور اشارے سے ایک دُوسرے کو کہتے ہیں کہ "ہم خود بھی وہی ہیں" پس ان کافروں کے لاکھوں خُدا ہیں اور خُداوند تعالےٰ محدثات کے تفرقہ اور جمع سے پاک ہے وہ ایک ہے کہ جزو کو اس میں کوئی راہ نہیں ہے وہ حلول قبُول نہیں کرتا اور متلوّن نہیں ہوتا وہ اپنے اس قول کی وجہ سے کافر ہیں نہ اپنے آپ کو جانتے ہیں نہ خُدا کو، کہ اگر کوئی اُن میں سے خُدا ہوتا تو فنا کیوں ہوتا ایک قوم کی غلطی رُوح میں ہے اور ان کی جسم میں اللہ تعالےٰ اُنہیں برباد کرے"۔

پوشیدہ نہ رہے کہ عبارت "ہمہ اوست" اگرچہ قدمائے صوفیاء قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں متعارف نہیں رہی ہے لیکن کلمات اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانِیْ اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ اور ان جیسے اور کلمات بھی بہت تھے کہ ان عبارات کا حاصل اور اس کا حاصل ایک ہے۔ مصرع آب[1] چوں از سر گذشتہ است چہ یک نیزہ چہ صد۔

---

[1] پانی جب سر سے گذر گیا تو کیا ایک نیزہ اور کیا سو نیزہ ۱۲

مثل موزون مشہور ہے اور متاخرین صوفیہ میں یہ عبارت عام رائج ہے اور بے تکلف ہمہ اوست کہتے ہیں اور اس قول پر اصرار کرتے ہیں۔ ان میں سے تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو اس عبارت اور اس جیسی اور عبارتوں سے تردد رکھتے ہیں بلکہ انکار کی صورت میں اُن کا اظہار کرتے ہیں اور وہ جو یہ فقیر ان کے اطلاقات "ہمہ اوست" سے سمجھا ہے یہ ہے کہ "یہ تمام جزئیات متفرق حادثہ ایک ذات پاک کا ظہور ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر زید کی صورت جو کہ مختلف آئینوں میں منعکس ہو اور اس جگہ ظہور پیدا کرے تو کہیں گے کہ "سب وہی ہے"۔ یعنی یہ سب صورتیں جو مختلف آئینوں میں ظاہر ہوئی ہیں یہ ایک ذات زید کا ظہور ہیں اس جگہ کونسی جزئیت اور اتحاد ہے اور کونسا حلول اور تلون۔ ان تمام صور کے باوجود زید کی ذات اپنی خالص اصلی حالت پر ہے اور ان تمام صورتوں نے نہ اس میں کوئی چیز زیادہ کی ہے اور نہ کم کی ہے جس جگہ زید کی ذات ہے اس جگہ ان کا نام ونشان نہیں ہے تاکہ اس کے ساتھ کوئی نسبت جزئیت واتحاد اور حلول وسریان کی نسبتوں میں سے پیدا کریں اَلْآنَ کَمَا کَانَ (جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے) کا راز اس جگہ تلاش کرنا چاہیئے کیونکہ جس مرتبہ میں اللہ تعالیٰ ہے عالم کی ظہور سے پہلے اس جگہ کوئی گنجائش نہ تھی اور ظہور کے بعد بھی اس جگہ کوئی گنجائش نہیں ہے تو لازمی طور پر وہ اَلْآنَ کَمَا کَانَ (جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے) ہوگا۔

عجیب معاملہ ہے کہ متقدمین صوفیاء میں سے بہت سے اکابرین اس توحید آمیز عبارت کا معنی حلول اور اتحاد سمجھتے ہیں اور ان عبارات کے قائلین کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں اور ان میں سے بعض ان عبارتوں کی ایسی توجیہات کرتے ہیں جو کہ قائلین کے مذاق سے کوئی نسبت اور مناسبت نہیں رکھتیں۔

صاحب عوارف فرماتے ہیں کہ "منصور کا قول اَنَا الْحَقُّ (میں حق ہوں)، اور بایزید بسطامی کا قول، سُبْحَانِیْ (میں پاک ہوں)، حکایت کے طور پر تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اگر بطریق حکایت نہ ہوں بلکہ حلول واتحاد کا شائبہ درمیان میں ہو تو ہم ان اقوال کے قائلین کا رد کریں گے جیسا کہ ہم نصاریٰ کا رد کرتے ہیں جو کہ حلول واتحاد کے قائل ہیں"۔ اور سابقہ تحقیق سے واضح ہوا کہ ان شطح نما عبارات میں حلول واتحاد کچھ بھی نہیں ہے اور اگر یہ ان معانی پر محمول بھی ہیں تو باعتبار ظہور ہیں نہ کہ باعتبار وجود جیسا کہ ان لوگوں نے سمجھا ہے اور ان کو حلول واتحاد کی طرف لے گئے ہیں۔

شاید کہ یہ مسئلہ توحید متقدمین صوفیاء میں اچھی طرح ملخص ہو کر تحریر نہ ہوا تھا کہ جو بھی ان میں سے مغلوب الحال ہو جاتا تو توحید میں کوئی اتحاد نما کلمہ اس سے ظاہر ہو جاتا اور غلبۂ سکر کی وجہ سے اس کے راز کو نہ پاتا اور ان عبارات کے ظاہر کو حلول واتحاد کے شائبہ سے نہ پھیرتا۔ پھر جب شیخ بزرگوار محی الدین بن العربی قدس سرہ تک نوبت پہنچی تو انہوں نے کمال معرفت سے اس دقیق مسئلہ کو مشرح ومبین کیا اس میں باب اور فصلیں

قائم کیں اور صرف و نحو کی طرح اس کی تدوین کی اور اس کے باوجود اس جماعت میں سے کچھ لوگوں نے اس کی مُراد کو نہ سمجھا اور اس کی غلطیاں پکڑنے لگے اور اس پر طعنہ اور ملامت کی بوچھاڑ کرنے لگے۔

اور اس مسئلہ میں اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہے اور اس پر طعنہ کرنے والے صواب سے دُور ہیں شیخ کے علم کی بزرگی اور زیادتی کو اس مسئلہ کی تحقیق سے معلوم کرنا چاہیئے نہ کہ اس پر ردّ اور طعنہ زنی کرنا چاہیئے یہ مسئلہ جتنا بھی چلتا جاتا ہے پچھلے لوگوں کے افکار کے ملنے سے واضح اور صاف تر ہوتا جاتا ہے اور حلول و اتحاد کے شبہات سے دُور تر ہوتا جاتا ہے۔ علم نحو جو کہ اب پچھلے لوگوں کے افکار کے ملنے سے واضح اور منقّح ہو چکا ہے ہرگز وہ سیبویہ اور اخفش کے زمانہ میں اس طرح واضح اور منقّح نہیں تھا کیونکہ کسی پیشہ کی تکمیل افکار کے ملنے سے ہے۔ امام اعظم (ابو حنیفہ) اور امام ابو یُوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما چھ ماہ تک آپس میں خلق قرآن کے مسئلہ کے متعلق جھگڑتے رہے اور ردّ و بدل کرتے رہے اور چھ ماہ کے بعد یہ طے ہُوا کہ جو آدمی قرآن کو مخلوق کہے وُہ کافر ہے۔ یہ اتنا لمبا جھگڑا اس وجہ سے ہُوا کہ یہ مسئلہ اس وقت ابھی صاف نہیں ہُوا تھا اور اب جبکہ افکار کے ملنے سے صاف ہو چکا ہے تو میں کہتا ہُوں کہ محل نزاع اگر حروف و کلمات ہیں جو کہ کلام نفسی پر دلالت کرنے والے ہیں تو کوئی شک نہیں کہ وہ حادث اور مخلوق ہیں اور اگر معانی مراد ہوں تو وُہ قدیم اور غیر مخلُوق ہیں اور یہ تنقیح تلاحق افکار کی برکت سے ہے۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان عبارات کا ایک دوسرا مطلب بھی ہے جو کہ حلول و اتحاد سے دور ہے یعنی "یہ سب نہیں ہیں صرف وہی موجُود ہے"۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ بھی ہیں اور اس کے ساتھ متحد ہیں یہ بات تو کوئی بے وقوف بھی نہیں کہے گا ان بزرگوں سے اس کا تصوّر کیسے ہو سکتا ہے اور جب غلبہ محبّت میں محبوب کے ماسوا ان بزرگواروں کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے سوا ان کے شہُود میں کوئی چیز نہیں رہتی تو وہ کہتے ہیں کہ "سب کچھ وہی ہے"۔ یعنی یہ سب جو ثابت اور موجُود نظر آتے ہیں یہ سب وہم اور خیال میں ہیں اور موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے اس صورت میں بھی نہ جزئیّت کا شائبہ ہے نہ اتحاد کا اور نہ حلول کا محل ہے نہ تلوّن کا۔

اس کے باوجُود یہ فقیر ایسی عبارتوں کو پسند نہیں کرتا اگرچہ یہ عبارتیں ان معانی سے مبرّا ہیں کیونکہ وُہ خداوندی تقدیس و تنزیہ کے مرتبہ کے لائق نہیں ہیں۔ ان کی کیا حیثیّت ہے کہ اس کے مظاہر ہوں ؏

درکدام آئینہ در آید او (وہ کونسے آئینہ میں سما سکتا ہے)

ان کو ایسی ہمّت کہاں ہے کہ وُہ باعتبار ظہُور بھی اللہ تعالیٰ پر محمول ہو سکیں اگر وہ مظہر ہیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے کمالات کے ظلال میں سے کسی ظلّ کا مظہر ہیں اور وُہ ظل کہ وہ اس کے مظہر ہیں خدا تعالیٰ ہی جاننا

ہے کہ اس کو کتنے ہزار ظلال اللہ تعالیٰ کی ذات کے درمیان میں ہیں اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَظُلْمَۃٍ (اللہ تعالیٰ کے لئے نور اور ظلمت کے ستّر ہزار پردے ہیں) آپ نے سُنا ہی ہوگا۔ پس بے تحاشا اس کے کمال کے ظلال میں سے کسی ظلّ کے مظہر کو اللہ تعالیٰ پر محمول کرنا اور "اوست" (وہی ہے) کہنا بے ادبی اور کمال جرأت ہے لیکن وُہ غلبہ سُکرِ حال میں اتنے مذموم نہیں ہیں اور اس طرح توجیہ ثانی پر اپنے مشہود کو عین خدا تعالیٰ سمجھنا اور اس کے اعتبار سے محمول کرنا سوء ادبی ہے بلکہ خلاف واقع ہے کہ وہ مشہود بھی اللہ تعالیٰ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ جو کچھ مشہود ہے وہ نفی کے قابل ہے پس وہ اللہ تعالیٰ نہ ہوگا۔ خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا جائے اور سُنا جائے اور جانا جائے وہ سب اللہ تعالیٰ کے سواء ہے۔ کلمۂ لَا (نہیں) کی حقیقت سے اس کی نفی کرنا چاہیئے اور جو کچھ اس مسئلہ میں اس حقیر کے نزدیک مختار اور اللہ تعالیٰ کی شان تقدیس و تنزیہ کے مناسب ہے یہ عبارت اس طرح ہے "ہمہ از وست" (سب کچھ اسی سے ہے) نہ اس معنی کے لحاظ سے کہ علمائے ظاہر اس پر انحصار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صُدور و خُلق سب اسی سے ہے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس جگہ ایک دُوسرا تعلّق بھی ہے جس کی طرف علماء کی راہنمائی نہیں ہوئی ہے اور صوفیاء اس کی دریافت سے ممتاز ہوئے ہیں اور وہ اصالت و ظلیّت کا تعلّق ہے یعنی اگر وجود ممکن ہے، تو اسی وجود واجب سے پیدا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا پرتو ہے اور اسی طرح اگر حیٰوۃ ہے تو اسی کی صفت حیٰوۃ سے پیدا ہوئی ہے اور اسی حیٰوۃ مقدسہ کا پرتو ہے اور اسی پر علم اور قدرت اور ارادہ وغیرہ کو قیاس کرلیں۔

پس صوفیاء کے طور پر عالَم صادر بھی اسی سے ہوا ہے اور اسی کے کمالات کا ظلّ بھی ہے اور اسی کے پاک کمالات سے پیدا ہُوا ہے مثلاً وہ وجود جو ممکن کو دیا ہے وہ ایسا امر نہیں ہے جو خود مختار ہو اور اس کو استقلال حاصل ہو بلکہ وہ وجود اللہ تعالیٰ کے وجود کے ظلّ کا پرتو ہے اور اسی طرح حیٰوۃ اور علم وغیرہما بھی جو کہ ممکن کو بخشی ہیں، وہ ایسے امور نہیں ہیں کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے مستقل ثبوت پیدا کیا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے صدور کے باوجود یہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کے ظلال ہیں اور ان کمالات کے صُور و امثال ہیں۔

یہی ظلیّت اور اصلیت کا تعلّق ہے جس کی رہنمائی صوفیہ کو ہوئی ہے اور اس نے صوفیاء کے معاملہ کو اعلیٰ علییّن تک پہنچا دیا ہے اور فنا و بقا تک پہنچا کر ولایت خاصہ سے متصف کیا ہے اور چونکہ علمائے ظواہر کو یہ دید میسّر نہیں ہوئی ہے اور فنا و بقا سے حصّہ نہیں ملا ہے لہٰذا وہ ولایت خاصہ سے متصف نہیں ہوئے اور صوفیاء

نے چونکہ اپنے کمالات کو اللہ تعالیٰ کے کمالات کا ظلال پایا ہے اور وجود اور وجود کے تمام توابع کو اس کے کمالات کا عکس جانا ہے تو لازماً اپنے آپ کو انہوں نے اس کے کمالات کے امانتدار کی حیثیت سے زیادہ نہیں دیکھا ہے اور سوائے ان کمالات کے آئینہ ہونے کے اپنے آپ کو کچھ نہیں پایا اور جب بحکم اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا (اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد کرو) اس امانت کو اس کے اہل کے سپرد کرتے ہیں اور ان کمالات کو پورے ذوق سے اصل کو دے دیتے ہیں اور اپنے آپ کو معدوم پاتے ہیں اور میت جانتے ہیں کیونکہ وجود و حیوٰۃ جب اصل کے پاس چلی گئی تو معدوم و میّت رہ گئے۔ اور فنا متحقق ہو گئی۔ مولوی رومی فرماتے ہیں ؎

(۱) چوں بدانستی تو اورا از نخست ۔ سوئے آنحضرت نسب کردی درست
(۲) وانگہ دانستی کہ ظلِّ کیستی ! ۔ فارغی گہ مردی و گہ زیستی

فنا کے بعد اس کو بقا سے مشرف کریں گے اور دوسری مرتبہ وجود اور توابع وجود یعنی صفات کاملہ اس کو عطا کریں گے اور ولادت ثانیہ سے اس کو متصف کریں گے۔

لَنْ يَلِجَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ مَنْ لَّمْ يُوْلَدْ مَرَّتَيْنِ ۔ جو آدمی دو مرتبہ پیدا نہیں ہوا وہ آسمانوں کے ملکوت میں ہرگز داخل نہ ہو گا ؎

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا [۲]

اے میرے خداوند! تنگی عبارت کی وجہ سے کچھ ایسے الفاظ جن کو شریعت نے استعمال نہیں کیا ہے مثلاً "ظلیت" وغیرہ میں ان کو استعمال کرتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ ممکن کا وجود وجود واجب کا ظل ہے اور اس کی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کے ظلال ہیں "میں ایسے الفاظ استعمال کرنے سے ترساں و لرزاں ہوں اور چونکہ تیرے اولیائے ان الفاظ کو پہلے استعمال کیا ہے لہٰذا میں معافی کا امیدوار ہوں۔ اے ہمارے ربّ اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

جاننا چاہیئے کہ اس تحقیق سے جو پہلے گذر چکی ہے واضح ہوا کہ صوفیہ جو کلام "ہمہ اوست" کے قائل ہیں عالم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سریان ثابت نہیں کرتے اور اگر حمل کرتے ہیں تو باعتبار ظہور و ظلیت کے ہے نہ باعتبار وجود و تحقق کے اور اگرچہ ان کے ظاہری الفاظ سے اتحاد وجودی کا وہم ہوتا ہے لیکن خدا کی پناہ کہ یہ ان کی مراد ہو کہ کفر اور الحاد ہے۔ اور جب ایک کا دوسرے پر محمول کرنا باعتبار ظہور ہوا

لے (۱) جب تو نے اس کو پہلے سے جان لیا تو اس بارگاہ کی طرف درست نسبت کر دی (۲) اور جب تو نے جان لیا کہ تو کس کا ظل ہے تو تو زندگی اور موت دونوں حالتوں میں فارغ ہے۔ [۲] نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔ ۱۲

نہ باعتبار وجود تو "ہمہ اوست" کا معنی "ہمہ ازوست" (سب کچھ اسی سے ہے) ہُوا کہ کسی چیز کا سایہ اس شے سے پیدا ہوتا ہے اور اگرچہ وہ غلبۂ حال میں "ہمہ اوست" کہتے ہیں لیکن اصل میں ان کی مراد اس عبارت سے "ہمہ ازوست" ہوتی ہے تو اس صورت میں ان کے کلام پر طعن کرنے اور ان کو گمراہ و کافر کہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جان لینا چاہیئے ظلِّ شے سے مُراد مرتبۂ ثانی یا ثالث یا رابع میں ظہورِ شے ہے مثلاً زید کی صورت جو آئینہ میں منعکس ہوئی ہے اور مرتبۂ ثانی میں زید کا ظہور ہے اور زید اپنی اصل حیثیت سے اپنے اصلی وجود کے مرتبہ میں ہے کہ جس نے اپنے سایہ سے اپنے آپ کو آئینہ میں ظاہر کیا ہے بغیر اس کے کہ اس کی ذات وصفات میں کوئی تغیر و تبدیلی پیدا ہو جیسا کہ گذر چکا۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پُورا کر اور ہمیں معاف کر دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۹۰

فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان کے اس سوال کے جواب میں کہ عُرفاء جو دل سے خُدا تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں اسکی حقیقت کیا ہے؟)

آپ نے پُوچھا ہے کہ "بعض محققین صوفیہ دل کی آنکھوں سے دُنیا میں اللہ تعالےٰ کی رویت و مشاہدہ کو ثابت کرتے ہیں جیسا کہ شیخ عارف قدس سرہٗ نے اپنی کتاب العوارف میں کہا ہے کہ "مشاہدہ کی جگہ دل کی آنکھ ہے" اور شیخ ابو اسحاق کلابادی قدس سرہٗ نے جو کہ اس طائفہ علیہ کے قدما میں سے ہے اور ان کا سردار ہے اپنی کتاب "تعرّف" میں بیان کیا ہے کہ "سب نے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ دُنیا میں نہ آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں نہ دِل سے مگر یقین کی جہت سے" ان دونوں تحقیقوں میں تطبیق کی کیا صُورت ہے؟ اور اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور اختلاف کے باوجود اجماع کا کیا معنی ہے"؟

جان لے اللہ تمہیں بھلائی کی راہنمائی کرے کہ اس مسئلہ میں فقیر کے نزدیک پسندیدہ صاحب تعرّف قدس سرہٗ کا قول ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ دل کو اس دُنیا میں سوائے یقین کے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اور کچھ حصہ نہیں ہے۔ اس کو رویت کہہ لیں یا مشاہدہ۔ اور جب دل کو بھی رویت نہ ہوگی تو آنکھوں کی کیا حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا میں اس معاملہ میں بے کار اور معطل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یقین کا معنی جو دل کو حاصل ہوا ہے عالم مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے

اور جس پر یقین کیا گیا ہے (مُوقَن بِہٖ) وہ مرئی (دیکھا گیا) کی صورت میں کیونکہ عالم مثال میں ہر معنی کی ایک صورت ہے جو عالم شہادت کے مناسب ہے اور چونکہ عالم شہادت میں کمال یقین رویت میں ہے تو وہ یقین بھی عالم مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جب یقین رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کا متعلق جو کہ مُوقَن بہ ہے لازماً اس جگہ میں مرئی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جب سالک اس کو مثال کے آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہے تو آئینہ کے واسطہ سے غافل ہو جاتا ہے اور صورت کو حقیقت جانتے ہوئے سمجھتا ہے کہ اس کو حقیقی رویت حاصل ہوئی ہے اور مرئی ظاہر ہوا ہے وہ نہیں جانتا کہ وہ رویت اس کے یقین کی صورت ہے اور وہ مرئی اس کے مُوقَن بہ کی صورت ہے۔

یہ صوفیہ کی غلطیوں میں سے ہے اور حقائق اشیاء سے صور اشیاء کا اشتباہ ہے اور یہی دیکھنا جب غالب آجاتا ہے اور باطن سے ظاہر کی طرف ٹپکتا ہے تو سالک کو وہم میں ڈال دیتا ہے کہ رویت بصری بھی حاصل ہوئی ہے اور مطلوب گوشہ سے آغوش میں آیا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس معنی کا حصول جب اصل میں بھی جو کہ بصیرت ہے وہم اور تلبیس (اشتباہ) پر مبنی ہے تو آنکھ کو جو اس کی فرع ہے کیا حاصل ہوگا، اور اس کو رویت کہاں سے حاصل ہو جائے گی۔

اور رویت قلبی میں صوفیاء کی ایک بہت بڑی جماعت وہم میں مبتلا ہوئی ہے اور اس کے وقوع کا حکم کیا ہے اور رویت بصری میں شائد کوئی ناقص ہی اس طائفہ میں سے ہوگا جو اس کے وقوع کے وہم میں پڑا ہو اور اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے اجماع کے مخالف ہوا ہو۔

سوال:۔ جب عالم مثال میں موقن بہ کی صورت پیدا ہوئی تو لازم آیا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اس جگہ صورت ہے۔

جواب:۔ تجویز کیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اگرچہ مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے اور جائز رکھا ہے کہ مثال میں کسی صورت میں ظہور فرمائے جیسا کہ صاحب فصوص قدس سرہٗ نے رویت اخروی کو بھی بصورت جامعہ لطیفہ مثالیہ مقرر کیا ہے اور اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ وہ مُوقَن بہ صورت مثال میں اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں ہے بلکہ صاحب یقین کے مکشوف کی صورت ہے کہ اس کے ایقان نے اس کے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے اور وہ مکشوف اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعض وجوہ و اعتبارات سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، لہٰذا جب عارف کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچتا تو اس قسم کے تخیلات پیدا نہیں ہوتے اور کوئی رویت اور مرئی متخیل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی مثال میں کوئی صورت ثابت نہیں ہے کہ اس کو صورت مرئی میں ظاہر کرے اور اس کے ایقان کو رویت کی صورت میں معلوم کرائے۔

یا ہم اس طرح کہتے ہیں کہ عالم مثال میں معانی کی صورتیں ہیں نہ کہ ذات کی اور جب عالم سارے کا سارا

اسماؤ صفات کا مظہر ہے اور ذات سے کوئی حصہ نہیں رکھتا جیسا کہ کئی مواضع میں ہم اس کی تحقیق کر چکے ہیں تو لازماً سارے کا سارا معانی کی قسم سے ہوگا اور عالم مثال میں اس کی صورت ثابت ہوتی ہے اور کمالات وجوبی میں جس جگہ بھی صفت وشان ہے جو کہ ذات سے قیام رکھتی ہے وہ معانی کے قبیل سے ہے اگر اس کی مثال میں کوئی صورت ہو اگرچہ ناقص ہی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اس کی ذات پناہ بخدا کہ مراتب میں سے کسی مرتبہ میں بھی صورت ہو کیونکہ صورت تحدید و تقیید کو مستلزم ہے وہ جس مرتبہ میں بھی ہو جائز نہیں ہے تمام مراتب جو کہ اس کے مخلوق ہیں کہاں گنجائش رکھتے ہیں کہ اپنے خالق کو محدود و مقید کریں جس نے بھی اللہ تعالےٰ کے لئے مثال کو تجویز کیا ہے وہ باعتبار وجوہ واعتبارات ہے نہ باعتبار عین ذات۔

اور اگرچہ مثال کی تجویز اللہ تعالےٰ کے اعتبارات اور وجوہ میں ہے یہ بھی فقیر پر گراں ہے مگر اس صورت میں کہ ظلال میں سے کسی دُور کے ظلّ میں اس کو تجویز کیا جائے۔ اس بیان میں سے واضح ہوا کہ عالم مثال میں معانی وصفات کی صورتوں کے نقش ثابت ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کے۔ پس وہ جو صاحب فصوص نے رویت اخروی بصورتِ مثالی تجویز کی ہے جیسا کہ گذر چکا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رویت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالےٰ کی صورت کی رویت بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی کوئی صورت نہیں ہے کہ اس سے رویت تعلق پیدا کرے اور اگر مثال میں کوئی صورت ہے تو ظلال بعیدہ میں سے کسی ظلّ کی صُورت ہوگی پس اس کی رویت اللہ تعالےٰ کی رویت کیوں ہوگی۔

شیخ قدس سرہٗ اللہ تعالےٰ کی رویت کی نفی میں معتزلہ اور فلاسفہ سے پیچھے نہیں رہتا بلکہ رویت کا اثبات بھی ایسے طریقہ پر کرتا ہے جو نفی رویت کو مستلزم ہے اور یہ نفی صریح نفی سے زیادہ بلیغ ہے لِاَنَّ الْکِنَایَۃَ اَبْلَغُ مِنَ الصَّرِیْحِ (کیونکہ کنایہ صریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے) قضیہ مقرّرہ ہے ہاں اس قدر فرق ضرور ہے کہ فلاسفہ کی رہبر ان کی عقل عقیل ہے اور شیخ کا راہنما اس کا صحت سے بعید کشف ہے شاید کہ مخالفین کی نامکمل دلیلیں جو کہ شیخ کے خیال میں بیٹھ چکی تھیں انہوں نے اس کے کشف کو بھی اس مسئلہ میں صواب سے منحرف کر دیا ہے اور ان کے مذاہب کی طرف مائل ہو گیا ہے اور چونکہ وہ اہلِ سنت سے تھا تو اس کے لئے صورت کا اثبات کیا ہے اور اسی پر اکتفا کیا ہے اور اسی کو رویت سمجھا ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

اور اس دقیق مسئلہ کی تحقیق کتاب عوارف کے بعض مقامات کے حلّ میں بھی تحریر ہوئی ہے اور وہ جو آپ نے اجماع کے متعلق فرمایا تھا تو ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک ایسا اختلاف جو اعتبار کے قابل ہو

ظہور میں نہ آیا ہو یا اپنے زمانہ کے مشائخ کا اجماع مُراد رکھا ہو اور اللہ تعالےٰ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانے۔

مکتوب نمبر ۹۱

مولانا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا

(ایمان حقیقی اور معرفت کے درمیان فرق کے متعلق ان کے سوال کے جواب اور ان کے مناسبات کے بیان میں)

حمد و صلوٰۃ اور دُعا گوئی کے بعد عرض ہے کہ میرے بھائی عزیز کا گرامی نامہ جو شیخ سجاول کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی تعریف ہے کہ تم سلامتی اور عافیت سے ہو۔ چند ایک سوال درج تھے ان کے جواب میں جو کچھ آیا لکھا گیا ہے اچھی طرح توجہ کریں۔

پہلا سوال:۔ یہ ہے کہ معرفت اور ایمان حقیقی میں کیا فرق ہے؟

اس کا جواب:۔ یہ ہے کہ معرفت اور چیز ہے اور ایمان اور چیز کیونکہ معرفت "پہچاننا" ہے اور ایمان "گرویدہ ہونا"۔ کبھی شناخت تو ہوتی ہے لیکن ایمان نہیں ہوتا۔ اہل کتاب کو ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق معرفت تھی وہ پہچانتے تھے کہ پیغمبر ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (وُہ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو) لیکن اپنے عناد کی وجہ سے چونکہ وُہ گرویدہ نہیں ہیں ایمان متحقق نہ ہُوا، اور ایمان کی طرح معرفت بھی دو طرح پر ہے ایک معرفت کی صُورت ہے ایمان کی صورت کی طرح، اور ایک معرفت کی حقیقت ہے ایمان کی حقیقت کی طرح۔ ایمان کی صورت تو وُہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالےٰ نے اپنی کمال مہربانی اور شفقت سے شریعت میں نجات اخروی کے لئے اس پر اکتفا کیا ہے اور وُہ دل کا قبول کرنا ہے باوجود نفس امارہ کے انکار و سرکشی کے۔ اور معرفت کی صورت بھی اسی لطیفہ پر بند ہے باوجود جہالت نفس امّارہ کے۔

اور معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ نفسِ امارہ اپنی پیدائشی جہالت سے نکل آئے اور شناسائی پیدا کرے اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ شناسائی کے بعد نفس گرویدہ اور مطمئن ہو جائے اور طبعی امارگی چھوڑ دے۔ اگر کہیں کہ شریعت میں تصدیق قلبی کو اعتبار کیا ہے اور یہ گرویدہ ہونا اس تصدیق کا عین ہے یا اس تصدیق سے الگ کوئی امر ہے اگر تصدیق سے الگ ہے تو لازم آئے گا کہ ایمان میں تین چیزوں کا اعتبار ہو۔ اقرار[1] اور تصدیق[2] اور گرویدہ[3] ہونا، اور یہ علما کے مقررہ اصول کے برخلاف ہے اور بعض نے عمل کو بھی ایمان میں داخل کیا ہے تو عمل ایمان کا چوتھا جزو ہو جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ گرویدہ ہونا عین تصدیق ہے کیونکہ تصدیق جو حکم ہے وہ یقین سے عبارت ہے جس کو گرویدہ ہونے سے تعبیر کیا ہے۔

اگر یہ سوال کریں کہ اہل کتاب ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت کے عنوان سے جانتے ہیں تو لازماً ان کی نبوت کا حکم بھی کریں گے اور ان کو یقین اور گرویدہ ہونا بھی حاصل ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں حکم لگانا عین گرویدہ ہونا ہے پس ان کے حق میں ایمان کیوں متحقق نہ ہوگا اور کس وجہ سے وہ کفر سے باہر نہ آئیں گے؟

تو اس کا جواب میں یہ کہوں گا کہ وہ عنوان نبوت سے جانتے ہیں لیکن تعصب اور عناد کی وجہ سے ان کے دل کو یقین حاصل نہیں ہوتا تھا تاکہ اس کی نبوّت کا حکم لگائیں وہ صرف معرفت اور تصوّر تھا یقین نہ تھا تاکہ وہ تصدیق ہوتا اور ایمان تک پہنچاتا اور کفر سے باہر لاتا۔ بڑا باریک فرق ہے اس کو سُن اور اپنے وجدان سے اس کی تہ تک پہنچ باوجود عناد کے نَبِیُّ اللہِ فَعَلَ کَذَا (اللہ کے نبی نے ایسا کیا) کہا جا سکتا ہے لیکن جب تک یقین پیدا نہ ہو اِنَّہٗ نَبِیُّ اللہِ (یقیناً وہ اللہ کا نبی ہے) نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ پہلی صورت میں تصوّر ہے اور معرفت مشہورہ کا حوالہ ہے اور دوسری صورت میں تصدیق ہے جو کہ یقین اور گرویدہ ہونے پر مبنی ہے اور جب تک یقین نہ ہو تو تصدیق کس طرح ہو سکتی ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ پہلی صورت میں نبوّت کا اثبات نہیں ہے بلکہ نبی کے فعل کا اثبات ہے اور دُوسری صُورت میں مقصود اثبات نبوّت ہے کہ عناد اس کی طاقت نہیں رکھتا پھر یقین کی کیا صورت ہو اور اگر بالفرض بغیر یقین کے حصُول کے یقین پیدا ہوا ور حکم لگایا جائے تو وُہ بھی تصوّرات میں داخل ہے اگرچہ اس کی پہلی صورت تصدیق کی ہے۔ جب تک یقین پیدا نہ ہو۔ تصدیق کی حقیقت کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ ایمان حاصل ہوتا ہے یہ مسئلہ علم کلام کے اصُولی مسائل میں سے ہے اور بہت دقیق ہے بڑے بڑے متبحر علماء اس کے حل میں عاجز ہیں اور بعض نے ان میں سے مجبور ہو کر تیسرے رکن کو ایمان میں بڑھایا ہے اور گرویدہ ہونے کو تصدیق پر زائد رکھا ہے اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے تصدیق کو عین گرویدہ ہونا کہا ہے۔ وہ اس مسئلہ کو صحیح طور پر حل نہیں کر سکے اور اجمالاً اس کو بیان کر کے گذر گئے ہیں۔ سب تعریف اس اللہ کو ہے جس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی اور اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے۔

سُنو! سُلّوٗ امرکب اضافی اور مرکب توصیفی مثلاً نَبِیُّ اللہِ (اللہ کا نبی) اور ھٰذَا النَّبِیُّ (یہ نبی) اگرچہ اس حکم کے متضمن ہیں کہ بِاَنَّہٗ نَبِیٌّ (کہ وُہ نبی ہے) اور آپ کی عنوان نبوت سے معرفت پر مشتمل ہے لیکن تصدیق کا حصُول کہ بِاَنَّہٗ نَبِیٌّ (وُہ نبی ہے) یہ یقین پر موقوف ہے جو کہ ایمان کا مثبت ہے غُلَامُ زَیْدٍ فَعَلَ کَذَا (زید کے غلام نے اس طرح کیا) اور رَجُلٌ صَالِحٌ حَکَمَ بِکَذَا (نیک آدمی

نے ایسا حکم کیا) دونوں بغیر یقین کے ثابت اور صحیح ہیں اور دونوں میں غلامیّت اور صلاحیّت کے عنوان کی معرفت ثابت ہے لیکن یقین نہیں ہے تاکہ غلامیّت اور صلاحیّت میں ہر ایک کی تصدیق حاصل ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ تم نے نفس کے یقین کو دل کے یقین کے بعد کہا ہے اور نفس کے یقین کو ایمان حقیقی سے تعبیر کیا ہے حالانکہ فلاسفہ اور ارباب معقول نے تصدیق میں مطلق اذعان نفس کہا ہے اور اذعان قلب کی بات بھی نہیں کی ہے۔ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ ارباب معقول کبھی نفس سے روح مراد لیتے ہیں اور کبھی اُس سے دِل مراد لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کی فلسفی موشگافیاں دوسری جگہوں میں ہیں کہ ان میں سے اکثر بے فائدہ ہیں اور اس جگہ وہ سب معطّل و بیکار ہیں اور عوام کا حکم رکھتے ہیں۔ اس میدان میں تدقیق کی نوبت صوفیاء کو پہنچی ہے جو کہ ہر لطیفہ کے احکام سے موصوف ہوتے ہیں اور ہر ایک لطیفہ سے سَیر و سلوک کے ساتھ اوپر گذر جاتے ہیں اور نفس کو دل سے جُدا کرتے ہیں اور رُوح کو سِرّ سے علیحدہ اور خفی کو اخفیٰ سے الگ کرتے ہیں۔

ارباب معقول کو ان کے ناموں کی معرفت کے سوا کچھ بھی حصہ ملنا معلوم نہیں فلاسفہ نے نفس امّارہ کو بہت بڑی شے سمجھ رکھا ہے اور اس کو مجرّدات (از مادہ) سے شمار کیا ہے اور قلب و رُوح کا نام تک نہیں لیا اور سِرّ اور خفی اور اخفیٰ کا ان کے ہاں نشان تک نہیں ملتا کہ "اللہ تعالےٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اہل کو اہل کے ساتھ ملاتا ہے"۔

اور دوسرا جواب مَیں یہ کہتا ہوں کہ ارباب معقول نے عادی عرفی احکام کے مطابق نفس کے یقین کو جو ان کے فہم کے قریب تھا ذکر کیا ہے اور ہماری بات احکام شرعیہ کی تصدیقات کے متعلق ہے کہ نفس کو بالذّات ان سے انکار ہے یقین کیا ہوتا ہے؟ اور یہ وہ انکار ہے جو منکر کو ان احکام والے کی عداوت کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ ہم اپنے نفسوں کی شرارت اور اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔

عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّھَا اِنْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ[۱] اپنے نفس سے عداوت رکھ کہ وہ میری دشمنی پر کھڑا ہے

ارحم الراحمین نے کمال مہربانی سے اوائل حال میں نفس کے یقین کو منظور نہیں رکھا اور دل کے یقین سے نجات کو وابستہ کیا ہے اور اگر اس کے بعد محض اللہ کے فضل و کرم سے نفس کا یقین بھی میسّر ہو جائے تو نُورٌ علی نور اور خوشی پر خوشی اور ولایت کے درجات تک وصُول اور ایمان کی حقیقت کا حصُول ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اس فقیر کی فہم و دانش کے مطابق جواب لکھا جائے کہ جس کو مَیں معلوم کر سکوں"۔

---

[۱] یہ الفاظ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے کلمات قدسیہ میں سے ہیں۔ ۱۲

کیا کیا جائے کہ مسئلہ بڑا دقیق ہے اور اس کا حلّ بھی بغیر دقّت کے مشکل ہے بلکہ نفسِ حلّ بھی دقّت طلب ہے۔ گناہ کس کا نام ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ پہلے سوچتے اور اس طریقہ پر اس سربستہ راز کو حل کرنے کے سوال کی جرأت نہ کرتے فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (سو مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو)

دُوسرا سوال یہ تھا کہ زہّاد اور عبّاد ایمان حقیقی سے مشرّف ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ اگر مقرّبین کے مرتبہ میں پہنچ جائیں اور ان کے نفس مطمئن ہو جائیں تو ایمان حقیقی تک پہنچ جاتے ہیں۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ اجمالی معرفت والے کو جو کہ کفر حقیقی کا منشأ (پیدا ہونے کی جگہ) ہے تو ان کو عارف کس طرح کہا جا سکتا ہے؟

جواب:۔ اس عبارت کا مطلب صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟ خود مغلق عبارت لکھتے ہو اور دُوسروں کو منع کرتے ہو اگر یہ مقصود ہے کہ کافر طریقت کو عارف کس معنی سے کہا جا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر طریقت بھی خدا تعالیٰ کو وحدت کے سوا پہچانتا ہے اور اس کے ماسوا کو اس نے نابُود اور ناچیز کر دیا ہے لہٰذا عارف ہے۔ لیکن عارف کامل نہیں ہے کیونکہ وُہ تمیز سے باہر آچکا ہے پھر جب تمیز تک پہنچے گا تو عارف کامل ہو جائے گا اور ایمان حقیقی سے مشرف ہوگا۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۹۲

ملا ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان کے سوال کے جواب میں جو انہوں نے صوفیاء کے خدا تعالیٰ کے کلام کو سننے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ کرنے سے متعلق کیا تھا)

آپ نے پوچھا تھا کہ بعض عرفاؒ نے فرمایا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں یا ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام بزرگ جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا، "میں بار بار آیت کو پڑھتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس کو اس کے کلام کرنے والے سے سُنا" اور رسالہ غوثیہ سے بھی جو کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے یہی مفہوم ہوتا ہے اس کا کیا معنی ہے اور اس کی تحقیق آپ کے نزدیک کیا ہے؟

جان لے کہ اللہ تیری راہنمائی کرے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کی ذات اور باقی صفات کی طرح بے چون و بے چگون ہے اور اس بیچون کلام کا سماع بھی بے چون ہے اس لئے کہ چون کو بے چون سے کوئی راہ

نہیں ہے پس وُہ سماع حاسّۂ سمع سے وابستہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ سراسر چون ہے اس جگہ اگر بندہ سے بھی استماع ہے تو وہ روحانی قبولیّت سے ہے کہ وہ بے چونی سے حصّہ رکھتا ہے اور حروف اور کلمات کے وسیلہ کے بغیر ہے اور اگر بندہ کی طرف سے کلام ہے تو وُہ بھی بغیر حروف و کلمات کے روحانی القاء سے ہے اور یہ کلام بے چونی سے حصّہ رکھتی ہے جو بے چون کو سُنی جاتی ہے۔

اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظی کلام جو بندہ سے صادر ہوتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو بھی بے چونی کے سماع سے سُنتا ہے اور حروف و کلمات کے واسطہ کے بغیر اس کو سُنتا ہے اور اس کے سُننے میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی کیونکہ "اللہ تعالےٰ پر زمانہ جاری نہیں ہوتا جس میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش ہو" اور اگر اس مقام میں بندہ سے سماع ہے تو وہ کلّی طور پر پورے کا پورا سامع ہے اور اگر کلام ہے تو بھی پُورے کا پُورا متکلم ہے، وہ سب کا سب کان ہے اور سب کا سب زبان ہے۔ میثاق کے روز جو ذرّات آدم کی پیٹھ سے نکالے گئے تھے انہوں نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟) کا قول بے واسطہ پُورے طور پر سُنا اور پورے کے پورے ذرّے نے بَلٰی (ہاں کیوں نہیں) کا جواب دیا وہ سب کان تھے اور سب زبان تھے کیونکہ اگر کان زبان سے الگ ہوتا تو بے چون کے کلام کا سماع حاصل نہ ہوتا اور مرتبہ بے چون کے تعلق کے لائق نہ ہوتا "بادشاہ کے تحائف کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں"

خلاصہ کلام یہ کہ وہ معنی متلقّٰی جو انہوں نے رُوحانیت کی راہ سے اخذ کیا ہوتا ہے جب دُوسری مرتبہ عالم خیال میں کہ وہ انسان میں عالم مثال کی شکل ہے حروف و کلمات مترتّبہ کی صورت میں متشکّل ہوتا ہے اور وُہ تلقّی (سیکھنا) و القاء سماع و کلام لفظی کی صُورت میں نقش ہوتا ہے کیونکہ ہر معنی کے لئے اس عالم میں ایک صورت ہے اگرچہ وہ معنی بے چون ہو۔ لیکن بے چون کا نقش ہونا بھی اس جگہ میں بصورت چون ہے کہ فہم و افہام اس کے واسطہ سے وابستہ ہے جو کہ اس نقش کا مقصود ہے۔

اور جب متوسط سالک اپنے اندر حروف اور کلمات مترتبہ کو پاتا ہے اور سماع اور کلام لفظی کا احساس کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ ان حروف و کلمات کو اصل سے سُنا ہے اور بغیر کسی فرق کے اسی جگہ سے اخذ کیا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ حروف و کلمات اس معنی متلقّٰی کے صُوَر خیالیہ ہیں اور یہ سماع اور کلام لفظی بے چون کلام اور سماع کی شکل ہے۔ پوری معرفت والا عارف چاہیئے جو کہ ہر مرتبہ کے حکم کو الگ کرے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ مختلط نہ ہونے دے پس ان اکابر کا سماع و کلام جو کہ بے چونی کے مرتبہ سے وابستہ ہے بہ القاء روحانی اور تلقّی کے قبیل سے ہے اور یہ کلمات و حروف جو کہ اس معنی متلقّٰی کی تعبیر کرتے ہیں، وُہ عالم صُوَر مثالیہ سے ہے۔

اور وہ گروہ جنہوں نے خیال کیا ہے کہ ہم حروف و کلمات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے سنتے ہیں ان کے دو فریق ہیں ان میں سے ایک فریق جو دوسرے سے اچھے حال والا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حروف اور کلمات حادثہ جو سُنے جاتے ہیں یہ کلام نفسی قدیم پر دلالت کرتے ہیں اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں اور انہی حروف اور کلمات مترتبہ کو اللہ تعالیٰ کا کلام جانتے ہیں اور اس چیز میں فرق نہیں کرتے کہ کونسی چیز اللہ تعالیٰ کی جناب کے لائق ہے اور کونسی چیز جناب قدس کے لائق نہیں ہے۔ یہ لوگ جاہل اور باطل پرست ہیں ان لوگوں کو پتہ نہیں کہ کونسی چیز اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے اور کونسی چیز اللہ تعالیٰ کے لئے جائز نہیں ہے۔ تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کچھ علم نہیں ہے یقیناً تو ہی ہے جاننے والا حکمت والا۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر البشر و آلہٖ و اصحابہ الاطہر۔

مکتوب نمبر ۹۳

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا۔

(تعین اول وجودی کی تحقیق اور تعینات حبیب و خلیل و کلیم علیہم الصلوات و التسلیمات کے مبادی میں فرق کا بیان)

وہ جو آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعین اول تعین حضرت وجود ہے جو تمام اشیا کو محیط ہے اور تمام اضداد کا جامع ہے اور خیر محض اور کثیر البرکت ہے یہاں تک کہ اس طائفہ علیہ کے اکثر مشائخ نے اس کو عین ذات کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کی زیادتی کو منع کیا ہے یہ بڑا لطیف اور باریک مقام ہے کہ ہر ایک کی آنکھ اس کو معلوم نہیں کر سکتی اور اسے اصل سے الگ نہیں کر سکتی یہی وجہ ہے کہ اس کا تعین اس مدت میں مخفی رہا اور متعین سے الگ نہ ہوا اور ایک بہت بڑی جماعت نے اس کو خدا سمجھ کو پوجا ہے اور اس کے بعد کوئی مطلوب و معبود نہیں سمجھا ہے اور اسے آثار خارجی کا مبدأ جانا ہے اور حوادث یومیہ کا موجد و خالق مانا ہے اور یہ غیر حق سے حق کی تمیز ایک ایسی دولت تھی جو اس عاجز اور مسکین کے لئے ذخیرہ کر رکھی تھی اور غیر معبود کی معبود سے مشارکت کی نفی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا پس خوردہ تھا جو ان کے خادم کے لئے نگاہ رکھا تھا۔ تمام تعریفیں اس اللہ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی کی اور اگر اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے یقیناً ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ تعین اول وجودی خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے اور ان کا اور ان کی خلقت کا مبدأ تعین بھی یہی ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ اس تعین کا مرکز اس کا بہترین حصہ ہے جو اپنے اصل سے

بہ نسبت دُوسرے اجزاء کے اقربیّت کی نسبت رکھتا ہے یہ حضرت حبیب اللہ کا ربّ ہے اور ان کا اور ان کی محبت کا مبدا تعیّن ہے علیہ وعلی جمیع الانبیاء الصلوات والتسلیمات۔

سوال:۔ تعیّن اوّل جب حضرت خلیل کا ربّ ہے تو ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ خلیل الرحمٰن الصلوٰۃ والسلام نے کس حیثیت سے فرمایا ہے کہ

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ — کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وُہ میرا نُور ہے۔

جواب:۔

دائرہ کا مرکز اجزائے دائرہ میں سے سب سے پہلے (اسبق) ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ جزء کو کُل پر تقدم حاصل ہے۔ پس لازماً آنحضرت کا مبدأ تعیّن جس کو آپ نے اپنے نور سے تعبیر فرمایا ہے سب سے اسبق ہوگا علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ دائرہ کا مرکز اگرچہ دائرہ کا جزء ہے اور دائرہ اس کا کُل ہے لیکن یہ وہ جزو ہے کہ کل کے سارے اجزاء اس سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے کہ دائرہ کے مُحیط کے تمام اجزاء اس جزء کے ظلال ہیں جو کہ اس دائرہ کا مرکز ہے۔ اگر وُہ جزء نہ ہوتا تو دائرہ کا نام ونشان نہ ہوتا۔

پس واضح ہُوا کہ حضرت خلیل کا ربّ اور ان کا مُبدأ تعین۔ تعیّن اوّل ہے اور تعیّن اوّل کا منشا (پیدا ہونے کی جگہ) جو کہ اس کا اشرف ترین جز اور مرکز ہے وہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلی آلہٖ الصلوٰۃ والتسلیمات کا ربّ اور مبداء تعین ہے۔ پس سب سے زیادہ سبقت لے جانے والی خاتم نبوّت کی حقیقت ہے اور دوسروں کے ظہور کا منشا بھی وہی ہے علیہ وعلی جمیع الانبیاء الصلوات والبرکات۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث قدسی میں حبیب اللہ کی شان میں آیا ہے۔

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ وَلَمَا أَظْهَرْتُ الرُّبُوْبِيَّةَ[۲] — اگر تُو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیّت کا اظہار کرتا۔

اور چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا مبداء تعیّن۔ تعیّن اوّل کے دائرہ کا مرکز ہے جو کہ حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کا مبداء تعین ہے تو لازماً ولایت محمّدی جس کا منشأ محبت

---

[۱] اس حدیث کو علامہ زرقانی شرح المواہب میں ذکر کیا ہے اور محاضرۃ الاوائل میں ہے کہ حدیث اوّل ما خلق اللہ نوری، حسن حدیث ہے اور شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں بھی اسے ذکر کیا، اور محدث عبد الرزاق نے بروایت جابر رضی اللہ تعالیٰ اسی مضمون کی ایک حدیث روایت کی ہے۔

[۲] دیلمی نے مسند فردوس میں ابن عباس سے اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک حدیث روایت کی۔ اسی طرح مواہب میں ہے نیز حاکم نے بھی اپنے مستدرک میں اس مضمون کی حدیث روایت کی۔ علامہ سبکی نے شفاء السقام میں اسے برقرار رکھا علامہ بلقینی نے اپنے فتاویٰ میں برقرار رکھا۔ لہٰذا معنًی اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ ۱۲

ہے خلیلی ولایت کا مرکز ہوگا جس کا منشا، خلّت ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ولایت خلیلی باوجود اولیّت رکھنے کے ولایت محمدی اور اللہ تعالےٰ کی ذات کے درمیان حاجز اور حائل نہیں ہوتی کیونکہ دائرہ کا مرکز ذاتی طور پر دائرہ سے سبقت رکھتا ہے پس پچھلا پہلے کے آگے حائل نہیں ہوسکتا بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

اور اس مرکز کے قرب اور سبقت کی دوسری وجہ بھی سُن، جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس مرکزی نقطہ میں دُور دُور تک جایا جائے گا کہ اس دائرہ کا مرکز محبت ہے مُحِب اور محبوب الگ الگ ہوجائیں گے، اور دائرہ کی صُورت پیدا ہوتی ہے کہ اس دائرہ کا مرکز محبوبیت ہے اور اس کا مُحیط محبیّت ۔ تو وہ محبیت ولایتِ موسوی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کا مبداء ہے اور اس مبدا کی محبُوبیّت ولایتِ محمدّی ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ پس یہ محبُوبیّت کا مرکز اس مرکز محبیّت سے کہ دائرہ ہوچکا ہے پہلے ہُوا اور اللہ تعالےٰ کی بارگاہ کے زیادہ نزدیک ہُوا۔ کیونکہ مرکز کو ایک ایسا قُرب اور سبقت ہے جو دائرہ کو نہیں ہے اور اسی طرح اس مرکز کو دائرہ کے محیط کی نسبت سبقت اور قُرب ہے جو محیط کو نہیں ہے پس ولایت محمدی ولایت موسوی سے بھی اسبق و اقرب ہُوئی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔

اور ولایتِ محمدّی کی سبقت اور قُرب کی ایک اور وجہ بھی سُن کہ جب اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اس مرکز محبُوبیّت کے اندر دُور دُور تک جایا جائے گا تو وہ مرکز بھی دائرہ کی صورت پیدا کرتا ہے کہ جس کا مرکز خالص محبوبیّت نظر آتی ہے اور اس محبوبیّت کا مُحیط مُحِبّیت سے ملا ہُوا ظاہر ہوتا ہے جو کہ آپ کی امّت کے افراد میں سے کسی فرد کو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں نصیب ہوتا ہے بلکہ ولایت موسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تبعیّت میں بھی جو کہ محیط دائرہ کے مناسب ہے۔ اسی وجہ سے آیا ہے کہ ولایت محمدی ہر وقت مرکز ہے اور محبیّت کا منشا بھی اس ولایت کے برکات سے ہے کہ جس کے ملنے سے مرکز ثانی دائرہ ہُوا ہے اور ایک اور مرکز اس سے پیدا ہُوا ہے جاننا چاہیئے کہ یہ تیسرا مرکز کام کو بہت آگے لے جاتا ہے اور نزدیک سے نزدیک تر بنا دیتا ہے ؎

باکریماں کار ہا دشوار نیست[1]

ان دقائق و اسرار پر اور زیادہ کیا لکھا جائے اور تعیّن اوّل سے اوپر اس سے زیادہ کیا کہا جائے۔ اگرچہ تعیّن اوّل کے اُوپر اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اس کا جزو ہے یا جزو کا جزو ہے ایک واسطہ سے یا دو واسطہ سے لیکن کشفی نظر میں تعیّن اوّل سے کئی مراتب سبقت رکھتا ہے اور اس سے کئی منزل مطلوب کے زیادہ قریب ہے۔

---

[1] کریم لوگوں پر کوئی کام مشکل نہیں،

سوال :۔ ہر وہ کمال جو جزو کو میسر ہوتا ہے کُل کو بھی میسّر ہے کیونکہ کل اس جزو اور دوسرے اجزاء سے عبارت ہے پس وُہ سبقت و قرب جو جزو میں پیدا ہوتا ہے کل میں نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب :۔ وُہ کمال جو جزو میں بطریقِ اصالت پیدا ہوتا ہے وہ کُل میں جزو کی وساطت و تبعیّت سے ہوتا ہے نہ کہ بطریقِ اصالت اور اس میں شک نہیں ہے کہ اصل کو ایک سبقت ہے جو تبعیّت کو نہیں ہے اور اصل کو ایک قُرب ہے جو فرع کو نہیں۔ پس اگر مرکزِ دائرہ اپنے مخصوص کمالات میں دائرہ سے پیش قدمی کرے تو گنجائش رکھتا ہے۔ اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جزو کا کمال کل میں اس وقت سرایت کرتا ہے کہ وہ کمال اس جزو کی اصلی ماہیت سے پیدا ہُوا ہو اور اگر جزو میں کوئی ایسا کمال ہو جو جزو کی ماہیت کے انقلاب کے بعد پیدا ہُوا ہو تو لازم نہیں ہے کہ کل میں سرایت کرے کہ وُہ جزو اپنی ماہیت کے انقلاب کے بعد اس کل کا جُزو نہیں رہا ہے کہ وہ اس میں سرایت کرے۔ مثلاً چاندی کہ اس کا ایک جزو اکسیر کے عمل سے سونا ہو جائے اور چاندی کی ماہیت سے سونے کی ماہیت میں تبدیل ہو جائے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس جزو کے سونے کے کمالات چاندی میں جو کہ اس کا کُل ہے سرایت کر جائیں گے کہ وُہ جزو انقلاب کے بعد اس کا جزو نہیں رہا ہے کہ وُہ اس میں سرایت کرے اس کو سمجھ اور اس پر ہمارے مسئلہ کی معرفت کو قیاس کر۔

سوال :۔ تعیّنِ اوّل وجودی کا وجود خارج میں ہے یا وہ صرف ثبوت علمی ہی رکھتا ہے اور بس اور ان دو شقوں میں سے کوئی بھی درست نہیں آتی کیونکہ خارج میں ان بزرگواروں کے نزدیک سوائے ایک ذات تعالےٰ کے کوئی موجود نہیں ہے اور اس خارج میں بھی تعیّنات اور تنزلات کا کوئی نام و نشان نہیں ہے اور اگر ثبوت علمی کہیں تو لازم آتا ہے کہ تعیّن علمی اس سے سابق ہو اور یہ مفروضہ کے خلاف ہے۔

جواب :۔ میں کہتا ہوں کہ نفس الامر میں ثابت ہے اور اگر خارج میں بھی اس معنی سے کہیں کہ علم کے علاوہ بھی اس کا ثبوت ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے اور اللہ تعالیٰ ہی درست بات کا الہام کرنے والے ہیں۔

مکتوب نمبر ۹۴

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(کمال وجمال ذاتی اور اس مرتبہ مقدسہ کا بیان جو اوپر ہے اور حبیب و خلیل و کلیم علیہم السلام کے ان دو مراتب میں سے تعینات کا حصّہ اور ان دو مراتب میں سے حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے حصّہ کا بیان)

اللہ تعالےٰ کی ذات پاک بذاتِ خود جمیل ہے اور اس کے لئے حسن و جمال ذاتی ثابت ہے لیکن وہ

حسن و جمال نہیں جو ہمارے لئے مدرک و مکشوف ہو اور ہمارے عقل و خیال میں آسکے اس کے باوجود اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں ایک مقدس مرتبہ ہے کہ یہ حسن و جمال بھی اللہ تعالےٰ کی عظمت و کبریائی کی وجہ سے اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے حسن و جمال سے متصف نہیں ہو سکتا۔ تعیّن اوّل جو کہ تعیّن وجودی ہے۔ اسی جمال و کمال ذاتی کا تعیّن ہے اور اس کا پہلا ظلّ ہے اور اس مرتبۂ قدس سے کہ کمال و جمال کو بھی وہاں گنجائش نہیں ہے اس تعیّن میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے کہ وُہ اپنی انتہائی عظمت و کبریائی کی وجہ سے کسی تعیّن سے متعیّن نہیں ہو سکتا۔ ع

دُرّ کدام آئینہ در آید او[1]

اس کے باوجود اس تعیّن اوّل کے دائرہ کے مرکز میں ایک راز اور کیفیّت رکھ دی گئی ہے اور اس بے نشان کا نشان اسی جگہ میں پوشیدہ کر رکھا ہے۔ جیسا کہ تعیّن اوّل ولایت خلیلی کا منشا ہے تو وہ راز اور کیفیّت جو اسی تعیّن کے مرکز میں رکھی ہے وہ ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور وہ حسن و جمالِ ذاتی کا تعیّن اوّل اس کا ظلّ ہے صَباحَت (سپیدی) کے مشابہ ہے جو کہ عالم مجاز میں رخسار کے حسن اور خال کے جمال کے قبیل سے ہے اور وہ راز و کیفیت جو مرکز میں ودیعت کی ہے مَلاحَت سے مشابہت رکھتا ہے جو کہ قد کی خوبی اور رخسار کی صباحت سے بلند مرتبہ چیز ہے اور آنکھ کے حسن اور خال کے جمال کے علاوہ ایک ذوقی امر ہے جب تک وہ ذوق نصیب نہ ہو معلوم نہیں ہو سکتا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

آں[2] دار و آں نگار کہ آنست ہر چہ ہست　　　آں را طلب کنند حریفاں کہ آں کجاست

اسی بیان سے ان دونوں ولایتوں کا درمیانی فرق سمجھ۔ اگرچہ یہ دونوں اللہ تعالےٰ کی بارگاہ قدس سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ایک کا مرجع ذات کے کمالات ہیں اور دوسرے کا مآل صرف اللہ تعالےٰ کی ذات ہے اور چونکہ مَلاحت، صَباحت سے بلند مرتبہ ہے پس ملاحت تک وصُول کی صورت اس وقت ہو سکتی ہے۔ جبکہ صَباحت کے مراتب طے کر لئے جائیں۔ جب تک ولایت ابراہیمی کے تمام مقامات کا وصول میسّر نہ ہو جائے اس ولایت کی حقیقت تک جو کہ ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بلند چوٹی ہے وصول میسّر نہیں آسکتا۔ یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملّت ابراہیمی کی متابعت کا حکم ہوا علیہما الصلوٰۃ والسلام تا کہ اس متابعت کے وسیلہ سے ان کی ولایت کی حقیقت تک پہنچ سکیں اور اس جگہ سے اپنی ولایت کی حقیقت تک پہنچ سکیں کہ جس کو ملاحت سے تعبیر کیا ہے۔

اور چونکہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو ولایت خُلّت کے دائرہ کے مرکز سے ذاتی مناسبت ہے کہ

---

[1] وہ کہ نسے آئینہ میں سما سکتا ہے ۱۲ [2] وہ معشوق وہ کچھ رکھتا ہے کہ جو کچھ ہے وہی ہے اس کو حریف طلب کرتے ہیں کہ وہ کہاں ہے ۱۲

وہ جمال ذات کے زیادہ قریب ہے اور اس دائرہ کے محیط سے اس کی مناسبت کمتر ہے کیونکہ وہ کمالات ذات کی طرف توجہ رکھتے ہیں پس جب تک اس دائرہ کے محیط کے کمالات سے بھی متصف نہ ہو ولایت خُلّت پوری نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ صلوٰۃ ماثورہ میں آیا ہے کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ تاکہ ولایت خُلّت کے کمالات پورے کے پورے آپ کو میسّر ہو جائیں جیسا کہ اس ولایت والے کو میسّر تھے علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور چونکہ ولایت محمدی کا طبعی مقام دائرہ خلیلی کا مرکزی نقطہ ہے علیہما الصلوٰۃ والسلام اور اس کی سیر بھی اس دائرہ کی مرکزی سیر پر مقصور رہے تو لازماً اس جگہ سے باہر آنا اور محیط دائرہ میں پہنچنا اور اس کے کمالات کا اکتساب کرنا مشکل ہوتا ہے اور طبیعت کے برخلاف ہوتا ہے پس رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امّت میں سے کوئی فرد واسطہ چاہیئے جو کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت کی وجہ سے اس مرکز کے عین میں ہو اور دوسرے طریقہ سے اس دائرہ کے محیط سے مناسبت رکھتا ہو، تاکہ وہ اس مرتبہ کے کمالات حاصل کرے اور اس مرتبہ کی حقیقت سے متصف ہو اور اس کا تبوع پیغمبر بحکم۔

مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا۔ جو کوئی اچھا طریقہ رائج کرے تو اس کو اپنا اجر بھی ملتا ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں،

اس فرد کے وصول کے ذریعہ سے ان کمالات سے بھی متصف ہوتا ہے اور مراتب خلیلی پورے کرتا ہے۔ اس معمّا کا راز جو اس فقیر پر ظاہر کیا ہے کہ دائرہ ولایت خلّت کے مرکز کا نقطہ جو کہ اس کے تمام نقاط میں سے محبّت کے ساتھ ممتاز ہوا ہے اگرچہ بسیط ہے لیکن چونکہ وہ محبیّت اور محبوبیّت کے اعتبار کا متضمن ہے لہٰذا وہ دائرہ کی صورت پیدا کرتا ہے اور اس مرکز سے دائرہ پیدا ہوتا ہے جو کہ اس اعتبار محبیّت کا محیط ہے اور اس محبُوبیّت کے اعتبار کا مرکز ہے، اور موسوی ولایت علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا منشا اعتبار محبیّت ہے جو کہ اس دائرہ کا محیط ہے اور ولایت محمدی کا منشا اعتبار محبیّت ہے جو کہ اس دائرہ کا مرکز ہے حقیقت محمدی کا حصُول اس جگہ تصور کرنا چاہیئے۔ اور ہزار سال کے بعد اس دائرہ ثانی کے مرکز کے نقطہ نے بھی جو کہ حقیقت محمدّی اس کے ساتھ وابستہ ہے وسعت پیدا کی اور اس میں دو اعتبار ظاہر ہُوئے اور دائرہ کی صورت میں باہر آیا کہ وُہ اس محبُوبیّت خالص کا مرکز ہے اور اس محبُوبیت کا محیط محبیّت سے ملا ہُوا ہے اور ولایت احمدی کا منشا اس دائرہ کا مرکز ہے اور احمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام ہے کہ آسمان والوں میں وہ اس نام سے معروف ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔

---

۵ مسلم شریف۔

یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کہ آسمان والوں سے ہو چکے ہیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی بشارت اسم احمد سے دی ہے اور اس اسم مبارک کو ذات احد جل شانہٗ کے ساتھ بہت تقرب ہے اور دوسرے اسم (محمدؐ) سے ایک منزل اللہ تعالیٰ کی ذات سے زیادہ قریب ہے جیسا کہ ظاہر ہو چکا ہے اور یہ اسم ۔ اسم مبارک احد سے ایک حلقۂ میم سے جدا ہوا ہے کہ وہ مبداء محبّت ہے جو کہ ظہور و اظہار کا سبب ہوا ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ میم جو کہ احمد میں مندرج ہے وہ قرآن مجید کے حروف مقطعات میں سے ہے جو کہ سورتوں کے اوائل میں نازل ہوا ہے اور بڑے دقیق اسرار میں سے ہے اور اس مبارک حرف میم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص خصوصیت ہے جو کہ اُس کی محبُوبیّت کا سبب ہوا ہے اور اس کو تمام سے بلندی دی ہے۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اِس دائرہ کا محیط جو کہ محبُوبیّت سے عبارت ہے اور جو محبّت سے ملا ہُوا ہے تو وہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امّت کے افراد میں سے کسی فرد کی ولایت کا منشا ہے جو ولایت محمدی مرکزی کے حصول کے باوجود محیط دائرہ سے مناسبت رکھتا ہے اور اس کے کمالات کو بھی حاصل کیا ہے اور معلوم ہُوا کہ دولتِ ثانی اس کو ولایت موسوی سے حاصل ہوئی ہے اور وہ اُن دو عظیم ولایتوں کی طفیل سے مرکز و محیط کے کمالات کا جامع ہوا ہے اور یہ تو طے شدہ بات ہے کہ ہر وہ کمال جو امّت کو میسّر آتا ہے وہ کمال اس امّت کے نبی کو بھی حاصل ہے۔ بحکم مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً (جو اچھا طریقہ نکالے) پس رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اس فرد کے[1]

---

[1] کچھ لوگ غلط فہمی اور کچھ تعصّب کی بنا پر حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کے مکتوبات قدسیہ کی بعض عبارات پر اعتراض وطعن کی زبان دراز کر کے بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں اور ایک گروہ کھل کر تنقید کرتا ہوا نظر آتا ہے حالانکہ خود امام ربانی قدس سرہٗ نے مکتوبات شریف میں نافہم لوگوں کے اعتراضات کے شافی جواب دیئے ہیں۔ اس کے بعد کسی اور جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس کے باوجود مزید تسکین و تشفی کے لئے آپ کے صاحبزادے شاہ محمد یحییٰ اور آپ کے نبیرگان حضرت محمد فرخ حضرت عبداللہ مرزا محمد بیگ بدخشانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی وغیرہم رحمہم اللہ تعالےٰ نے بھی شافی جوابات دیئے ہیں اور اعتراضات کی تردید کی ہے

آپ پر کئے جانے والے اعتراضات میں سے ایک اعتراض آپ کی اس عبارت پر کیا جاتا ہے

"پس آں سرور را علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام بتوسط آن فرد کمالات آن دائرہ نیز میسر شد ولایت خلّت درحق او علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نیز تمام گشت"

حالانکہ آپ کی کسی عبارت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس فرد سے آپ نے اپنی ذات مراد لی ہے اور اگر علی سبیل التنزل "آن فرد" سے شیخ مجدد علیہ الرحمۃ ہی مراد ہوں تو بھی اعتراض اور شبہے کی کوئی گنجائش نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

ذریعہ سے اس دائرہ کے محیط کے کمالات حاصل ہوئے اور ولایت خُلّت بھی رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کے لئے پُوری ہوگئی اور دُعا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ	اَے اللہ حضرت محمدؐ پر بھی اسی طرح رحمت فرما جیسی تُونے ابراہیم پر رحمت کی۔

ایک ہزار سال کے بعد قبول اور مستجاب ہوگی اور رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کو ولایت خُلّت پُورا ہونے کے بعد اس سرّ اور نشاۃ سے کاروبار ہے جو کہ مرکز میں ودیعت کئے ہیں اور ان کی تعبیر ملاحت سے ہوئی ہے اور اس فرد کو امّت کی پاسبانی اور حفاظت کے لئے اس قیام سے واپس کیا اور خود غیب الغیب کے خلوت خانہ میں محبوب کے ساتھ خلوت اختیار کرلی۔ شعر ؎

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا ۔۔۔ وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ[1]

---

[1] نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مُبارک ہوں عاشق مسکین کے لئے تو وہی ہے جو وہ گھونٹ پیتا ہے۔

بقیہ صفحہ :۔ فرمایا ہے زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے عنایت کردی گئی ہیں۔ حالانکہ زمین کے وُہ خزانے اور ملک پر تسلّط حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک کے بعد خلفاء راشدین اور سلاطین اسلام کے توسط سے ہوا۔ اور ہوتا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ ممالک پر تسلّط و قبضہ، مدافعت کفار کی خاطر جنگیں جو غلبہ اسلام و ایمان کا موجب ہیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے حصول ثواب کا ذریعہ ہیں کیونکہ آپ نے ہی ایسا کرنے کا حکم دیا ہے اور حکم دینے والا اور اس کے مطابق عمل کرنے والا دونوں ثواب میں شریک ہیں اور یہ ثواب اور حصول درجات آپکو خلفاء راشدین اور سلاطین اسلام کے واسطہ سے ہے۔ نیز حضور کے لئے بعد از انتقال بھی ترقی درجات ثابت ہے۔ کیونکہ قیامت تک آپ کی اُمّت جو بھی نیک کام بجالائے گی۔ الدال علی الخیر۔ کفاعلہ کے مطابق ان کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یقیناً پہنچتا ہے اور اس طرح امّت کے اعمال صالحہ کے واسطہ سے ہر گھڑی آپ کے درجات بلند ہوتے ہیں اور کمالات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کو کمالات و درجات میں جو بلندی امت کے اعمال صالحہ کے واسطہ سے ہوتی ہے وہ پہلے سے حاصل نہیں۔ تو اگر مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اتنا فرمادیں کہ کچھ کمالات آپ کو اس فرد کے توسط سے حاصل ہوئے تو اس پر اعتراض کی گیا گنجائش ہے قرآن حکیم میں ہے ھو الذی ایدك بنصرہٖ و بالمومنین، اللہ وہ ذات ہے جس نے اَے نبی تجھے اپنی مدد اور ایمان والوں کے ساتھ قوّت دی۔ پھر مُسلم شریف کی اس حدیث کے الفاظ پر بھی غور فرمائیں۔

قال صلے اللہ علیہ وسلم ثم سلوا اللہ لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ وا رجوان اکون انا ھو فمن سال لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو بیشک وہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو اللہ کے خاص بندوں میں سے کسی بندے کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں تو جو شخص میرے لئے وسیلے کی دُعا کرے گا اس پر شفاعت حلال ہوگئی۔

اس حدیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امّت سے فرمایا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے مقام وسیلہ مانگو۔ اور میرا جو امتی ایسا کرے گا میں اسی کی شفاعت کروں گا۔ پھر اسی مکتوب میں تنبیہ کے عنوان کے تحت آپ نے متعدد دلائل سے اس اعتراض کا شافی جواب دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاندین اور غلط فہمی کے شکار لوگوں کو ہدایت کی توفیق دے۔

جاننا چاہیئے کہ مرکز ثالث کا محیط اگرچہ تعین اول کے مرکز کے محیط کی نسبت چھوٹا نظر آتا ہے لیکن وہ سب سے زیادہ جامع ہے کیونکہ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے وہ زیادہ جامع ہے تو اس کے چھوٹا ہونے کو انسان کے چھوٹا ہونے کی طرح سمجھنا چاہیئے کہ باوجود چھوٹا ہونے کے عالم کی تمام اقسام میں سے زیادہ جامع ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ شخص جو اس محیط کے کمالات سے متصف ہوا ہے اور مرکز کے اجمال سے محیط کی تفصیل میں آیا ہے اب وہ بے مناسبتی جو محیط اور تفصیل سے رکھتا تھا زائل ہو گئی اور بے تکلف اجمال سے تفصیل میں چلا گیا اور اس تفصیل کے کمالات سے بھی متصف ہوا۔

سُن! باوجود کمال اقتدار کے چونکہ نظام عالم کو حکمت سے وابستہ کیا ہے لہٰذا محبوبین کی تربیت میں بھی اسباب کے وجود سے چارہ نہیں ہوتا اگرچہ اسباب کا وجود بہانہ سے زیادہ نہیں ہوتا اور قدرت کے پردہ سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا	یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے جو پہلے سے آرہا ہے اور تو اللہ تعالیٰ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ پائیگا۔

تنبیہ:- نبی اگرچہ بعض کمالات کو اپنے افراد امت میں سے کسی فرد کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور اس کے وسیلہ سے بعض مقامات پر پہنچتا ہے لیکن اس طرح سے نبی میں کوئی نقص لازم نہیں آتا اور اس فرد کو اس وسیلہ بننے سے نبی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اس فرد نے اس کمال کو اس نبی ہی سے حاصل کیا ہے اور اسی کے طفیل سے اس دولت تک پہنچا ہے پس حقیقت میں وہ کمال اسی نبی کی ملکیت ہے اور اسی کی متابعت کا نتیجہ ہے اور وہ فرد اس کا خادم ہونے سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اس نے اسی کے خزانوں سے خرچ کیا ہے اور خوشنما لباس اور قیمتی فرش تیار کر کے لایا ہے جو کہ مخدوم کے حسن و جمال میں مزید اضافہ کا باعث ہیں اور اس کی عظمت و کبریائی بڑھاتا ہے اس جگہ مخدوم کا نقص کیا ہے اور خادم کو کونسی فضیلت ہے۔ اپنے برابر والوں سے امداد و اعانت حاصل کرنا نقص ہے۔ اور جو امداد و اعانت خادموں اور غلاموں سے واقع ہو وہ عین کمال ہے اور جاہ و جلال میں زیادتی کا باعث ہے کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو ایک کو دوسرے کے ساتھ خلط ملط کرے اور نقص کے وہم میں پڑے بادشاہ اپنے خادموں اور نوکروں کے ذریعہ ملک حاصل کرتے ہیں اور کئی قلعے فتح کرتے ہیں اور اس امداد سے سوائے بادشاہوں کی عظمت و بزرگی کے اور کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی اور اس سے خادموں اور نوکروں کی عزت و شرف بھی ظاہر ہوتا ہے۔

امتیں اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خادم اور غلام ہیں اگر ان سے ان بزرگواروں کو امداد پہنچے تو

له سورۃ فتح پارہ حٰمٓ ۱۲

نقص کا خیال کرنے کا کونسا مقام ہے؟ اور وہ جو کہتے ہیں کہ ان بزرگواروں کو امداد کی بالکل حاجت نہیں ہے اور کمال کے تمام مراتب بالفعل ان کو حاصل ہیں۔ یہ صرف فضول جھگڑا ہے۔ کیونکہ یہ بزرگوار بھی خدا تعالےٰ کے بندے ہیں اور ہمیشہ اس کے فضل و فیض و برکات کے اُمیدوار ہیں اور ہمیشہ ترقی کے خواہشمند ہیں۔ حدیث میں آیا ہے۔

مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ[1] جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے۔

اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امّت کو فرمایا ہے سَلُوْا لِیَ الْوَسِیْلَۃَ[2] (میرے لئے مقام وسیلہ کا سوال کیا کرو)

اور یہ بھی صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْکِ الْمُھَاجِرِیْنَ[3] (کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غریب مہاجرین کے وسیلے سے فتح کی دُعا مانگا کرتے تھے)۔

یہ سب کچھ امداد و اعانت کی طلب ہے۔ وہ لوگ جو امتیوں کی امداد و اعانت کو ان بزرگواروں کے حق میں جائز نہیں سمجھتے اور ان بزرگواروں کو ان کی امداد کا محتاج نہیں جانتے ان کی نگاہ انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کی بزرگی پر پڑی ہے اور ان کی نگاہ میں ان کی بلندی درجات ہے۔ اس کے باوجود اگر ان کی نظر ان بزرگواروں کی عبودیت پر بھی پڑتی اور ان کی محتاجی جو ان کو اپنے خداوند تعالےٰ سے ہے ان کو معلوم ہو جاتی تو وُہ امتّیوں کی امداد سے انکار نہ کرتے اور ان کے غلاموں اور خادموں کی مدد کو بعید نہ سمجھتے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پُورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ والصلوٰۃ والسلام علی نبینا و علی جمیع الانبیاء و علی الملائکۃ الکرام العظام۔

مکتوب نمبر ۹۵

مولانا صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا

(ان اسرار کے بیان میں جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت سے مخصوص ہیں)

اس فقیر کی ولایت اگرچہ ولایت محمدی اور ولایت موسوی علی صاحبہما الصلوٰۃ والسّلام کی پروردہ ہے اور ان دو اکابر علیہما الصلوٰۃ والسلام کی طفیل نسبت محبوبی و نسبت محبی سے مرکب ہے کہ محبوبین کے رئیس

---

[1] دیلمی شریف بروایت علی رضی اللہ عنہ [2] مسلم شریف، مشکوٰۃ
[3] مشکوٰۃ بروایت امیہ بن خالد بن عبداللہ بن اسید

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور محبین کے سردار حضرت کلیم اللہ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلی آل کل الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے وسیلہ سے میری ولایت کا کاروبار ہی دوسرا ہے اور اس سے علیحدہ معاملہ والستہ ہے اگرچہ اس ولایت کا اصل اپنے پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے جو کہ ولایت محمدی ہے کہ اس کا اصل منشا خالص محبوبیت کی نسبت ہے لیکن چونکہ اس میں ولایت موسوی کی کیفیت بھی ہے جو کہ اصل میں خالص محبیت سے پیدا ہوئی ہے اور اس ولایت سے مل گئی ہے اور اس کے رنگ میں بھی رنگین ہے اس نے ایک دوسری ہئیت پیدا کرلی ہے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک دوسری حقیقت بن چکی ہے اور اس نے اور طرح کا پھل دیا ہے اور دوسرا نتیجہ پیدا کیا ہے۔ کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے ؎

ازیں[۱] افیون کہ ساقی درمے افگند حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

فصل بالخیر

اگر اس کاروبار کا تھوڑا سا حصہ بھی جو اس ولایت سے والبستہ ہے ظاہر کروں یا ان معاملات کی طرف اشارہ کروں جو ان دو ولایتوں سے والبستہ ہیں تو گلا کاٹ دیا جائے اور حلقوم کو ذبح کر دیا جائے۔ جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض علوم کے اظہار میں جو انہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کئے تھے قُطِعَ الْبُلْعُوْمُ (حلق کاٹ دیا جائے) کہتے ہیں تو دوسروں کی کیا حیثیت ہے۔ خدا تعالیٰ کے نہایت گہرے اسرار ہیں جو وہ اپنے خاص الخاص بندوں پر ظاہر کرتا ہے اور کسی نامحرم کو اس کے گرد نہیں چھوڑا جاتا۔ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے جو کہ جہان والوں کے لئے سراسر رحمت ہیں، اپنی کمال معرفت سے اور جوش قدرت سے ان اسرار کو حضرت ابوہریرہ وغیرہ پر ظاہر فرمایا اور سننے والوں کی قابلیت کو جانا تو ان چھپے ہوئے موتیوں کو ان پر نچھاور کیا اور میرے جیسا مفلس اور بے بضاعت آدمی ان اسرار کے خطور اور یاد کرنے سے ہراساں اور لرزاں ہے اور اس خرابی و آوارگی کے باوجود ان بلند مطالب سے اپنی کسی طرح کی کوئی مناسبت نہیں دیکھتا لیکن اتنا جانتا ہوں مصرع

با کریماں[۲] کارہا دشوار نیست

---

[۱] اس افیون سے جو ساقی نے شراب میں شامل کر دی ہے میخواروں کے نہ ہوش ٹھکانے رہتے ہیں نہ پگڑی ۱۲ [۲] کریموں کیلئے کوئی کام مشکل نہیں

ہاں خداوند تعالیٰ ایسا ہی چاہیئے اور خدا تعالیٰ کا کرم و بخشش بھی اسی طرح کا ہونا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کا ہم پر کرم کوئی آج سے نہیں ہے۔ اس نے ہماری مشتِ خاک کو زمین سے اُٹھایا اور اپنا خلیفہ بنادیا اور اپنی نیابت میں ہر چیز کا قیوم (قائم رکھنے والا) کر دانا اور بلا واسطہ تمام اشیاء کے ناموں کی اس کو تعلیم دی اور فرشتوں کو جو اس کے برگزیدہ بندے ہیں اس کا شاگرد بنایا اور فرشتوں کو اس بزرگی کے باوجود اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ابلیس کو جو معلّم ملکوت (فرشتوں کا اُستاد) کے لقب سے ملقب تھا اور اطاعت و عبادت میں ایک شان عظیم رکھتا تھا اس نے جب آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اس کی توقیر و تعظیم نہ کی تو اس کو اپنی بلند بارگاہ سے ملعون قرار دے کر ہانک دیا اور اس پر ملامت اور طعنہ کیا اور اس مشت خاک کو ایسی قدرت و ہمت بخشی کہ اس نے امانت کے بوجھ کو اٹھالیا وہ امانت جس کو اُٹھانے سے آسمان اور زمین اور پہاڑ کانپ اُٹھے اور انکار کر دیا اور پھر اس کو ایسی قوت عطا فرمائی کہ اس قوت سے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کی رویت کی قابلیت پیدا کرلی جو کہ بے چون و بے چگون ہے حالانکہ یہ خود باچون اور باچگون ہے اور کیفیت یہ ہے کہ پہاڑ اس سختی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ایک تجلّی سے پارہ پارہ ہوگیا اور خاک ملیاہ ہوگیا وہ قدیم الاحسان اور ارحم الراحمین خدا طاقت رکھتا ہے کہ میرے جیسے عاجز آدمی کو سابقین کے درجات تک پہنچائے اور ان کی طفیل ان کی دولت میں شریک کرے ؎

اگر بادشاہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

تنبیہ:۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ہمیشہ اپنی تسبیح و تقدیس پر ہے اور صفات حدوث اور نشانات نقص سے منزّہ اور پاک ہے تغیّر اور تبدل کو اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں ہے اور اتصال و انفصال کی اس درگاہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے وہاں کسی میں حلول کرنے اور کسی کے اس میں حلول کرنے کو جائز سمجھنا کفر ہے اور اتحاد و عینیت کا حکم لگانا عین الحاد اور زندقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جتنا بھی اس بارگاہ میں قُرب اور وصل پیدا کریں وہ جسم کے جسم سے قُرب کے قبیل سے نہیں ہے اور نہ وہ جوہر سے عرض کے اتصال کی طرح ہے۔ اس جگہ اگر قرب ہے تو بے چون ہے اور اگر وصل ہے تو وہ بھی بے چون۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان بزرگواروں کا تمام کاروبار بے چونی کے عالم سے ہے اور عالمِ چون عالم بے چون کی نسبت وہی حکم رکھتا ہے جو دریائے محیط کے مقابل ایک قطرہ، کہ وہ ممکن ہے اور یہ واجب تعالیٰ۔

اور یہ بھی ہے کہ عالمِ چون زمان و مکان کی تنگی میں ثابت ہے اور عالمِ بے چون اس تنگی سے آزاد ہے اور زمان و مکان سے گذر چکا ہے ہاں عبارت اور تعبیر کا میدان اُس عالم میں بڑا وسیع ہے اور اس

؎ اگر بادشاہ کسی بوڑھی عورت کے دروازہ پر آجائے تو اے خواجہ تو اپنی مونچھوں کو نہ اکھاڑ ۱۲۰

عالم میں تنگ و تاریک ہے کیونکہ وہ عبارات سے بلند ہے اور اشارات سے دُور ہے۔ ارحم الراحمین نے اپنے خاص بندوں کو بے چونی سے حصہ دیا ہے اور عالمِ بے چون میں ان کو دخل دیا ہے اور بے چونی کے معلات سے مشرف کیا ہے۔

اگر بالفرض اس بے چونی کی تعبیر چون میں سے کریں تو اس سے بہت دُور ہے کہ بالغ نابالغوں کے سامنے جماع کی لذت کو قند اور شکر کی لذت سے تعبیر کریں کہ یہ دونوں لذتیں تو ایک عالم چون سے ہیں اور وہ تعبیر اور مُعبر دو الگ الگ عالموں سے ہیں اور مجبوراً جب کوئی بے چون کی تعبیر چون سے کرے گا، اور بے چون پر چون کے احکام جاری کرے گا تو وہ محل طعن و الزام ہوگا اور اُسے زندیق اور ملحد کہیں گے پس ان اسرار کی دقت اور پوشیدگی عبارت اور تعبیر کی وجہ سے ہے نہ کہ تحقیق و وصول کی راہ سے کیونکہ ان اسرار سے متصف ہونا کمال ایمان ہے اور اس بے چون کو چون کی عبارت سے تعبیر کرنا عین کفر و الحاد ہے مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ کو پہچان لیا اس کی زبان گُنگ ہوگئی) کو اس جگہ دیکھنا چاہیئے اے ہمارے رب ہمارے نور کو پُورا کر دے اور ہمیں بخش دے یقیناً تُو ہر چیز پر قادر ہے۔ الحمد لِلّٰہ اوّلاً و اٰخراً والصلوٰۃ علی رسولہ دائماً و سرمداً۔

مکتوب نمبر ۹۶

فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان اسرار کے بیان میں جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونا موں محمدؐ اور احمدؐ سے متعلق ہیں)

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دو ناموں سے موسوم ہیں اور دونوں اسم مبارک قرآن مجید میں لکھے ہوئے ہیں فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (محمد اللہ کے رسُول ہیں) اور عیسٰے روح اللہ کی بشارت کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا اِسْمُہٗ اَحْمَدُ (اس کا نام احمد ہوگا) اور ان دونوں مبارک ناموں کی ولایت علیحدہ ہے ولایت محمدی اگرچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی محبوبیّت کے مقام سے پیدا ہوئی ہے لیکن اس جگہ خالص محبُوبیّت ثابت نہیں ہے بلکہ اس میں محبّیت کی کیفیت کی آمیزش بھی ہے اگرچہ وہ آمیزش اس کے اصل میں ثابت نہیں ہے لیکن محبوبیّت خالص کے مقام سے مانع ہے اور ولایت احمدی خالص محبُوبیّت سے پیدا ہوئی ہے جس میں محبیّت کا شائبہ تک نہیں ہے اور یہ ولایت پہلی ولایت سے بلند تر ہے اور ایک منزل مطلوب سے نزدیک تر ہے اور مُحب کو زیادہ مرغوب ہے کیونکہ محبُوب جتنا بھی محبُوبیّت میں مکمل ہوگا

اس کی بے نیازی اور استغنا بھی کامل تر ہوگا اور محبّ کی نگاہ میں زیادہ خوبصورت اور زیبا تر ہوگا اور محبّ کو اپنی طرف زیادہ کھینچے گا اور اسے زیادہ سرگشتہ اور شیفتہ بنادے گا ؎

نہ تنہا آفتم زیبائی اوست بلائے من ز ناپروائی اوست[1]

بلا سے مراد عشق کا حد سے گذرنا ہے جو کہ عاشق کو مطلوب ہے۔ سبحان اللہ! احمد عجیب مبارک نام ہے جو کہ کلمۂ مقدسہ اَحَد سے مرکب ہے اور حرفِ میم کے حلقہ سے جو کہ اللہ تعالٰی کے عالم بے چون میں پوشیدہ اسرار میں سے ہے اور اس کی گنجائش نہیں رکھتا کہ عالم چون میں اس پوشیدہ راز کو حلقہ میم کے بغیر تعبیر کیا جاسکے۔ اور اگر اس کی گنجائش ہوتی تو اللہ تبارک وتعالٰی اس سے تعبیر فرماتے اور اَحَد اَحَد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور حلقۂ میم طوق عبودیت ہے کہ جس نے بندہ کو مولا سے الگ کیا ہے پس بندہ وہی میم کا حلقہ ہے اور لفظ اَحَد اس کی تعظیم کے لئے آیا اور اس کے اختصاص کا اظہار کیا ہے

چوں نام این است نام آور چہ باشد[2] ؎

ہزار سال کے بعد کہ اسکو امورِ عظام کے تغیر میں ایک تاثیر ودیعت کی ہے اُس ولایت کا معاملہ اِس ولایت تک کھینچا اور ولایت محمدی ولایت احمدی پر منتہی ہوئی۔ اور کاروبار عبودیت کے دو طوق سے ایک طوق تک پہنچا اور پہلے طوق کی جگہ حرف الف جو کہ اس کے رب سے اشارہ ہے متمکن ہُوا جہاں تک کہ محمد احمد ہوا۔ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ اس کا بیان یہ ہے کہ عبودیت کے دو طوق میم کے دو حلقوں سے عبارت ہیں کہ جو اسم مبارک محمد میں مندرج ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ دو طوق ان کے دو تعیّن کی طرف اشارہ ہو۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔ ان دو تعیّن میں سے ایک تعیّن بشری ہے اور دُوسرا تعیّن روحی ملکی اور تعیّن جسدی میں اگرچہ موت آجانے کی وجہ سے سستی ونقص آجاتا ہے اور تعیّن روحی نے اور قوت حاصل کرلی لیکن اس تعیّن کا اثر باقی رہا تھا ہزار سال چاہیئے تھا کہ اس کا اثر بھی زائل ہو اور اس تعیّن کا کوئی نشان نہ رہے اور جب ہزار سال ختم ہوا اور اس تعیّن کا اکثر حصہ نہ رہا اور ان دو طوق میں سے ایک طوق عبودیت کھینچ لیا گیا اور اس پر فنا اور زوال طاری ہُوا اور الف الوہیت کہ اس کو بقا باللہ کے رنگ میں کہا جاسکتا ہے اس کی جگہ بیٹھا تو لازماً محمد احمد ہُوا اور ولایت محمدی نے ولایت احمدی میں انتقال فرمایا پس محمد دو تعیّن سے عبارت ہے اور احمد ایک تعیّن سے کنایہ ہے اور بس۔ پس یہ نام حضرت مطلق سے زیادہ قریب ہوگا اور عالم سے دُور تر ہوگا۔

---

[1] اس کی خوبصورتی ہی میرے لئے اکیلی آفت نہیں ہے بلکہ میرا فتنہ تو اس کی بے پروائی بھی ہے ۱۲
[2] جب نام ایسا ہے تو جس کا نام ہے وُہ کیسا ہوگا ۔ ۱۲

سوال:۔ فنا و بقا جو مشائخ نے قرار دی ہے اور ولایت کو اس سے وابستہ کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے اور یہ فنا و بقا جو تعیّن محمدی میں کہی جاتی ہے اس کا کیا معنی ہے؟

جواب:۔ وہ فنا و بقا جس کے ساتھ ولایت وابستہ ہے فنا و بقا شہودی ہے اگر فنا و زوال ہے تو باعتبار نظر ہے اور اگر بقا و ثبات ہے تو بھی باعتبار نظر ہے اس جگہ صفات بشری پوشیدہ ہو جاتی ہیں نہ کہ زائل، اور اس تعیّن کا فنا اس طرح نہیں ہے بلکہ اس جگہ صفات بشری کو زوال وجودی ثابت ہے اور تعیّن جسدی کا پراگندہ ہونا اور تعیّن روحی کا ثابت ہونا ہے اور اس جگہ جانب بقا میں بھی اگرچہ بندہ اللہ نہیں بن جاتا اور بندگی سے باہر نہیں آجاتا لیکن اللہ تعالےٰ سے نزدیک تر ہو جاتا ہے اور معیّت زیادہ پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ سے دُور ہو جاتا ہے اور اس سے احکام بشری مسلوب ہو جاتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ یہ عروج محمدی جو کہ صفات بشری کی نفی سے وابستہ ہے اگرچہ ان کے کاروبار کو بلند تر لے گیا اور ان کو بلند چوٹی پر پہنچا دیا۔ اور ان کو غیر اور غیریت کی کشاکش سے آزاد کر دیا صلے اللہ علیہ وسلّم، لیکن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا معاملہ زیادہ تنگ ہو گیا اور آپ کا نور ہدایت جو کہ بشریت کی وجہ سے تھا وہ بہت کم ہو گیا اور وہ توجہ جو ان عاجز لوگوں کے حال پر تھی وہ کم ہو گئی اور آپ پوری طرح قبلۂ حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس رعایا پر افسوس کہ جس کا بادشاہ اس کے حال میں مشغول نہ ہو اور کلی طور پر اپنے محبُوب کی طرف متوجہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہزار سال کے بعد کفر اور بدعت کے اندھیرے غالب آچکے ہیں اور سنت و اسلام کا نور کم ہو چکا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخشش دے یقیناً تُو ہر چیز پر قادر ہے۔

مکتوب نمبر ۹۷

صُوفی قربان جدیدہ کی طرف صادر فرمایا

(عالم کے موہوم ہونے کے راز کے بیان میں)

صوفیاؒ نے جو عالم کو موہوم کہا ہے تو وہ اس معنی سے نہیں ہے کہ عالم محض وہم کی اختراع و پیداوار ہے کہ وہ بے وقوف سوفسطائی کا مذہب ہے بلکہ اس معنی سے موہوم ہے کہ خداوند تعالےٰ کی پیدائش سے وُہ مرتبۂ وہم میں پیدا ہُوا ہے اور اس مرتبہ میں اللہ تعالےٰ کی صنعت سے اس لے ثبوت اور استقرار پیدا کیا ہے لیکن وہ خیر و کمال جو اس میں ثابت ہے وہ حضرت وجود تعالےٰ و تقدّس کے مرتبہ سے مستعار ہے اور اس

مرتبۂ مقدسہ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے، اور اس میں جو شر و نقص ہے وہ عدم سے مستعار ہے اور وہ عدم کے شرور و نقائص جو کہ اس میں ودیعت کئے گئے ہیں کہ وہ ہر شر و نقص کا منشا ہے کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور جب سالک مستعد خداوند تعالیٰ کی تربیت کی وجہ سے ان امانتوں کو پورے طور پر ادا کرتا ہے خیر و کمال کو اس کے اہل کے سپرد کر دیتا ہے اور شر و نقص کو اس کے اہل کے حوالہ کر دیتا ہے تو لازماً وہ فنا کی دولت سے متحقق ہو جاتا ہے اور اس کا اپنا کوئی نام و نشان نہیں رہتا نہ خیر کا اس میں کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ شر سے اس کو کسی ضرر کا احتمال رہتا ہے کیونکہ جو کچھ بھی وہ رکھتا تھا خیر یا شر وہ سب وجود و عدم سے مستعار تھا وہ اپنے باپ کے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہے اس میں کوئی ہنر اس کے سوا نہیں تھا کہ وہ ایک امانت دار تھا اور جب وہ امانتوں کو ان امانات کے اہل کی طرف واپس کر دیتا ہے تو لازمی طور پر خودی اور انانیت کی زحمت سے خلاص ہو جاتا ہے اور فنا و نیستی سے ملحق ہو جاتا ہے۔

مکتوب نمبر ۹۸

حاجی عبداللطیف خوارزمی کی طرف صادر فرمایا

(حسن صوری سے زیادہ لذت حاصل کرنے کے راز کے بیان میں)

خیر و کمال اور حسن و جمال جس جگہ بھی ہے وہ وجود کا اثر ہے جو خیر محض ہے اور واجب الوجود جل سلطانہ کے ساتھ خاص ہے ممکن میں جس طرح وجود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے بطور ظلیت منعکس ہوا ہے حسن و جمال بھی اسی مرتبۂ مقدسہ سے بطریق ظل آیا ہے ممکن ذاتی جو اپنے ذاتی عدم کی وجہ سے جو کہ محض شر ہے۔ قبح و نقص ہے لیکن یہ حسن و جمال جو ممکن میں مشہود ہے اگرچہ وجود کی طرف سے آیا ہے لیکن چونکہ وہ عدم کے آئینہ میں ظاہر ہوا ہے اس لئے آئینے کا حکم حاصل کر لیا اور قبح سے حصہ لیا اور نقص پیدا کیا اور ممکن چونکہ ذاتی قبح رکھتا ہے تو اس قدر حظ و لذت جو وہ اس حسن سے حاصل کرتا ہے اُس حسن خالص سے جو کہ اس حسن کا مبدا ہے حاصل نہیں کرتا کیونکہ اس کی مناسبت اس حسن سے زیادہ ہے بہ نسبت اُس حسن کے۔

خاکروب کو مناسبت کی وجہ سے جتنی لذت گندی بو سے حاصل ہوتی ہے اچھی بو سے حاصل نہیں ہوتی۔ مشہور قصہ ہے کہ ایک خاکروب عطاروں کے محلہ سے گذرا وہ خوشبو کی کثرت کی وجہ سے بیمار ہو گیا اور بیہوش ہو کر گر پڑا ایک بزرگ اس راہ سے گذر رہے تھے جب وہ اس کے معاملہ پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ اس کے ناک کے پاس نجاست لا کر رکھ دو کہ اس کی بدبو سے یہ تندرست ہو کر ہوش میں آ جائے گا چنانچہ انہوں نے ایسا

ہی کیا تو وہ ہوش میں آگیا۔

مکتوب نمبر ۹۹

جناب سیادت مآب وارشاد پناہ میر مومن بلخی کی طرف صادر فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰهَ۔ جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکریہ بھی ادا نہ کیا۔

علماء و مشائخ ماوراء النہر شکر اللہ تعالےٰ سعیہم کے حقوق ہم عاجز اور دور افتادہ لوگوں پر بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر اتنے نہیں ہیں جو تقریر اور تحریر میں آسکیں! اعتقاد کی درستی اہل سنت وجماعت کثرہم اللہ سبحانہ فی الامصار کی صائب رائے کے مطابق ان بزرگواروں کی تحقیقات سے ہم نے حاصل کی ہے اور عمل کی صحت بھی بموجب مذہب علماء حنفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم انہی کی تدقیقات سے حاصل کی ہے اور طریقہ علیہ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کا سلوک بھی ہندوستان کے علاقہ میں اسی بزرگ زمین کی برکات سے مستفاد ہے اور مقام جذبہ و سلوک و فنا و بقا و سیر الی اللہ و سیر فی اللہ جو کہ مرتبۂ ولایت خاصہ سے وابستہ ہے کی تحقیق بھی اسی علاقہ کے اکابرین کے فیوض سے ہم پر انڈیلی گئی ہے۔

مختصر یہ کہ اگر ظاہر ہے تو اس کی اصلاح بھی وہیں سے ہوئی ہے اور اگر باطن ہے تو فلاح اسی جگہ سے حاصل کی ہے ؎

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار　　　که اگر خار و اگر گل ہمہ پروردۂ تست[1]

اللہ تعالےٰ اس علاقہ اور اس کے رہنے والوں کو بطفیل سید السادات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آفات و مصائب سے محفوظ رکھے۔

اس کے باوجود وہ دوست جو اپنی ضروریات کے لئے اس بلند علاقہ (توران) سے نچلے علاقہ (ہندوستان) میں آتے ہیں وہ اس علاقہ کے ذوی البرکات حضرات کی مہربانیوں خصوصاً ارشاد و ہدایت پناہ افادہ و اضافہ دستگاہ سلمہ اللہ تعالےٰ کی بہ نسبت اس حقیر کے نوازشوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ان عالی جناب نجابت آیات کو آپ کے متعلق حسن ظن ہے اور آپ کے بعض علوم و معارف کو جو آپ نے لکھے تھے مطالعہ فرمایا ہے اور پسند کیا ہے۔ بزرگوں سے اس قسم کی بشارتیں زیادہ امیدواری کا باعث ہوتی ہیں اور بعض

---

[1] اے ابر بہار! باغ تیرے فیض کا شکریہ کس طرح ادا کر سکتا ہے کہ اگر کانٹے ہیں یا پھول ہیں تو وہ سب تیرے ہی پروردہ ہیں۔۱۲

اذواق و مواجید کی تحریر پر دلیر کرتی ہیں

اور جب ان دنوں شیخ ابوالمکارم صوفی نئے نئے آئے ہیں تو انہوں نے مجھ پر ان کی مہربانیوں کا اظہار فرمایا ہے تو مجبوراً ان کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے چند کلمات کے پڑھنے کی تکلیف دی ہے اور اپنے آپ کو آن کی یاد میں دے دیا ہے۔ چونکہ اس فقیر کے بعض مسودات کی نقول بھائی خواجہ محمد ہاشم کشمی نے جو کہ مخلص دوستوں میں سے ہیں صوفی مشارالیہ کے ہمراہ بھیجی ہیں تو انہی پر اکتفا کرتے ہوئے اس طائفہ علیہ کے علوم و معارف سے کوئی منقولہ اس خط میں درج نہیں فرمایا ہے۔ آپ حضرات کی عنایات و مہربانیوں سے امید ہے کہ قبولیت کے اوقات میں دعائے خیر اور فاتحہ سلامتی خاتمہ سے فراموش نہ کریں گے۔ اے ہمارے ربّ ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

اس حقیر کی فقیرانہ دعاؤں کو حضراتِ عالی درجات نقابت و نجابت پناہ اہل اللہ کے ملجا و ماوی سید میرک شاہ اور جناب افادہ دستگاہ علامۃ الوریٰ مولانا حسن اور جناب ناصر الشریعۃ حافظ الملۃ قاضی تولک ادام اللہ تعالٰے بہ کاتہم کی خدمت میں پہنچا دیں اور مخدوم زادگان گرامی کی خدمت میں فقیر زادے بھی دعا کی درخواست اور فاتحہ کی التماس کرتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۰۰

شیخ نور الحق کی طرف صادر فرمایا

(حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے گرفتاری کا راز بیان کرنے اور بعض اسرار غریبہ اور علوم عجیبہ کے بیان میں)

الحمد للہ و سلام علے عبادہ الذین اصطفیٰ۔ فضائل و کمال دستگاہ میرے عزیز بھائی شیخ نور الحق نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے گرفتاری کے متعلق اہتمام اور پورے شوق سے استفسار کیا ہے اور یہ فقیر بھی بہت مدت سے اس معنی کے انکشاف کا شوق رکھتا تھا۔ جب ان کا شوق اس شوق کے علاوہ پیش آیا تو بے اختیار اس دقیقہ کو کھولنے کی طرف متوجہ ہوا۔

ابتدائی طور پر یہ ظاہر ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی پیدائش اور ان کا حسن و جمال اس دنیاوی خلقت و حسن و جمال کی جنس سے نہیں ہے اور یہ ظاہر ہوا کہ آپ کا جمال بہشتیوں کے جمال کی جنس سے ہے اور مشہود ہوا کہ باوجود اس پیدائش کی صباحت کے ان کو حور و غلمان کے حسن سے مشابہت ہے اور اس کے بعد پھر جو کچھ تفصیل اس باب میں اللہ تعالٰے کے فضل و کرم سے فائض ہوئی ہے اُسے قید کتابت میں لا کر بھیجا جا

رہا ہے اے اللہ تو پاک ہے تیرے بتائے ہوئے کے بغیر ہمیں کچھ علم نہیں ہے ؂

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند — آنچہ استاد ازل گفت ہماں مے گوئم

سوال : یہ تمام فرطِ محبت اور گرفتاری جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی یہ کس طرح کی تھی حالانکہ خداوند تعالےٰ نے ان کو اور ان کے آبا کرام علی نبینا و علیہم الصلوات و البرکات کو اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (ہاتھوں اور آنکھوں یعنی عمل اور علم والے) فرمایا ہے اور پھر ان کے متعلق اور اُن کے آبا کرام کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے انا اخلصنا ھم بخالصۃ ذکری الدار وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار (یقیناً ہم نے ان کو ایک پاک خصلت میں خالص کیا کہ وہ آخرت کی یاد ہے اور یقیناً وہ ہمارے پاس پسندیدہ اور برگزیدہ لوگوں سے ہیں)

اور برگزیدہ اور مخلص لوگوں کو مخلوق سے ایسا تعلق رکھنا کیا گنجائش رکھتا ہے؟ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ گرفتاری اللہ تعالےٰ کے سوا نہ تھی کیونکہ اللہ تعالےٰ کے حسن و جمال کے آئینہ سے زیادہ نہیں ہے جیسا کہ صوفیہ نے کہا ہے اور شہود وحدت کو کثرت کے آئینہ میں تجویز کیا ہے اور اخروی رویت کے سوا اس دنیا میں مجالی و مظاہر میں ممکنات کی صورتوں کا مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کیا ہے کیونکہ اس قسم کے کشف و شہود جو کہ سالکین صوفیاء کو توحید کے غلبات میں اس فانی دنیا میں میسر آتے ہیں قریب ہے کہ انبیاء کی امتوں کے خواص اس سے انکار کریں اور یہ لوگ ایسے مکشوف و مشہود سے یکسوئی اور پرہیز کرتے ہیں اور جب معاملہ اس طرح کا ہو تو انبیاء برگزیدہ کے متعلق اس طرح کے احوال کا کیا احتمال ہو سکتا ہے بلکہ اس معنی کا تصور کرنا بھی ان بزرگواروں کے متعلق عین وبال ہے۔

جواب : یہ سوال ایک مقدمہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت کا حسن و جمال اور اسی طرح اس مقام کی نعمتیں اور لذتیں بھی دنیا کے حسن و جمال کی طرح نہیں ہیں

کیونکہ وہ حسن و جمال سب خیر ہی خیر ہے اور لذتیں اور نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کو مقبول و پسندیدہ ہیں اور یہ حسن و جمال سب شر اور نقص ہے اور یہ لذتیں اور نعمتیں سب نامقبول اور غیر مستحسن ہیں یہی وجہ ہے کہ آخرت کا گھر اللہ تعالےٰ کی رضا کا گھر ہے اور دنیا کا گھر خدا تعالےٰ کے غضب کی جگہ ہے۔

سوال : ممکن میں جو بھی حسن و جمال ہے چونکہ وہ حضرت وجوب سے مستعار ہے اور ممکن اس مرتبہ کے آئینہ اور مظہر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اس لئے کہ ممکن اپنے پاس کوئی چیز نہیں رکھتا اور جو کچھ بھی وہ رکھتا ہے حضرت وجوب سے مستعار ہے۔ پس ان دو مقامات میں فرق کہاں سے آ گیا کہ ایک تو پسندیدہ اور

؎ مجھے آئینہ کے پیچھے طوطی کی طرح رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا ہے میں وہی کہتا ہوں - ۱۲

مقبول ہو اور دُوسرا نامقبول اور غیر مستحسن۔

جواب: چند ایک مقدمات پر مبنی ہے پہلا مقدمہ یہ ہے کہ عالم تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مظہر اور جلوہ کی جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسمائی وصفاتی کمالات کا آئینہ ہے

دُوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن چونکہ ان کو اپنے قیام اور وجود میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی احتیاج ثابت ہے لہٰذا ان میں امکان کی بُو موجود ہے اور وجوب ذاتی ان کے حق میں غیر یقینی ہے کیونکہ ان کا وجوب اپنی ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور اگرچہ اُن کو غیر ذات بھی نہیں کہتے لیکن غیریّت سے چارہ بھی نہیں ہے کیونکہ ان میں دوئی ثابت ہے اور "دو چیزیں آپس میں غیر ہوتی ہیں"۔ یہ ارباب معقول کا مقررہ قاعدہ ہے لیکن اس کے باوجود ان پر امکان کا لفظ نہیں بولنا چاہیئے کیونکہ وہ حدوث کا وہم ڈالتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر ایک ممکن حادث ہے اور وجوب بالغیر بھی اس مقام میں تجویز نہ کرنا چاہیئے کہ وہ ان کے خداوند تعالیٰ کی ذات سے علیحدہ ہونے کا وہم ڈالتا ہے۔

اور تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس جگہ بھی امکان کی بُو ہے عدم کو بذاتِ خود اس جگہ گنجائش ہے اگرچہ اس عدم کا حصول محال ہو لیکن وہ استحالہ اس کے اپنے نفس سے نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ دوسری جگہ سے آیا ہے

چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کو جس طرح ان کی جانب وجود میں حسن وجمال ثابت ہے ان کے احتمال عدم کی جانب میں بھی حُسن وجمال ثابت ہے اگرچہ اس حُسن کا ثبوت مرتبہ حس و وہم میں ہو جو کہ عدم کے مناسب ہے اگرچہ وہ ہمسائیگی سے مستعار ہو کہ عدم کو اپنی ذات میں سوائے شر اور قبح کے کوئی حصّہ نہیں ہے وُہ وجُود ہی ہے جو سراسر کمال وخیر ہے اور سارے کا سارا حُسن وجمال۔ جاننا چاہیئے کہ وُہ حسن وجمال جو عدم میں نمودار ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے حنظل (تُمّہ) چینی کے غلاف میں لپیٹ دیں اور بتائیں کہ یہ میٹھا ہے۔

پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نظرکشفی سے معلوم ہُوا ہے کہ اس دنیا میں ممکن کی جانب عدم کو کمال اقتدار سے تربیت کی ہے اور اپنی کمال صنعت سے مرتبہ حس و وہم میں ثبات واستقرار بخشا ہے اور صفات کے حسن وجمال کا مظہر جو کہ ان کے احتمال عدم کی جانب میں نمودار ہُوا تھا بنایا ہے اور یہ بھی واضح ہوا ہے کہ آخرت کی زندگی میں ممکن کے وجود کی جانب کو ترجیح دیں گے اور صفات کے حسُن وجمال کا مظہر جو کہ ان کے وجود کی جانب میں ثابت ہے، بنائیں گے

جب یہ پانچوں مقدمے معلوم ہو گئے تو اس دُنیا کے حسُن وجمال اور اُس آخرت کے حسُن وجمال میں فرق

واضح ہوگیا اور ایک کا قبح اور دوسرے کا حسن بھی لائح ہوا اور پسندیدہ اور ناپسندیدہ میں تمیز بھی پیدا ہو گئی۔ اس تحقیقات سے اس سوال کا حل بھی ہوگیا اور اس مقدمہ کی وضاحت بھی ہوگئی کہ پہلے سوال کا جواب جس پر مبنی تھا جیسا کہ ذہین غور کرنے والے پر یہ مخفی نہیں ہے۔

اور جب یہ مقدمہ واضح ہوا تو ہم پہلے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ خدا تعالٰے کے فضل و کرم سے صریح کشف سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت یوسف علی نبینا و علیہ والصلوٰۃ والسلام کا وجود اگرچہ اس دنیا میں پیدا ہوا ہے لیکن تمام موجودات کے برخلاف ان کے وجود کی پیدائش آخرت کی پیدائش سے ہے اور ان کے وجود کی جانب کو ترجیح دے کر اُن کو اس حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے جس کا تعلق اللہ تعالٰے کے اسماء و صفات سے ہے اور عدمیت کا شائبہ جو کہ ان کے نفس یا اُن کے اصل سے تعلق رکھتا ہے منتفی کر دیا ہے اور علت عدم سے ان کو اور ان کے اصل کو پاک کر دیا ہے اور وجود کے نور کی جانب کے غلبہ کے سوا جو کہ بہشتیوں کا حصہ ہے اس میں کچھ نہیں چھوڑا ہے تو لازماً ان کے حسن و جمال کی گرفتاری بہشت اور بہشتوں کے حسن کی گرفتاری کی طرح محمود ہے اور کاملین کا حصہ ہے اور جتنا بھی محب کامل تر ہوگا تو اتنا ہی وہ آخرت کے حسن و جمال کا زیادہ گرفتار ہوگا۔ اور اللہ تعالٰے کی رضا میں قدم بڑھا کر رکھے گا۔ کیونکہ اُس پیدائش سے گرفتاری اس پیدائش والے کی گرفتاری کا عین ہے کہ وہ پیدائش اللہ تعالٰے کی حکمت کے طلسم سے زیادہ نہیں ہے اور کبریائی کی چادر کی طرح اللہ تعالٰے کے نقاب سے زیادہ نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ (اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے) نص قطعی ہے۔ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ (اور اللہ تعالٰے آخرت چاہتے ہیں) اس معنی پر حجت واضح ہے اور جس نے آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح بُرا سمجھا ہے اور اللہ تعالٰے کی گرفتاری کے سوا جانا ہے اس نے آخرت کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہے اور غائب کو شاہد پر باوجود فارق بین کے قیاس کیا ہے رابعہ بصری بے چارہ اگر جنت کی حقیقت کو پوری طرح سمجھ لیتی تو اس کو جلانے کی فکر میں نہ پڑتی اور اس کی گرفتاری کو اللہ تعالٰے کی گرفتاری کے سوا نہ جانتی۔

اور کسی اور نے کہا ہے کہ آیت مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ (کہ بعض تم میں سے دنیا چاہتے ہیں اور بعض تم میں سے آخرت چاہتے ہیں) میں دونوں فریق سے شکایت ہے۔ اللہ تبارک و تعالٰے اس کو انصاف دیں کہ یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالٰے بہشت کی دعوت فرمائیں اور دعوت دینے کے بعد جو اس کو قبول کرلے اس سے شکایت کریں۔ اگر اس مقدس مقام کی گرفتاری بُری ہوتی یا مذمت کا شائبہ رکھتی تو بہشت رضا کا گھر نہ ہوتا کہ رضا قبولیت کا انتہائی مرتبہ ہے اور وہ بھی دنیا کی طرح مغضوب ہوتی۔

غضب کی علّت اور مذمّت کا باعث عدم ہے جو کہ ہر قباحت و نقص کی جڑ ہے اور وہ دُنیا کے حصّہ میں آئی ہے اور دُنیا کی لعنت کا سبب ہوئی ہے اور جب عدم سے بیزاری حاصل ہو گئی تو مذمّت اور قبح کا شائبہ زائل ہو گیا اور نارضامندی اور نامقبولیت دشمنوں کے حصّہ میں آئی اور سوائے رضا و قبول وجود اور نور اور وصل و وصول اور راحت و سرور کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ بہشت میں تسبیح و تہلیل و تحمید سے درخت لگاؤ یعنی سبحان اللہ کہو اور بہشت میں درخت لگاؤ۔ تنزیہی معنی جو اس جگہ حروف و کلمات کے لباس میں پیدا ہُوا ہے اس جگہ درختوں کی صورت میں متمثل ہوتا ہے کہ اس درخت اور اس درخت سے لذّت کی گرفتاری عین گرفتاری معنی تنزیہی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

صوفیہ علیہ کہ جنہوں نے تمام دقائق و اسرار کو توحید و اتحاد میں فرمایا ہے اور اس دُنیا کے مظاہر جمیلہ پر ان کو محمول کیا ہے اور عاشقی کی ہے اور ان کے ضمن میں شہود و مشاہدہ کا اثبات کیا ہے اور ان کے حسن و جمال کو اللہ تعالےٰ کا حُسن و جمال سمجھا ہے۔ ایک نے کہا ہے "مَیں نے تجھے ہر لذیذ کھانے میں چکھا ہے"۔ اور دُوسرا کہتا ہے ؎

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است[1] ... در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست؟

اور تیسرا کہتا ہے ؎

از عطش گر در قدح آبے خورند[2] ... در درونِ آب حق را ناظر اند

اِس دُنیا میں ان جیسی باتوں کی سچائی اس فقیر کی دریافت اور فہم سے دور ہے کہ اس دُنیا میں ان نازکیوں کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں پاتا اور ان کو اس قسم کی دولت کے قبُول کرنے کی قابلیت نہیں جانتا۔ اگر قبُول کی طاقت رکھتے تو اللہ تعالےٰ کے مغضوب و مبغوض نہ ہوتے اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ (دُنیا ملعون ہے) نہ فرماتے۔ وہ بہشت ہی ہے جو ان بزرگوں کے لائق ہے اور ان مقامات کے قابل ہے اور یہ قول کہ "مَیں نے تجھے ہر لذیذ کھانے میں چکھا ہے"۔ بہشتی کھانوں پر صادق آتا ہے نہ کہ دنیوی طعام میں کہ وہ عدم کے زہر آب سے مخلوط ہے لہٰذا اس کا ارتکاب مناسب نہیں ہے۔

اس فقیر کے نزدیک ہر شخص اس اسم الٰہی کے ظہور سے عبارت ہے جو کہ اس شخص کا مبدأ تعین ہے اور اس اسم نے اشجار و انہار اور حور و قصور کی صورت میں اور ولدان و غلمان کے لباس میں ظہور فرمایا ہے اور جس طرح اسماء الٰہی جلّ سلطانہٗ میں باعتبار بلندی اور پستی اور باعتبار جامعیت و عدم جامعیت کے فرق ہے

---

[1] آج جبکہ تیرا جمال بے پردہ ظاہر ہے مَیں حیرت میں ہُوں کہ کل کا وعدہ کس لئے ہے ۱۲۔

[2] اگر وہ پیاس سے پیالے میں پانی پیتے ہیں تو وہ پانی کے اندر خدا تعالےٰ کو دیکھتے ہیں ۱۲۔

ان کی جنتوں میں بھی اسی اندازہ کے مطابق فرق ہے اگر اس ظہور کے ضمن میں شہود و مشاہدہ کا اثبات کیا جائے تو مستحسن اور زیبا ہے اور کسی چیز کو اس کے مقام پر رکھنا ہے لیکن اُس مُقام کے علاوہ ایسی باتوں کا اطلاق کرنا جرأت ہے اور کسی چیز کو غیر مقام میں رکھنا ہے۔

شاید کہ صوفیہ علیہ محبت کی زیادتی اور کمال شوق کی وجہ سے جو وہ اپنے مطلوب سے رکھتے ہیں جس قدر بھی مطلوب کی خوشبو ان کی جان کے دماغ میں پہنچتی ہے اسے غنیمت سمجھ کر اس کو سُکرِ محبت کے غلبہ سے عین مطلوب و مقصود سمجھتے ہیں اور وُہ عاشق جو نفس مطلوب سے کرنی چاہیئے اس کے ساتھ درمیان میں لاتے ہیں۔ اور لذت حاصل کرتے ہیں اور مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کرتے ہیں ایک بزرگ کہتا ہے ؎

بوئے توانہ جاج ہم مست و بے خود ز ہر سو کہ آواز پائے بر آید[1]

ہاں عاشقی اور محبت کی بے آرامی میں اس قسم کے معاملات جائز بلکہ مستحسن ہیں کیونکہ یہ خُدا کے لئے ہیں اور مطلوب بے مثل کی ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہیں ان کی غلطی بھی صواب کا حکم رکھتی ہے اور ان کا سُکر صحو کا حکم رکھتا ہے حدیث میں آیا ہے "بلال کا سین اللہ کے نزدیک شین ہے"۔ ع

ترا شھدِ تو خندہ زند اسھدِ بلال[2]

جاننا چاہیئے کہ اس فقیر کا مکشوف یہ ہے کہ بہشت میں ہر بہشتی شخص کی رویت بھی اس اسمِ الٰہی کے کے اندازہ کے مطابق ہوگی جو اس کے تعین و تشخص کا مبدأ ہے۔ اور اشجار و انہار اور حُور و غلمان بہشتی کے لباس میں ظہور فرمایا ہے اس طرح کہ کچھ مدت کے بعد اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے یہ اشجار و انہار جو کہ اس اسم مُقدّس کے مظاہر ہیں کچھ وقت کے لئے عینک کا حکم پیدا کر لیتے ہیں اور اس شخص کے لئے غیر منکیفہ رویت کی دولت کا وسیلہ بن جاتے ہیں اور پھر اپنی اصلی حالت میں آجاتے ہیں اور اس کو اپنی طرف مشغول کر لیتے ہیں۔ اور اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ تک ہوتا رہتا ہے۔

بالکل تجلی ذاتی برقی کی طرح کہ صوفیائے اس کو اس دُنیا میں تجویز کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی اس دولت کے مستعد لوگوں کے لئے ہمیشہ اسمائے صفات کے پردہ میں ہے لیکن کچھ مُدت کے بعد تھوڑے سے وقت کے لئے ان اسماء وصفات کا حجاب اُٹھ جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی ذات اسماء وصفات کے پردہ کے بغیر تجلّی کرتی ہے اور چونکہ وُہ اسم الٰہی اللہ تعالےٰ کی ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے تو لازماً ہر شخص کی رویت کے متعلق بھی وہی اعتبار ذاتی ہوگا جو کہ اس شخص کا رب ہے۔ اس جگہ کوئی آدمی

---

[1] تیری خوشبو سے آبگینے بھی ہر طرف مست اور بیخود ہیں کیونکہ پاؤں کی آواز آرہی ہے۔ ۱۲

[2] تیرے اشھد کا بلال کا اسھد مذاق اُڑاتا ہے۔ ۱۲

تبعّض اور تجزّی کا گمان نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام ذات وُہ اعتبار ہے یہ نہیں کہ بعض ذات تو وہ اعتبار ہو اور ذات کا بعض حصہ دُوسرا اعتبار ہو کہ یہ نقص اور حدوث کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

صوفیاء نے کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات پوری کی پوری علم ہے تمام کی تمام قدرت ہے اور ساری کی ساری ارادہ ہے"۔ اور اگرچہ ہر اعتبار پوری ذات ہے لیکن مرئی (نظر آنے والا) وُہی اعتبار ہے کہ دُوسرے اعتبار لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) کا راز اسی جگہ تلاش کرنا چاہیئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جب اعتبارات میں تمیز نہیں ہے اور ہر ایک عین اللہ کی ذات ہے تو رویت کے متعلّق ایک اعتبار کو مقرر کرنا اور دُوسرے بہت سے اعتبارات کو نظر انداز کرنا کس معنی سے ہے؟ اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتبارات اگرچہ عین ذات ہیں بلکہ ایک دوسرے کا عین بھی ہیں اور امتیاز چونی جو کہ عالَم کے گرفتاروں کے نزدیک چون معتبر ہے نہیں رکھتے لیکن بے چونی امتیاز ان کے درمیان ثابت ہے اور وہ صاحبِ دولت جو عالَمِ چون سے عالَمِ بے چون کے ساتھ وابستہ ہیں بے چون سے پیوستہ ہونا اور بے چون اعتبارات کا امتیاز اُن پر بھی واضح ہے اور اس امتیاز کو وہ کان اور آنکھ کے امتیاز کی طرح پاتے ہیں۔ ہاں وہ صاحب دولت جس کا مبدأ تعیّن اسم جامع ہوتا ہے اس کو اعتدال کے طور پر مختلف درجات میں اگرچہ اجمالی طور پر ہو، اللہ تعالیٰ کے تمام اعتبارات سے حصّہ ہے اور اس کی رویت تمام کے ساتھ متعلّق ہے اور چونکہ اجمال کی جامعیّت کی تنگی جو کہ اس کا حصہ ہے ہر وقت اُس کی دامنگیر ہے لہٰذا احاطہ اور دَرک اس کے حق میں بھی مفقود ہوتا ہے اور آیت لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ صادق ہوتی ہے کیونکہ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا (بات میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سچا ہے)

جاننا چاہیئے کہ جس بندہ کو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مخصوص کر لیتے ہیں اس کو فنائے اتم کی دولت سے مشرف کرتے ہیں اور عدم کی قید سے جو کہ اس کی ماہیّت ہوتی ہے آزاد کر دیتا ہے اور اس کی ذات وصفات باقی نہیں رہتے اس کو اس طرح کی فنا کے بعد ایک ایسا وجُود بخشتا ہے جو کہ آخرت کے وجود کے مشابہ ہوتا ہے اور وجود ممکن کی ترجیح کی جانب تعلّق رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے وجود کی جانب کے کمالات کا مظہر ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے گذر چکی ہے تو حضرت یُوسف علیہ السّلام اپنے وجود کے ساتھ اس دولت سے مشرف ہوئے تھے اور یہ عارف وجود ثانی کے ساتھ دُوسری ولادت میں اس سے مشرف ہوتا ہے اور چونکہ وہ ایسے پیدائشی طور پر تھے لہٰذا ان کو حُسنِ ظاہر بھی عطا کیا اور عارف میں چونکہ کسب کے بعد حاصل ہوا ہے لہٰذا نور باطن پر ہی اکتفا کی ہے اور اس کے ظاہری حُسن کو آخرت کا ذخیرہ بنایا ہے اس طرح کا دولت مند انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے بعد نادر الوجود ہے اور ایسے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ یہ

بزرگوار اگرچہ نبی نہیں ہے لیکن انبیاء کی تبعیت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خاص دولت میں شریک ہے اور اگرچہ طفیلی ہے لیکن انہی کے دسترخوانِ نعمت پر بیٹھا ہے اور اگرچہ وہ خادم ہے لیکن مخدوموں کا ہم نشین ہے اور وہ ایسا تابع ہے جو متبوعین کا ہمراز و مصاحب ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایسا راز اس سے کہتے ہیں کہ انبیاء بھی اس پر رشک کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شرکت چاہتے ہیں علیہم الصلوات والتسلیمات جیسا کہ مخبرِ صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی خبر دی ہے۔

لیکن اس قسم کا معاملہ جزئی فضیلت میں داخل ہے کلی فضیلت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے لئے ہے اور چونکہ یہ فضیلت بھی اس کو ان کی متابعت کی دولت سے میسّر ہوئی ہے لہٰذا انہی کی طرف سے ہے اور اس کی حیثیت ان کے اانتدار سے زیادہ نہیں ہے۔ آیت کریمہ

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ	اور ہماری بات ہمارے پیغمبروں کے لئے پہلے
إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا	گذر چکی ہے کہ وہی مدد دیئے جائیں گے اور یقیناً
لَهُمُ الْغَالِبُونَ ؁	ہمارا لشکر وہی غالب آنے والے ہیں۔

قرآنی نص ہے کہ ان بزرگواروں کی شان سب سے بڑھ کر ہے اور سب پر ان کو مدد دی ہے اور غالب لیا ہے۔

سوال: یہ وجود جو عارف تام المعرفت کو بخشتے ہیں آیا وہ اس وجود کے ساتھ بھی اس دنیا کی دُوسری موجودات کی طرح مرتبۂ حس و وہم میں ہے یا اس سے باہر آ چکا ہے اور اگر باہر آ چکا ہے تو اُس نے وجودِ خارجی پیدا کیا ہے یا نہیں حالانکہ قوم کا مقررّہ قاعدہ ہے کہ خارج میں اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

جواب: جو کچھ آخر کار معلوم ہُوا ہے میں کہتا ہُوں کہ وہ مرتبہ وہم سے باہر آ چکا ہے اور نفس امری ہو چکا ہے۔ مرتبہ وہم نے بھی اگرچہ ثبات و تقرر کے اعتبار سے نفس امر کا حکم پیدا کیا ہے لیکن حقیقت میں وہ نفس الامر نہیں تھا کہ نفس امر اس سے اوپر کا مرتبہ ہے گویا یہ مرتبہ وہم اور خارج کے درمیان برزخ ہے۔ آخرت کی پیدائش کے موجودات بھی مرتبہ نفس امر میں ہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی صفات بھی سوائے حقیقی آٹھ صفات کے سب اسی مرتبہ میں ہیں اور مرتبۂ خارج میں سوائے اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کی آٹھ صفات کے اور کوئی چیز موجود نہیں ہے پس موجودات کے تین مرتبے ظاہر ہوئے۔

اور مرتبۂ وہم میں جو کہ اس پیدائش کے اکثر افراد کا حصہ ہے سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں جو کہ اس مرتبہ سے باہر آ چکے ہیں اور اسی طرح ملائکہ کرام بھی علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کہ جن کا وجود آخرت کی پیدائش

؁ سورۃ والصافات پارہ ۲۳۔

کے وجود سے مناسبت رکھتا ہے اور اولیائے کرام سے بھی بہت سے کم لوگ ایسے ہیں جو اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور وہم سے نکل کر نفس امر کے ساتھ ملحق ہو چکے ہیں۔

اور دُوسرا مرتبہ نفس امر کا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی صفات و افعال اس جگہ موجود ہیں اور ملائکہ کرام بھی اس مرتبہ میں موجود ہیں اور آخرت کی پیدائش کا وجود بھی اس مرتبہ میں ثابت ہے اور اسی طرح انبیاء اور اولیاءؒ میں سے تھوڑے آدمی بھی اسی مرتبہ میں چلے گئے ہیں علیہم وعلی اتباعہم الصلوات والتسلیمات لیکن اتنا ضرور ہے کہ اللہ تعالےٰ کی صفات اس مقام کے مرکز میں ہیں جو کہ اس کے اجزاء میں سے اشرف ہے اور باقی موجودات اپنی اپنی استعداد کے مُطابق اس کے اطراف و اکناف میں ہے

اور تیسرا مرتبہ خارج اور موجود کا ہے اس جگہ اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کی صفات ثمانیہ ہیں۔ اگر فرق ہے تو مرکز اور غیر مرکز کا ہے کہ مرکز اللہ تعالےٰ کی ذات کے زیادہ مناسب ہے۔

سوال:۔ مرتبہ وہم سے نکل کر مرتبۂ نفس امر میں جانا کونسی فضیلت رکھتا ہے اور کونسا قُرب اس سے وابستہ ہے؟

جواب:۔ ہر خیر اور کمال اور حسن وجمال کا منشا وجود ہے اور وجود کی جتنی قوت و استقرار زیادہ ہو گی ان صفات کا ظہور کامل تر ہو گا اور اس میں شک نہیں ہے کہ وجودِ نفس امری وہمی وجود سے زیادہ طاقتور اور زیادہ ثابت ہے تو لازماً اس میں خیر و کمال ہو گا اور قرب کے متعلق کیا کہنا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے افعال کی صفات میں چلا گیا ہے اور خالقیت اور رازقیت کی صفات سے ہمسائیگی کا حق پیدا کر لیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ عدم کا ثبوت اور اسی طرح ان کمالات کا ثبوت جن میں عدم کا شائبہ ملحوظ ہے اگرچہ وہ کمالات صفاتیہ سے ہے یہ سب مرتبۂ حس و وہم میں ہیں اور جب تک پوری طرح عدم سے پاک نہیں ہوتے اور ان کی ذات وصفات زائل نہیں ہوتیں مرتبۂ نفس امر کے وصول کے لائق نہیں ہوتے اور اگرچہ عدم کے ضعف و قوت کے اعتبار سے ثبوت وہمی کے مختلف درجے ہیں جتنا عدم زیادہ طاقتور ہو گا اتنی ہی مرتبۂ وہم میں گرفتاری کامل ہو گی اور جب وہ کمزور ہو گا تو گرفتاری بھی کم ہو گی۔ بہت سے اولیاء جو سیر و سلوک سے عدم کے مراتب سے گزر چکے ہیں اور اُن میں عدم کے اثر کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے لیکن جب تک وہ اثر باقی ہے مرتبۂ نفس امر میں داخل نہیں ہو سکتے البتہ مرتبۂ وہم سے گذر کر اس کے آخری نقطہ تک پہنچ جاتے ہیں اور مرتبۂ نفس امر کا نظارہ کرتے ہیں اور اس مقام سے حصہ حاصل کرتے ہیں۔

محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات مختلف مراتب پر اور اسی طرح انبیاء کے بعض متابع بھی اگرچہ وہ بہت تھوڑے ہیں مرتبہ نفس امر کے مقام کے اخیر تک پہنچے ہیں اور ہر ایک

کے لئے مختلف درجات پر ایک خاص وطن ہے اور ایک علیحدہ مقام ہے اور قرآن کے کلمات اور حروف بھی اس جگہ مشہود ہوتے ہیں اور ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقام سے بلند تر ہے گویا کہ وہ اس مقام سے باہر آچکے ہیں اور اوپر کے مقام تک نہیں پہنچے اور درمیان میں برزخ بن کر اقامت کر رکھی ہے کیونکہ اوپر کا مقام اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات مقدسہ کے لئے مخصوص ہے اور خارج میں اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔

اور یہ حروف و کلمات چونکہ حدوث کا نشان رکھتے ہیں لہٰذا اس کے مقام کے وصول کی قابلیت نہیں رکھتے لیکن اس مرتبہ کی تمام موجودات سے آگے ہیں اور انہوں نے اپنے معانی کا دامن تھام رکھا ہے اور وہ بزرگ جو مرتبہ نفس کے آخر میں اقامت رکھتے ہیں وہ اوپر کے مرتبہ کا نظارہ کرتے ہیں اور کمال گرفتاری کی وجہ سے نرگس کی طرح تمام آنکھ ہی آنکھ بن کر جناب مقدس کو دیکھتے ہیں۔

عجب معاملہ ہے کہ یہ بزرگوار اس توطن و اقامت کے باوجود بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (کہ آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اسکی محبت ہو) اپنے محبوب کے ساتھ مجہول الکیفیت معیت رکھتے ہیں اور بے خود اس کے ساتھ ہیں اور بے اتحاد اور بغیر دوئی کے اپنے مطلوب سے مانوس و مالوف ہیں اس اثنا میں کہ قرآن کے کلمات و حروف کی معیت اس مرتبہ مقدسہ سے ملاحظہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس معیت کو دوسروں کی معیت کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ یہ معیت بہت بلند ہے ادراک میں کچھ بھی نہیں آسکتی کہ وہ باطن در باطن کے ساتھ وابستہ ہے مخلوق کے فہم کو اس جگہ کوئی گنجائش نہیں ہے اَلْقُرْاٰنُ کَلَامُ اللہِ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ (قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے) آیا ہے ان حروف و کلمات کی بلندی شان سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام نفسی بھی یہی حروف و کلمات ہیں جیسا کہ قاضی عضد الدین نے اس کی تحقیق کی ہے اور بغیر تقدیم و تاخیر انہی کو کلام نفسی قدیم کہا ہے اور ان کی تقدیم و تاخیر کو اپنے آلہ حادثہ کے قصور کی طرف راجع کیا ہے۔

سوال:۔ اگر یہی حروف و کلمات کلام نفسی ہوں تو چاہیئے کہ مرتبہ خارج میں داخل ہوں اور پہلے گذر چکا ہے کہ یہ اس مقام میں داخل نہیں ہو سکتے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ یہ حروف و کلمات چونکہ اذہان میں تقدیم و تاخیر سے مذکور ہوتے ہیں تو لازماً اس بلاحظہ سے کشفی نظر میں ان کا مرتبہ خارج میں داخل نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے، لیکن جب دوسری مرتبہ تقدیم و تاخیر کے ملاحظہ کے بغیر دیکھا گیا تو مشہود ہوا کہ اس میں داخل ہیں اور اپنے اصل کے ساتھ ملحق بلکہ متحد ہیں پس ان کی معیت دوسروں کی معیت سے کیا نسبت رکھتی ہے؛ کہ اس جگہ اتحاد ہے اور دوسروں میں اتحاد کی گنجائش

نہیں ہے۔

سبحان اللہ! یہی حروف وکلمات قرآنی جب اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہوتے ہیں تو اس دنیا میں ان کا ظہور برخلاف دوسری صفات قدیمہ کے بنفس خود ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں حروف وکلمات خود اس کا اپنا نفس ہیں اور تقدیم وتاخیر عارضی کے سوا جو کہ آلہ تکلم کے قصور کی وجہ سے ہے اس کا نقاب بنے ہیں اور اس کے سوا اور کوئی حجاب نہیں ہے پس اللہ تعالیٰ کی ذات کے قریب ترین قرآن مجید ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ظاہر ترین بھی وہی ہے کہ ان میں ظلیت کی گرد کی بُو بھی نہیں ہے۔ اور تقدیم و تاخیر کے خس وخاشاک کو محجوبین کی آنکھوں میں ڈال کر اپنے اصل سے عالم ظلال میں جلوہ گر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افضل عبادات تلاوتِ قرآن مجید ہے اور اس کی شفاعت دوسروں کی نسبت معقول ترین شفاعت ہے کیا کسی مقرب فرشتہ کی شفاعت اور کسی نبی مرسل کی۔ وہ نتائج واثرات جو قرآن مجید کی تلاوت پر مترتب ہوتے ہیں ان کی تفصیل کیا لکھی جائے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تلاوت کرنے والے کو اٹھا کر اس درجہ پر لے جاتا ہے جہاں بال کی گنجائش بھی متصوّر نہیں ہے۔

سوال: کیا قرآن مجید کے حروف وکلمات ہی اس دولت سے مخصوص ہوتے ہیں یا تمام منزلہ کتابوں کے حروف وکلمات بھی اُن کے ساتھ اس دولت میں شریک ہیں اور کیا سب ہی کلام قدیم نفسی ہیں؟

جواب:۔ تمام اس دولت میں شریک ہیں نظر کشفی میں صرف اس قدر فرق معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید گویا دائرہ کا مرکز ہے اور باقی دُوسری کتابیں بلکہ وُہ سب کچھ جس سے ازل سے ابد تک تکلم واقع ہُوا ہے سب گویا اس دائرہ کا محیط ہیں۔ پس قرآن سب کا اصل ہے اور تمام کتابوں سے اشرف ہے کیونکہ مرکز دائرہ کے اجزا میں سے سب سے اشرف ہے اور دائرہ کے تمام نقاط کا اصل ہے گویا کہ باقی تمام نقطے اسی کی تفصیل ہیں اور وُہ سب کا اجمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ — اور یقیناً وُہ پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے۔

سوال:۔ تحقیق سابق سے معلوم ہُوا کہ اس دُنیا میں جو مظاہر جمیلہ کے ضمن میں شہود اور مشاہدہ کہتے ہیں واقع نہیں ہے اور ان کو اس مرتبہ مقدسہ کی مظہریت کی قابلیت نہیں ہے کیا ان مظاہر کے علاوہ بھی اس دنیا میں شہود اور مشاہدہ متحقق ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جو کچھ اس فقیر کا اعتقاد ہے وُہ یہ ہے کہ اس دُنیا کا نصیب صرف ایقان ہے کہ آنکھ کا دیکھنا اور مشاہدہ جو کہ دل کے دیکھنے سے عبارت ہے مختلف درجات پر اسی کا نتیجہ وثمرہ ہے جو کہ آخرت کے ساتھ وابستہ ہے صاحب تعرف نے جو اس طائفہ علیہ کے اکابر میں سے ہے اپنی کتاب میں اس باب میں مشائخ

کا اجماع نقل کیا ہے اور کہتا ہے کہ صوفیہ نے اجماع کیا ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رویت نہ آنکھ سے واقع ہے اور نہ دل سے اور ایقان کے علاوہ اس جگہ کوئی امر ثابت نہیں ہے۔

سوال :- اس طائفہ علیہ کا مقررہ اصول ہے کہ یقین کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ اور علم الیقین اس سے عبارت ہے کہ اثر سے مؤثر پر استدلال کیا جائے جیسا کہ آتش کے وجود کا یقین جو دھوئیں کے وجود کے علم سے استدلال کر کے حاصل کیا جائے اور عین الیقین یہ ہے کہ مثلاً آگ کو آنکھوں سے دیکھ لیا جائے اور حق الیقین مثلاً آتش کے تحقق ہونے سے عبارت ہے اور جب رویت قلبی بھی نہیں ہے تو عین الیقین کس صورت میں راست آئے گا اور مشائخ کا عدم رویت پر مطلقاً اجماع کس طرح صادق آسکتا ہے ؟

جواب :- ہو سکتا ہے کہ اجماع سے مراد پہلے مشائخ کا اجماع ہو اور پچھلوں نے اس کے برخلاف حکم کیا ہو اور رویت قلبی کو جائز رکھا ہو اور اس فقیر کے نزدیک یہ حکم ثابت نہیں ہوا ہے اور اس تجویز کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ تین درجے جو یقین میں کہے ہیں یہ سب علم الیقین میں داخل ہیں اور یہ استدلالی سے باہر نہیں آئے اور آنکھ سے دیکھنے کے علم تک نہیں پہنچے۔ اور وہ عین الیقین میں آتش کا دیکھنا کہا ہے یہ دھوئیں کا دیکھنا ہے کہ اس جگہ سے آتش کے وجود پر استدلال کیا ہے اور یہ دوسرا یقین پہلے یقین کی نسبت اپنی دلیل کی قوت کی وجہ سے زیادہ اتم ہے کیونکہ اس جگہ علم دلیل ہے اور اس جگہ رویت دلیل ہے اور اسی طرح حق الیقین میں بھی دھوئیں سے متصف ہوتا ہے نہ کہ آتش سے اور پھر اس جگہ سے آتش پر استدلال کرتا ہے اور یہ یقین پہلے دونوں یقینوں سے اتم و اکمل ہے کہ اپنے نفس سے جو کہ دھواں ہو چکا ہے آتش کے وجود پر استدلال کرتا ہے اور انفس سے آفاق تک فرق واضح ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق۔ — ہم ان کو آفاق میں اور ان کی اپنی جانوں میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے کہ وہ حق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ — اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانات ہیں اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی، کیا تم نہیں دیکھتے۔

جو کچھ آفاق و انفس میں دیکھا جاتا ہے وہ مطلوب کے نشانات ہیں نہ نفس مطلوب، پس آفاق و انفس میں مرئی چیز دھواں ہو گا جو کہ آگ کی علامت ہے نہ کہ آگ۔ پس آفاق و انفس میں معاملہ استدلالی ہوتا ہے جو کہ علم الیقین کی حقیقت ہے اور عین الیقین اور حق الیقین کو آفاق و انفس سے ماوراء تشخیص کرنا چاہیئے۔

سبحان اللہ! بزرگوں نے مطلوب کی یافت کو انفس میں مقرر کیا ہے اور انفس سے باہر کو بے حاصل جانا ہے۔ ایک فرماتا ہے ؎

ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست[1] — باتو در زیر گلیم است آنچہ ہست

دوسرا کہتا ہے ؎ چوں جلوۂ آں جمال بیروں زتونیست[2] — پا در داماں و سر بجیب اندر کش

تیسرا کہتا ہے ؎ ذرہ گربس نیک ورنس بد بود[3]

گرچہ عمرے تگ زند درخود بود

صاحبِ فصوص فرماتا ہے "ذات کی تجلی صورت متجلّٰی لہٗ (جس پر تجلی کی گئی) پر ہی ہوتی ہے"۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں۔ اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اپنے اندر دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے اندر پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود میں ہے وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی، کیا تم نہیں دیکھتے)

اور اس فقیر کے نزدیک آفاق کی طرح انفس بھی لاحاصل ہے اور مطلوب کے پانے سے خالی اور بے نصیب ہے وہ خوبی جو آفاق و انفس میں ہے وہ مطلوب کا استدلال ہے اور مقصود پر دلالت ہے اور مطلوب تک پہنچنا آفاق و انفس کے ماوراء سے وابستہ ہے اور سلوک و جذبہ کے ماسوا سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ سلوک سیر آفاقی ہے اور جذبہ انفسی، پس سلوک و جذبہ اور سیر آفاقی و انفسی سب سیر الی اللہ میں داخل ہیں نہ وہ جو انہوں نے کہا ہے کہ سیر و سلوک آفاقی تو سیر الی اللہ ہے اور جذبہ اور سیر انفی سیر فی اللہ ہے۔ کیا کیا جائے ان کو ایسا ہی معلوم کرایا ہے اور مجھے اس طرح۔ اے اللہ تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کسی چیز کا علم نہیں ہے۔

مَیں مسکین ان کا جھوٹا کھانے والے کو کیا طاقت ہے کہ ان کے مذاق کے خلاف بات کہوں لیکن جب معاملہ تقلید سے گزر چکا ہے تو لازماً جو کچھ مَیں پاتا ہوں کہہ دیتا ہوں وہ خواہ قوم کے مخالف ہو یا موافق، ابو یوسف کو تقلید کا زمانہ گزر جانے کے بعد ابو حنیفہ جو کہ اُن کے اُستاد ہیں کی موافقت پر مجبور کرنا غلطی ہے۔ اے ہمارے رب ہم اگر بھول جائیں یا خطا کریں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

سوال :۔ یہ یقین کے تینوں درجات جب علم الیقین میں داخل ہیں تو تمہارے نزدیک عین الیقین کیا ہوتا ہے؟

جواب :۔ عین الیقین مثلاً عبارت اس حالت سے ہے کہ جو نفس دخان کو آتش کے ساتھ ثابت ہے اور جب استدلال کرنے والا درجہ دلیل کی انتہا تک پہنچتا ہے جو کہ دخان (دھواں) ہے تو اس کو بھی

---

[1] اندھوں کی طرح ہر طرف ہاتھ نہ مار جو کچھ بھی ہے وہ گودڑی کے نیچے تیرے ساتھ ہے ۱۲ [2] جب اس جمال کا جلوہ تجھ سے باہر نہیں ہے تو پاؤں دامن میں اور سر گریبان میں ڈال [3] ذرہ اگرچہ بہت نیک یا بہت بد ہو اگر وہ اپنی عمر بھر بھی دوڑتا رہے تو اپنے اندر ہی رہے گا ۱۲۔

ایک حالت آتش سے پیدا ہو جائے گی جو کہ دھوئیں کو آتش سے ثابت ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ حالت عین الیقین سے تعبیر ہے جو کہ علم استدلال سے اوپر ہے اور آفاق و انفس سے باہر ہے اور جب استدلال کا پردہ درمیان سے اُٹھ گیا ہے جو کہ مرتبۂ علم کی انتہا ہے تو لازماً علم سے کشف میں آگیا اور غیب سے شہود و حضور انجام پایا۔ جاننا چاہیئے کہ شہود و حضور اور چیز ہے اور رویت و احساس اور چیز کمزور نظر والے کو نورِ آفتاب کے چمکنے کے وقت آفتاب کا شہود و حضور حاصل ہے اور اس کو رویت و احساس نہیں ہے۔

تنبیہ:۔ دھوئیں سے متحقق ہونا اس تحقیق کے مطابق جو کہ ہو چکی ہے دو درجے رکھتا ہے اور وہ علم الیقین و عین الیقین کو شامل ہیں جب تک دھوئیں کے ساتھ تحقق میں اس کے تمام نقاط کو طے نہیں کر لیتا اور اس کے آخری نقطہ تک نہیں پہنچ جاتا، وہ علم الیقین ہے کیونکہ ہر نقطہ جو رہ گیا ہے وہ اس کا حجاب ہے جو کہ استدلال کو مستلزم ہے اور جب تمام نقاط سے متصف ہوا اور اس کے نقطۂ آخر تک پہنچ گیا، تو استدلال سے باہر آگیا کہ تمام حجاب اُٹھ گئے اور نفس دخان کی طرح اس کو عین الیقین ثابت ہوا اس کو سمجھ لے۔

اور حق الیقین سے کیا لکھا جائے کہ اس کا کمال تحقق اخروی نشاۃ سے وابستہ ہے اور اگر اس دولت کا کچھ حصہ دُنیا میں حاصل ہے تو وہ اخص خواص سے مخصوص ہے کہ سیر انفسی جو حق الیقین سے مشابہت رکھتی ہے ان کے نزدیک علم الیقین میں داخل ہو چکی ہے اور ان کے انفس نے آفاق کا حکم حاصل کیا ہے۔ اور ان کا علم حضوری جو نفس کے ساتھ تھا علم حصولی ہو چکا ہے اور عین الیقین ان کے حق میں ماوراء میں حاصل ہوا ہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

خاتمہ حسنہ:۔ حسن و جمال محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں جس سے جہانوں کے پروردگار کی محبت کا تعلق ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس جمال کے ساتھ رب العالمین کے محبوب ہوئے ہیں۔ حضرت یُوسف اگرچہ اس صباحت کی وجہ سے جو وہ رکھتے تھے حضرت یعقوب کے محبُوب ہوئے ہیں علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام۔ لیکن ہمارے پیغمبر جو کہ خاتم المرسلین ہیں اس ملاحت کی وجہ سے جو وُہ رکھتے ہیں خالق زمین و آسمان کے محبُوب ہیں علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اور زمین و زمان کو ان کی طفیل پیدا کیا ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ[1] خلقِ محمدیؐ دُوسرے افرادِ انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ عالم کے افراد میں سے کسی

[1] حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اس عبارت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور ہونے کے عقیدے کی تصریح فرما دی ہے اور یہ عقیدہ بھی بیان کر دیا ہے کہ چونکہ حضور کی ذات نُور ہے اس لئے آپ کے جسم اطہر کا سایہ نہیں تھا۔ آپ کے اس بیان سے اہل سنت کے عقائد حقہ کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں آپ کے مسلک کی مزید تفصیل بندہ کی تالیف "مسلک امام ربانی" میں دیکھیں۔ مترجم غفرلہٗ

فرد کی پیدائش سے بھی مناسبت نہیں رکھتی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجُود عنصری پیدائش کے اللہ تعالےٰ[1] کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ (میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں) اور دُوسروں کو یہ دولت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

اس باریک نکتہ کا بیان یہ ہے کہ پہلے گذر چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی حقیقی آٹھ صفات اگرچہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن اس احتیاج کی وجہ سے جو اُن کو اللہ تعالےٰ کی ذات سے ہے امکان کی بُو اُن میں ثابت ہے اور جب اللہ تعالےٰ کی حقیقی قدیمی صفات میں امکان کی گنجائش ہوئی تو اللہ تعالےٰ کی صفات اضافیہ میں تو امکان کا ثبوت بطریقِ اولیٰ ہوگا اور ان کا قدیمی نہ ہونا ان کے امکان پر بہت بڑی دلیل ہے اور کشف صریح سے معلوم ہُوا ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے ہُوئی ہے جو صفاتِ اضافیہ سے تعلّق رکھتا ہے نہ وہ امکان جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے اور جتنا بھی دقّتِ نظر سے ممکنات عالم کے صحیفہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کا وجود اس جگہ مشہود نہیں ہوتا اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا امکان اور ان کی پیدائش کا منشا صفاتِ اضافیہ کا وجُود اور اُن کا امکان محسوس ہوتا ہے اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود عالم ممکنات میں نہ ہوگا بلکہ اس عالم سے اوپر ہوگا تو لازماً اُن کا سایہ نہ ہوگا اور پھر یہ بھی ہے کہ عالمِ شہادت میں کسی شخص کا سایہ اس شخص سے زیادہ لطیف ہے اور جب آپ سے زیادہ لطیف کوئی چیز عالم میں نہ ہوگی تو ان کے سایہ کی کیا صُورت ہوسکتی ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوات والتسلیمات۔

سُن! غور سے سُن! صفتِ علم صفاتِ حقیقیّہ سے ہے اور وجُود خارجی کے دائرہ میں داخل ہے اور جب اس صفت کو کوئی نسبت لاحق ہوتی ہے اور اس سے وُہ تقسیم ہوجاتی ہے۔ مثلاً علمِ اجمالی یا علمِ تفصیلی تو اس کی یہ اقسام صفات اضافیہ سے ہوں گی اور ثبوت نفس الامری کے دائرہ میں داخل ہوں گی جو کہ صفات اضافیہ کا مقام ہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور مشہود ہوتا ہے کہ علم جملی جو کہ صفات اضافیہ سے ہوگیا ہے وہ ایک ایسا نور ہے جو عنصری پیدائش میں جو اصلاب سے ارحام متکثرہ میں گرنے کے بعد اللہ تعالےٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق۔ انسانی صورت میں جو کہ بہترین شکل وصورت ہے ظاہر ہُوا ہے اور اس کا نام محمدؐ اور احمد ہُوا۔

[1] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف بڑے بھائی کا درجہ دینے والے اور آپ کے لئے اپنی مثل بشر ہونے کی رٹ لگانے والے حضرت امام ربانی کی اس عبارت کا بغور اور نظر انصاف سے مطالعہ فرمائیں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ منعم علیہ لوگوں میں سے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے سب مسلمانوں کو ان بزرگوں کے عقائد و اعمال کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین وتاکید کی ہے۔ اللہ تعالےٰ بے ادبی اور بد عقیدگی سے بچائے۔ آمین۔ اس عقیدے کی مزید تفصیل وصاحت کے لئے ناچیز کی تالیف "مسلک امام ربانی" کا مطالعہ فرمائیں۔ مترجم عفی عنہ

اچھی طرح سننا چاہیئے کہ اس اجمال کی قید نے اگرچہ علم مطلق کو مقید کر دیا ہے اور خفیفت سے اضافت میں لے آئی ہے لیکن اس نے علم میں کوئی زیادتی پیدا نہیں کی ہے اور کسی چیز نے اس کو مقید نہیں کیا ہے کیونکہ اجمال علم نفس علم سے عبارت ہے نہ کہ کوئی امر زائد جو علم سے ملا ہو بہ خلاف تفصیل علم کے کہ وہ بے شمار جزئیات کا تقاضا کرتی ہے تاکہ تفصیل متصوّر ہو سکے عجیب قسم کی قید ہے جو اطلاق کی مُنظر ہے اور کتنا اچھا مقید ہے جو نفس مُطلق ہے اس قسم کی نازکی مطلق علم میں جو اللہ کی ذات سے منسوب ہے ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ نفسِ عالم اور نفس معلوم ہو سکتا ہے جیساکہ علم حضوری میں ثابت ہے برخلاف دوسری صفات کے کہ وہ یہ قابلیت نہیں رکھتیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ قدرت عین قادر اور عین مقدور اور ارادہ عین مُرید اور عین مُراد ہے۔

پس علم کو ذاتِ عالم سے اتحاد ہے اور ایسی نیستی ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے اس جگہ احمد کا احد سے قرب دریافت کرنا چاہیئے کہ وہ واسطہ جو ان کے درمیان ہے وہ صفت علم ہے وہ ایک ایسا امر ہے جو مطلوب سے اتحاد رکھتا ہے پس حجاب کو اس جگہ کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ علم کا ایک ذاتی حسن ہے کہ دوسری صفات کے لئے یہ حسن ثابت نہیں ہے لہٰذا اس فقیر کے خیال کے مطابق اللہ تعالےٰ کو محبوب ترین صفت علم کی صفت ہے اور چونکہ اس کا حسن بے چونی کی آمیزش رکھتا ہے لہٰذا حسّ اس کے ادراک سے قاصر ہے اس حسن کا پورا ادراک آخرت کی پیدائش سے وابستہ ہے جو کہ رویت کا مقام ہے جب خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے محمدؐ کے جمال کو پالیں گے۔

اگرچہ اس دنیا میں دو تہائی حسن حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے مسلّم ہے اور باقی تیسرا حصہ تمام میں تقسیم ہوا ہے لیکن عالم آخرت میں حسن صرف حسن محمدی ہے اور جمال صرف جمال محمدی علیہ الصلوات و التسلیمات۔ کہ وہ خدا تعالےٰ کے محبوب ہیں دوسرے کا حسن ان کے حسن سے کس طرح مشارکت کر سکتا ہے کہ ان کا حسن اتحادیّت کے واسطہ سے عین مطلوب کا حسن ہے اور دوسروں کو چونکہ یہ اتحاد نہیں ہے وہ حسن بھی نہیں ہے پس محمدی پیدائش علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و السلام باوجود حادث ہونے کے اس کا اعتماد اللہ تعالےٰ کے قدم سے ہے اور ان کا امکان بھی اللہ تعالےٰ کی ذات تک منتہی ہوا اور ان کا حسن ذات الٰہی کا حسن ہوا کہ اس میں غیر حسن کی آمیزش نہیں ہے جب اس طرح ہوا تو لازماً آنحضرتؐ جن سے محبت متعلق ہے جمیل مطلق ہوئے اور اللہ تعالےٰ کے محبوب ٹھہرے فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ (اللہ تعالےٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے) مسلم و ترمذی شریف بروایت ابن مسعودؓ

سوال:۔ آیت کریمہ یُحِبُّھُمْ (وہ ان کو دوست رکھتا ہے) اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی محبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اوروں سے بھی تعلق رکھتی ہے اور دُوسرے بھی اللہ تعالےٰ

کے محبوب ہوتے ہیں تو آپ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے جو دوسروں میں موجود نہیں ہے ؟

جواب :۔ محبت دو قسم ہے ایک وہ محبت ہے جو محبت کرنے والے کی ذات سے تعلق رکھتی ہے اور ایک وُہ محبت ہے جو اس کی ذات کے غیر سے تعلق رکھتی ہے پہلی قسم کی محبت ذاتی ہے، اور محبت کی اعلیٰ قسم ہے کہ کوئی آدمی بھی کسی چیز کو بھی اس طرح محبوب نہیں رکھتا جیسا کہ اپنے آپ کو اور محبت کی یہ قسم زیادہ مضبوط اور مستحکم ہے جو کسی سبب کے پیش آنے سے زوال پذیر نہیں ہوتی اور اس کا متعلق محبت محبوبِ خالص ہے جو محبیت کا شائبہ نہیں رکھتی برخلاف محبت کی دُوسری قسم کے کہ وہ عارضی اور زوال پذیر ہے اور اس کا متعلق بھی ایک حیثیت سے محبُوب ہے لیکن متعدد وجوہ سے محبیت بھی رکھتا ہے اور چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا حسن و جمال اللہ تعالےٰ کے حسن و جمال پر تکیہ رکھتا ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہُوا تو لازماً پہلی قسم کی محبت جو کہ اللہ تعالےٰ کی ذات سے متعلق ہے وُہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہوگی اور اللہ تعالےٰ کی ذات کی طرح اس محبت کے تعلق کی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم بھی محبوب خالص ہوں گے اور چونکہ دوسروں کو یہ دولت میسّر نہیں ہے اور حسن ذات سے بہت تھوڑا حصہ رکھتے ہیں لہٰذا دوسری قسم کی محبت ان سے تعلق رکھتی ہے اور ایک وجہ سے ان کو محبوب بناتی ہے اور محبوب مطلق صرف نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جو کہ محب کی ذات کی طرح ہمیشہ محبوب ہیں ۔

محسوس ہوتا ہے کہ جس قسم کا غلبۂ محبت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کی ذات سے ہے اور وُہ اس محبت کی وجہ سے محبین کے سردار اور رئیس ہوئے ہیں اسی طرح کی محبت مفرطہ اللہ تعالےٰ کو حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰت والتحیات سے ہے ۔ جتنی بھی یہ فقیر محبت کے ان دو دریاؤں میں غوطے کرتا ہے کہ ان دو محبتوں میں ضعف و قوت کی بنا پر کوئی فرق پیدا ہو کر خدا تعالےٰ کی محبت کو مخلوق کی محبت سے زیادہ مضبوط و شدید پائے بحکم آیت کریمہ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (خبردار اللہ تعالےٰ کا لشکر وہی غالب آنے والے ہیں) اتنا ہی کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا گویا ان دو محبتوں کو انصاف کے ترازو میں برابر تولا ہے اور بال کے سر کے برابر بھی کمی بیشی کا فرق تجویز نہیں کیا ہے ۔

سوال :۔ صوفیاء علیہ نے عالم کے تمام افراد کو اسماء الٰہی کے مظاہر و مجالی سمجھا ہے اور حقائق اشیاء کو وہی اسماء پایا ہے اور اشیا کو ان کا ظلال سمجھا ہے پس تمام ظہور اسماء الٰہی ہو گا اور وہ تخصیص جو بعض اسماء کے ظہور کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خلقت سے کی ہے جیسا کہ ذکر ہُوا اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب:- صوفیاء کے نزدیک حقائق اشیاء اعیانِ ثابتہ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کی صُوَرِ علمیہ ہیں نہ کہ اپنی ذات کے ساتھ اسماء الٰہی اور اس عالم کو انہوں نے صور علمیہ کا ظہور کہا ہے اگرچہ مجازی طور پر اس کو اسماء کا ظہور بھی کہتے ہیں بلکہ کسی چیز کی علمی صورت بھی ان کے نزدیک ایک شے کا عین ہوتی ہے نہ کہ اس شے کی مثال اور نظیر اور وہ جو اس فقیر نے آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے متعلق کہا ہے وہ اسم الٰہی کی ذات کا ظہور ہے نہ کہ اس اسم کی صورت علمی کا ظہور "کسی چیز کی صورتِ علمیہ اور اس کے نفس شے کے درمیان بڑا فرق ہے۔"

آتش کو اگر صورت علمیہ میں تصور کریں بھی تو وہ روشنی اور چمک کہاں ہے کہ آتش کا نام وجود کا جمال جمال و کمال وہی ہے اور صورت علمی میں وہ آتش کی مثال و نظیر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے فلاسفہ اس کو پسند کریں یا نہ بلکہ عین آتش کہیں گے لیکن ہمارا صریح کشف عینیت کی تکذیب کرنے والا ہے اور آتش کی صورت علمیہ سوائے آتش کی صورت کے نہیں ہے جو کہ خارج میں موجود ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ وہ جو اسماء کی صُوَر علمیہ کا ظہور ہے اس کا امکان وجود عالم کے امکان کے قبیل سے ہے اور عالم کا وجود کہ جس نے وہم کے مرتبہ میں صنعتِ خداوندی سے ثبات و تقرر پیدا کیا ہے اور وہ نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے جیسا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش میں گذر چکا ہے اس کا امکان صفات اضافی کے امکان کے قبیل سے ہے اور ان کا وجُود بھی ان صفات کے وجود کی طرح مرتبۂ نفس الامر میں مقرر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو کہ نفس اسمِ الٰہی کا ظہور ہو مگر قرآن مجید کہ وہ بھی ظہور نفس اسم الٰہی ہے جیسا کہ اس کا کچھ بیان اوپر گذر چکا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ظہورِ قرآنی کا منشا صفات حقیقیہ سے ہے اور ظہُور محمدی کا منشا صفاتِ اضافیہ سے ہے تو لازماً اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہا ہے اور اس کو حادث اور مخلوق اور کعبۂ ربانی کا مطالعہ ان دو ظہُور اسمی سے بھی عجیب تر ہے کہ اس جگہ معنی تنزیہی کا ظہُور ہے صُوَر و اشکال کے لباس کے بغیر کیونکہ کعبہ جو کہ خلقت کا مسجود الیہ ہے وہ پتھر اور اینٹ سے عبارت نہیں ہے اور اسی طرح دیواریں اور چھت بھی کعبہ نہیں ہے کیونکہ اگر یہ نہ بھی ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہے اور مسجود الیہ ہے پس اس جگہ ظہور تو ہے لیکن کوئی صورت و شکل نہیں ہے اور یہ عجیب چیزوں میں سے بھی عجیب تر چیز ہے۔

سنو سنو! اگرچہ اس دولت خاصۂ محمدی میں کسی دوسرے کو شرکت نہیں ہے لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دولت خاصہ سے ان کی تخلیق و تکمیل کے بعد کچھ حصہ باقی بچا تھا کیونکہ شرفاء کی ضیافت کی دولت کے دسترخوان پر کچھ نہ کچھ بچ رہنا لازمی امر ہے جو کہ پس ماندہ کھانے والے خادموں

کا حصہ ہوتا ہے اس بقیہ کو آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت سے کسی ایک دولت مند پس خوردہ کھانے والے کو عطا فرمایا ہے اور اس کو اس کے خمیر کا سرمایہ بنا کر اس کی مٹی کو خمیر کیا ہے اور ان کی وراثت و تبعیت میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی دولت خاصہ کا شریک بنایا ہے ؎

با کریماں کارہا دشوار نیست

اور یہ بقیہ حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کے بقیہ کی طرح ہے جو کہ کھجور کے درخت کی پیدائش کے نصیب ہوا جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کیا کرو کہ وہ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئی ہے" ہاں ؎

وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ (شرفاء کے پیالہ میں سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے)

سوال: ۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اور اس کے متبعین نے حقیقت محمدی کو علم جملی سے تعبیر کیا ہے اور اس کو تعین اول کہا ہے اور تجلی ذات جانا ہے اور اس مرتبہ کے اوپر لاتعین کا مرتبہ تصور کیا ہے جو کہ حضرت ذات محض کا مرتبہ ہے اور تم نے اس کو علم کی قسم سے کہا ہے اور صفات اضافیہ میں داخل کیا ہے جو کہ صفات حقیقیہ سے نیچے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ۔ شیخ محی الدین خارج میں سوائے ذات احدیت مجردہ کے اور کسی کو موجود نہیں جانتے اور صفات کے وجود کو اگرچہ وہ حقیقی ہوں سوائے علم کے ثابت نہیں کرتے تو لازماً ان کے نزدیک تعین اول علم جملی ہوتا ہے اور صفات کا ثبوت اس کے بعد صورت پیدا کرتا ہے کہ ان کا ثبوت علم کے ثبوت کی شاخ ہے کہ سوائے علم کے وہ ان کا ثبوت نہیں جانتے ۔ پس علم سب سے اسبق ہوگا اور تمام کمالات کا جامع ہوگا اور اس فقیر کے نزدیک جو کچھ مکشوف ہوا ہے یہ ہے کہ صفات حقیقیہ ثمانیہ ذات واجبی جل شانہ، کی طرح خارج میں موجود ہیں اگر کچھ فرق ہے تو مرکز اور عدم مرکز کا فرق ہے جیسا کہ پہلے گزرا اور یہ قول علماء اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالے سعیہم کی رائے کے موافق ہے کیونکہ انہوں نے صفات کے وجود کو ذات خداوندی کے وجود پر زائد فرمایا ہے اور اس صورت میں علم جملی کو تعین اول کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ تعین کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں ہے ۔

ان تمام صفات میں سے اسبق صفت حیوٰۃ ہے کیونکہ صفت علم اس کے تابع ہے علم کو اس پر سبقت دینے کی کوئی صورت نہیں ہے خصوصاً اس صورت میں کہ علم کو مقید کہہ دیا جائے کہ وہ علم سے نیچے ہے اور اضافات میں داخل ہے جیسا کہ پہلے گذرا ۔ ہاں اگر علم جملی کو علم کا تعین اول کہیں تو اس کی گنجائش ہے کہ اس کا

؎ کریم لوگوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں ۱۲

تعین ثانی علم تفصیلی ہے۔

سوال:۔ شیخ محی الدین نے جو علم جملی کو حقیقت محمدی کہا ہے اور اس عنصری پیدائش کو اس کا ظہور سمجھا ہے تو اس کی مراد ظہور نفس اسم ہے جیسا کہ تم نے کہا ہے یا وہ اس اسم کی صورت کا ظہور ہے جیسا کہ باقی تمام ممکنات میں ہے؟

جواب:۔ صورت اسم ہے کیونکہ تعین اول ان کے نزدیک تعین علمی ہے کیونکہ انہوں نے پہلے دو تعین کو علمی کہا ہے اور پچھلے تین تعین کو تعین خارجی فرمایا ہے اور تعین علمی صورت شان علم ہے کہ خارج میں اس کو عین ذات کہا ہے اور علم میں اس کی صورت کو اثبات کیا ہے اور وہ صورت علمی جو کہ حقیقت محمدی ہے اس نے عنصری پیدائش میں بصورتِ انسانی محمدی ظہور کیا ہے۔ مختصر یہ کہ شیخ کے نزدیک جس جگہ بھی ظہور ہے وہ صورتِ علمیہ کا ظہور ہے اگرچہ صفات واجبی ہوں کیونکہ ان کے نزدیک صفات کو بھی علم کے سوا کوئی ثبوت نہیں ہے اور خارج میں ذات محض کے علاوہ اور کوئی چیز اس کے نزدیک موجود نہیں ہے۔

سوال:۔ اس مرتبہ میں علم اور عالم اور معلوم کا اتحاد ہے کہ اس کا حاصل علم حضوری ہے پس صورت اسم کی وہاں کیا گنجائش ہو سکتی ہے کیونکہ صورت کا حصول علم حصولی میں ہے اور علم حضوری میں حاضر نفس معلوم ہے نہ کہ صورت معلوم۔

جواب:۔ وہ مرتبہ اللہ تعالیٰ کی ذات محض کا مرتبہ نہیں ہے اسی لئے اس کو تنزل اور تعین کہا ہے پس وہ خارج میں موجود نہ ہوگا اور جب خارج میں موجود نہ ہوگا تو ثبوت علمی سے چارہ نہ ہوگا اسی لئے اس کو تعین علمی کہا ہے اور ثبوتِ علمی کو صورت معلوم سے چارہ نہ ہوگا۔ اس بیان سے لازم آیا کہ علم حضوری میں بھی صورت معلوم باوجود حضور نفس معلوم کے ثابت ہے کیونکہ حاضر نفس معلوم خالص نہیں ہے بلکہ اس میں اعتبار نے راہ پائی ہے کہ اس کو نفس سے صورت میں لایا ہے ہر آدمی کا فہم اس دقت تک نہیں پہنچ سکتا اور جب تک ذات خالص جل شانہٗ سے بے چونی وصول سے واصل نہ ہو اس دقیقہ کو نہیں پا سکتا سبحان اللہ! مجھ حقیر۔ عاجز۔ دور پڑے ہوئے کو کیا طاقت ہے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بعثت سے ہزار سال بعد اکابر انبیاء اولوالعزم کے اسرار و معارف کی بات زبان پر لاؤں اور معاد کے دامن میں آکر مبدأ کے کمالات کے دقائق بیان کروں ؎

ولے چوں شاہ مرا بر داشت از خاک
سزد گر بگذرانم سر ز افلاک

۱؎ لیکن جب بادشاہ نے مجھ کو خاک سے اٹھایا تو مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں اپنا سر آسمان سے بھی بلند کروں۔

منؔ آں خاکم کہ ابرِ نوبہاری کند از لطف بر من قطرہ باری
اگرؔ بر روید از تن صد زبانم ! چوں سبزہ شکر لطفش کَے توانم

تمام تعریفیں اس اللہ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی کی اور اگر وُہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم کبھی راہ نہ پا سکتے یقیناً ہمارے ربّ کے رسُول حق لے کر آئے علیہم التسلیمات والصلوات۔

دل میں تھا کہ صباحت اور ملاحت کا کچھ حصّہ جو کہ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ میرے بھائی یوسف علیہ السلام زیادہ صبیح تھے اور مَیں (صلے اللہ علیہ وسلم) زیادہ ملیح ہُوں لکھوں اور اس باب میں رمز و اشارہ سے کام لوں لیکن پھر دیکھا کہ رمز و اشارہ مقصود کے ادا کرنے میں قاصر ہے اور سُننے والے اس کو سمجھنے سے عاجز ہیں قرآن مجید کے تمام حروف مقطعات حقائق احوال اور دقائقِ اسرار کے لئے رموز اور اشارے ہیں جو کہ محبّ اور محبُوب کے درمیان ثابت ہیں لیکن کون ہے جو ان کو معلوم کر سکے۔ علمائے راسخین جو حبیبِ رب العالمین کے خادموں اور غلاموں کے حکم میں داخل ہیں اور خادموں کو جائز ہے کہ مخدوم کے بعض اسرار پر اُن کو اطلاع ہو بلکہ مخدوم کی تبعیت میں خادم کے لئے بھی جائز ہے کہ اس کے ساتھ بھی معاملات درمیان میں لائے جائیں اور جھوٹا کھانے والے کی طرح وہ مخدوم کی دولتِ خاصہ میں شریک ہو لیکن اگر اس راز سے کچھ حصّہ بھی ظاہر کرے گا تو خیانت کار ہوگا اور اپنے سر کو برباد کرے گا۔ اور جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قُطِعَ الْبُلْعُوْمُ (گلا کاٹا جائے) فرمایا تھا اس کے حق میں صادق آئے گا۔ يَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ (میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی) میرا سرمایہ ہے۔

اے ہمارے رب ہمارے گناہوں اور ہماری زیادتیوں سے درگذر فرما اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے، اور سلام ہو تُم پر اور ان سب لوگوں پر جو ہدایت کی پیروی کریں اور مُصطفٰے کی پیروی کو لازم پکڑیں علیہ وآلہ آلہ واصحابہ البراۃ التقیا۔

مکتُوب نمبر ۱۰۱

شیخ عبداللہ کی طرف صادر فرمایا

(فلاسفہ کے مذاق کے مطابق قرآن مجید کی آیات کی تفسیر و تاویل کرنے سے روکنے کے بیان میں)

لے مَیں وُہ خاک ہُوں کہ نوبہاری کا بادل لطف سے مجھ پر قطرہ باری کرتا ہے ۲ے اگر میرے جسم میں سو زبانیں بھی اُگ آئیں تو سبزہ کی طرح میں اس کے لطف کا شکریہ کیسے ادا کر سکتا ہوں۔ ۱۲

کتاب تبصیر الرحمٰن جو کہ آپ نے بھیجی تھی اس کے بعض مقامات دیکھ کر واپس کر رہا ہوں ۔ میرے محترم اس کتاب کا مصنف فلاسفہ کے مذہب سے بہت لگاؤ رکھتا ہے ۔ قریب ہے کہ حکماء کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے برابر کر دے ۔ سورۃ ہود کی ایک آیت نظر سے گذری کہ اس کے بیان کو حکماء کے طرز پر جو کہ انبیاء علیہم السّلام کے طریقے کے خلاف ہیں بیان کیا ہے اور انبیاء و حکماء کے قول کو برابر کر دیا ہے اور اس آیت کریمہ کے بیان میں کہا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ ۔ باتفاق الانبیاء والحکماء اِلَّا النَّارُ الحسی او العقلی الخ (یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں باتفاق انبیاء و حکماء آگ کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہ آگ حسّی ہو یا عقلی)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجماع کے باوجود حکماء کا اتفاق کیا گنجائش رکھتا ہے اور عذاب اخروی میں ان کے قول کا کیا اعتبار ہے خصوصاً جبکہ وہ قول انبیاء علیہم السّلام کے قول کے مخالف ہو ۔ فلاسفہ جو عذاب عقلی کا اثبات کرتے ہیں ان کا مقصود حسّی عذاب سے انکار ہے جس کے اثبات پر تمام انبیاء علیہم السّلام کا اجماع واقع ہُوا ہے ۔

اور ایک اور مقام پر قرآن مجید کی آیات کو حکماء کے مذاق کے موافق بیان کرتا ہے اگرچہ وہ اہل مذاہب کے خلاف ہے ۔ اس کتاب کا مطالعہ مخفی نقصان بلکہ جلی ضرر سے خالی نہیں ہے اس معنی کا اظہار لازم جانتے ہوئے چند کلمات لکھ کر آپ کو تکلیف دی ہے ۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۱۰۲

جناب میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(مجاہدات کی ترغیب اور یکسوئی اور طالبان حق کی تربیت کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ اس علاقہ کے فقراء کے حالات قابل تعریف ہیں اور ہر حال میں ہمیشہ اللہ سبحانہ وتعالٰی ہی کی تعریف ہے ۔ ایک مدت گذر چکی ہے کہ آپ نے اپنے حالات کی اطلاع نہیں دی اُمید ہے کہ آپ نے اب وہ ورق الٹ دیا ہوگا اور کاہلی چھوڑ کر عمل کی طرف آگئے ہوں گے اور فراغت سے مجاہدہ کی طرف توجہ کی ہوگی ۔ یہ کاشت کرنے کا وقت ہے کھانے اور سونے کا وقت نہیں ہے آدھی رات سونے کے لئے تیار رکھیں اور باقی آدھی رات اطاعت و عبادت کے لئے اگر اتنی ہمت نہ کر سکیں تو تیسرا حصّہ رات جو کہ نصف سے لے کر چھٹے حصّہ تک ہے لازم کر لیں اور کوشش کریں کہ اس دولت کی ہمیشگی

میں کوئی فتور واقع نہ ہو اور خلقت کے ساتھ صرف اسی قدر خلا ملا رکھیں کہ ان کے حقوق پورے ہو سکیں۔ اور "ضرورت اپنے اندازے کے مطابق مقرر کی جاتی ہے" خلقت کے ساتھ فراخی وکشادگی ضرورت سے زیادہ فضول ہے اور لغو کام میں داخل ہے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اس پر بہت بڑا نقصان متفرع ہوتا ہے اور شریعت وطریقت کے ممنوعات میں داخل ہے۔

وہ شیخ جو اپنے مریدوں سے انبساط رکھتا ہے تو لازمی طور پر وہ مریدوں کو ارادت سے روکتا ہے اور ان کی طلب میں فتور لاتا ہے۔ اس سے اللہ تعالےٰ کی پناہ اس چیز کی بُرائی کو اچھی طرح معلوم کر لیں اور طالبین کے ساتھ اس طرح کا سلوک کریں کہ ان کی الفت وانس کا سبب ہو نہ کہ ان کی ناشناسائی اور نفرت کا باعث۔ خلقت سے علیحدگی ضروری ہے کہ حاجت کے اندازے کے بغیر ان سے آشنائی رکھنا سم قاتل ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ بات آسانی سے میسّر ہے مصائب میں مبتلا لوگ کیا کریں جو ہمیشہ ارباب تفرقہ کے ساتھ رہتے ہیں اس نعمت کا قدر جانو اور اس کے مطابق عمل کرو اور طالبین کے حالات سے اچھی طرح خبردار رہو اور ظاہر و باطن میں ان کی تربیت کی طرف متوجہ رہو زیادہ کیا لکھوں۔

مکتوب نمبر ۱۰۳

شیخ حمید اجمیری کی طرف صادر فرمایا

(کمال وتکمیل کے حصول کی ترغیب کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ میرے عزیز بھائی شیخ حمید کا گرامی نامہ پہنچا۔ بہت خوشی ہوئی کتنی بڑی نعمت ہے کہ پُر فتن زمانہ میں ایک آدمی کی صحبت میں ایک جماعت کو جناب قدس خداوندی جل شانہٗ سے رغبت پیدا ہو اور اللہ تعالےٰ کے ماسوا سے ان کے دل سرد ہو جائیں اور پھر اس کے باوجود وہ بھائی اس دولت سے مغرور نہ ہو، اور اپنے کام سے فارغ نہ ہو کہ مثل مشہور ہے "ہنوز دہلی دور است" معلوم نہیں کہ سو میں سے کوئی ایک سرانجام پائے اور وہ احوال جو طالبوں کو ابتدا میں پیش آتے ہیں اور ذوق اور لذت بخشتے ہیں اس طرح ہیں کہ بچوں کو الف اور با کا سبق سکھاتے ہیں کام یہ ہے حروف تہجی سے بڑھ کر مولویت تک پہنچیں اور اذواق اور لذتوں سے بڑھ کر ولایت خاصہ کے درجہ میں داخل ہوں ؎

ہنوز[1] ایوان استغنار بلند است ترا فکر رسیدن ناپسند است

---

[1] ابھی استغنار کا ایوان بلند ہے اور تجھے پہنچنے کی فکر ناپسند ہے ۱۲۰

چاہیئے کہ اپنے اوقات کو آباد رکھیں اور شریعت اور طریقت سے ظاہر و باطن میں آراستہ ہوں دوسروں کو مکمل کرنا اپنے کمال کی شاخ ہے جو کہ ولایت خاصہ کا درجہ ہے لیکن جب آپ کی صحبت میں طالبین میں بھلائی پیدا ہو اور احوال و مواجید ظاہر ہونے لگیں اگرچہ فنا و بقا کی حد تک نہ پہنچیں تو یہ بھی غنیمت ہے اور اس وقت میں کبریت احمر (سرخ گندھک) کا حکم رکھتا ہے اتنا کام ہی کرتے جائیں لیکن استخارہ و توجہات کے بعد جس کو بھی طریقت کی تعلیم دیں مناسب ہے بلکہ لازم ہے اور اس عمل سے ترساں و لرزاں رہیں ایسا نہ ہو کہ اس راہ سے شیطان آپ پر غلبہ پاجائے اللہ تعالےٰ ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ جتنی تعداد میں نے آپ سے کہی تھی اگر وہ پوری ہو چکی ہو تو اب اس سے دگنی کر دیں اور اس کے بعد اطلاع دیں تاکہ مناسب حال آپ کو مطلع کیا جا سکے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

وہ دوست جو آپ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو میرا سلام کہیں۔ سید یحییٰ نے جو گرامی نامہ لکھا تھا وہ بھی پہنچا۔ اللہ تعالےٰ کی تعریف ہے ایسے وقت میں کہ قرب قیامت کمال درجہ کو پہنچ چکا ہے اور "قیامت برے لوگوں پر قائم ہوگی" حدیث میں آیا ہے کئی آدمیوں کے دل خدا تعالےٰ کی بارگاہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور اس درگاہِ اقدس کے والہ و شیدا ہیں۔ جلّ سُلطانہٗ دوستوں سے غائبانہ دعا کی توقع ہے، اور خاتمہ بالخیر کی دعا چاہتا ہوں۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر دے اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے والسلام اوّلاً و آخراً۔

مکتوب نمبر ۱۰۴

حضرات ذوی البرکات مخدومزادگان گرامی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

(ان حضرات کو بعض مقامات عالیہ کے حصول کی بشارت کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ فرزندانِ گرامی ایک مدت گذر چکی ہے کہ آپ نے اپنے ظاہری اور باطنی احوال کے متعلق نہیں لکھا ہے۔ شائد جدائی کے ایام دراز ہونے کی وجہ سے ہم دور افتادہ لوگوں کے حال سے نسیان طاری ہو چکا ہوگا ہم بھی ایک ارحم الراحمین مالک رکھتے ہیں آیت کریمہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے) ہم نامراد غریبوں کو تسلی دینے والی ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ باوجود تمہاری اس بے پرواہی کے دل ہمیشہ تمہارے احوال کی طرف متوجہ رہتا ہے اور آپ کے کمال کا خواہشمند ہے۔

کل صبح کی نماز کے بعد خاموشی کی مجلس رکھتا تھا کہ ظاہر ہوا کہ وہ لباس جو میں پہنے ہوئے تھا مجھ سے الگ ہو گیا ہے اور ایک دوسرا لباس میری طرف متوجہ ہے جو کہ اس لباس کی جگہ بیٹھ گیا ہے میرے دل میں خیال آیا کہ یہ اُترنے والا لباس معلوم نہیں کس کو دیں یا نہ دیں اور آرزو یہ ہوئی کہ وہ لباس میرے فرزند ارشد محمد معصوم کو دے دیں۔ ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ وہ میرے لڑکے کو دے دیا گیا ہے اور وہ پوری خلعت اس کو پہنا دی گئی ہے اور یہ اُتاری جانے والی خلعت معاملۂ قیومیت سے کنایہ ہے جو کہ تربیت اور تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے اس عرصۂ مجتمعہ کے تعلق کا سبب ہوا اور جب اس نئی خلعت کا معاملہ انجام کو پہنچے گا تو اُترنے کا مستحق ہو جائے گا اور امید ہے کہ کمال کرم سے وہ میرے دوسرے عزیز فرزند محمد سعید کو عطا فرمائیں گے یہ فقیر ہمیشہ عاجزی سے یہ یہ سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر بھی سمجھتا ہے اور اپنے لڑکے (محمد سعید) کو اس کا مستحق بھی سمجھتا ہے ؎

با کریماں[1] کارہا دشوار نیست

اگر استعداد ہے تو وہ اسی (اللہ تعالیٰ) کی داد ہے ؎

نیاوردم[2] از خانہ چیزے نخست — تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا ؕ وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ ۔

(اے داؤد کے گھرانہ والو شکر کرو اور میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں)

جان لو کہ شکر عبارت ہے اس سے کہ بندہ ہر اس چیز کو ایسی جگہ میں صرف کرے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے خواہ وہ اعضاء ہوں یا ظاہری و باطنی قوتیں۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو شکر حاصل نہیں ہو سکتا اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔ اس قسم کے علوم مخفی اسرار سے ہیں۔ اگرچہ وہ سرفہ سے کہے جاتے ہیں لیکن ان کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے کہ آدمی فتنہ میں نہ پڑے اور دوسری وہ مشکل جو میرے سامنے تھی یہ تھی کہ وہ معاملہ شاید عالم مثال کا ہو وہ ان ایام میں حل ہو گئی اور کوئی چیز مخفی نہ رہی شاید روحانیت کے اس معنی میں خواجہ معین الدین کا بھی کچھ دخل ہو اور محمد معصوم نے اس مشکل کو ظاہر اوّل میں رکھا ہو۔ والسلام۔

۱؎ کریم لوگوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔ ۱۲

۲؎ میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہوں، تو نے ہی مجھے سب چیزیں دی ہیں اور میں خود بھی تیری چیز ہوں ۱۲

مکتوب نمبر ۱۰۵

شیخ حسن برکی کی طرف صادر فرمایا

(ان کے عریضہ کے جواب میں جو انہوں نے اپنے حالات کے متعلق لکھا تھا اور احیائے سنت کی ترغیب اور بدعت سے تہدید کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ - میرے بھائی عزیز شیخ حسن اللہ تعالیٰ اُن کی آرزوؤں کو اچھا کرے کا گرامی نامہ پہنچا خوشی ہوئی - وہ علوم و معارف جو اس میں درج تھے ان کے مطالعہ نے راحت پر راحت بڑھادی - اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ علوم صحیحہ ہیں اور معارف صادقہ اور کتاب و سنت کے مطابق ہیں اور فرقہ ناجیہ کے عقائد حقّہ کے موافق ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ استقامت کی کرامت عطا فرمائیں اور مقاصد علیّہ کی انتہا تک پہنچائیں -

کچھ بدعت کو مٹانے کے متعلق لکھا تھا یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ بدعت کی ایسی تاریکیوں کے دور میں کوئی صاحب دولت بدعتوں میں سے کسی بدعت کے اُٹھانے کی توفیق پائے، اور سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص سنت کو زندہ کرے بعد اس کے کہ اس سنت سے عمل اُٹھ چکا ہو اس آدمی کو سو شہید کا ثواب ہے اس جگہ سے اس عمل کی بزرگی کو معلوم کریں - لیکن اس قدر اس نکتہ کی رعایت کریں کہ کوئی فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہو کہ ایک نیکی بہت سی برائیوں کے حصول کا سبب بن جائے کہ زمانہ آخری ہے اور اسلام کی کمزوری کا وقت ہے -

وہ رسالہ جو آپ نے بھیجا تھا اس کے مطالعہ سے خوشی ہوئی اللہ سبحانہ کا احسان ہے کہ علوم میں اس فقیر سے بہت موافقت ہے اور کشف میں مطابقت نظر آتی ہے اور آپ کی نگاہ بہت بلند چلی گئی ہے آپ کے خط کو جو کہ حال اور علوم اور استفسارات پر متضمن تھا اپنے بھائی خواجہ محمد ہاشم کشمی کے سپرد کیا تھا کہ جواب لکھنے کے وقت حاضر کر دیں اتفاقاً وہ گم ہو گیا اس بنا پر جوابات کی تفصیل میں توقف واقع ہوا جو کچھ دل میں رہ گیا تھا اس کو لکھا ہے - مختصر یہ کہ احوال پسندیدہ ہیں اور علوم کی صحت ثابت ہے - دوسری بات یہ ہے کہ مغفرت پناہ مولانا احمد کے فرزندوں کی تعلیم و تربیت میں سعی بلیغ فرمائیں اور آداب ظاہری و باطنی کی راہنمائی کریں اور اس علاقہ کے تمام دوستوں کو بلکہ اس علاقہ کے تمام مسلمانوں کو شریعت کی دلالت اور التزام سنت کی تاکید کریں اور بدعت کے ارتکاب سے ڈرائیں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں -

جلد ثالث کے بعض مکاتیب کو خواجہ محمد ہاشم نے لکھ کر آپ کو بھیجے ہیں ان سے فائدہ اُٹھائیں۔ فقیر کے اوقات مختلف ہیں بعض اوقات بے اختیار علوم و معارف کو تحریر کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور دوسرے بعض اوقات میں باوجود اس کے کہ اسرار غریبہ کا فیضان ہوتا ہے لکھنے سے نفرت پیدا ہوتی ہے اس حد تک کہ ہاتھ میں قلم پکڑنا گوارا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ آپ کے خطوط جو پہنچتے ہیں ان کے جواب کی تفصیل میں فتور پڑ جاتا ہے اور میں تکلف سے بھی کوئی چیز نہیں لکھ سکتا باقی حالات قابلِ تعریف ہیں۔ لشکر کی ہمراہی سے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے خلاصی میسّر ہوگئی ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ استقامت رکھیں اور اس علاقہ کے دوستوں کے لئے خاص دُعائیں ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۰۶

مخدوم زادگان سلمہم اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا

(اس واقعہ کے بیان میں کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان سے بہت بڑی بشارتیں پائی ہیں)

فرزندان گرامی کا مکتوب شریف پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہو وہ معاملہ جو تازہ تازہ آج ہی ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں۔ اچھی طرح سنیں۔

آج رات جو کہ ہفتہ کی رات تھی اور بادشاہ کی مجلس میں گیا ہُوا تھا ایک پہر رات گذرنے کے بعد واپس آیا اور حافظ سے تین پارے قرآن مجید شمارات دو پہر سے زیادہ گذر چکی تھی کہ نیند آئی۔ صبح کے حلقہ کے بعد چونکہ رات کی کوفت ابھی باقی تھی سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیر کے لئے اجازت نامہ لکھا ہے جیسا کہ مشائخ کی عادت ہے کہ خلفاء کے لئے اجازت نامہ لکھتے ہیں اور میرے طرف دار دوستوں میں سے ایک آدمی اس معاملہ میں ہے

اسی اثنا میں گویا ظاہر ہُوا ہے کہ اجازت نامہ کے اجراء میں ایک طرح کا فتور ہے اور وجہ فتور کی تعیین بھی اسی وقت معلوم ہے وہ دوست جو اس خدمت میں پیش کار ہے دوسری دفعہ اس اجازت نامہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا ہے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت نامہ کی پشت پر ایک دوسرا اجازت لکھا ہے یا لکھوایا ہے اس کا اچھی طرح پتہ نہ چل سکا۔ البتہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت صحیح ہے اور لکھنے کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی مُہر سے مزیّن فرمایا ہے اس اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ اجازت نامۂ دنیا کے عوض اجازت نامۂ آخرت دیا ہے اور مقام شفاعت

سے حصّہ عنایت فرمایا ہے اور کاغذ بھی بڑا لمبا ہے اور سطریں بھی بہت سی لکھی ہیں۔ مَیں اس دوست سے پوچھتا ہوں کہ پہلا اجازت نامہ کونسا ہے اور دوسرا جو اَب لکھا ہے وہ کونسا ہے؟

اور میں اس وقت ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جگہ میں رہتا ہوں اور بیٹے کی طرح اپنے باپ کے ساتھ زندگی گذارتا ہوں۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت میرے لئے اجنبی نہیں ہیں اور میں نے اس کاغذ کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے اور فرزندانِ محرم کی طرح میں بھی ان کے حرم شریف میں داخل ہوگیا ہوں۔ امہات المومنین میں سے سب سے بڑی ماں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مجھے بعض خدمات کا اہتمام سے حکم دیا ہے اور فرمایا ہے ہمیں تمہارا انتظار تھا۔ اس اس طرح کرنا چاہیئے اور اس وقت میں خواب سے بیدار ہوگیا۔

اور یہ چیز دل سے نکل گئی کہ اس نذر کی وجہ کیا تھی جس قدر آنکھ کھلتی ہے اسی قدر معاینہ ہوتا ہے اور اس واقعہ کی خصوصیات دل سے چلی جاتی ہیں شاید آپ کو یہ بات یاد ہوگی کہ میں نے اس باب میں پہلے بھی آپ سے ذکر کیا تھا کہ یہ بلند نسبت عجیب ہے کہ اپنے اندازہ کے مطابق ظہور نہیں کرتی پس دل میں خیال گزرتا ہے کہ اس کا ظہور ظاہراً آخرت کے لئے ذخیرہ ہے اور اس کا نعم البدل میسّر آئے گا اس واقعہ سے ان تردّدات کی تسلّی حاصل ہوئی۔ قیامت قریب ہے اور اندھیرے تہ بہ تہ ہیں کونسی خیریت ہے اور کونسی نورانیت شائد حضرت مہدی علیہ الرضوان ہوں کہ جن کو ظاہری خلافت کی تائید بھی ہوگی اس کو رواج دے سکیں اور اس نعمت کا شکریہ ہے۔

آج مختلف کھانوں کے متعلق حکم دیا ہے کہ پکائیں اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح کو ثواب پہنچائیں اور خوشی کی مجلس قائم کریں خط لے جانے والے بھی شائد ان کھانوں میں سے کچھ کھائیں۔

دوسری یہ بات ہے کہ میں نے ایک خط میں ایک واقعہ لکھا تھا جو کہ رونما ہُوا تھا کہ تیسرے دوست کو نوکری کے لئے قبُول نہ کیا ایک زمانہ کے بعد ظاہر ہُوا کہ محض کرم سے اس کو بھی قبُول کر لیا ہے اور قبولیت کے آثار پیدا ہوئے۔ اللہ سبحانہ وتعالےٰ کی اس پر اور تمام نعمتوں پر تعریف اور احسان ہے

ان دنوں میں معارف غریبہ اور علوم عجیبہ ظاہر ہو رہے ہیں گویا کہ وہ ورق مقرر قوم ہو چکا ہے اور معاملہ ایک دوسرے پر ظاہر ہُوا۔ فرزند دُور ہیں اور عمر کا معاملہ نزدیک ہے دیکھو کیا ہوتا ہے" بھلائی اُسی میں ہے جو اللہ تعالےٰ کرے،" میں یہی کہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما، اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۱۰۷

خواجہ محمد اشرف کی طرف صادر فرمایا

(تعلق کی نسبت میں فتور واقع ہونے اور عبادات میں لذت نہ رہنے کے بیان میں)

حمد و صلوٰۃ اور دُعاگوئی کے بعد عرض ہے کہ میرے بھائی عزیز کا گرامی نامہ پہنچا۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی تعریف ہے کہ آپ صحت اور عافیت سے ہیں آپ نے پُوچھا ہے کہ "اُس کی کیا وجہ ہے کہ جب تعلق کی نسبت میں فتور واقع ہوتا ہے تو تمام طاعات کے بجا لانے میں لذّت نہیں رہتی"۔

جان لینا چاہیئے کہ وہی وجہ جو فتور رابطہ کا سبب ہوئی ہے وُہی لذت کو بھی روک دیتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فتور کا سبب قبض ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کدورت طاری ہو جاتی ہے کسی لغزش کے ارتکاب کی وجہ سے اگرچہ وہ لغزش چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ پہلی وجہ بری نہیں ہے بلکہ سلوک طریقہ کے لوازمات میں سے ہے اور دوسری وجہ پیش آنے کا تدارک توبہ اور استغفار سے کرنا چاہیئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس کا اثر زائل ہو جائے اور چونکہ قبض اور کدورت کے درمیان تمیز کرنا بڑا مشکل ہے بہرحال توبہ و استغفار فائدہ مند ہے۔ اللہ سُبحانہ و تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۰۸

ملّا طاہر خادم کی طرف صادر فرمایا

(ان معاملات کے بیان میں جو اصل الاصل سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ معرفت معنے سے منقول ہے)

وہ معاملات جو اصل الاصل سے تعلّق رکھتے ہیں دو قسم کے ہیں ایک قسم وُہ ہے کہ اس جگہ سے صُور مثالی یا کسی اور امر سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور یہ معاملہ اس وقت تک ہے جب تک کہ سَیر مقامات میں ہے اور ان کو عالم سے مناسبت یا مشارکت ہے اگرچہ کسی وجہ سے ہی ہو اور اس کی انتہا مقام رضا کی سَیر تک ہے اور جب کسی شخص کو مقام رضا کے اوپر سَیر میسر ہوتی ہے تو اس جگہ کوئی چیز اُس کے علم میں نہیں آتی نہ صُور مثالی سے اور نہ کسی اور امر سے اُس وقت عارف کو محض اوپر کے مقامات کے حصول کا علم ہوتا ہے بغیر اس کے کہ کوئی چیز اس کو معلوم ہو اور ان مقامات میں نبوّت و رسالت وغیرہ کا نام بھی مفقود ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت

حق سبحانہ وتعالےٰ کل کو بہشت میں ان کا علم نصیب کریں گے اور اس سیر کی انتہا مرتبہ مخصوص تک ہے جو بالمشافہ مذکور ہوئی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۰۹

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سبحانہ کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ عالم کی ایجاد مرتبہ وہم میں ہے لیکن استقرار و تعلق ایجاد سے نفس امری ہو چکا ہے اور یہ مرتبہ علم اور خارج کے مرتبہ سے الگ ہے اور اس بیان میں کہ وحدت بھی نفس امری ہے اور کثرت بھی اور اس تحقیق میں کہ باوجود اثبات و استقرار کے سالک کی فنا کس معنی سے ہے اور یہ مکتوب حوادث ایام کی وجہ سے نامکمل رہا)

مرتبہ وہم اس مرتبہ سے عبارت ہے کہ اس جگہ نمود بے بود تھی مثلاً جیسا کہ صورت زید اگر آئینہ میں متوہم ہو تو اس جگہ نمود بے بود ہے اس لئے کہ آئینہ میں بالکل کوئی صورت موجود نہیں ہے اور نمود وہمی سے زیادہ اس جگہ ثبوت نہیں رکھتا اور صحیح کشف اور شہود صادق سے واضح ہوا ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالےٰ نے اپنے کمال اقتدار سے عالم کو اسی مرتبہ میں پیدا فرمایا ہے اور اپنی کمال صنعت اور کاریگری سے نمود محض کو ہستی عطا کی ہے اور اس مرتبہ میں اگرچہ نمود بے بود ہے لیکن جب عالم اس مرتبہ میں مخلوق ہوا ہے تو اس کا ظہور بابود آیا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کی ایجاد مثبت بود وجود ہے اور جب ظہور بابود ہوا تو نفس امری ہو گیا اور احکام و آثار صادقہ اس پر مرتب ہوئے۔

اور وہم کا یہ مرتبہ مرتبۂ علم و مرتبہ خارج سے الگ ہے اور یہ مرتبہ علم کے مرتبہ سے زیادہ مرتبہ خارج سے مناسبت و مشابہت رکھتا ہے اور اس کا ثبوت ثبوتِ خارجی سے مشابہ ہے برخلاف ثبوت علمی کے کہ اس کا وجود ذہنی کہتے ہیں اور اس کے مقابل وجود خارجی ہے اور وہ ظہور جو مرتبہ وہم ہے وہ بھی ظہور خارجی سے پوری مشابہت رکھتا ہے برخلاف مرتبہ علم کے کہ وہاں بطون و کمون ہیں گویا کہ مرتبۂ وہم میں مرتبہ خارج کا ظل ڈال کر اس جگہ عالم کی ایجاد فرمائی ہے اور وجود خارجی کے ظل سے عالم کو ظل کے مرتبہ میں موجود کیا ہے پس نفس خارج میں سوائے ایک ذات احدیت کے کوئی چیز موجود نہیں ہے اور خارج کے ظل میں وجود ظلی سے عالم اس کثرت و تعدد کے باوجود خداوند تعالےٰ کی ایجاد سے موجود تھا خارج میں نفس امر وحدت ہے اور ظل خارج میں نفس امر کثرت ہے جیسا کہ علم میں بھی نفس امر کثرت ہے پس وحدت بھی نفس امری ہو گی اور کثرت بھی اور ہر ایک کا اعتبار الگ ہے اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔

اور جیسا کہ خارج اور وجود عالم کے لئے ظل ہے ایسا ہی اس کی تمام صفات حیوٰۃ اور قدرت اور علم وغیرہ بھی اس ہی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جل سلطانہٗ، بلکہ نفس امر جو کہ ثبوت عالم میں اثبات کیا جاتا ہے وہ بھی مرتبہٗ خارج کے نفس امر کا ظل ہے ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست　　　تو دادی ہمہ چیز من چیز تُست

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ (کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سایہ کو بڑھا دیا۔

سوال :۔ تُو نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ ظل جو کچھ بھی رکھتا ہے وہ اصل سے ہے اور ظل میں اصل کی امانت داری سے کوئی ہنر پیدا نہیں ہے اگر سالک مستعد بحکم ظلیّت جو کچھ بھی خیر و کمال سے رکھتا ہے جو کہ وجود اور کمالات توابع وجود ہے اپنے اصل کو دیدے اور اپنے آپ کو تمام کمالات سے خالی پائے تو لازماً فنا اور نیستی سے متصف ہوگا اور اس کا اپنا نام و نشان نہ رہے گا۔ اس کلام کا حاصل کیا ہے؟ اور کمالات اصل کو دینے کا کیا معنی ہے اور باوجود سالک کے استقرار اور ثبوت کے فنا اور نیستی کس اعتبار سے ہے؟

جواب :۔ یہ فنا اس طرح ہے کہ کوئی شخص مانگ کر لباس پہنے ہُوئے ہو اور اُسے معلوم ہو کہ یہ کپڑے اس کے نہیں ہیں کسی دوسرے کے ہیں جو کہ مانگ کر پہنے ہُوئے ہیں اور جب یہ خیال غالب آتا ہے تو پوری طرح غلبہ پیدا کر لیتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ لباس پہنے ہوئے ہونے کے باوجود ان کپڑوں کو پوری طرح صاحب جامہ کو دے دے اور اپنے آپ کو برہنہ اور عُریاں سمجھنے لگے اس حد تک کہ اپنے ہم نشینوں سے اپنی برہنگی کی وجہ سے شرمندگی اُٹھائے اور اپنے آپ کو حیا سے کسی گوشہ میں لے جائے۔

اور چونکہ سالک کا وجود مرتبۂ وہم و خیال میں پیدا کیا گیا ہے تو اس کے لئے خیالی فنا ہی کافی ہے کہ اس تخیل کا غلبہ اس کو یقین قلبی تک پہنچاتا ہے اور ذوقی اور وجدانی بنا دیتا ہے اور جو کچھ فنا و نیستی میں مقصود ہے وجود میں آتا ہے کیونکہ فنا کا مقصود ظلّ کی گرفتاری کا زوال اور اصل کی گرفتاری کا حصول ہے اور جب ظلّ کا رجوع اصل کی طرف یقینی ہوا اور وجدانی اور ذوقی ہوا تو لازماً ظلّ کی گرفتاری زائل ہوئی اور اس کی جگہ اصل کی گرفتاری آ بیٹھی اور اگر یہ خیال حاصل نہ ہوتا تو ظلّ کی گرفتاری کے زوال کی دولت میسّر نہ آتی بلکہ اس راہ کے سلوک کا دارومدار توہّم اور تخیل پر ہے کیونکہ احوال مواجید جو کہ اس راہ کے معانی جزئیہ ہیں وہم سے مدرک ہوتے ہیں اور سالکین کی تجلیات اور تلوینات خیال کے آئینہ میں مشہود ہوتی ہیں ۔ اگر وہم نہ ہو تو فہم قاصر ہوتا اور اگر خیال نہ ہوتا تو حال مستور ہوتا۔ اس راہ میں وہم و خیال سے زیادہ کوئی چیز بھی نفع مند نہیں پائی گئی ہے اور ان کا اکثر ادراک و انکشاف

ـلہ میں شروع میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہوں تُو ہی نے تمام چیزیں دی ہیں اور میں بھی تیری چیز ہوں ۱۲۰

واقع کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ وہم ہی ہے جو پنجاہ ہزار سال کی راہ کو جو بندے اور خدا کے درمیان ہے، خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے تھوڑی سی مدت میں قطع کر لیتا ہے اور وصُول کے درجات تک پہنچا دیتا ہے اور خیال ہی ہے، جو غیب الغیب کے اسرار و دقائق کو اپنے آئینہ میں منکشف کرتا ہے اور سالک مستعد کو مطلع کر دیتا ہے اور یہ وہم کی بزرگی ہے کہ خداوند تعالےٰ نے عالم کی پیدائش کو اس مرتبہ میں اختیار فرمایا ہے اور اس کو کمالات کے ظہُور کا محل بنایا ہے اور یہ خیال ہی کی بزرگی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو عالمِ مثال کا نمونہ بنایا ہے جو کہ تمام عوالم سے زیادہ وسیع ہے یہاں تک کہ خُداوند کی صورت بھی اس عالم میں موجود کہتے ہیں اور حکم لگایا ہے کہ خُداوند تعالےٰ کی مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالےٰ کے لئے بلند مثل ہے) احکامِ وجوبیہ کی صُور ہیں کہ عارف ان کو اپنے خیال کے آئینہ میں محسوس کرتا ہے اور ان کی دریافت کے ذوق سے ترقی کرتا ہے۔

سوال:۔ سابق تحقیق سے واضح ہوا کہ فنا و نیستی خیال کے اعتبار سے ہے اگرچہ وہ یقین قلبی تک پہنچا دیتا ہے اور وجدانی و ذاتی بنا دیتا ہے اور اس پر احکام صادقہ مرتب ہوتے ہیں نہ کہ اعتبارِ تحقق وجود اور تم نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ یہ فنا باعتبار وجود ہے اور اس میں ذات و صفت کا زوال ہے اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:۔ چونکہ وجودِ ظلّی کا رجوع اصل یقین سے مل گیا تو ذوقی وجدانی ہو گیا تو لازماً وجود کے زوال کا حکم بھی کیا گیا اور ذات و صفت کے ارتفاع کے متعلق بھی کہا گیا۔

سوال:۔ فنائے وجودی کا یہ حکم ثبوت و استقرار فانی کے باوجود صادق ہے یا کاذب؟

مکتُوب نمبر ۱۱

حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالےٰ کی طرف صادر فرمایا

اِس بیان میں کہ عارف کا معاملہ اس حد تک پہنچتا ہے کہ کسی معلُوم کی صُورت اس میں حاصل نہیں ہوتی اس وقت اس کے ذرّات میں سے ہر ذرہ مطلوب کی طرف ایک شاہراہ ہے اور اس کا بیان کہ اس عارف کی محبت خدا تعالےٰ کی محبت تک لے جاتی ہے اور اس کا بغض خدا تعالےٰ کے بغض تک پہنچا دیتا ہے اور اسی طرح اس کی توہین و تعظیم اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ کے صحابہ کو بھی یہی نسبت رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اور یہ معارف معنی نفق ہوئے)

جب کوئی عارف مقامات ظلّ کو طے کر کے معاملہ کو اصل الاصل تک پہنچا دیتا ہے تو اس وقت اس کا علم جو کہ اشیا سے تعلق کریگا، وہ ظلیت کی قید سے مبرّا ہوگا یعنی اشیا اس کی معلوم ہونگی لیکن ایسے طریقہ پر کہ کوئی

بھی ان میں سے اس میں حصول نہ کرے گی کیونکہ جو بھی چیز اس میں حاصل ہوگی وہ اس شے کی ظل اور صورت ہوگی نہ کہ اس شے کی ذات جیسا کہ علم کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ عقل میں کسی شے کی صورت کا حصول ہے اس لئے کہ اس میں شک نہیں ہے کہ عقل میں کسی چیز کی حاصل ہونے والی صُورت اس شے کی مثال اور شبیہہ ہے نہ کہ اس کا عین جیسا کہ کشفِ صریح اور الہام صحیح اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اس وقت عارف عالم کو اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ سے کوئی نسبت سوائے نسبت صانعیّت ومصنوعیّت کے کوئی چیز ثابت نہ کی جاسکے گی اور ظلیّت اور عینیّت اور مرآتیّت سے تحاشی (بیزاری) ہو جائے گی کیونکہ یہ معاملہ کمالات ذاتیہ سے وابستہ ہے اور اللہ تعالےٰ کی ذات کو عالم سے غناء ذاتی ہے اِنَّ اللہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (اللہ تعالےٰ سب جہانوں سے بے نیاز ہے) برخلاف بعضے اسماء وصفات کے مراتب کے کہ ان میں یہ نسبت متصوّر ہے پس جب تک کہ ان مقامات سے نہیں گذرتا اور اصل الاصل تک نہیں پہنچتا اس نسبت سے بے نصیب ہے۔ اس وقت میں عارف کے ذرّات میں سے ہر ذرّہ خُداوند تعالےٰ کی ذات تک ایک شاہراہ ہے۔ برخلاف علم حصولی کے کہ اس صورت میں عالِم ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور خود تمام اشیاء کا آئینہ بنتا ہے اور اسی طرح ظلیّت اور مرآتیّت کی صورت میں ہر شے اس علم والے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اس کی بصیرت کی نظر کو اپنے سے باہر نہیں چھوڑتی۔

اور جب اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے ظلیّت کے حصول کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے تو موجودات کے ذرات میں سے ہر ذرّہ خواہ وہ عرض ہو یا جوہر اور خواہ وہ آفاق ہو یا انفس اس کے لئے غیب الغیب کا دروازہ بن جاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ جس طرح پہلے وہ شخص تمام اشیا کا آئینہ تھا اور جو کچھ وہ کرتا تھا اپنے لئے کرتا تھا اور جو کچھ اس سے صادر ہوتا تھا ناچار اسی آدمی کی طرف راجع ہوتا تھا خواہ نیّت کرے یا نہ۔ اب جبکہ اس نے اپنے آئینہ کو آئینہ داری سے روک لیا اور ظلّ کی قید سے آزاد ہُوا اور پانی کی نالی کی طرح ہو گیا کہ جو کچھ بھی اس میں پڑا نہ رہا بلکہ اس کو باہر نکال دیا تو لازماً جو کچھ بھی وہ کرے گا اپنے لئے نہ کرے گا بلکہ خدا تعالےٰ کے لئے کرے گا خواہ وہ نیّت کرے یا نہ کرے، کیونکہ نیّت اُس میں ہوتی ہے جس میں احتمال ہو اور یقینی چیز میں نیّت نہیں ہوتی۔

اس وقت اس عارف کی محبّت اللہ تعالےٰ کی محبّت تک لے جاتی ہے اور اس کا بغض خدا تعالےٰ کے بغض تک پہنچا دیتا ہے اور اسی طرح اُس کی تعظیم وتوقیر اللہ تعالےٰ تعظیم وتوقیر ہے اور توہین اور بے ادبی خدا تعالےٰ کی توہین اور بے ادبی تک پہنچادیتی ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کو بھی اپنے درجات کے مُطابق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نسبت ہے کہ ان کی محبّت اور بغض رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت اور

بغض تک پہنچادیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے ان سے محبت رکھی سو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو بھی ان سے یہی نسبت ہے لیکن اس بلند نسبت کا ظہور حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا اور حسنین رضی اللہ عنہم میں کامل تر ہے اور بارہ آئمہ ہیں سے ان کے علاوہ باقی میں بھی یہ نسبت سرایت کرتی ہوئی مشہود ہوتی ہے اور پھر ان کے علاوہ یہ نسبت محسوس نہیں ہوتی۔ والسلام

مکتوب نمبر ۱۱۱

شیخ نور محمد تہاری کی طرف صادر فرمایا

(مقام قاب قوسین او ادنیٰ کے اسرارِ غریبہ کے بیان میں اور اس راز کا بیان کہ عارف اپنے بائیں جانب کے لکھنے والے کو نہیں پاتا اور یہ معارف بھی منقول لمعنی ہیں)

قَابَ قَوْسَیْنِ کے معاملہ میں ظاہر ہیں مظہر کا رنگ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ سالک سے ذات وصفت کے زوال کا معاملہ حاصل نہیں ہوا ہے بخلاف معاملہ اَوْ اَدْنیٰ کے کہ اس جگہ مظہر سے کوئی حکم اور اثر باقی نہیں رہا ہے پس اس مرتبہ ثانیہ میں لازماً مظہر ایک ایسا معاملہ ہوگا جو مرتبہ وجوب سے مستفاد ہوگا اور وہ ایک خاص خلعت ہے جو عارف کو معاملہ پورا کر لینے کے بعد مرتبہ اصل سے عنایت فرماتے ہیں اور اس کو افاضہ صورت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے یہ ایک بڑا گہرا راز ہے ان شاء اللہ تعالےٰ اس کی تفصیل کسی اور موقع پر تحریر کی جائے گی پس مظہر اس معاملہ میں ایک ایسا امر ہوتا ہے جس میں عدم کی بُو راہ نہیں پا سکتی اور امکان کے شائبہ کو اس میں دخل نہیں ہے پس اگر ہم اس مرتبہ میں انفعال (اثر قبول کرنا) کا اثبات کریں تو وہ اپنے آپ سے ہوگا نہ کہ غیر کی طرف سے کیونکہ غیر کا کوئی اثر اور نشان باقی نہیں رہا ہے ؎

وَلِوَجْهِهِ مِنْ وَجْهِهِ قَمَرٌ[1] وَلِعَيْنِهِ مِنْ عَيْنِهِ كُحُلٌ

اگرچہ وہ انفعال جو مرتبۂ قاب قوسین میں ثابت کیا جائے گا وہ بھی حق ہے اور وہ حضور جو اس مرتبہ میں ہوتا ہے اصل کا ظہور ہے لیکن اس میں ظلیت کا شائبہ نہیں ہے اور مرتبۂ بلند کے لائق نہیں ہے۔ وہ انفعال جو اس مرتبۂ مقدسہ کے لائق ہوتا ہے وہ ہے جس میں ظلیت کی بو راہ نہ پاتی ہو اور کسی صورت میں بھی غیر کو درمیان میں کوئی دخل نہ ہو کیونکہ غیر عدم کی آلودگی سے خالی نہیں ہے اور امکان کے نقص سے باہر نہیں ہے ہاں

---

[1] اس کے چہرے کے لئے اس کا اپنا چہرہ ہی چاند ہے اور اس کی آنکھ کیلئے اس کی آنکھ ہی کا سرمہ ہے۔۱۲

اگر مراتب ظلال کے انفعالات اس طرح کے ہوں تو ان کی گنجائش ہے

جاننا چاہیئے کہ اس معاملہ میں اَوْ اَدْنیٰ کہ جس کا کچھ تذکرہ ہو چکا ہے عارف اپنے بائیں جانب کے لکھنے والے کو نہیں پاتا اس کا رازیہ ہے کہ اس وقت میں اس کی بائیں جانب، دائیں جانب کا حکم حاصل کر لیتی ہے کیونکہ شمال (بائیں جانب) عدم کے تقاضوں میں سے ہے پھر جب عدم کے احکام زائل ہو گئے اور خالص وجُود باقی رہ گیا تو اب اس جگہ بائیں جانب ہے ہی نہیں بلکہ " اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں" اس کو سمجھ اور بے دینی میں مبتلا نہ ہو۔

جب تم نے ان گہرے اسرار اور معارف غریبہ کو معلوم کر لیا تو اب سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی الآیۃ (پھر وہ قریب ہُوا پھر لٹکا) جان لے کہ اس دَنُوّ (اقرب) کا تحقق اَوْ اَدْنیٰ کے تحقق کے بعد ہے جو پہلے ذکر ہُوا ہے کیونکہ جب تک عارف کا کوئی اثر اور حکم باقی ہے اور عدم کی آلودگی سے مبرا نہیں ہوا ہے اس کو اس دَنُوّ کی لیاقت نہیں ہے اور اس دَنُوّ کے تحقق کے بعد تَدَلّٰی (لٹکنا) ہے جو نزول کے رُوبرُو ہے جب تدلّٰی کا تحقق ہو جاتا ہے اور عارف کو خلق میں لاتے ہیں تو اس وقت قوسین کی صورت ظاہر ہوتی ہے اگرچہ قوس اوّل کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں رہا ہے لیکن جب اس کو تدلّی سے مشرف فرماتے ہیں تو اُس وقت قوسین کی صُورت متوہم ہوتی ہے۔

پس بعد از تدلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنیٰ اس اعتبار سے فرمایا ہے کہ اس وقت قوسین کی صُورت ثابت ہے نہ کہ اس کی حقیقت اَوْ اَدْنیٰ یعنی بلکہ اس سے بھی قریب کیونکہ اس جگہ قوس ثانی کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں رہا تو اس جگہ حقیقت میں دو قوس ہیں ہی نہیں۔ یہ معارف اللہ تعالیٰ کے اسرار سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اخص الخواص پر ظاہر فرماتے ہیں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والبرکات العلیٰ۔

مکتوب نمبر ۱۱۲

شریعت پناہ قاضی اسلم کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ نہ اللہ تعالیٰ کا عین ہیں اور نہ اُس کا غیر ہیں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ: علمائے اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم نے اللہ تعالیٰ کی صفات ثمانیہ کے متعلق کیسا اچھا کہا ہے کہ "نہ وہ اللہ تعالیٰ ہیں اور نہ اس کا غیر ہیں"۔ یہ معرفت عقل سے

بالاتر ہے جو کہ نورِ فراست اور انبیا علیہم الصلوٰۃ و السلام کی متابعت کی برکت حاصل ہوتی ہے۔ عقلاء اس عبارت سے رفع نقیضین سمجھتے ہیں ان کو یہ نہیں معلوم کہ حصول تناقض کے لئے زمان و مکان کا اتحاد شرط ہے اور جبکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زمان اور مکان کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے تو تناقض کس طرح متصوّر ہو سکتا ہے۔

اور وہ جو علمائے نے دفع تناقض کے لئے لفظ غیر میں تصرّف کیا ہے اور غیر سے ایک خاص معنی مراد لئے ہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ نظر کشفی اس تخصیص سے منع کرتی ہے اور غیر کی نفی جس صورت میں بھی ہو وہ اثبات کرتی ہے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات جس طرح خدا تعالیٰ کی عین ذات نہیں ہیں کیونکہ وہ زائد ہیں اسی طرح وہ غیر ذات بھی نہیں ہیں اگرچہ وہ زائد ہیں اور دوئی کی نسبت پیدا کر لی ہے اس جگہ اربابِ معقول کا مقرّرہ قاعدہ اَلْاِثْنَانِ مُتَغَایِرَانِ (کہ دو چیزیں آپس میں متغایر ہوتی ہیں)، غلط ٹھہرتا ہے اور ان کے اصول کو توڑ دیتا ہے اور وہ جو کہا ہے کہ "وہ عقل سے بالاتر ہے"۔ اس معنی سے ہے کہ عقل وہاں راہ نہیں پا سکتی اور وہ اس کے ادراک سے قاصر ہے نہ یہ کہ عقل اس کے برخلاف حکم کرتی ہے وہ اس کے برخلاف کس طرح حکم لگا سکتی ہے کہ اس نے اس کا تصوّر بھی نہیں کیا ہے بلکہ وہ اس کے ادراک کے احاطہ سے باہر ہے تو اس کے اثبات اور نفی کے حکم کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

مکتوب نمبر ۱۱۳

ملا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ صفات حیوٰۃ اور علم اور باقی تمام کمالات سے متصف ہیں اور صفات کے ذات الٰہی سے قیام کا کیا معنی ہے)

اللہ تعالیٰ کی صفات جو کہ اس کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں مثلاً حیوٰۃ و قدرت و علم وغیرہا وہ اپنے کمال تنزّہ و تقدّس کی وجہ سے ممکن کی صفات سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتیں کیونکہ ممکن کی صفات اعراض ہیں جو جواہر کے ساتھ قیام رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات جواہر کو قائم کرنے والی ہیں کہ جواہر کا قیام انہی سے ہے اور پھر یہ فرق بھی ہے کہ ممکن کی صفات میت کا حکم رکھتی ہیں او جمادِ محض ہیں اور حیوٰۃ و علم وغیرہا سے بے نصیب ہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ ممکن ان کے ذریعہ سے حیّ اور عالم اور قادر بن جاتا ہے لیکن یہ سب صفات بذاتِ خود حیّ اور عالم نہیں ہیں برخلاف اللہ تعالیٰ کی صفات مقدّسہ کے کہ اس حقیر کی نظر کشفی میں وہ بھی اپنے موصوف کی طرح حیّ اور عالم ہیں اور اپنے کمالات کی تفصیل سے واقف ہیں اور ان پر فریفتہ ہیں لیکن ان کا علم، علم حضوری

کی جنس سے مفہوم ہوتا ہے نہ کہ علم حصولی کی جنس سے۔

اور اسی طرح ہر وہ صفت یا شان جو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کی جائے ان سب میں حیوۃ و علم کا ثبوت معلوم ہوتا ہے اور خالص نور نظر آتی ہیں گویا کہ وہ نور سب کا سب علم اور انکشاف ہے اور سب کا سب حیوۃ ہے اور یہ دونوں کمال کی صفات اس جگہ ظاہر اور ہویدا ہیں برخلاف دوسری صفات قدرت و ارادت وغیرہ کے کہ اس وضاحت سے اس جگہ معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں جو کچھ درکار ہے وہ اس مقام میں کمالات کا انکشاف ہے جو کہ صفت علم سے تعلق رکھتا ہے اور چونکہ علم حیوۃ کے تابع ہے لہٰذا صفت حیوۃ سے بھی چارہ نہیں ہے اور قدرت اور ارادت مقدور اور مُراد سے وابستہ ہیں اور سمع و بصر سے علم کے ساتھ اکتفا کیا جا سکتا ہے اور کلام کا مقصود افادہ ہے اور تکوین مکوّنات کے حصول کے لئے ہے۔

اس کے باوجود ہر صفت چونکہ جامع ہے تو لازماً یہ صفات کمال ان میں ثابت ہیں ظاہر ہوں یا نہ ظاہر ہوں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس بیان سے لازم آیا کہ "معنیٰ کا قیام معنیٰ سے ہو" کیونکہ صفات جب حیّ اور عالم ہوں گی تو ان سے حیوٰۃ و علم کے قیام سے چارہ نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ دونوں کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے ایک اصلی طور پر اور دوسری تبعیت میں چنانچہ علماء نے اعراض کی بقا میں کہا ہے کہ عرض اور بقائے عرض دونوں محل عرض سے قائم ہیں۔

اور اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات کا قیام خدا تعالیٰ کی ذات سے اس طرح کا نہیں ہے جیسے عرض کا قیام جوہر سے ہوتا ہے ہرگز نہیں بلکہ ان کا قیام اس طرح ہے جیسے مصنوع کا قیام صانع سے ہوتا ہے کہ صانع اپنے مصنوع کا قیوم ہے اگرچہ اس جگہ اتصاف ہے اور اس جگہ اتصاف نہیں ہے، بلکہ ان کا قیام کسی چیز کے اپنی ذات سے قیام کی طرح ہے اتنا فرق ہے کہ اس جگہ زیادتی ثابت ہے اور اس جگہ زیادتی متصور نہیں ہے لیکن وہ زیادتی غیریت کی حد تک نہیں پہنچاتی ہے کیونکہ علماء نے "نہ اُس کا غیر ہیں" فرمایا ہے پس دونوں جگہوں میں تغایر اعتباری ثابت ہُوا اور قیام متحقق ہُوا اور اتصاف کا حصول اس جگہ انسان کے انسانیت سے اتصاف کی طرح ہے یا جوہر کے جوہریت کے اتصاف کی طرح۔

بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس مقام میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفاتِ حقیقیہ مقدسہ ہیں جو کہ حضرت ذات سے قائم ہیں صفت اور اتصاف کا کوئی ملاحظہ اس جگہ ثابت نہیں ہے نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں موصوفیت کا ملاحظہ ہے اور نہ صفات مقدسہ میں صفاتیت ملحوظ ہے جس صورت میں کہ وجود اور وجوب وجود کو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گنجائش نہیں ہے تو صفت و اتصاف کی کیا مجال ہے جو کہ وجود کی شاخ ہیں اس مقدس مقام میں سوائے نور کے اور کسی کو گنجائش نہیں ہے اور وہ بھی بے چون ہے اگر حیوۃ ہے تو بھی نور ہے اور اگر علم ہے تو بھی

نور ہے وعلیٰ ہذا القیاس ۔ اور اس نور اقدس بے چون کو اگر مرتبۂ ثانی میں بے تغیر و انتقال اثبات کیا جائے تو یقیناً اس کی مظہریت کے قابل سوائے وجود کے اور کوئی چیز دوسری نہیں ہو سکتی ۔ لہٰذا اس فقیر کے نزدیک تعین اول تعین وجودی ہے اور باقی سب تعینات اس تعین کے تابع ہیں اگرچہ تعین کے لفظ کا اطلاق بھی اس فقیر کے علوم کے مطابق اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا لیکن چونکہ قوم میں یہ لفظ متعارف ہو چکا ہے لہٰذا ہم بھی اس کے اطلاق میں کچھ نرمی کرتے ہیں ۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے

مکتوب نمبر ۱۱۴

(اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کے کمالات سے تعلق کی کیفیت اور اس بیان میں کہ صفتی کو اپنے قیام کے لئے علّت سے چارہ نہیں لیکن اس کے لئے اثبات محل کی ضرورت نہیں ہے اور تعین وجودی اور انبیائے متبوعین اور انبیاء تابعین اور ملائکہ کرام علی الانبیاء وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی اور اولیاء و عوام مومنین کفار اور اخروی پیدائش کے موجودات کے تعینات کا بیان)

صفات حقیقیہ جو کہ ہم مرتبۂ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں ثابت کرتے ہیں اس اثبات سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں کوئی تعین اور تنزل پیدا نہیں ہوتا اور مرتبۂ اولیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا مرتبہ ثابت نہیں ہوتا اور کسی طرح بھی ان کی علیحدگی کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی اور جب تک مرتبۂ ثانی متحقق نہ ہو اور کسی طرح سے بھی انفکاک حاصل نہ ہو تعین اور تنزل کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات حقیقیہ گویا کہ ایک مرتبہ میں ثابت ہیں اور باوجود زیادتی کے گویا کہ عین اللہ تعالیٰ کی ذات ہیں اور اگرچہ یہ صفات مقدسہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں مندرج کمالات کی تفصیل ہیں لیکن ان کا حکم باقی تمام اجمال و تفصیل سے علیحدہ ہے کیونکہ اجمال اس مرتبہ میں ہے جس مرتبہ میں تفصیل ثابت نہیں ہے بلکہ تفصیل کا مرتبہ اجمال کے مرتبہ سے پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ معنی مفقود ہے اور تفصیل عین مرتبۂ اجمال میں ہے اور یہ معرفت عقل کے طریقہ کے علاوہ ہے جس کی راہنمائی نظر کشفی کو ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم اس مرتبہ میں کہ اس صفات سے متعلق ہوا ہے ۔ اپنی ذات اور اپنے کمالات مندرجہ ذات کے علم کی طرح علم حضوری ہے اور یہ صفات باوجود زیادتی کے گویا عین عالم ہیں اور ان کا حضور حضور نفس عالم کی طرح ہے اور ان کے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کمال اتحاد ہی کی وجہ سے صوفیاء کی ایک بہت بڑی جماعت نے صفات کو عین ذات کہا ہے اور صفات کی زیادتی کا انکار کیا ہے اور لا ھُو کے لفظ سے منع کر کے لَا غَیرُہٗ سے اثبات فرمایا ہے اور کمال یہ ہے کہ باوجود تصدیق

لَا هُوَ کے لَا غَیْرُہٗ کا اثبات کیا جائے اور زیادتی کے باوجود غیریّت کی نفی کی جائے یہ کمال علوم انبیاءؑ علیہم الصلوات والتسلیمات کے علوم کے مذاق کے موافق اور آرائے صائبہ فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے مطابق ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انکشاف ذاتی اس مرتبہ میں کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے علم حضوری کے قبیل سے ہے کیونکہ صفات مقدسہ کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کا حکم ہے جیسا کہ گذرا اور وہ جو ہم نے کہا ہے کہ وہ علم حضوری کی جنس سے ہے وہ اس لئے کہ علم حضوری عبارت ہے حضور نفس عالم سے اور صفات نفس عالم نہیں ہیں تو چاہیئے کہ ان کا علم علم حضوری نہ ہو لیکن جب کوئی صورت ان سے الگ نہیں ہوتی اور ان کا حضور نفس ثابت ہے تو وہ علم حضوری کے قبیل سے ہوں گی اور وہ انکشاف جو صفت علم سے تعلق رکھتا ہے۔ علم حصولی کے قبیل سے ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ علم حصول کے قبیل سے ہے اور اس لئے کہ علم حصولی عقل میں معلوم سے حاصل ہونے والی صورت سے عبارت ہے۔

اور اس فقیر کے نزدیک محقق اور مکشوف ہوا ہے کہ کسی معلوم کی کوئی صورت اللہ تعالیٰ کے علم میں منتقش نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم کسی صورت معلومہ کا محل نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ (عالم) کی ذات میں صورت کا حصول کس طرح ہو سکتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا معلوم سے ایک قسم کا تعلق ہے اور اس کے متعلق ایک انکشاف ہے بغیر اس کے کہ معلوم کی کوئی صورت علم میں ثابت ہو اور علم کا خانہ تمام نقوش اور صُوَر علمیہ سے خالی اور مصفّا ہے اور اس کے باوجود اس کے علم سے ایک ذرّہ کے برابر بھی کوئی چیز زمین میں یا آسمانوں میں اس سے مخفی نہیں ہے۔

اس قدر مکشوف ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا علم کسی معلوم سے تعلق پیدا کرتا ہے اور اس تعلق سے معلوم کی ایک صورت الگ ہو جاتی ہے اور اس علم سے قیام پیدا کرتی ہے بغیر اس کے کہ علم میں حلول وحصول پیدا کرے اور چونکہ علم کے تعلق سے معلوم کی ایک صورت منتزع ہوتی ہے اور علم بلکہ عالم سے قیام پیدا کرتی ہے تو یہ بات درست ہو جاتی ہے کہ وہ علم حصولی کے قبیل سے ہے اور جب صفت علم اللہ تعالیٰ کی ذات میں مندرج کمالات سے تعلق پیدا کرے گی تو لازماً ان کمالات سے اس تعلق کی وجہ سے علمی صورتیں الگ ہوں گی اور علم سے قیام پیدا کریں گی اگرچہ ان کا حلول وحصول علم میں ثابت نہیں ہوتا۔

سوال:۔ ان صُوَر علمیہ کا قیام تم نے صفت علم سے پیدا کیا ہے لیکن معلوم نہ ہوا کہ ان صورتوں کا محل ثبوت کونسا ہے یعنی کہ جیسا کہ عین کے ساتھ قیام سے چارہ نہیں ہے اسی طرح محلیّت عین سے بھی اسکو چارہ نہ ہوگا؛

جواب: ہاں معنی کو عین کے ساتھ قیام سے کوئی چارہ نہیں ہے لیکن اس کے لئے محل کے اثبات کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ معنی کے لئے اثبات محل سے مقصود اس کے قیام کا اثبات ہے نہ کہ قیام پر کوئی امر زائد۔ جبکہ جواہر مجردہ ممکنہ ہیں جو کہ ان صور علمیہ کے لئے ظلال کی طرح ہیں اور وہ صُور ان جواہر کے تعینات کے مبادی ہیں فلاسفہ نے کہا ہے کہ ان کے لئے کوئی محل اور مکان ثابت نہیں ہے بلکہ کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر ان جواہر مجردہ کے اصول کا محل نہ ہو تو کونسا تعجب ہے؛ ان صور علمیہ کو اعراض کی طرح تصور نہ کرو جو کہ غیر کے ساتھ قیام رکھتے ہیں اور اعراض پر قیاس کرتے ہوئے ان کے محل کے اثبات میں نہ پڑنا کہ یہ صُور علمیہ اصول بلکہ تعینات جواہر کے مبادی ہیں کہ اعراض کا قیام ان سے ہے تو اعراض کی کیا حیثیت ہے بلکہ ہم اعراض میں بھی کہتے ہیں کہ ان کے لئے اثبات محل کا مقصود ان کے قیام محل کے ساتھ اثبات ہے نہ یہ کہ محل مستقل طور پر مقصود ہو۔

تحقیق یہ ہے کہ یہ صور علمیہ مرتبۂ وجوب میں موجود ہیں کہ محل و مکان کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے اور قیام کے سوا اس جگہ کوئی چیز متصور نہیں ہے

اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ جو کہ ذات اقدس کے ساتھ قیام رکھتی ہیں وہاں کوئی حالیت ومحلیت موجود نہیں ہے اور ثبوت ذہنی و خارجی جو کہا ہے وہ مرتبۂ امکان میں تقسیم یافتہ ہے کیونکہ اس بارگاہ میں نہ خارج کو گنجائش ہے اور نہ علم کو۔ جب وجود کو اس بارگاہ میں کوئی دخل نہ ہوگا تو وجود ذہنی اور خارجی کہ جو اس کی قسمیں ہیں اس جگہ کیا مجال ہوگی اور علم اور خارج وجود کی ظرفیت کو وہاں کیا گنجائش ہوگی۔ پس یہ صُور علمیہ ثابت ہوں گی اور علم کی صفت سے قائم ہوں گی اور کوئی ثبوت علمی و خارجی ان کو متحقق نہ ہوگا بلکہ وجود علمی و خارجی ان کے لئے عار ہوگا کیونکہ وہ امکان کی صفات اور حدوث کی علامات سے ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر ایک ممکن حادث ہے اور مرتبۂ وجوب وجود میں اگرچہ وجود ثابت ہوا ہے لیکن اس وجود کے لئے ظرفیت خارج و علم پیدا نہیں ہوئی کیونکہ ظرفیت اور مظروفیت کو اس جگہ مجال نہیں ہے اچھی طرح سنو کہ صورت معلوم نفس علم سے عبارت ہے اس کا علم میں حصول اور حلول کا کیا معنی ہوگا

پچھلے صوفیہ کرام نے کہا ہے کہ صُور علمیہ جو کہ اعیان ثابتہ سے عبارت ہیں اور ممکنات کے حقائق ہیں ان کا ثبوت خانہ علم میں ہے اور بس اور خارج علم میں ان کے وجود کی بُو بھی نہیں پہنچی ہے لیکن ان صور علمیہ کے عکوس جب ظاہر وجود کے آئینہ میں کہ اس کے سوا خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے پڑتے ہیں تو متوہم ہوتا ہے کہ وہ صور خارج میں موجود ہیں اس صورت کی طرح کہ جب وہ آئینہ میں منعکس ہوتی ہے تو وہم ہوتا ہے کہ وہ صورت آئینہ میں ہے۔

اے کاش! میں سمجھ سکتا کہ ان بڑے لوگوں کی مراد کیا ہے اور علم میں صُوَر کے حصُول کا کیا مطلب ہے اور صُوَر شہادت میں صرف نفس علم ہے اور غائب ہیں اللہ تعالیٰ کا علم ازلیٰ قدیم۔ بسیط وحدانی ہے جو معلومات متکثرہ سے متعلق ہُوا ہے اور اس کے تعلّق سے ان معلومات کی صُوَر متعدّدہ متمیزہ حاصل ہوئی ہیں بغیر اس کے کہ اس کے ازلی علم میں ان کا حصول وحلول ثابت ہو اور اس میں صُوَر متعددہ کا حلول کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ مستلزم ہے تبعّض اور تجزّی اور محل کی تقسیم اور کسی چیز کو کسی چیز کے جز فرض کر لینے کو اور یہ ترکیب کا موجب ہے جو کہ قِدم اور ازلیت کے منافی ہے

عجب معاملہ ہے کہ فلاسفہ معلوم کی صورت حاصلہ کو ذہن میں ثابت کرتے ہیں اور اس کے حلول کو ذہن میں جانتے ہیں نہ کہ علم میں کیونکہ وہ صورت ان کے نزدیک عین علم ہے نہ کہ علم میں حلول کرنے والی، اور متاخرین صوفیہ کی عبارت سے ابتدائً یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت کا حصول علم میں ہے جس کو باطن وجود کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ یہ صور علمیّہ جو کہ صفت علم کے تعلّق سے اللہ تعالےٰ کے ذاتی کمالات میں مندرج ثابت ہوتی ہیں۔ نظر کشفی سے معلُوم ہوتا ہے کہ ان کو حیوٰۃ اور علم ثابت ہے اور انکشاف جو علم حضوری کے مناسب ہوتا ہے ان کو ان کمالات کی نسبت سے جو ان میں داخل ہیں ثابت ہے جیسا کہ اس بحث کی تحقیق ایک مکتوب میں تفصیل سے بیان کر دی ہے اگر اس معرفت کی غرابت کی وجہ سے کوئی پوشیدگی رہ جائے اور ضرورت محسوس ہو تو اس جگہ رجوع کریں۔

اور جب بیان سابق سے واضح ہؤا کہ اللہ تعالےٰ کی ذات اقدس اور اس کی صفات مقدسہ ایک ہی مرتبہ میں موجود ہیں اور صفات کی زیادتی کے وجہ سے کوئی تعین اور کوئی تنزّل اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں پیدا نہیں ہُوا ہے تو جان لیں کہ اس مرتبہ مقدّسہ کا جو کہ اللہ تعالےٰ کی ذات مع الصفات کا مرتبہ ہے، مرتبہ ثانیہ میں بے شائبہ تغیّر و تبدّل پہلا ظہُور ہے اور وہ اس حقیر کے نزدیک ازروئے کشف وشہود یقیناً حضرت وجود کا مرتبہ ہے جو کہ خیر محض اور کمال خالص ہے اور تمام کمالات کے ظہُور کی بطریق ظلیت قابلیت رکھتا ہے اور غیر وجود کو یہ دولت میسّر نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی علم اس مرتبہ مقدسہ سے متعلق ہو اور اس کے کمالات کا انتزاع کرے جیسا کہ گزر چکا ہے تو یقیناً سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے منتزع ہوگی وہ حضرت وجود ہوگا اور دُوسرے کمالات اس کے توابع ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کی ایک بہت بڑی جماعت نے وجود کو عین ذات تصوّر کیا ہے اور تعین وجود کو لاتعین جانا ہے اور اس تعین اسبق کا ثبوت علم وخارج سے الگ ہے جیسا کہ اس معنی کی تحقیق کئی جگہ پر ہو چکی ہے اور یہ حضرت وجود بطریق ظلیت تمام کمالات ذاتیہ وصفاتیہ کا اجمالاً جامع ہے اور اس مرتبہ جامع اجمالیہ کی تفصیل ہے

کہ جسے تعین ثانی کہا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلی چیز جس نے مرتبۂ تفصیل میں ثبوت پیدا کیا وہ حیوٰۃ کی صفت ہے جو تمام صفات کا اصل ہے اور یہ صفت حیوٰۃ گویا کہ اس صفت حیوٰۃ کا ظل ہے جو کہ اللہ تعالےٰ کی ذات کے مرتبہ میں ثابت ہے اور " نہ وہ وہ ہے اور نہ وہ اس کا غیر ہے " اس کے حق میں ثابت ہے اور یہ ظل جب ایسے مرتبہ میں پیدا ہوا ہے جو کہ اللہ تعالےٰ کی ذات کے مرتبہ سے الگ ہے تو یقیناً " نہ اس کا غیر ہے" اس کے حق میں ثابت نہیں ہوگا اور وہ غیریت کے داغ سے داغدار ہوگا اور صفت حیوٰۃ کے بعد صفت علم بطریق ظلیت جیسا کہ صفت حیوٰۃ میں گذرا ہے ثابت ہے اور یہ صفت تمام صفات کی جامع ہے

اور صفت قدرت اور ارادہ وغیرہ ہی باوجود استقلال کے گویا کہ اس کے اجزاء ہیں کیونکہ اس صفت کو اللہ تعالےٰ سے اس طرح کا اتحاد ہے کہ اس کے غیر کو نہیں ہے کیونکہ علم حضوری کی صورت میں علم اور عالم اور معلوم کا اتحاد ہے۔ اور قدرت ہرگز قادر اور مقدور سے متحد نہیں ہے اور ارادات میں جو دو مقدوروں میں سے ایک کا ترجیح ہے اس میں بھی یہ اتحاد ثابت نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس

اور اس فقیر کے نزدیک مبداء تعین حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ بالاصل تعین اول ہے۔ جو کہ تعین وجودی ہے اور اس تعین کا مرکز جو کہ اس کے اجزاء میں سے اشرف ہے وہ حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کا مبداء تعین ہے جیسا کہ اس بحث کی تحقیق ایک مکتوب میں تفصیل سے ذکر ہو چکی ہے اور چونکہ حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت اسرافیلی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ولایت ہے تو یقیناً حضرت اسرافیل کا مبداء تعین بھی یہی تعین وجودی ہوگا علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہر پیغمبر اور ہر رسول کا مبداء تعین اصل میں اس تعین اول وجودی کے حصص میں سے ایک حصہ ہے اور اگر کسی کو امتوں میں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی برکت سے اس تعین اول وجودی سے کچھ حصہ ہو اور حصہ یا نقطہ اس تعین کے حصص یا نقاط میں سے اس شخص کا مبدأ تعین ہو تو جائز ہے بلکہ واقع ہے اور جب تک اس تعین میں مبداء تعین پیدا نہ ہو اس وقت تک بالاصل اللہ تعالےٰ کی ذات تک وصول کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور علیین کے ملائکہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ اللہ تعالےٰ کے مقرب ہیں ان کے مبادی تعینات بھی اسی تعین وجودی میں ہی کہ اللہ تعالےٰ کی ذات تک وصول اسی سے وابستہ ہے جاننا چاہیئے کہ یہ صفت علم جو کہ مرتبۂ تفصیل میں تعین وجودی میں پیدا ہوا ہے اگرچہ یہ حصہ ہے اس تعین وجودی کے حصص میں سے لیکن چونکہ وہ جامعیت رکھتا ہے تو گویا کہ نفس وجود کی طرح اس تعین کے تمام حصص کا جامع ہے اور اس کا اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی اجمال مرکز دائرہ کا حکم رکھتا ہے اور تفصیل محیط کا حکم پس اس تعین علمی کا

مرکز جو اجمال ہے گویا کہ اس تعیّن اوّل وجودی کے مرکز کا ظل ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے ایک جماعت نے یقین کر لیا ہے کہ حضرت خاتم الرسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعیّن حضرت علم کا اجمال ہے نہیں بلکہ یہ اجمال آپ کے مبداء تعیّن کا ظل ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ تعیّن اوّل وجودی کا مرکز ہے جیسا کہ گذر چکا اور پھر اس اجمال علم کو تعیّن اوّل بھی کہا ہے اور مرتبۂ فوق کو لاتعیّن جانا ہے اور عین حضرت وجود سمجھا ہے ہاں عین وجود ضرور ہے لیکن تعیّن سے منسوب ہے جیسا کہ گذر چکا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ تعیّن اوّل اگرچہ اس میں مندرج حصص انبیاء کرام اور ملائکہ علییّن عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی تعیّن ہیں لیکن چونکہ اس مرتبہ میں اجمال ثابت ہے اس لئے ہر ایک کے مبادی علیحدہ علیحدہ تفصیل سے معلوم نہیں ہوتے اور ان کو کسی نام سے مسمّٰی نہیں کہا جا سکتا۔ اور جب اس میں تفصیل پیدا ہوگئی تو ہر ایک کے مبادی الگ ہو گئے اور ان کا نام بھی علیحدہ ہوگیا مثلاً اس تعیّن اوّل وجودی کا ایک حصّہ اسم الحیواۃ ہے اور دوسرا حصّہ اسم العلم ہے علیٰ ہٰذا القیاس اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ اسم الحیواۃ اپنی جامعیت کی وجہ سے ملائکہ علییّن عظام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ حضرت رُوح اللہ کو جو کہ مناسبت ملأ اعلیٰ سے رکھتے ہیں اس مقام سے علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان چونکہ حضرت رُوح اللہ سے ایک خاص مناسبت رکھتے ہیں اس مقام لئے مبداء ہیں جاننا چاہیئے کہ صفات ثمانیہ ہیں سے جس صفت نے بھی مرتبہ تعیّن ثانی میں تفصیل پائی ہے وہ ہر ایک پیغمبر بزرگ مقتدا کا مبدأ ہے، چنانچہ علم مثلاً حضرت خاتم الرسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبداء ہے اور قدرت حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین ہے اور تکوین حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ تعیّن اور ان اسماء کلیہ مقدّسہ کے جزئیات باقی انبیاء کے مبادی تعینات ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام ان بزرگواروں میں سے ہر گروہ جو کسی خاص اسم سے مناسبت رکھتا ہے اور کسی خاص مقتدا نبی سے نسبت رکھتا ہے تو ان کو اس اسم کے جُزئیات سے جو کہ ان کے مبادی تعینات ہیں مناسبت ہے اور اولیاء جو کہ مقتداء پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کے قدم پر ثابت ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام تو ان کے مبادی تعینات اس اسم کے جزئیات کے جزئیات ہیں جو کہ اس پیغمبر کا مبداء تعیّن ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور اسی طرح تمام مومنوں کے تعینات اس اسم کے جزئیات کے جزئیات ہیں جو کہ اس پیغمبر کا مبداء تعیّن ہے کہ یہ اس کے قدم پر ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اور کفار کے مبادی تعینات اسم مُضِلّ سے تعلّق رکھتے ہیں اور ان مبادی مذکور سے علیحدہ ہیں اور جب ممکنات کے مبادی تعینات معلوم ہو گئے تو اب یہ جان لو کہ وجوب کا تمام دائرہ ان تعینات کے انتہا تک ہے اس کے گذر جانے سے دائرہ ممکنات کا شروع ہے اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنے

کمال کرم اور اپنے احسان سے اپنے فیوض و انعامات کو دوسروں کو عطا فرمائے اور گنج بخشی کرے تو اس نے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے وجود اور توابع وجود کے کمالات ان کو بخشے بغیر اس کے کہ اس جگہ سے کوئی چیز جدا ہو اور اس جگہ ملحق ہو جائے کہ وہ نقص کے علامات سے ہے اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہیں۔ پیدا کرنے کا مقصد احسان و انعام ان کو عطا کرنا ہے نہ کہ ان کے ذریعہ سے اپنے اسمائی و صفاتی کمالات کو مکمل اور پورا کرنا حاشا و کلا۔ اسماء و صفات اپنی ذات میں کامل ہیں اور ظہور اور مظہر کی ان کو کوئی محتاجی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں تمام کمال بالفعل حاصل ہیں نہ کہ بالقوۃ کہ ان کا حصول کسی امر سے وابستہ ہو۔

اگر شہود و مشاہدہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں خود بخود ہے اور اگر علم و معلوم ہے تو بھی خود عالم اور خود معلوم ہے اور اسی طرح خود متکلم ہے اور خود سامع ہے اس جگہ تمام کمالات مفصل اور متمیز ہیں لیکن بعنوان بے چونی کیونکہ چون کو بے چون میں کوئی راہ نہیں ہے مخلوق کی کیا حیثیت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کا آئینہ بن سکے ؎

وٗے کدام آئینہ در آید او[1]

اور عالم کی کیا حیثیت ہے کہ اس اجمال کی تفصیل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عین اجمال میں تفصیل ہے اور عین تنگی میں وسعت ہے اور چونکہ تفصیل و وسعت اس جگہ بے چون ہے لہٰذا متوہم ہوتا ہے کہ اجمال کو تفصیل درکار ہے جو کہ خلق عالم سے وابستہ ہے اور اس اجمال کی تکمیل اس تفصیل سے ہے اور حق یہ ہے کہ اس جگہ اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی، جیسا کہ پہلے گزر چکا وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔

جاننا چاہیئے کہ اس عالم کی پیدائش ایسے مرتبہ میں واقع ہوئی ہے کہ اس کو اس مرتبہ مقدسہ سے کوئی مزاحمت اور مدافعت نہیں ہے دو موجود میں سے ایک کا وجود اگرچہ دوسرے کے وجود کی تحدید کا تقاضا کرتا ہے لیکن یہ قاعدہ اس جگہ مفقود ہے کہ وجود عالم نے اس مرتبۂ مقدسہ سے کوئی حد اور کوئی نہایت پیدا نہیں کی ہے اور کسی نسبت اور جہت کا اثبات نہیں کیا ہے وہ صورت جو آئینہ میں متوہم ہوتی ہے اس کا ثبوت مرتبۂ وہم میں ثابت ہے اور اس ثبوت کو ثبوت زید سے کوئی مزاحمت اور کوئی مدافعت نہیں ہے جو کہ اس صورت کا اصل ہے اور اس صورت کے ثبوت نے کوئی حد اور کوئی نہایت اپنے اصل کے ثبوت میں پیدا نہیں کی ہے اور کوئی نسبت اور کوئی جہت حاصل نہیں کی ہے۔ عالم کا وجود اس صورت کے وجود کی طرح ہے جو مرتبۂ وہم میں ثابت ہے اور اپنے اصل سے کوئی مزاحمت نہیں رکھتی جو کہ خارج میں موجود ہے اور اس صورت کے وہمی ثبوت سے کوئی حد اور نہایت اور جہت اس ثبوت خارجی میں جو کہ اس صورت کا اصل ہے پیدا نہیں

[1] وہ کون سے آئینہ میں سما سکتا ہے ۱۲۔

ہوئی وَ لِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ کے لئے بلند مثل ہے)

اس تحقیق سے اس بات کی حقیقت معلوم ہوگئی جو کہا ہے کہ عالم مرتبۂ وہم میں ثابت ہے یعنی عالم نے اس مرتبہ میں پیدائش حاصل کی ہے کہ وہ مرتبہ مرتبۂ وہم کے مشابہ ہے جو کہ آئینہ میں منعکس ہونے والی صورت کے لئے ثابت ہے اپنے اصل کی نسبت سے جو کہ خارج میں موجود ہے۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وجود خارجی کا اطلاق بھی اس مرتبۂ مقدسہ میں تشبیہ و تنظیر کے قبیل سے ہے کہ خارج کو بھی اس جگہ گنجائش نہیں ہے اور جب وجود بھی اس مرتبہ مقدسہ میں کوتاہی کرے تو خارج کیا ہے کہ وہ وجود کی شاخ اور اس کی قسم ہے۔

خاتمۂ حسنہ: یہ تمام مبادی تعینات جو مذکور ہوئے وہ خواہ تعیّن وجودی جملی سے ہوں یا تفصیلی سے یہ اس دُنیاوی پیدائش کے ممکنہ موجودات کی نسبت سے ہیں اور اس پیدائش کی موجودات کا وجود و تشخص ان مبادی عالیہ سے وابستہ ہے۔ لیکن موجودات اُخرویہ مشہود ہوتا ہے کہ مبادی مذکورہ سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ ان کے مبادی تعینات امور دیگر ہیں اور وہ امور اس فقیر کے نزدیک کمالات ذاتیہ ہیں کہ ان کے پاک دامن پر ظلیت کی گرد نہیں پہنچی ہے اور وہ اس مرتبۂ اقدس میں اندراج رکھتے ہیں بلکہ اس مرتبۂ مقدسہ میں مفصل اور ممیز ہیں۔ لیکن تفصیل اور تمیز بے چونی ہے۔

وہ کمالات مفصلہ ذاتیہ مقدسہ کہ ان میں ہر ایک اُخروی پیدائش کی موجودات سے کسی موجود کا مبدأ تعین ہے تو گویا کہ اہل بہشت کو ان تعینات وجود جملی اور تفصیلی سے جو کہ دنیوی پیدائش سے تعلق رکھتے ہیں کوئی تعلق نہیں ہے اور اُس پیدائش کی موجودات دائمہ کا کیا بیان کروں کہ اس مرتبۂ مقدسہ سے وہ کیا کیا حصے اور حظ رکھتے ہیں ؎ هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا[1]

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيَّ وَاَجْمَلُ[2]

اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مکتوب نمبر ۱۱۵

عرفان پناہ میرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

(ان کے سوالات کے جوابات کے متعلق)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اس علاقہ کے فقراء کے حالات قابل تعریف

---

[1] نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں ۱۲۔ [2] اور اس کے بعد ایسی چیز ہے جس کا بیان نہایت دقیق ہے اور اس کا چھپانا میرے نزدیک کتنا لذت بخش اور کتنا اچھا ہے۔

ہیں اور اللہ تعالےٰ کی جناب سے تمہاری سلامتی اور عافیت کی دُعا ہے۔

آپ کے گرامی نامہ سے جو آپ نے از رُوئے شفقت و مہربانی اس فقیر کے نام لکھا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا آپ نے شوق کا اظہار فرمایا تھا کہ حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں اپنے متعلّقین کے ساتھ اقامت اختیار کروں اور وہیں مدفون ہوں۔

میرے مخدوم و مکرم! متعلّقین کا جانا نظر میں نہیں آتا بلکہ نزدیک ہے کہ ان کی ممانعت معلوم ہو اگر آپ تنہا جائیں تو میرے دیکھنے میں اچھّا ہے اور امّید ہے کہ آپ سلامت پہنچ جائیں گے اور معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد ہے۔

پھر آپ نے کچھ سیّد صاحب کے متعلّق لکھا ہے کہ طبیب ان کی تکلیف کا فیصلہ کرتے ہیں میرے مخدوم شفقت آثار اس فقیر کی نگاہ میں اگرچہ غور سے دیکھا جائے کوئی تکلیف اس مکرم میں معلوم نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ ایک تاریکی سی اس جگہ محسوس ہوتی ہے جو اس ضرر کی تاریکی کے علاوہ ہے معلوم نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ مختصر یہ کہ طبیب جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ نہیں ہے اور جو تاریکی ہے وہ کسی اور درجہ سے ہے اور معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد ہے

اور میرے فرزند محمد سعید بہت کمزور ہو چکے ہیں اللہ تعالےٰ کی تعریف اور احسان ہے کہ اب رُو بصحت ہیں اور عافیت سے ہیں آپ سے دُعا کی درخواست ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک خواجہ کمال الدین حسین اپنے بھائی بہنوں سمیت اخیر زمانہ کے صدمات سے محفوظ رہیں اور میرے مخدوم زادگان کرام ظاہر اور باطنی جمعیت سے آراستہ رہیں۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۱۱۶

خواجہ ابو المکارم کی طرف صادر فرمایا

(مخلوق خداوندی کی خدمت گذاری کی ترغیب کے بیان میں)

اللہ سُبحانہ وتعالےٰ حدّ اعتدال اور مرکز عدالت پر استقامت عطا فرمائیں کتنی بڑی دولت ہے کہ اللہ تعالےٰ عطیات کے بخشنے والے اپنے کسی بندے کو بعض فضائل اور بزرگیوں سے مخصوص فرمائیں۔ اور اپنے بندوں کی ایک جماعت کی حاجتوں کی کُنجی اس کے تصرّف کے ہاتھ کے حوالہ کر دیں اور اس کو اس جماعت کا ملجا و ماویٰ بنا دیں۔

کتنی بڑی نعمت ہے کہ اپنی مخلوق کی ایک جماعت کو جن کو اپنے کمال کرم سے اپنا عیال فرمایا ہے اس کے ساتھ وابستہ کر دے اور ان کی تربیت اس کے سپرد کر دے بڑا خوش قسمت ہے جو اس دولت کا شکریہ ادا کرے اور بڑا ہوشمند ہے جو اس نعمت کے شکریہ کی طرف توجہ کرے اور اپنے مالک کے عیال کی خدمت گاری کو اپنی خوش قسمتی سمجھے اور اپنے مالک کے غلاموں اور لونڈیوں کی تربیت کو اپنی بزرگی خیال کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف ہے کہ اُس علاقہ کے لوگ آپ کے اچھے تذکرہ سے رطب اللسان ہیں اور آپ کے کرم واحسان کی باتیں اپنی زبان پر لاتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۱۷

مولینا شیخ غلام محمد کی طرف صادر فرمایا

(اس آیت کریمہ کے بیان میں اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی الآیہ۔ اور دوسرے اعتراضات کے بیان میں)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ شیخ اجل قدس سرہ نے اپنی کتاب العوارف کے دوسرے باب میں اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ۔	اس میں اس آدمی کے لئے نصیحت ہے جس کا دل ہو یا حاضر طبیعت سے کان لگائے۔

"ابو بکر واسطی نے کہا ہے کہ یہ ایک مخصوص قوم کے لئے نصیحت ہے سب لوگوں کے لئے نہیں اور وہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ" (کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا) واسطی نے یہ بھی کہا ہے کہ "مشاہدہ ذہول پیدا کرتا ہے اور حجاب سمجھ لاتا ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تجلی کرتے ہیں تو وہ جھک جاتی ہے اور دبک جاتی ہے۔"

شیخ (صاحب العوارف) نے کہا اور جو کچھ واسطی نے کہا ہے وہ کچھ لوگوں کے حق میں صحیح ہے اور یہ آیت کچھ دوسرے لوگوں کے لئے اس امر کے خلاف فیصلہ کرتی ہے اور وہ ہیں ارباب تمکین ان کے لئے مشاہدہ اور فہم دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ جو کچھ واسطی نے پہلے کہا ہے وہ دلالت کرتا ہے کہ نصیحت اہل تمکین کے لئے ہے خصوصاً کیونکہ وہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد زندہ کیا ہے یعنی ان کو فنا کے بعد بقا سے مشرف کیا ہے اور اہل تلوین کے لئے نہ فنا ہے نہ بقا اور نہ ان کو دوسری زندگی عطا ہوئی ہے کیونکہ وہ وسط طریق میں ہیں اور فنا وبقا انتہا کے احوال ہیں اور ان کا دوسرا قول اگر انہوں

نے آیت کے بیان میں کہا ہے تو دلالت کرتا ہے کہ نصیحت حجاب اور پوشیدگی کی حالت میں اہل تلوین کے لئے ہے نہ کہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے وقت کیونکہ وہ نسیان کا وقت ہے تو یہ قول آپ کے پہلے قول کے منافی ہے اور اگر آپ نے اس معرفت کو اپنے توسط حال میں کسی اور مقام پر نہ کہ اس آیت کے بیان میں کہا ہو پھر نہ کوئی منافاۃ ہے اور نہ شیخ قدس سرہٗ کو کوئی اعتراض ہے کہ جو واسطی نے کہا ہے وہ کچھ لوگوں کے حق میں صحیح ہے اور وہ اہلِ تلوین ہیں اور یہ آیت اس امر کے برخلاف کچھ اور لوگوں کے لئے فیصلہ کرتی ہے اور وہ ارباب تمکین ہیں کیونکہ واسطی نے آیت کے معنی میں بیان کیا ہے کہ نصیحت اربابِ تمکین کے لئے مخصوص ہے کیونکہ وہی موت کے بعد زندہ ہوئے ہیں نہ کہ اہلِ تلوین۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ نے اہلِ تلوین کے احوال میں ایک مستقل معرفت کا بیان کیا ہے جس کا آیت کے بیان سے تعلق نہیں ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ وہ آیت کے حکم کے خلاف کہتے ہیں اس لئے کہ آیت ایک قوم کے حق میں وارد ہوئی ہے اور یہ معرفت ایک دوسری قوم کے احوال کا بیان ہے اور اگر واسطی نصیحت کو ابتداء میں اہلِ تمکین سے مخصوص نہ کرتے اور نصیحت کو اہلِ تلوین کے لئے بھی ان کی حالت احتجاب میں اپنے دوسرے قول سے ثابت کرتے تو آپ کے دونوں قولوں میں کوئی منافات نہ ہوتی اور نہ ہی شیخ کا اعتراض ان پر وارد ہوتا۔

اور میرے نزدیک ظاہری طور پر اس آیت میں دونوں فریق کے حال کا بیان ہے ”جس کا دل ہے“ وہ اربابِ قلوب ہیں جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں اور وہ اصحابِ تلوین ہیں، اور اللہ تعالےٰ کا یہ قول اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ یہ اہلِ تمکین کے حال کا بیان ہے کیونکہ اُنہوں نے عین شہود کی حالت میں فہم کے لئے اپنے کان رکھے ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلی قوم کے لئے نصیحت بعض اوقات میں ہے اور دوسری قوم کے لئے تمام احوال میں جیسا کہ تمہیں معلوم ہے اور اگر شیخ قدس سرہٗ اس طرح کہتے، کہ یہ آیت اس امر کے خلاف ایک دوسری قوم کے لئے ”بھی“ فیصلہ کرتی ہے تو زیادہ مناسب ہوتا اور کلمہ اَو منع خلو کے لئے ہے وہ نصیحت میں فریقین کے جمع ہونے کے منافی نہیں ہے۔

پھر شیخ نے اس کے بعد کہا ہے کہ فہم کا مقام محادثہ اور مکالمہ کا محل ہے اور وہ ہے دل کا سُننا اور مشاہدہ کا مقام دل کا دیکھنا ہے پھر جو آدمی حال کے تُسکر میں ہو اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم ہو جاتے ہیں اور جو صحو اور تمکین کی حالت میں ہو تو اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم نہیں ہوتے کیونکہ وہ حال کی پیشانی اپنے اختیار میں رکھتا ہے اور وجودی آلہ سے جو کہ بات سمجھنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے سمجھتا ہے کیونکہ فہم و الہام اور سماع کا مَورد ہے اور الہام اور سماع وجودی آلہ کے خواہاں ہیں اور یہ جو وجود عطا کیا

جاتا ہے۔ یہ مقام صحو میں تمکن کے لئے دوسری مرتبہ عطا کیا جاتا ہے اور یہ وجود اس وجود کے علاوہ ہے جو مشاہدہ کے نور کے چمکنے کے وقت اس آدمی کے لئے جو فنا کے راستہ سے بقا کے مقام تک چلا جائے لاشے ہو جاتا ہے۔ انتہی،

تو موضع فہم اللہ تعالٰے کے ساتھ محادثہ اور مکالمہ کا محل ہے اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم ہو جاتے ہیں یعنی وہ مشاہدہ کے وقت سمجھ نہیں رکھتا اور وہ اہل تلوین کا حال ہے مشاہدہ کے وقت اُن کو نسیان ہو جاتا ہے جیسا کہ واسطی نے کہا ہے اس کے کان اس کی آنکھوں میں گم نہیں ہوتے یعنی وہ عین مشاہدہ کی حالت میں بھی سمجھتا ہے اور یہ اہل تمکین کا حال ہے جو مشاہدہ اور فہم کو جمع کرتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور لِمَنْ جَازَ (جو گذر جائے) یہ آپ کے قول مَوْهُوْبًا سے متعلق ہے یعنی عطا کیا جاتا ہے اس آدمی کو جو فنا سے گذر جائے اور بقا تک پہنچ جائے۔ یہ تو مخفی نہیں ہے کہ اہل تلوین میں مشاہدہ کا کیا معنی ہے؟ اور مشاہدہ ذات میں ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے اور وہ ابھی ذات تک نہیں پہنچا ہے تو اس کے حق میں صفات متخیلہ متلونہ کا مکاشفہ بہتر ہے اور جو مکاشفہ ذات میں ہے اس میں نہ تلوین ہے نہ تغیر اور اس مقدس مرتبہ میں ایسا نہیں ہوتا کہ کبھی نسیان ہو اور کبھی شعور، بلکہ عین ذہول میں بھی شعور رہے اور نفس شہود میں بھی فہم ہے۔

اور شیخ قدس سرہٗ کے ظاہر کلام سے دل کی آنکھوں سے دنیا میں مشاہدہ کا وقوع جائز معلوم ہوتا ہے اور صاحب تعرف (کلابازی) قدس سرہٗ نے جو کہ صوفیاء کے امام ہیں اللہ تعالٰی کی دل اور آنکھ سے رویت کو ناممکن کہا ہے اور اس پر اجماع کا دعوٰی کیا ہے اس نے کہا ہے اور انہوں نے اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالٰے دُنیا میں نہ آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں نہ دل سے مگر یقین کی جہت سے اور جو کچھ صاحب تعرف قدس سرہٗ نے کہا ہے وہ میرے نزدیک صواب سے زیادہ قریب ہے بلکہ وہی صواب ہے کیونکہ متخیل ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالٰے ہے جو دیکھا جا رہا ہے تو وہ صرف خیال کی رویت ہے یعنی یقین کے لئے خیال میں صورت کا کشف ہے جو دل کو حاصل ہوتا ہے اور موقن بہ (جس کا یقین کیا گیا ہے) کی بھی ایک صورت ہے جس کا دل پر کشف ہوتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالٰے کے لئے مثال کو جائز رکھا ہے اگرچہ اللہ تعالٰے کی مثل نہیں ہے۔ فَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى اور خیال میں یقین اور موقن بہ صورت کی نقش ہے اگرچہ اللہ تعالٰے کی فی الواقع کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ معانی جو دل کو حاصل ہوتے ہیں اور تمام لطائف کے لئے بلکہ ہر وہ چیز جو پائی جاتی ہے یا پائی جائے گی اس کے خیال میں ایک صورت ہے جو کہ عالم مثال کے مشابہ ہے جو کہ تمام عوالم سے زیادہ وسیع ہے پس اس جگہ صرف دل کا یقین ہے اور یقین کی صورت ہے اور موقن بہ کی صورت ہے جو کہ خیال میں صورت رویت اور صورت مرئی کی مثال ہے اور حقیقت میں دل کے لئے اللہ تعالٰے کی رویت

نہیں ہے چہ جائیکہ آنکھ کے لئے رویت ہو وہ صرف دل کے لئے مثالی صُورت ہے جو کہ رویت کی صورت میں اس کا یقین متمثل ہُوا ہے اور مُوقِن بہ مرئی کی صورت میں متمثل ہُوا ہے پس سالک خیال کرتا ہے کہ اس نے حقیقت میں اللہ تعالےٰ کو دیکھا ہے حالانکہ وہ صرف ایک خیالی رویت ہے۔

بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ موقن بہ کی صورت اللہ تعالیٰ کی صورت مثالیہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک کشفی صُورت ہے جس کے ساتھ یقین متعلّق ہے جو کہ خیال میں ظاہر ہوئی ہے اور اس سے اللہ تعالےٰ کی پناہ کہ اس کی کوئی صورت ہو اگرچہ وہ خیال ہی میں ہو اور سوائے اس کے نہیں کہ وہ سالک کے دل کے بعض مکشوفات کی وجوہ و اعتبارات کے لحاظ سے ایک صورت ہے کہ جن کا تعلّق اللہ تعالےٰ کی ذات سے ہے اور یہی ہے کہ جب عارف اللہ تعالےٰ کی ذات تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے ایسے خیال متخیّل نہیں ہوتے پس اللہ تعالےٰ کی ذات کے لئے کوئی صورت نہیں ہے اگرچہ خیال اور مثال میں ہو اور میرے نزدیک اللہ تعالےٰ کی مثال نہیں ہے جیسا کہ اس کے لئے مثل نہیں ہے کیونکہ صورت حد اور نہایت کو مستلزم ہے اگرچہ مراتب میں سے کسی مرتبہ میں ہو اور اللہ تعالےٰ تحدید اور تقیید سے پاک ہے اور تمام مراتب اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہیں۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لے۔

تمام تعریفیں اس اللہ تعالےٰ کو ہیں جس نے ہمیں خیال کا بادشاہ دیا اور اس کو معانی کمال کی صورتوں کے حصول کے لئے آئینہ بنایا اور اگر خیال نہ ہوتا تو ہم کو درجات اتصال و درکات انفصال کا ادراک نہ ہو سکتا اور نہ ہی ہمیں احوال کی واردات کا علم ہوتا کیونکہ ہر ایک معنی اور حال کی اس میں ایک صورت ہے اگر اس کا کشف ہو جائے تو اس سے اس معنی اور حال کا ادراک ہو سکتا ہے۔ پس سیر و سلوک کے ساتوں لطائف کی کیفیّت اور ایک سے دوسرے حال میں تبدیل ہونا سو ان میں خیال کی کیفیّت یہ ہے کہ وہ سیر اور سلوک کے درجات جو کہ سالک کو حاصل ہوتے ہیں اس میں منقوش صورتوں کے ذریعے دکھاتا ہے اور اس کے دکھانے سے ترقی کی رغبت زیادہ ہو جاتی ہے اور اس کے دکھانے سے یہ فائدہ بھی ہے کہ سیر بصیرت پر حاصل ہوتی ہے اور سلوک معرفت پر میسّر ہوتا ہے اور اس کے غلبہ سے سالک جہالت سے نکل جاتا ہے اور اہل علم سے ہو جاتا ہے سو اللہ تعالےٰ ہی کے لئے اس کی بھلائی ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۱۱۸

مولانا عبد القادر انبالی کی طرف صادر فرمایا

شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب العوارف کے دوسرے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مرفوع حدیث کے بیان میں کہا ہے کہ قرآن کی جو بھی آیت اتری ہے اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اور ہر ایک حرف کی ایک حد ہے اور ہر ایک حد کے لئے ایک جھانکنے کی جگہ ہے"۔
اور میرے دل میں خیال گزرتا ہے کہ مُطَّلَعْ کا مطلب آیت میں گہرے اسرار اور دقیق معانی پر صفائے فہم کی وجہ سے واقف ہونا نہیں ہے لیکن مُطَّلَعْ یہ ہے کہ ہر آیت کی تلاوت کے وقت قاری کو اس آیت کے کلام کرنے والے کا شہود حاصل ہو کیونکہ اس کی اوصاف میں سے کسی وصف کی اور صفات میں سے کسی صفت کی سپردگی کا وہی مقام ہے تو اس کے لئے آیات کی تلاوت اور ان کے سماع کے وقت تجلیات نئی سے نئی ہوں گی جو اس کے لئے اللہ تعالےٰ کے عظیم جلال کی خبر دینے کے لئے آئینہ کا کام دیتی ہیں۔ اور اس توجیہ اور اس کی شرح کی تائید میں آخر تک شیخ نے جو کچھ کہا ہے وہ یہی ہے۔
اور اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے میرے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ ظَہر سے مراد قرآن مجید کا نظم ہے جو کہ معجزے کی حد تک پہنچا ہوا ہے اور بَطن سے مراد صفائے فہم کے اختلاف مراتب پر اس کے دقیق معانی اور گہرے اسرار پر اس کی تاویل وتفسیر ہے اور حد سے مراد کلام کے مراتب کی انتہا ہے اور وہ ہے کلام کرنے والے کا شہود اور وہ ہے تجلّی صفاتی جو اللہ تعالےٰ کے عظیم جلال کی خبر دیتی ہے اور مُطَّلَعْ وہ ہے جو اس تجلّی صفاتی سے اُوپر ہے اور وہ ہے تجلّی ذاتی جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کی حد اور نہایت کے لئے ایک مُطَّلَعْ ثابت کیا ہے تو مُطَّلَعْ کلام سے اوپر ہوگا، اور اس کی نہایت سے بھی اوپر، اور کلام اللہ تعالےٰ کی صفت ہے اور اس صفت کے آئینہ میں متکلم کا شہود اس صفت کی تجلّی ہے اور مراتب کی انتہا اس کا کمال ہے اور اس کی تجلّی سے اوپر کی اطلاع اس سے ذاتی تجلّی کی طرف ترقی کرنے سے ہوگی تو اس جگہ ذات کی طرف وصول صفت کلام کے ذریعہ اور نظم قرآنی کی تلاوت کے وسیلہ سے ہوگا جو اس صفت پر دلالت کرنے والا ہے تو لازمی طور پر یہاں دو قدم ہوں گے۔ ایک قدم نظم سے لے کر جو کہ مدلول کی طرف دلالت کرنے والی ہے جو کہ صفت ہے اور دوسرا قدم صفت سے موصوف تک ہے۔
عارف شعرانی قدس سرہٗ نے کہا ہے یہ وہ قدم ہے جہاں تک تُو پہنچا اور شیخ قدس سرہٗ نے صرف پہلے قدم کا ذکر کیا ہے اور اسی سے سیر کو پُورا کر دیا ہے اور تلاوت کا یہی فائدہ بیان کیا ہے اور اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ پاک ہے تُو تیرے بتائے ہوئے کے بغیر ہمیں کسی چیز کا کوئی علم نہیں ہے یقیناً تو تُو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔
شیخ شہاب الدین نے اس کے بعد کہا ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ وعن آبائہ الکرام سے یہ

بھی منقول ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ آپ سے اس کے متعلق پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں اس آیت کی برابر تکرار کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس کے کلام کرنے والے سے اس کو سُنا۔ پھر صُوفی کے لئے جب توحید کی پیشانی ظاہر ہوجاتی ہے اور وعد اور وعید کے سماع کے وقت وہ کان رکھتا ہے اور دل کو اللہ تعالٰے کے سوا سے خالص کر لیتا ہے تو وہ اللہ تعالٰے کے سامنے حاضر اور شہید ہو جاتا ہے اور تلاوت میں وہ اپنی زبان اور دوسرے کی زبان کو موسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے درخت کی طرح پاتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے ان کو اس درخت سے اپنا خطاب سنا دیا کہ "میں اللہ ہوں"۔

پھر جب اس کا سماع اللہ تعالٰے سے ہوتا ہے اور اس کا کان اللہ تعالٰے کی طرف ہوتا ہے تو اُس کے کان اس کی آنکھیں بن جاتے ہیں اور آنکھ کان بن جاتی ہے اور اس کا علم عمل ہو جاتا ہے اور اس کا عمل علم ہوتا ہے۔ اور اس کا آخر اوّل بن جاتا ہے اور اوّل آخر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اُنہوں نے کہا جب صوفی اس صفت سے متصف ہو جاتا ہے تو اس کا وقت دائمی ہو جاتا ہے اور اس کا شہود ابدی ہوتا ہے اور اس کا سماع نئے سے نیا اور متواتر ہوتا ہے۔

شیخ کا یہ قول کہ "صُوفی کے لئے جب توحید کی پیشانی ظاہر ہوتی ہے" یہ امام رضی اللہ عنہ کے قول کا بیان ہے اور متکلم سے سماع کی شرح ہے کہ صوفی پر جب توحید کے حال کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی نظر سے غیر کا شہود زائل ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالٰے کے سامنے حاضر اور شہید ہو جاتا ہے وہ ایسا محسوس کرتا ہے کہ جب وہ اپنے نفس یا کسی اور سے کوئی کلام سُنتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس نے اس کو اللہ تعالٰے سے سُنا ہے وہ اپنی غیر کی زبان کو موسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے درخت کی طرح دیکھتا ہے پس جب امام نے آیت کی تکرار کی تو اس کو اپنے نفس اور اپنی جان سے سُنا یہاں تک کہ تکرار کے اثنا میں توحید کی حالت میں ان کو ایسا معلوم ہُوا کہ اس نے اس کو متکلم (اللہ تعالٰے) سے سُنا ہے اگرچہ وہ ان کی اپنی طرف اور اپنی زبان سے صادر ہُوا تو انہوں نے اس وقت اپنی زبان کو موسوی درخت کی طرح پایا تو اس وقت زبان سے ظاہر ہونے والا کلام اس درخت سے ظاہر ہونے والے کلام کی طرح ہے کہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالٰے کا کلام ہے۔

مَیں اللہ تعالٰے کی عصمت اور توفیق سے کہتا ہوں کہ موسوی درخت سے سُنا جانے والا کلام یقیناً اللہ تعالٰے ہی کا کلام تھا یہاں تک کہ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو وہ کافر ہوگا اور زبانوں سے سُنا جانے والا کلام حقیقت میں اللہ تعالٰے کا کلام نہیں ہے اگرچہ صوفی غلبۂ توحید میں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالٰے کا کلام ہے یہاں تک کہ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا بلکہ وہ حق اور صداقت پر ہوگا۔

کیونکہ وُہ کلام زبان کی حرکت اور مخارج کے اعتماد سے حاصل ہوتی ہے اور درخت کے کلام میں اس طرح نہیں ہے اور دونوں کلاموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ پہلا کلام تحقیقی ہے اور دُوسرا تخلیلی۔

اور تعجّب ہے کہ شیخ اجل قدس سرہٗ نے توحید میں مبالغہ کیا ہے یہاں تک کہ انہوں نے تخیلی کو تحقیقی بنادیا اور بندے سے صادر ہونے والے کلام کو غلبۂ حال میں اللہ تعالےٰ سے صادر ہونے والا کلام بنادیا۔ اور اپنی کتاب کے کئی ایک مقامات پر توحید والوں نے غلبہ حال میں توحید کے متعلّق صادر ہونے والے اقوال کا انکار کیا ہے اور ان کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکایت پر محمول کیا ہے تاکہ حلُول اور اتحاد کا شائبہ پیدا نہ ہو اور اِس مقام پر اُنہوں نے حلُول کی آمیزش سے گریز نہیں کیا بلکہ اتحاد اور عینیّت کا حکم لگایا ہے۔

اور اس مقام میں حق یہ ہے کہ غلبۂ حال میں اتحاد اور عینیّت کا حکم تخییلی ہے تحقیقی نہیں ہے برابر ہے کہ اتحّاد ذات میں ہو یا صفات میں یا افعال میں، پس پاک ہے وہ اللہ جو حدوث اکوان کی وجہ سے اپنے اسماء اور صفات اور ذات میں متغیّر نہیں ہوتا اور نہ اس کے ساتھ کوئی چیز متحّد ہوتی ہے اور نہ اس کی صفات کے ساتھ کسی کی صفات متحد ہوتی ہیں اور نہ کسی کے افعال اس کے افعال کے ساتھ متحد ہوتے ہیں پاک ہے وہ۔ اللہ اللہ ہی ہے اور ممکن ممکن جو کہ اپنی ذات وصفات و افعال میں حادث ہے اور قدیم اور حادث میں اتحاد کا حکم لگانا عشق کی رنگا رنگی اور محبّت اور سُکر کے غلبات میں تو حلُول کے شائبہ اور اتحاد کے مظنّہ سے جو کہ کفر اور الحاد کو مستلزم ہے ان پر مواخذہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اُن کی مُراد نہیں ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اس سے پاک ہے کہ اُن کی مُراد وہ ہو جو اللہ تعالےٰ کی جناب کے لائق نہ ہو کہ وہ اللہ تعالےٰ کے دوست اور اس کے پیارے ہیں وہ اس سے محفوظ ہیں کہ کسی ایسی چیز کو جائز رکھیں جو اللہ تعالےٰ کے لئے جائز نہ ہو۔

اور وہ لوگ جنہوں نے حال کے بغیر ان سے مشابہت کی اور بغیر صداقت کے ان کے کلمات میں کلام کیا اور ان کی مُراد کے علاوہ ان سے کوئی اور مفہوم سمجھا تو وہ الحاد اور زندقہ میں جا پڑے یہاں تک کہ اُنہوں نے اللہ تعالےٰ کے ساتھ حلول اور اتحاد کو ثابت کیا اور ممکن کے واجب ہو جانے کا حکم لگایا پس یہی لوگ زندیق ہیں اور بحث سے خارج ہیں۔ اللہ ان کو برباد کرے یہ کدھر پھیرے جا رہے ہیں

اور یہ تو مخفی نہیں ہے کہ جو شیخ قدّس سرہٗ نے امام رضی اللہ عنہ کے قول میں بیان کیا ہے اگرچہ یہ اہلِ تلوین کی قوم میں صحیح ہے جن پر سکر کا غلبہ ہے اور ان پر توحید کا حال غالب آچکا ہے لیکن میں امام کی جلالتِ شان پر حسنِ ظن رکھتے ہُوئے ان کے اپنے حق میں اس بات کو سچّا نہیں سمجھتا کیونکہ وہ میرے نزدیک اکابر ارباب تمکین و

صحو سے ہیں ان پر متخیل متحقق سے ملتبس نہیں ہو سکتا اور نہ وہ غیر سے سماع کو اللہ تعالیٰ سے سماع سمجھ سکتے ہیں تو ان کے کلام کے لئے ان کے حال کے مناسب کوئی اچھا محمل تلاش کرنا چاہیئے جو اس توجیہ کے علاوہ ہو اور وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا کلام بلا کیف سنے جیسا کہ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہ طور پر سنا تھا۔

اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے سننے کا کیا معنی ہے کیونکہ جو سنا جاتا ہے وہ حروف اور آواز ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ بلا حرف اور آواز کے سنتے ہیں اور استحالہ وہم کی بداہت ہے جو کہ غائب کو شاہد پر قیاس کرنے سے پیدا ہوتی ہے حالانکہ ان میں فارق موجود ہے اور یہ قیاس کس طرح کیا جا سکتا ہے کیونکہ حاضر (شاہد) زمانہ کی تنگی میں ہے جو ترتیب اور تقدیم اور تاخیر کا مقتضی ہے اور غائب اس پر نہ زمانہ جاری ہوتا ہے اور نہ تقدیم و تاخیر اور ترتیب۔ تو جائز ہے کہ غائب میں کچھ ایسی چیزیں ثابت ہوں جو شاہد میں جائز نہ ہوں اس کو سمجھ لینا چاہیئے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی درست بات کو خوب جانیں۔

اور تحقیق یہ ہے کہ سماع اگر کان سے ہو تو لازمی ہے کہ سنا گیا کلام حرف اور آواز کی صورت میں ہو اور اگر سماع سننے والے کے اجزاء میں سے ہر جزء سے ہو اور حاسہ (کان) سے نہ ہو تو جائز ہے کہ اس کا حصول مسموع (سنے گئے) سے بغیر حرف اور آواز کے ہو پھر ہم پورے جسم سے سنتے ہیں اور اپنے اجزاء کے ہر جزو سے ایسا کلام سنتے ہیں جو حروف اور آواز کی جنس سے نہیں ہوتا اگرچہ وہ خیال میں حرف و آواز خیالیہ سے متخیل ہوتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ کلام جو ہمارے پورے جسم سے سنا گیا ہے وہ پہلے حروف اور آواز سے خالی تھا اور پھر دوسرے مرتبہ میں خیال میں اس نے حروف اور آواز خیالی کا لباس پہنا تا کہ فہم اور افہام کے قریب ہو جائے۔ باوجود اس کے ایک بات کہتے ہیں جو اس سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کلام کو جو حروف اور ترتیب دیئے ہوئے کلمات سے جو آگے پیچھے ہوتے ہیں مرکب ہوتا ہے سنتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا سماع بغیر حروف اور کلمات کے واسطہ سے ہوتا ہے اور اس میں ترتیب اور تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی کیونکہ وہ کلام جو مرکب اور ترتیب اور تقدیم و تاخیر والا ہوتا ہے وہ زمانہ کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر زمانہ جاری نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ زمانہ کا خالق ہے پھر جب ایسے کلام کا سماع جو حروف اور کلمات سے مرکب ہو جائز ہے کہ حروف اور کلمات کے واسطہ کے بغیر ہو تو ایسا کلام جو حروف و اصوات کی جنس سے نہیں ہے اس کا زیادہ حق ہے کہ وہ بغیر حروف اور کلمات کے سنا جائے اس کو سمجھ اور قاصر لوگوں سے مت ہو۔

اور وہ بات جس کا مجھے الہام اس مقام کی تحقیق میں ان سطور کے لکھنے کے بعد ہوا یہ ہے کہ اس بندے کا فہم جو خطاب کے لئے مستعد اور اللہ تعالیٰ کلام سننے کی اہلیت رکھتا ہو اولاً روحانی تلقی سے بغیر حرف اور

کلمہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور اس میں آواز اور ندا کا وسیلہ نہیں ہوتا پھر یہ معنی جس پر القاء ہوا ہے خیال کی سلطنت میں آتا ہے جس میں تمام اشیاء کی صورتیں منقوش ہیں تو وہ حروف اور آواز کی شکل اختیار کرتا ہے کیونکہ عالم شہادت میں افادہ اور استفادہ الفاظ اور حروف کے واسطہ ہی سے ہوتا ہے اور جائز ہے کہ اس معنی کے حصول پر بلا کیف سماع کا اطلاق بھی کیا جائے کیونکہ کلام تو بلا کیف ہے اور اس کا سماع بھی بلا کیف ہوگا۔ کیونکہ کیف کو بے کیف سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے تو صحیح ہوا کہ جائز ہے کہ اللہ تعالٰے کا کلام سنا جائے جو کہ حرف اور آواز سے خالی اور بلا کیف ہو پھر اس کے بعد یہ کلام خیال میں حرف اور کلمے کی صورت اختیار کرے تاکہ عالم اجسام میں افادہ اور استفادہ حاصل ہو۔

اور جو لوگ اس باریک نکتہ سے آگاہ نہیں ہوئے ان میں سے بعض نے تو یہ کہا ہے اور وہ حالت میں سب سے بہتر ہیں کہ وہ اللہ تعالٰے کا کلام سنتے ہیں لیکن حروف اور کلمات کے ذریعہ سے جو کہ حادث ہیں اور اس پر دلالت کرتے ہیں اور بعض نے مطلقاً یہ بات کی ہے کہ وُہ اللہ تعالٰے کا کلام سنتے ہیں اور وہ اس میں فرق نہیں کرتے کہ کیا چیز اللہ تعالٰے کی شان کے لائق ہے اور کیا چیز لائق نہیں ہے اور یہ جاہل باطل پرست لوگ ہیں ان کو یہ معلوم نہیں کہ کیا چیز اللہ تعالٰے کے لئے جائز ہے اور کیا جائز نہیں ہے اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ سُبحانہ وتعالٰے کے فضل وکرم سے تحقیق کیا ہے۔

اور آپ کا یہ قول کہ "وہ اُس کے کان اُس کی آنکھیں بن جاتے ہیں اور اس کی آنکھ اس کا کان بن جاتی ہے یہاں تک کہ آپ نے کہا اور اُس کا آخر اس کا اوّل ہو جاتا ہے اور اس کا اوّل آخر ہو جاتا ہے"۔ یعنی اس کا کان اس کی آنکھ کا حکم حاصل کر لیتا ہے اور اس کی آنکھ اس کے کان کا حکم۔ یعنی وہ پُورے اپنے آپ سے سُنتا ہے اور پورے جسم سے دیکھتا اور پُورے جسم سے جانتا ہے یہ نہیں کہ وہ کچھ حصے سے سُنتا ہے اور کچھ دُوسرے حصے سے دیکھتا ہے کیونکہ اس صورت میں تو کان کو آنکھ کا حکم حاصل نہیں ہو گا۔ پھر آپ نے اپنے اس قول کی وضاحت کی ہے کہ "اس کا اوّل اس کا آخر ہو جاتا ہے اور اُس کا آخر اس کا اوّل ہو جاتا ہے"۔ کیونکہ اس کلام میں خفا تھا اور اس وضاحت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سُبحانہ وتعالٰے نے اپنے قول سے کہ "کیا میں تُمہارا رب نہیں ہوں"۔ چیونٹیوں کو مخاطب کیا تو چونکہ ان میں انتہا درجہ کی صفائی تھی۔ لہٰذا اُنہوں نے بلاواسطہ اس آواز کو سُنا پھر چیونٹیاں اصلاب میں منقلب ہوتی رہیں اور رحموں میں منتقل ہوتی رہیں یہاں تک کہ وہ اپنے جسموں کی طرف ظاہر ہوئیں تو وہ اس قدرت سے حکمت خداوندی کے مطابق محجوب ہو گئیں اور مُختلف اطوار میں تقلّب کی وجہ سے ان کے اندھیرے تہ بتہ ہو گئے۔ پھر جب اللہ تعالٰے کسی بندے کے مُتعلق اچھے استماع کا ارادہ کرتے ہیں کہ اسے صوفی صافی بنا دیں تو اس کو جلا اور

تزکیہ کے مختلف مراتب میں ترقی دیتے رہتے ہیں۔ یہاں تک وہ قدرت کی فضا میں آزاد ہوجاتا ہے اور اس کی نافذ بصیرت سے حکمت کے حجاب دور کردیئے جاتے ہیں تو پھر اس کا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کا سماع کشفاً اور عیاناً ہوتا ہے اور اس کی توحید اور عرفان تبیان اور برہان سے ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی اپنی اور غیر کی زبان اس کے حق میں موسیٰ علیہ السلام کے درخت کا حکم حاصل کرلیتی ہے وہ اس سے اللہ تعالےٰ کا کلام سنتا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس درخت سے سنا تھا تو صحیح ہو جاتا ہے کہ اس کا آخر اس کا اوّل ہوجاتا ہے اور اس کا اوّل اس کا آخر ہوجاتا ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالےٰ کا کلام آخر میں بھی اسی طرح سن لیا جیسا کہ اس نے اوّل میں سنا تھا۔

اور اسی پر شیخ نے ان بعض کے قول کو محمول کیا ہے جس نے کہا کہ مجھے یاد ہے وہ خطاب جو اللہ تعالےٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کے الفاظ سے کیا تھا یعنی وہ خطاب اوّل بھی اسی خطاب کی طرح تھا جو میں اب اللہ تعالےٰ سے زبانوں پر سن رہا ہوں۔ اس کو یاد رکھ۔

یہ تجھ پر مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے پہلا خطاب تحقیقی تھا اور چیونٹیوں کا اللہ تعالےٰ سے سننا حقیقی طور پر تھا اور یہ خطاب جو زبانوں سے سن کر اخذ کیا گیا ہے یہ اللہ تعالےٰ کا خطاب تخیل اور توہم کے طور پر ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا پس یہ کہاں اور وہ کہاں۔ اور انتہائی تعجب تو یہ ہے کہ شیخ قدس سرہٗ نے اپنی جلالت قدر کے باوجود ایک کو دوسرے کا عین کہا ہے اور حقیقی اور خیال میں کوئی فرق نہیں کیا حالانکہ وہ عین سکر اور خالص توحید ہے اس کی مثال وہی ہے جو اَنَا الْحَقُّ اور سُبْحَانِیْ اور لَيْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَى اللهِ کے اقوال کی ہے۔

اور سب سے زیادہ عجیب بات وہ ہے جو انہوں نے اس کے بعد کہی ہے کہ "جب صوفی اس صفت سے متصف ہوجاتا ہے تو اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود ابدی اور اس کا سماع متواتر اور متجدد ہو جاتا ہے اور یہ تجھ پر مخفی نہ رہے کہ صوفی اس مقام میں صرف تجلی معنوی صفاتی سے متصف ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور وہ مقام تلوین ہے نہ کوئی اور پھر اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود ابدی کہاں سے ہوگیا۔ سرمدی وقت اور دوام تو اس وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالےٰ کی ذات تک وصول ہوتا ہے اور اس کی ذاتی تجلی ہوتی ہے اور اسی طرح شہود اور مشاہدہ بھی ذات تک واصل کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ صوفیاء نے کہا ہے اور جو مرتبہ صفات میں حاصل ہو اسے مکاشفہ کہا جاتا ہے پس شہود اور دوام تو ارباب تمکین کا حصہ ہے جو واصل الی الذات ہیں نہ کہ اہل تلوین کا جو کہ صفات میں مقید ہیں کہ یہ ارباب قلوب اصحاب تقلب ہیں۔ تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے کے بغیر کوئی علم نہیں ہے یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۱۹

مولانا شیخ مودود محمد کی طرف صادر فرمایا

شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ نے اپنی کتاب العوارف کے نویں باب میں ان لوگوں کے تذکرے میں کہا ہے جو صوفیہ کی طرف منسوب ہیں اور "ان لوگوں میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو حلول کے قائل ہیں اللہ انہیں ذلیل و رسوا کرے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں حلول کیا ہے اور اللہ تعالیٰ برگزیدہ اجسام میں حلول کرتے ہیں اور ذہنوں میں لاہوت اور ناسوت کے متعلق معنیٰ عیسائی لوگوں کا قول سبقت کرتا ہے۔

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو اس وہم کی بنا پر خوبصورت عورتوں کی طرف دیکھنا جائز سمجھتے ہیں۔

اور ان کے خیال میں یہ بات ہے کہ جس نے اپنے بعض غلبات میں کچھ کلمات کہے ہیں تو ان میں کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی (یعنی ان کے خیال کے مطابق حلول تھا) جیسے کہ حلاج کا قول اَنَا الْحَقُّ (میں خدا ہوں) اور ابو یزید بسطامی کا قول سُبْحَانِیْ (میں پاک ہوں) اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں کہ ہم ابو یزید کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ انہوں نے یہ بات اپنی طرف سے کہی ہوگی بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے اور اسی طرح حلاج کے قول میں بھی لائق یہی ہے کہ یہ ہی عقیدہ رکھا جائے اور اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے حلول کے عقیدے کی بنا پر یہ الفاظ کہے ہیں تو ہم اس کی بھی تردید اسی طرح کریں گے جیسے ہم ان حلول والوں کی تردید کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔

کاش مجھے سمجھ آجاتی کہ اللہ تعالیٰ سے حکایت کا کیا معنی ہے مگر یہ کہ کہا جائے کہ (شیخ شہاب الدین) قدس سرہٗ نے یہ چاہا ہے کہ ایسی بات کہنے والا اگر بندہ ہے جیسا کہ اکثر کے نزدیک ظاہر ہے تو لازمی ہے کہ وہ قول اللہ تعالیٰ سے حکایت کے طور پر ہو کیونکہ بندہ کبھی رب نہیں ہو سکتا لیکن حقیقت میں بات کہنے والا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہے اور زبان بندے کی ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا درخت تھا تو اس صورت میں حلاج پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ابو یزید بسطامی کے متعلق کوئی گفتگو ہے قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما۔ اور شیخ کی ظاہر عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسے الفاظ کو حکایت کے معنی پر محمول نہ کیا جائے تو اس سے حلول سمجھا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ غلبات توحید اور نورِ شہود چمکنے کے وقت ایک مشہود کے علاوہ ہر چیز کے پوشیدہ ہو جانے کی وجہ سے ہوا اور اس میں حلول و اتحاد کا شائبہ نہ ہو۔ پس منصور کے قول اَنَا الْحَقُّ کا معنی یہ ہوگا کہ جب وہ اپنی نظر سے آپ مخفی ہو گیا

تو اس نے کہا میں کوئی چیز نہیں ہوں اور موجود صرف حق ہے یہ نہیں کہ میں حق کے ساتھ متحد ہوں یا اللہ تعالٰی میں حلول کرنے والا ہوں کیونکہ وہ کفر ہے اور توحید شہودی کے منافی ہے کیونکہ اس میں مشہود صرف ایک احد ہے۔ اور حلول اور اتحاد کی تقدیر پر مشہود متعدد ہیں اگرچہ وہ اتحاد وصول کی صفت پر ہوں۔

اور شیخ کا یہ قول کہ "بعض ان میں سے حلول کے وہم کی بنا پر خوبصورت عورتوں کی طرف دیکھنا جائز قرار دیتے ہیں"، شیخ اجل سے تعجب ہے کہ انہوں نے ایسی عبارتوں سے اتحاد اور حلول سمجھا ہے حالانکہ ایسے اقوال سے جو چیز ذہن میں سب سے پہلے آتی ہے وہ ظہور ہے اور وہ حلول کے علاوہ ہے، کیونکہ حلول یہ ہے کہ کوئی چیز بنفسہٖ کسی چیز میں داخل ہو جائے جیسے کہ نفس زید مکان میں داخل ہو اور ظہور یہ ہے کہ کسی چیز میں کسی چیز کا عکس ہو جیسا کہ آئینہ میں زید کا عکس ہونا اور پہلی بات (یعنی حلول) اللہ تعالٰی کے لئے ناممکن ہے اور اس مرتبۂ مقدسہ کے لئے نقص ہے اور دوسری بات (یعنی ظہور) کے ثبوت کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے اور نہ اس کے حصول میں کوئی نقص ہے کیونکہ پہلی بات تغیر کو مستلزم ہے جو کہ قدم کے منافی ہے اور دوسری بات اس کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

اگر کمالات وجوبیہ (خداوندی) اعدام امکانیہ کے آئینہ میں ظاہر ہوں تو اس سے حلول لازم نہیں آتا کہ یہ کمالات ان آئینوں میں حلول کئے ہوئے ہیں اور نہ ان کا تغیر اور انتقال قدم کے منافی ہے وہ تو صرف ایک ظہور ہے اور آئینہ میں کمالات کو دکھانا ہے۔ پس اللہ تعالٰی کے کمالات کے آئینہ میں جلوہ گر ہونے کو جائز قرار دینا ان کمالات کا آئینہ میں حلول کرنا نہیں ہے بلکہ وہ تو آئینہ میں کمال کے ظہور کو جائز قرار دینا ہے اور اس میں کوئی نقص نہیں ہے اگرچہ ایسے شہود کو جائز قرار دینے والا صاحب نقص اور راستہ پر چلنے میں غیر مستقیم ہی کیوں نہ ہو۔ مقصود صرف اس سے حلول کی تہمت کو دور کرنا ہے نہ کہ اس کے کمالات کا اثبات اور اس کا کسی چیز پر ہونا اور اللہ سبحانہ وتعالٰی ہی تمام امور کے حقائق کو جاننے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۲۰

میر منصور کی طرف صادر فرمایا

(گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ میرے عزیز بھائی کے گرامی نامے یکے بعد دیگرے پہنچے انہوں نے خوشی پہنچائی اللہ تعالٰی ہی کی تعریف ہے کہ بے مناسبتی کے اسباب کے باوجود فقراء

کے ساتھ محبت اور وابستگی جو آپ کو تھی اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے اور وہ فتور کا باعث نہیں ہُوا ہے بلکہ اس تعلّق میں اور قوت پیدا ہو گئی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس طائفہ کی محبت میں استقامت نصیب فرمائے کہ وہ نیک بختی کا سرمایہ ہے۔

شفقت شعارا اس فرصت میں عزلت کا شوق غالب آیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے اور جمعہ کے بغیر مسجد میں نہیں جاتے ہیں اور پنجوقتہ جماعت اسی گوشہ میں ہوتی ہے اور آدمیوں کی ملاقات کا راستہ بند کر دیا ہے اوقات بڑی جمعیت سے بسر ہو رہے ہیں اور تمام عمر کی آرزو گویا اب میسّر ہوئی ہے، اور اس پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تعریف ہے۔

باقی ظاہر احوال بھی خیر وعافیت سے ہیں اور فرزند اور تمام متعلّقین پوری جمعیت سے وقت گذار رہے ہیں جناب خواجہ عبداللہ رمضان المبارک سے پہلے دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کہ خواجہ نے اس آمد میں بہت سے فوائد حاصل کئے ہیں انہوں نے وَرق اُلٹ دیا ہے اور علیات توحید سے تنزیہ کے دریا میں غوطے لگائے ہیں اور اس کی گہرائی کی طرف متوجہ ہیں اور ظاہر سے باطن بلکہ باطن کے باطن کی طرف جا رہے ہیں باقی حالات کی تفصیل چونکہ خواجہ بہاء الدین اس جگہ آئے ہیں شاید تفصیل سے بیان کر دیں۔

مکتوب نمبر ۱۲۱

مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

(ایک مکتوبات کی عبارات کے حل میں جو کہ اسرار کا متضمن ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ آپ کا گرامی نامہ جو از روئے شفقت اس فقیر کے نام لکھا گیا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہُوا لکھا تھا کہ ایک بزرگ نے اس مکتوب کی عبارت پر جو تم نے اجمیر میں لکھا تھا کچھ اعتراض کئے ہیں ان کے حل میں کچھ لکھنا چاہیئے اور بعض دوستوں نے چونکہ اشتباہ کے مواقع کی تعیین کر کے لکھا ہے تو ان کے اندازہ کے مطابق چند ایک مقدمات اس شُبہ کے حل میں خداوند تعالیٰ کی مدد سے لکھے جاتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی بھلائی کے رستے کی راہنمائی کرنے والا ہے

میرے مخدوم و مکرّم! سیر مُرادی اور سیر مُریدی ایک ایسا امر ہے جو اس سیر والے کے وجدان سے تعلّق رکھتا ہے اور یہ کسی نہ کسی اَمر کا لازم کرنا نہیں ہے کہ بغیر تعلّق کے رکھا جائے پس اس پر دلیل اور بُرہان طلب

کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے باوجود جس آدمی کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قوت حدس عطا فرمائی ہے وہ اگر اس سیر والے کے احوال و اوضاع میں اچھی طرح غور کرے گا اور وہ فیوض و برکات اور علوم و معارف الٰہی جل شانہٗ کہ جن سے وہ ممتاز ہے مشاہدہ کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس پر سیر مُرادی کا حکم لگائے اور کسی دلیل کا محتاج نہ ہو اس آدمی کی طرح جو کہ اس قُرب و بُعد اور مقابلہ و اجتماع کو ملاحظہ کرے جو چاند کو سورج سے ہے تو فیصلہ کرے گا کہ چاند کا نور سُورج سے حاصل ہے اگرچہ یہ معنی ارباب حدس کے علاوہ کسی اور پر حجت نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی ہے کہ ہمارے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ نے اس فقیر کی سیر کے اوائل حال میں اس سَیر کو سَیرِ مُرادی مقرر فرمایا تھا شاید دوستوں نے بھی یہ بات سُن لی ہوگی اور مثنوی کے یہ اشعار اس فقیر کے حال کے موافق پڑھا کرتے تھے ؎

لہ (۱) عشقِ معشوقاں نہاں است و ستیر — عشقِ عاشق با دو صد طبل و نفیر

(۲) لیک عشقِ عاشقاں تن زہ کند — عشقِ معشوقاں خوش و فربہ کند

اور مرادوں میں سے جو بھی واصل ہوا ہے وہ راہ اجتباء سے گیا ہے اور مریدوں کی راہ کو انابت اور مرادوں کی راہ کو اجتباء کہا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ — اللہ تعالیٰ جسے چاہیں اسے برگزیدہ کر لیں اور جو اللہ کی طرف رجُوع کرے اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔

ہاں اجتباء کی راہ اصل میں تو انبیاء سے مخصوص ہے علیہم الصّلوات والتسلیمات اور اُمتوں کو دوسرے کمالات کی طرح ان کی تابعداری میں یہ چیز ملتی ہے یہ نہیں کہ اجتباء مطلقاً نبیوں سے مخصوص ہے علیہم الصّلوات و التسلیمات اور امتوں کو اس سے بالکل حصّہ نہیں ہے کہ وہ غیر واقع ہے۔

میرے مخدوم! رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی وساطت اور حیلُولت سے سالک کو فیض پہنچنا اس وقت تک ہے کہ جب تک اس سالک کی حقیقت محمدی المشرب ہے اور حقیقت محمدی سے منطبق نہیں ہوئی ہے اور اس کے ساتھ متحد نہیں ہے اور جب اپنی کمال متابعت کی وجہ سے بلکہ محض اللہ کے فضل سے عروج کے مقامات میں اس حقیقت کو اس حقیقت سے اتحاد حاصل ہوتا ہے تو وساطت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وساطت اور حیلولت تو مغایرت میں ہے اور اتحاد میں توسّط اور متوسط اور حاجب اور محجُوب نہیں ہوتے جس جگہ اتحاد ہے اس جگہ شرکت کا معاملہ ہے لیکن چونکہ سالک تابع اور الحاقی اور

لہ (۱) معشوق کا عشق پوشیدہ اور نہاں ہوتا ہے اور عاشق کا عشق دو سو طبل اور نفیریوں سے ہوتا ہے ۱۲۔

(۲) لیکن عاشقوں کا عشق جسم کو لاغر کرتا ہے اور معشوق کا عشق خوش اور موٹا کرتا ہے ۱۲۔

طفیلی ہے لہٰذا اس کی شرکت خادم کی مخدوم سے شرکت ہوتی ہے۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس کی حقیقت کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت سے انطباق و اتحاد پیدا ہوجاتا ہے اس کا بیان یہ ہے، کہ حقیقت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام تمام حقائق کی جامع ہے اور اس کو حقیقت الحقائق کہتے ہیں اور دوسروں کے حقائق اس کے اجزاء یا جزئیات کی طرح ہیں۔ کیونکہ اگر وہ محمدی المشرب ہے تو سالک کی حقیقت اس کلی کے لئے جزئی کے رنگ میں ہے اور اسی پر محمول ہے اور غیر محمدی المشرب کی حقیقت اس کل کے جُز کی طرح ہے لیکن اس پر محمول نہیں ہے اور اس حقیقت غیر محمدی المشرب کو اگر عروج میں اتحاد پیدا ہو تو کسی پیغمبر کی حقیقت سے ہوگا کہ یہ سالک جس کے قدم پر ہیں اور اس کی حقیقت پر محمول ہوگا اور اس کے مناسب کمالات میں شرکت پیدا کرے گا لیکن یہ شرکت خادم کی مخدوم سے شرکت ہوگی جیسا کہ پہلے گذر چکا اور جب اس جزئی کو کمال متابعت کی وجہ سے بلکہ محض فضل سے اپنی کلی سے خاص محبت پیدا ہوجاتی ہے اور اس کے وصُول کا شوق اس کو دامنگیر ہوتا ہے تو وہ قید جو کلی کو جزئی میں لاتی ہے فضل خداوندی سے وہ قید زائل ہونے لگتی ہے اور آہستہ آہستہ زوال کے بعد اس جزئی کو اس کلی سے انطباق اور الحاق حاصل ہوتا ہے اور وہ جو ہم نے کہا ہے کہ خاص محبت پیدا ہوجاتی ہے بالکل اسی طرح ہے جس طرح محض فضل سے اس فقیر کے لئے پیدا ہوئی تھی اور میں محبت کے غلبہ میں کہا کرتا تھا کہ میری محبت اللہ تعالےٰ سے اس لئے ہے کہ وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا رب ہے اور میاں شیخ تاج اور دوسرے دوست اس مقولہ سے تعجب کرتے تھے۔ مَیں جانتا ہوں کہ آپ کو بھی یہ بات بھولی نہ ہوگی اور جب تک اس قسم کی محبت پیدا نہ ہو الحاق و اتحاد کس طرح پیدا ہو سکتا ہے یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اور توسط اور عدم توسط کی حقیقت کو بیان کرتا ہوں اچھی طرح سُنو۔ جذبہ کے طریق میں چونکہ کشش مطلوب کی جانب سے ہے اور اللہ تعالےٰ کی عنایت طالب کے حال کی متکفل ہے تو لازماً وُہ وساطت قبول نہیں کرتا اور سلوک کے طریق میں چونکہ انابت طالب کی طرف سے ہوتی ہے تو ذرائع کے وجود سے چارہ نہیں ہوتا اور نفس جذبہ میں اگرچہ واسطوں کی ضرورت نہیں ہے لیکن جذبہ کی تکمیل سلوک سے متعلق ہے کیونکہ اگر سلوک جو کہ شریعت کی تعمیل سے عبارت ہے اور توبہ و زُہد وغیرہ اگر جذبہ کے ساتھ پیوستہ نہ ہوں تو جذبہ ناتمام و ابتر ہے بہت سے ہندو اور بے دین لوگوں بھی ہم نے دیکھا ہے کہ وُہ جذبہ رکھتے ہیں لیکن چونکہ صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی سے آراستہ نہیں ہیں لہٰذا خراب و ابتر ہیں اور جذب کی صُورت کے علاوہ کوئی حِصّہ نہیں رکھتے۔

سوال :- جذبہ کا حصول ایک طرح سے محبوبیت کا تقاضا کرتا ہے پس کفار کو جو کہ اللہ تعالےٰ کے دشمن ہیں جذب سے کس طرح حصہ ملنا جائز ہو سکتا ہے ؟

جواب :- ہو سکتا ہے کہ بعض کفار کے حقائق ایک طرح کی محبوبیت رکھتے ہوں جو کہ ان کے حصول جذبہ کی باعث ہوئی ہو اور چونکہ وہ صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں ہیں لہٰذا زیاں کار اور ذلیل رہ گئے اور اس جذبہ نے سوائے ان پر حجت قائم کرنے کے اور کچھ نہ کیا کہ ان کی استعداد تو معلوم ہو گئی لیکن ان کی جہالت اور عناد نے اس استعداد کو قوۃ سے فعل میں نہ آنے دیا " اور ان پر اللہ تعالےٰ نے ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کیا کرتے تھے۔

اور اگر جذبہ کے طریق میں صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے ذریعہ سے جو کہ سلوک سے عبارت ہے مطلوب تک وصول میسر ہو جائے تو وہ کسی امر کے واسطہ اور حیلولت کے علاوہ ہو گا۔ کہا ہے کہ "اگر تم کوئی ڈول نیچے لٹکاتے ہی جاؤ تو وہ اللہ تعالےٰ تک پہنچ جائے گا" یعنی اگر تم اللہ تعالےٰ کی طرف کھینچے جاؤ اور تم البطن بطون میں پہنچا دئیے جاؤ تو لازماً تمہارے اور خدا کے درمیان کوئی امر حائل اور حجاب نہیں ہو گا اور شاید آپ کو بھی یاد ہو گا کہ ہمارے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اس معیت کی راہ سے جو اللہ تعالےٰ کو بندہ سے ہے اگر وصول میسر ہو جائے تو لازماً وہ کسی امر کے واسطہ کے بغیر ہو گا کیونکہ مناسبت معیت ہے اور اگر واسطہ ہے تو تربیت کے سلسلہ میں ہے جو کہ سلوک سے عبارت ہے اور معیت کی راہ جذبہ کی راہوں میں سے ایک ہے اور حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اُس کے ساتھ ہے جس سے اُس کی محبت ہو) بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔

کیونکہ جب آدمی کو اپنے محبوب سے معیت ثابت ہو جاتی ہے تو واسطہ زائل ہو جاتا ہے۔ غور سے سنو کہ ہر ظل کو اپنے اصل کی طرف ایک شاہراہ ہے اور کوئی چیز ان کے درمیان حائل نہیں ہے اگر خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے ظل کو اپنے اصل سے رغبت پیدا ہو اور اس سے کشش ظاہر ہو اور صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی دولت سے اس ظل کو اس اصل سے وصول اور الحاق حاصل ہو تو لازماً وہ بغیر کسی امر کے حائل ہونے کے ہو گا اور چونکہ وہ اصل اللہ تعالےٰ کے اسماء میں سے کوئی اسم ہے تو لازماً اسم اور اس کے مسمّیٰ کے درمیان کوئی حائل نہیں ہو گا اور اس راہ سے ظل کا اپنے اصل الاصل سے جو کہ اس اسم کا مسمّیٰ ہے وصول بغیر کسی امر کے حائل ہونے کے ہو گا اور پھر یہ بھی ہے کہ جو اللہ تعالےٰ

سے بے چونی وصول سے واصل ہے تو کسی امر کا حائل ہونا اور واسطہ ہونا اس کے حق میں مفقود ہے پھر جس صورت میں ذات سے وصول میں اللہ تعالٰے کی صفات کا حجاب اور حیلولۃ بھی نہیں رہتا تو غیر صفات کے حجاب اور حیلولت کو وہاں کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

سوال:۔ جب اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں تو واصل اور موصول الیہ کے درمیان سے صفات کی حیلولت کا ارتفاع کس معنی سے ہوتا ہے؟

جواب:۔ سالک کو جب اپنے اصل سے جو کہ اسماء الٰہی میں سے کوئی اسم ہے اور وہ سالک اس کا ظل ہے وصول اور تحقق حاصل ہوتا ہے تو لازماً اس کے اور اللہ تعالٰے کی ذات کے درمیان کوئی واسطہ اور کوئی وسیلہ نہیں رہتا جیسا کہ اسم اور اس کے مسمّٰی کے درمیان کسی امر کا حائل ہونا ثابت نہیں ہے پس نہ ارتفاع لازم آیا نہ انفکاک اور ایسی ہی تحقیق اوپر حقیقت سالک کے حقیقت محمدی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے اتحاد کے بیان میں گذر چکی ہے اور اس کا کچھ حصہ ظلّ کے اپنے اصل سے وصول کے بیان میں بھی گذ چکا ہے۔

تنبیہ:۔ اس عدم توسّط سے جو کہ جذبہ کے طریق میں کہا گیا ہے کوئی سادہ لوح یہ نہ سمجھے، کہ خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسّلام کی بعثت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ وہ بعض لوگوں کی نسبت سے ہو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کی تبعیّت اور متابعت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ کفر اور الحاد اور زندقہ ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت حقّہ کا انکار ہے اور اُوپر گذر چکا ہے کہ جذبہ سلوک کے بغیر جو کہ شریعت کی تمیل کا نام ہے ابتر اور ناتمام ہے اور وہ نعمت کی صورت میں عذابِ الٰہی ہے اور ناتمام جذبہ نے صاحبِ جذبہ پر حجت پُوری کر دی ہے۔

مختصر یہ کہ کشف صحیح اور الہام صریح سے بھی یقین ہو جاتا ہے کہ اس راہ کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ اور اس قوم کے معارف میں سے کوئی معرفت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور ان کے واسطہ کے بغیر میسّر نہیں ہے اور مبتدی اور متوسّط کی طرح منتہی کو بھی اس راہ کی برکات وفیوض ان کی تبعیّت اور ان کی طفیل کے بغیر حاصل نہیں ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا — تواں رفت جز برپئے مصطفٰے[1]

افلاطون نے اپنی بیوقوفی سے اس صفائی کی وجہ سے جو کہ اس نے اپنی ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ سے حاصل کی تھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی بعثت سے آپنے آپ کو بے نیاز سمجھا اور کہا کہ "ہم ایک

---

[1] اے سعدی محال ہے کہ صفائی کی راہ پر مصطفٰے کی پیروی کے بغیر چلا جائے۔ ۱۲

مہذّب قوم ہیں ہمیں کسی ایسے آدمی کی ضرورت نہیں جو ہمیں تہذیب سکھائے "۔ اس نے یہ نہ سمجھا کہ یہ صفائی ریاضتوں کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی وساطت کے بغیر حاصل ہوئی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ تانبے پر سونے کا ملمع کردیں یا زہر پر کھانڈ کا غلاف چڑھا دیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہی ہے جو تانبے کی حقیقت کو منقلب کر کے خالص سونا بنا دیتی ہے اور نفس کو امّارگی سے نکال کر اطمینان میں لے آتی ہے اور حکیم مطلق جل شانہٗ نے انبیاء کی بعثت اور ان کی شریعتوں کا تقرر اس لئے کیا ہے کہ نفس امّارہ کو خراب اور عاجز کیا جائے اور اس کی خرابی کو بلکہ اس کی صلاح کو ان بزرگواروں کی متابعت کے بغیر کسی اور چیز میں نہیں رکھا ہے اگر ہزاروں ریاضتیں اور مجاہدات بھی بھی ان بزرگواروں علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی متابعت کے بغیر کی جائیں تو پھر بھی اس کی امّارگی، ایک بال برابر بھی کم نہ ہوگی بلکہ اُس کی سرکشی زیادہ بڑھے گی ؎

ہرچہ گیرد علّتی علت شود[1]

اس کی ذاتی بیماری کا ازالہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں سے متعلق ہے اور اس کے سوا محنت لاحاصل ہے۔ جاننا چاہیئے کہ جذبہ کو اگرچہ سلوک سے چارہ نہیں ہے جذبہ سلوک سے پہلے ہو یا بعد لیکن فضیلت تقدیم جذبہ کو ہے کہ سلوک اس کا خادم ہے اور تاخیر جذبہ میں سلوک اس کا مخدوم ہے کہ سلوک کی دولت سے اُس کو جذب میسّر ہوا ہے اور تقدیم جذبہ میں اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ بالذّات مطلوب و مدعو ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب جذبہ مُراد ہے اور صاحب سلوک مُرید اور مرادوں اور محبُوبوں کے سردار محمّد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اس دعوت سے مقصُود ذاتی اور مدعوِاوّل وہی ہیں علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسروں کو ان کی طفیل میں طلب کیا ہے خواہ وہ مُراد ہوں یا مُرید، جیسا کہ آیا ہے کہ "اگر وُہ نہ ہوتے تو اللہ تعالےٰ مخلوق کو پیدا نہ کرتے اور اپنی ربوبیّت کا اظہار نہ کرتے۔

جب دوسرے سب کے طفیلی ہیں اور وہ اس دعوت میں مقصود اصلی ہیں علیہ السلام تو لازماً سب اُس کے طفیلی ہوں گے اور ان کے ذریعہ سے فیوض و برکات حاصل کریں گے اور اس معنی سے اگر سب کو آپ کی آل کہا جائے تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ وہ ان کے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کے ذریعہ کے بغیر کمال حاصل نہیں کرتے کیونکہ جب اُن کا وجُود بھی ان کے وجود کے واسطہ کے بغیر کوئی صورت پیدا نہیں کر سکتا تو ان کے دُوسرے کمالات جو کہ وجود کے تابع ہیں ان کے واسطہ کے بغیر کس طرح صورت پیدا کر لیں گے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ ہاں رب العالمین کا محبُوب ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

---

[1] بیمار جو کچھ بھی لیتا ہے وہ بیماری بن جاتا ہے ۱۲

غور سے سُنیں کہ کشف سے معلوم ہوا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی محبوبیّت اللہ تعالےٰ کی اس محبت سے ثابت ہے جس نے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات محض کے ساتھ بے ملاحظہ شیون و اعتبارات تعلق حاصل کیا ہے اور اللہ تعالےٰ کی ذات اس محبت سے محبوب ہوئی ہے برخلاف دوسروں کی محبوبیّت کے کہ وہ اس محبّت سے قائم ہے جس کا تعلّق شیون و اعتبارات سے ہے اور یا پھر اسماء وصفات سے متعلّق ہے یا اسماء وصفات کے ظلال سے علیٰ تفاوت الدرجات ؎

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَـہٗ حَدٌّ فَیُعْرِبُ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

علیہ وعلی جمیع اخوانہ من الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین الصلوٰت والتسلیمات والتحیات والبرکات۔

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا واسطہ دو معنی رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سالک اور اس کے مطلوب کے درمیان حائل و حاجب ہوں اور دوسرا معنی یہ ہے کہ سالک ان کی طفیل اور ان کی متابعت اور تبعیّت کے واسطہ سے مطلوب سے واصل ہو اور سلوک کے طریق میں اور حقیقت محمدی تک پہنچنے سے پہلے دونوں طرح سے واسطہ ثابت ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس راہ میں وہ شیوخ جو درمیان میں آتے ہیں وہ شہود سالک میں حاجب اور متوسط ہیں۔ افسوس اگر آخر حال میں بھی جذبہ ان کا تدارک نہ کرے اور معاملہ پردہ سے بے پردگی تک نہ پہنچے کیونکہ جذبہ کے طریق میں، حقیقۃ الحقائق تک پہنچنے کے بعد توسّط دوسرے معنی میں ہے کہ طفیل اور تبعیّت ہے اور حیلولت اور حجاب ہے اور شہود و مشاہدہ اور ان جیسی چیزوں کے لئے وُہ پردہ ہوتا ہے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس عدم توسّط سے اگرچہ ایک معنی ہی سے ہو جناب حضرت خاتمیّت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں قصور لازم آتا ہے۔

مَیں کہتا ہوں کہ یہ عدم توسط رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کو مستلزم ہے نہ کہ قصور کو بلکہ قصور وجُود توسّط میں ہے کیونکہ متبوع کا کمال یہ ہے کہ اس کا تابع اس کی تبعیّت اور اس کی طفیل سے کمال کے تمام درجات تک پہنچے اور کوئی دقیقہ نہ چھوڑے اور یہ معنی عدم توسّط میں ثابت ہے نہ کہ وجود توسّط میں کیونکہ اس جگہ شہود بے پردہ ہے جو کہ کمال کا آخری درجہ ہے اور اس جگہ پردہ میں ہے پس کمال عدم توسّط میں ہوگا اور قصور توسّط میں اور یہ مخدوم کی عظمت وشوکت ہے کہ اس کا خادم کسی مقام میں بھی اس

؎ اللہ تعالےٰ کے رسول کی فضیلت کی کوئی حد نہیں ہے جس کے متعلق کوئی بولنے والا بول سکے ۱۲

سے پیچھے نہ رہے اور اسکی تبعیت میں ان کی دولت میں شریک ہو یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں) علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات۔

اخروی رویت بے توسّط اور بے حیلولت ہوگی۔ صحیح حدیث علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ بندہ جب نماز میں داخل ہوتا ہے تو وُہ حجاب جو بندے اور خدا تعالٰے کے درمیان ہے اُٹھ جاتا ہے اسی لئے نماز مومن کا معراج ہے اور منتہی واصل کے لئے اس سے وافر حصّہ ہے کیونکہ حجاب کا اُٹھ جانا واصل منتہی کے لئے مخصُوص ہے پس واسطہ اور حیلولت کا اُٹھ جانا ثابت ہُوا۔ یہ معرفت اس فقیر کے معارف لدنّیہ کے خواص میں سے ہے کہ محض اپنے فضل وکرم سے یہ مجھے عطا فرمایا ہے اور اس کی حقیقت سے متّصف کیا ہے ؎

منم[1] آں خاکم کہ ابر نو بہاری کند از لطف برمن قطرہ باری

کسی نے کیا خُوب کہا ہے ؎

اگر[2] بادشاہ بر در پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

مشائخ طریقت نے رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کے توسّط اور عدم توسّط میں اختلاف کیا ہے ایک جماعت توسّط کی قائل ہے اور ایک گروہ عدم توسّط کا اور ان میں سے کسی نے بھی توسّط اور عدم توسّط کی تحقیق نہیں کی ہے اور ان کے کمال اور قصور سے بات نہیں کی۔ ارباب ظواہر قریب ہے کہ عدم توسّط کو جو کہ ایمان کا کمال ہے کفر سمجھیں اور اس کے قائل کو نادانستہ طور پر گمراہ کہیں اور توسّط کو کمال ایمان تصوّر کریں اور اس کے قائل کو کامل تابعین سے شمار کریں حالانکہ عدم توسّط کمال متابعت کی خبر دیتا ہے اور توسّط متابعت کی کمی کی اطلاع دیتا ہے جیسا کہ حقیقت حال کو معلوم نہ کر سکنے کے باعث ان میں سے ہر ایک کا قول پہلے گذر چکا ہے اللہ تبارک وتعالٰے نے فرمایا بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِہٖ وَلَمَّا یَاْتِہِمْ تَاْوِیْلُہٗ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ (بلکہ جو چیز اُنہیں معلوم نہ ہو سکی اور اس کا مطلب ان پر واضح نہ ہُوا اس کو انھوں نے جھٹلا دیا اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا تھا)۔

اے میرے مخدوم! اُویسی کہنے کا مطلب ظاہری پیر سے انکار نہیں ہے کیونکہ اویسی وہ شخص ہے جس کی تربیت میں روحانیوں کو دخل ہو۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ باوجود ظاہری پیر کے چونکہ حضرت

---

[1] میں وہ خاک ہوں کہ نو بہار کا بادل مجھ پر مہربانی سے قطرے برساتا ہے ۱۲ [2] اگر بادشاہ بوڑھی عورت کے دروازے پر آجائے تو اے خواجہ تو اپنی مونچھیں نہ اکھاڑ ۱۲۔

خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی رُوحانیت سے امداد پاتے تھے لہٰذا اپنے آپ کو اُویسی کہتے تھے۔ اور اسی طرح خواجہ نقشبند بھی باوجود ظاہری پیر کے چونکہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی روحانیت سے مدد پائے ہوئے تھے لہٰذا اُویسی تھے۔ خصوصاً جبکہ کوئی شخص اُویسیّت کے باوجود اپنے ظاہری پیر کا اقرار بھی کرے تو زور کے ساتھ اس کے سر پر پیر کا انکار مڑھ دینا عجیب انصاف ہے۔

میرے مخدوم! لفظ عبدالباقی کی ترکیب سے مُراد معنی اضافی ہے نہ کہ معنی عَلَمی۔ اگرچہ وہ نہایت بلیغ وجوہ سے معنی عَلَمی کا اشعار بھی کرتا ہے یعنی میرا پیر اگرچہ باقی کا بندہ ہے لیکن میری تربیّت کا کفیل اللہ باقی ہے اس جگہ کونسی تحریف ہے؟ اور اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں کونسی سوء ادبی ہے اللہ تعالٰی انصاف عطا کرے۔

میرے مخدوم وہ قصور جو سُبحَانِی کے معنی میں ہے جو کہ بسطامی قدس سرہٗ سے غلبات سُکر میں صادر ہُوا ہے کہا جائے گا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قائل میں وہ قصور ہمیشہ ہمیشہ تک ہو کہ دوسرے اس سے افضل ہو جائیں کیونکہ بہت سے معارف ایسے ہیں کہ کسی وقت میں اس وقت کے حال کے مقتضاء کے مطابق صادر ہوئے ہیں اور دُوسرے وقت میں خداوند تعالٰی کی عنایت سے چونکہ اس معرفت کے قصور کو انہوں نے معلوم کر لیا ہے اس سے آگے گزر گئے ہیں اور بلند مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ آپ کے مکتوب گرامی میں درج تھا کہ ارباب سُکر اگر اس قسم شطح آمیز باتیں لکھیں تو اس کی گنجائش ہے لیکن ارباب صحو سے ایسی باتوں کا اظہار بہت مستبعد ہے۔

میرے مخدوم! جس نے بھی اس قسم کی باتیں لکھی ہیں ان کا منشا سُکر ہے اور سُکر کی آمیزش کے بغیر اس باب میں اُنہوں نے قلم نہیں پکڑا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ سُکر میں بہت مراتب ہیں جتنا بھی سُکر زیادہ ہوگا اُتنا ہی شطح زیادہ ہوگا کوئی بسطامی ہی چاہیئے کہ اس سے بے تحاشا قول لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ (کہ میرا جھنڈا محمدؐ کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے) صادر ہو۔ پس جو بھی صحو رکھتا ہے، اس کے متعلق یہ خیال نہ کریں کہ اس کے ہمراہ سُکر نہیں ہے کہ وہ عین قصور ہے صحو خالص عوام کا حصّہ ہے جس نے صحو کو ترجیح دی ہے اس کی مراد غلبۂ صحو ہے نہ کہ صحو خالص، اور اسی طرح جس نے بھی سُکر کو ترجیح دی ہے اُس کی مُراد غلبۂ سُکر ہے نہ کہ سُکر خالص کہ وہ آفت ہے۔

جنید قدس سرہٗ جو ارباب صحو کے رئیس ہیں اور صحو کو سُکر پر ترجیح دیتے ہیں ان کی اتنی سُکر آمیز عبارتیں ہیں کہ وُہ شمار سے باہر ہیں انہوں نے کہا ہے کہ "وہی عارف ہے اور وہی معروف ہے"! اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہے"! اور فرمایا ہے "مُحدث جب قدیم سے مل

جائے تو اس کا اپنا اثر نہیں رہتا" اور صاحب عوارف جو کہ کاملترین ارباب صحو میں سے ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں اتنے سکریہ معارف بیان کئے ہیں کہ ان کی شرح کیا لکھی جائے اور اس فقیر نے ایک ورق میں ان کے بعض معارف سکریہ کو جمع کیا ہے یہ سکر ہی کا بقایا ہے کہ افشائے راز کو انہوں نے جائز رکھا ہے اور سکر ہی ہے کہ وہ فخر اور مباہات کرتے ہیں اور یہ سکر ہی ہے کہ دوسروں پر اپنی بزرگی بیان کرتے ہیں اگر خالص صحو ہوتا تو اُس وقت اسرار کو افشاء کرنا کفر ہوتا اور اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جاننا شرک ہوتا صحو میں بقیۂ سکر اسی طرح ہے جیسے کھانے میں نمک جو کہ طعام کا مصلح ہے اگر نمک نہ ہو تو طعام معطل اور بے کار ہو جائے ؎

گر عشق نبودے وغم عشق نبودے ۱ چندیں سخن نغز کہ گفتے کہ شنودے

صاحب عوارف قدس سرہٗ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے اس قول کو کہ "میرے یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہیں" بقیۂ سکر ہی پر محمول کیا ہے تو ان کی مراد اس قول کا قصور نہیں ہے جیسا کہ وہم ہوتا ہے کہ وہ ان کی عین تعریف ہے بلکہ بیان واقع کیا ہے یعنی اس قسم کی باتوں کا صدور جو کہ مباہات و افتخار کی خبر دیتی ہیں بغیر بقیۂ سکر کے ثابت نہیں ہیں کہ صحو خالص میں ایسی باتیں کہنا مشکل ہے۔ اس فقیر نے جو یہ تمام دفاتر اس طائفہ علیہ کے علوم و اسرار میں لکھے ہیں ظاہراً آپ کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہوگا کہ میں نے خالص صحو سے لکھے ہیں جن میں سکر کی آمیزش نہیں ہے حاشا و کلا کہ وہ حرام اور منکر ہے اور بیہودہ سخن تراشی ہے باتیں کہنے والے جو خالص صحو سے متصف ہیں بہت ہیں وہ اس قسم کی باتیں کیوں نہیں بنا لیتے اور لوگوں کو کیوں نہیں اپنی جگہ سے اکھاڑ ڈالتے ؎

فریاد ۲ حافظ این ہمہ آخر بہرزہ نیست ہم قصۂ غریب وحدیث عجیب ہست

میرے مخدوم! اس قسم کی باتیں جو کہ افشائے راز کی خبر دیں اور ان کے ظاہر معنی مراد نہ ہوں تو ہر وقت میں مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سے ایسی باتیں ظہور میں آئی ہیں اور ان بزرگواروں کی ہمیشہ کی عادت ہو چکی ہے، کوئی بھی ایسا امر نہیں ہے جس کو اُس فقیر نے شروع کیا ہو اور اس کی اختراع کی ہو" یہ پہلا شیشہ ہی نہیں ہے جو اسلام میں توڑا گیا ہو" پس یہ تمام شور و غوغا کیسا ہے؟ اگر کوئی ایسا لفظ صادر ہوا ہے جس کا ظاہر علوم شریعت کے مطابق نہیں ہے تو اس کو تھوڑی سی توجہ سے ظاہر سے پھیر کر مطابق بنا دینا چاہیئے اور مسلمان کو متہم نہ کرنا چاہیئے اور بے حیائی کی اشاعت اور فاسق کو رسوا

۱ے اگر عشق اور عشق کا غم نہ ہوتا تو اتنی اچھی باتیں کون کہتا اور کون سنتا۔ ۱۲ ۲ے حافظ کی یہ تمام فریاد آخر بیہودہ تو نہیں ہے۔ قصہ بھی بڑا عجیب ہے اور بات بڑی نادر ہے۔ ۱۲

کرنا بھی جب شریعت میں حرام ہے تو ایک مسلمان کو محض کسی اشتباہ کی بنا پر بدنام کرنا کیا مناسب ہے اور شہر شہر اس کی منادی کرنا کونسی دینداری ہے؟

مسلمانی اور مہربانی کا طریقہ تو یہ ہے کہ وہ کلمہ جس کا ظاہر علوم شریعت کے مخالف ہو اگر کسی آدمی سے صادر ہو جائے تو دیکھنا چاہیئے کہ اس کا قائل کون ہے اگر ملحد اور زندیق ہو تو اس کا رد کرنا چاہیئے اور اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیئے اور اگر اس کلمہ کا قائل مسلمانوں میں سے ہو اور خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس کی بات کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہیئے اور اس کے لئے صحیح محمل پیدا کرنا چاہیئے یا اس کہنے والے سے اس کو حل کرا لیا جائے اور اگر وہ اس کو حل کرنے میں عاجز ہو تو اس کو نصیحت کرنی چاہیئے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا نرمی سے بہتر ہے کہ وہ تسلیم کر لینے کے زیادہ قریب ہے۔

اور اگر مقصود تسلیم کرانا نہ ہو اور صرف رسوا کرنا مطلوب ہو تو دوسری بات ہے اللہ تعالےٰ توفیق دیں اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ آپ کے مکتوب شریف سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس بزرگ سے اس فقیر کا خط سننے کے بعد آپ کے مریدوں میں بھی اشتباہ اور انحراف طاری ہوا شاید کہ وہ پرتو ہو۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ شبہ کے مقامات کو آپ خود حل کر دیتے اور اس فقیر پر پردہ ڈالتے، اور فتنہ کو بٹھا دیتے دوسرے دوستوں کی شکایت کیا کروں کہ بعض نے ان میں سے باوجود اشتباہ کو دور کرنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو معاف رکھا اور خاموشی اختیار کر لی ؎

ما ز یاراں چشم یاری داشتیم

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

والسلام اولاً و آخراً

مکتوب نمبر ۱۲۲

(مولانا حسن دہلوی کی طرف صادر فرمایا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ حقیقت محمدی علیہ افضل الصلوات والتسلیمات جو کہ ظہور اول اور حقیقۃ الحقائق ہے اس معنی سے کہ دوسرے حقائق خواہ وہ انبیاء کے حقائق ہوں اور خواہ ملائکہ عظام کے علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس کے لئے ظلال کی طرح ہیں اور

؎ ہم دوستوں سے دوستی کی امید رکھتے تھے ۱۲

وُہ حقائق کا اصل ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (کہ سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے میرا نور پیدا کیا)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ (میں اللہ کے نور سے پیدا ہُوا ہُوں اور مومن میرے نور سے پیدا ہوئے ہیں) تو لازماً آپ تمام حقائق اور خُداوند تعالےٰ کے درمیان واسطہ ہوں گے اور ان کے وسیلہ کے بغیر کسی کو بھی مطلوب تک پہنچنا محال ہوگا پس آپ انبیاء اور مرسلین کے نبی ہیں اور آپ کا بھیجنا جہان والوں کے لئے رحمت ہے علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء اولوالعزم باوجود اصالت کے ان کی تبعیت چاہتے تھے اور آپ کی اُمّت میں داخل ہونے کی آرزُو رکھتے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔

سوال:۔ وہ کونسا کمال ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امّت ہونے سے وابستہ ہے اور وُہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو باوجود نبی ہونے کے حاصل نہ ہُوا؟

جواب:۔ وہ کمال حقیقۃ الحقائق سے وصُول واتحاد ہے جو کہ تبعیّت اور وراثت سے وابستہ ہے بلکہ اللہ تعالےٰ کے کمال فضل پر موقوف ہے جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی امت میں سے اخص الخواص کا حصہ ہے اور جب تک امّت میں سے نہ ہو اس دولت تک نہیں پہنچ سکتا اور توسّط کا حجاب نہیں اُٹھ سکتا جو کہ اتحاد کے وسیلہ سے میسّر ہوتا ہے شانہٗ اللہ تعالےٰ نے اسی لئے فرمایا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ (کہ تم بہترین امت ہو) پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم جس طرح تمام انبیاء کرام اور ملائکہ عظام کے تمام افراد سے افضل ہیں اسی طرح وہ ہر ایک سے کلّی طور پر بھی افضل ہیں کیونکہ اصل کو اپنے ظلّ پر فضیلت ہے اگرچہ وُہ ظل ہزاروں ظلال کا متضمن ہو کیونکہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ سے فیوض کا وصُول ظل کے واسطہ اور طفیل سے ہے۔ اس فقیر نے اپنے رسائل میں تحقیق کی ہے کہ اوپر کے نقطہ کو نچلے تمام نقطوں پر جو کہ اس کے ظلال کی طرح ہیں فضیلت حاصل ہے اور اس کے اوپر کے نقطہ کو قطع کرنا جو کہ اصل کی طرح ہے عارف کے لئے زیادہ ہے اس سے کہ تمام نچلے نقطوں کو جو کہ اس کے ظلال کی طرح ہیں قطع کرے۔

سوال:۔ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ اس اُمّت کے خواص انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں؟

جواب:۔ یہ بالکل لازم نہیں آتا صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس امت کے خواص اس دولت میں انبیاء کے ساتھ شرکت رکھتے ہیں اور اس کے باوجود دُوسرے کمالات بہت ہیں کہ انبیاء کو ان کے ساتھ بزرگی اور خصوصیّت ہے علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس امت کے اخص الخواص اگر بہت ترقی بھی کریں گے تو ان کا سر کسی ادنیٰ پیغمبر کے قدم تک نہیں پہنچ سکتا مساوات اور بزرگی کی کیا گنجائش ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ (کہ ہماری بات اپنے پیغمبر بندوں کے لئے پہلے گذر چکی ہے) علیہم الصلوات و التسلیمات۔ اور اگر امتوں میں سے کوئی فرد اپنے پیغمبر کی تبعیت اور طفیل سے بعض پیغمبروں سے اوپر بھی چلا جائے تو وہ خادمیّت اور تبعیّت کے عنوان سے ہوگا اور معلوم ہے کہ خادم کو اپنے مخدوم کے ہمسروں سے سوائے خادمیّت اور تبعیّت کے اور کیا نسبت ہو سکتی ہے کہ خادم و طفیلی ہر وقت طفیلی ہے۔

اور حقیقت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ حقیقت الحقائق ہے۔ مراتب ظلال کے طے کرنے کے بعد اس فقیر پر آخر کار جو کچھ منکشف ہوا ہے وہ تعیّن و ظہور حُبّی ہے جو کہ تمام ظہورات کا مبدأ اور تمام مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے۔ مشہور حدیث قدسی میں آیا ہے۔ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ (میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے محبوب رکھا کہ میں پہچانا جاؤں پھر میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں) سب سے پہلی چیز جو اس مخفی خزانہ سے ظہور کے تخت پر جلوہ گر ہوئی وہ محبّت تھی جو کہ مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی اگر یہ محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں مستقل طور پر اپنا ٹھکانا رکھتا۔ حدیث قدسی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا)، جو کہ خاتم الرسل کی شان میں واقع ہے کا راز اس جگہ سے معلوم کرنا چاہیئے اور لَوْلَاكَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِيَّةَ (اگر تُو نہ ہوتا تو میں ربوبیّت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت کو اس مقام میں تلاش کرنا چاہیئے۔

سوال:۔ صاحبِ فتوحات مکیّہ نے تعیّن اوّل جو کہ حقیقت محمدی ہے حضرت اجمالِ علم کہا ہے اور تم نے اپنے رسائل میں تعیّنِ اوّل تعیّن وجودی کہا ہے اور اس کے مرکز کو جو کہ اس کے اجزا میں سے اسبق و اشرف ہے حقیقت محمدی قرار دیا ہے اور تعیّن حضرت اجمال کو اس تعیّن وجودی کا ظلّ لکھا ہے اور اس جگہ لکھتے ہو کہ پہلا تعیّن حُبّی ہے اور وہ حقیقت محمدی ہے ان اقوال میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جواب:۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شے کا ظلّ اپنے آپ کو اصل شے دکھاتا ہے اور سالک کو اپنے آپ میں گرفتار کر لیتا ہے پس وہ دو تعیّن ظلال ہیں۔ تعیّن اوّل کے کہ عروج کے وقت عارف پر پر اصل تعیّن اوّل جو کہ تعیّن حبی ہے ظاہر ہوتا ہے۔

سوال:۔ تعیّن وجودی کو تعیّن حُبّی کا ظلّ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے حالانکہ وجود کو حُبّ پر سبقت ہے کیونکہ حُبّ وجود کی فرع ہے۔

جواب :- اس فقیر نے اپنے رسائل میں تحقیق کیا ہے کہ حضرت حق سُبحانہ وتعالےٰ بذات خود موجود ہے نہ کہ وجُود سے ، اور اسی طرح اللہ تعالےٰ کی صفات ثمانیہ بذاتِ واجب موجود ہیں نہ کہ وجود سے کہ وجود بلکہ وجوب کو بھی اس مرتبہ میں گنجائش نہیں ہے کہ وجود اور وجوب دونوں اعتبارات سے ہیں ۔ پہلا اعتبار جو ایجاد عالم کے لئے پیدا ہُوا وہ حُبّ ہے اس کے بعد اعتبار وجُود ہے جو کہ ایجاد کا مقدمہ ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالےٰ کو بغیر اعتبار اس حُبّ کے اور بغیر اعتبار اس وجُود کے عالم سے اور ایجاد عالم سے استغنا ہے ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ (اللہ تعالےٰ جہانوں سے بے نیاز ہے) نص قطعی ہے اور تعیّن علمی جملی کو ان دو تعیّن کا ظلّ کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ دو تعیّن باعتبار حضرت ذات تعالےٰ کے ہیں بغیر ملاحظہ صفات کے اور اس تعیّن میں ملحوظ صفت ہے جو کہ اللہ تعالےٰ کی ذات کے لئے ظلّ کی طرح ہے ۔

جاننا چاہیئے کہ تعیّن اوّل میں جو کہ تعیّن حبّی ہے جب دقّت سے نظر کی جائے تو اللہ سُبحانہ وتعالےٰ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرکز کا تعیّن حبّ ہے جو کہ حقیقت محمدی ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور اس دائرہ کا محیط صورت مثال میں دائرہ کی طرح ہے اور وہ محیط اس مرکز کے لئے ظلّ کی طرح ہے خلّت ہے جو کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت ہے پس حُبّ اصل ہوئی اور خلّت اس کے لئے ظلّ کی طرح ہوئی اور یہ مرکز محیط کا مجموعہ جو کہ ایک دائرہ ہے تعیّن اوّل ہے اور اس کا نام اس کے اسبق واشرف اجزاء کے نام پر ہے جو کہ مرکز ہے اور حُبّ سے عبارت ہے ۔ اور نظر کشفی میں بھی باعتبارِ اصالت اور اس جز کے غلبہ کے تعیّن حبّی ہی ظاہر کرتا ہے اور چونکہ محیط دائرہ اس مرکز کے لئے ظلّ کی طرح ہے اور اسی سے پیدا ہُوا ہے اور وہ مرکز اس کا اصل ومنشا ہے اس محیط کو اگر تعیّن ثانی بھی کہیں تو گنجائش رکھتا ہے لیکن نظر کشفی میں دو تعیّن نہیں ہیں بلکہ ایک تعیّن ہے جو کہ حُبّ اور خُلّت پر مشتمل ہے جو کہ ایک ہی دائرہ کے محیط اور مرکز ہیں اور تعیّن ثانی در نظر کشفی تعیّن وجودی ہے جو کہ تعیّن اوّل کے لئے ظلّ کی طرح ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ۔

اور چونکہ مرکز محیط کا اصل ہے تو لازماً محیط کو مطلوب کے وصول میں مرکز کے توسط سے چارہ نہیں ہے کیونکہ مطلوب تک وصُول مرکز کی راہ سے ہے جو کہ دائرہ کا اصل واجمال ہے اس بیان سے حضرت حبیب اللہ کی حضرت خلیل اللہ سے اتحاد ومناسبت معلوم کرنی چاہیئے ۔ علیہما وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوات والتسلیمات ۔ اور چونکہ اصل واسطہ ہے ظلّ کے مطلب تک پہنچنے کا تو لازمی طور پر حضرت خلیل اللہ نے حضرت حبیب اللہ سے واسطہ چاہا ہے اور اس کی آرزو کی ہے کہ اس کی اُمت میں داخل ہوں جیسا کہ

وارد ہوا ہے علیہما وعلی جمیع الانبیاء الصلوات والتسلیمات والتحیات اتمہا واکملہا۔

سوال:۔ جب معاملہ اس طرح ہو تو حضرت حبیب اللہ کو حضرت خلیل اللہ کی متابعت کا حکم کرنا کیا معنی رکھتا ہے علیہما الصلوات والتسلیمات اور آنحضرت ﷺ نماز اور اپنے اوپر سلام کے بیان میں کَمَا صَلَّیْتَ اور کَمَا سَلَّمْتَ کیوں فرمایا ہے علیہما الصلوات والتسلیمات۔

جواب:۔ حقیقتِ شے اگرچہ مابند تر ہو اور تنزیہ کے زیادہ قریب ہو تو پھر بھی عالمِ عناصر میں اس حقیقت کا مظہر بسیت تر ہوتا ہے اور بیشتر لباس بشری سے متلبس ہوتا ہے پس اس مظہر سے بطریق عروج اس حقیقت تک پہنچنا دشوار ہوتا ہے اور وہ ملت جو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی ہے وہ حقیقت ابراہیمی کے وصول تک شاہراہ ہے جو حقیقت محمدی کے ہمسایہ میں واقع ہے جیسا کہ گذر چکا اور حضرت ابراہیم اسی راہ سے اس جگہ پہنچے ہیں اس بنا پر حکم ہوا کہ ان کی ملت کی متابعت کی جائے اور حقیقت الحقائق تک وصول فرمائیں اور آنحضرت نے کَمَا صَلَّیْتَ فرمایا ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ صلوٰۃ و رحمت اُن پر وصول بہ حقیقت کی دولت کے حصول کے بعد ہے

اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فاضل کو مفضول کی متابعت کا حکم کرتے ہیں اور اس متابعت کے حکم سے اس کی فاضلیت میں کوئی قصور لازم نہیں آتا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (اور کام میں ان سے مشورہ کرو) صحابہ سے مشورے کا حکم ان کی متابعت کے حکم سے خالی نہیں ہے ورنہ مشورے کا کیا فائدہ ہوگا۔

جان لیں کہ حضرت صدیق کی حقیقت یعنی اسمائے الٰہی میں سے ان کا رب جو کہ اُن کا مبدأ متعیّن ہے۔ بغیر کسی امر کے توسّط کے حقیقت محمدی کا ظلّ ہے۔ اس طریقہ پر کہ جو کچھ اس حقیقت میں ثابت ہے بطریق تبعیّت و وراثت اس ظلّ میں بھی ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس امّت کے وارثوں میں سے اکمل و افضل ہوئے اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا ہے وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا ہے اور یہ بھی واضح ہوا ہے کہ اسرافیلی حقیقت بھی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وُہی حقیقت محمدی ہے علیہ وعلی جمیع اخوانہ الصلوٰۃ والسلام بہ طریق اصالت و ظلّیت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی حقیقت کی طرح جو کہ اس حقیقت کا ظلّ ہے بلکہ اس جگہ دونوں اصالت رکھتے ہیں کوئی ظلّیت درمیان میں حائل نہیں ہے اگر فرق ہے تو کلیّت اور جزئیت کا فرق ہے کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کل ہیں لہٰذا وہ حقیقت انہی کے نام سے موسوم ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے

حقائق اسی اسرافیلی حقیقت سے پیدا ہوئے ہیں علیٰ نبینا وعلیہ وعلیٰ جمیع اخوانہ الکرام الصلوٰۃ والسلام۔

سوال :۔ عارف کو اپنی حقیقت سے جو کہ اسم الٰہی جل شانہٗ سے عبارت ہے جو اس کا ربّ ہے اس حقیقت کے وصول کے بعد ترقی جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ سلوک کے مراتب طے کرنے کے بعد جس کو پوری سیر الی اللہ کہتے ہیں اس حقیقت تک وصول دو قسم کا ہے۔ ایک قسم یہ ہے کہ اس جگہ وصول اس اسم کے ظلال میں سے کسی ظلّ سے ہو کہ جس نے مظاہر وجوبیہ میں اپنے آپ کو اپنی حقیقت ظاہر کیا ہے اور اصل کے رنگ میں باہر آیا ہے اور یہ اشتباہ اس راہ میں بہت ہے اور سالک کے لئے ایک بہت بڑی گھاٹی ہے مگر یہ کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس گھاٹی سے خلاصی میسّر ہو جائے اور شک نہیں ہے کہ اس حقیقت نما ظلّ سے ترقّی جائز ہے بلکہ واقع ہے۔

اور اگر وصول اپنے نفس حقیقت تک ہو چکا ہے تو اس سے آگے ترقّی بغیر کسی دُوسرے کی تبعیّت اور طفیل کے جائز نہیں ہے کہ وُہ حقیقت اس کی ذاتی استعداد کے مراتب کی انتہا ہے لیکن اگر اس کو کسی کی طفیل دوسرے کی حقیقت تک جو اس سے اوپر ہے پہنچا دیں تو جائز ہے بلکہ واقع ہے اور یہ سیر گویا سیر قسری ہے۔ جو سیر طبعی اور استعدادی کے علاوہ ہے جیسا کہ اس کا کچھ بیان حقیقت محمدی کے وصول بیان میں گذر چکا ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

سوال :۔ حقیقت محمدی سے جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے اور ممکنات کے حقائق میں سے کوئی حقیقت اس سے اوپر نہیں ہے۔ ترقی جائز ہے یا نہیں اُور تم نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع ہوئی۔ اس معاملہ میں حقیقت کیا ہے ؟

جواب ۔ جائز نہیں ہے کیونکہ اس مرتبہ کے اوپر لاتعیّن کا مرتبہ ہے کہ اس مرتبہ تک متعیّن الحاق و وصول محال ہے اور بے کیف وصول اور الحاق کہنا محض مُنہ کی بات ہے کہ معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے سے پہلے اس سے تسلّی حاصل کی جاتی ہے لیکن اصل معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے کے بعد عدم وصول والحاق کا حکم لازمی ہے کہ اس جگہ شک کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور وُہ جو میں نے لکھا ہے کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع ہوئی مراد اس حقیقت سے اس حقیقت کا ظلّ ہے کہ اجمال حضرت علم کہا ہے اور جسے وحدت سے تعبیر کیا ہے اس وقت اس فقیر پہ ظلّ پر اصل کا اشتباہ تھا اور جب محض اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اس ظلّ سے اور تمام ظلال سے نجات میسّر ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس حقیقۃ الحقائق سے ترقی واقع نہیں ہے بلکہ جائز نہیں ہے قدم اس جگہ سے اُٹھانا اور آگے رکھنا وجوب میں قدم رکھنا ہے اور امکان سے باہر آنا ہے

جو کہ عقلی اور شرعی محال ہے۔

سوال :۔ اس تحقیق سے لازم آتا ہے کہ حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس حقیقت سے ترقی واقع نہ ہو۔

جواب :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جاہ و جلال اور اس بلندئ شان کے باوجود ہمیشہ ممکن ہیں اور ہرگز امکان سے باہر نہیں آسکتے اور نہ واجب سے مل سکتے ہیں کیونکہ یہ الوہیت سے متصف ہونے کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے کہ کوئی اس کا شریک اور برابری کرنے والا ہو۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ ‌ ‌ ‌ وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِمْ[۱]

سوال :۔ سابقہ تحقیق سے واضح ہوا کہ دوسروں کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت اور طفیل میں حقیقت الحقائق تک وصول اور ان سے الحاق و اتحاد ثابت ہے اور ان کے خاص کمال میں شرکت موجود ہے پس اس صورت میں متبوع اور تابع کے درمیان اور اصلی اور طفیلی کے درمیان فرق جو کہ رفع حجاب اور ارتفاع واسطہ کا متضمن ہے اور تمام کمالات سے اوپر ہے کیا ہوگا؟ اور وہ کونسی بزرگی ہوگی جو متبوع اور اصیل میں ہو اور تابع اور طفیلی میں نہ ہو؟

جواب :۔ دوسروں کا اس حقیقت تک الحاق و وصول خادم کے اپنے مخدوم سے الحاق کی طرح ہے یا طفیلی کے اصیل سے وصول کی طرح ہے اگر کوئی واصل اخص الخواص بھی ہے جو کہ بہت ہی تھوڑے ہیں تو وہ بھی خادم ہے اور اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں تو وہ بھی طفیلی ہیں اور خادم جو کہ پس خوردہ کھانے والا ہے اس کو اپنے مخدوم سے کیا شرکت ہو سکتی ہے اور اس کے مقابل اس کی کیا عزت و آبرو ہے؟ اور طفیلی اگرچہ ہم جلیس اور ہم لقمہ ہے لیکن طفیلی پھر بھی طفیلی ہے۔ خادم جو اپنے مخدوم کے پیچھے بلند مقامات تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کے مخصوص طعاموں میں سے بچا ہوا کھاتے ہیں اور عزت و احترام پاتے ہیں تو یہ سب مخدوم کی بزرگی ہے اور اس کی تابعداری کی بلندی ہے گویا کہ مخدوم کو اپنی ذاتی عزت کے علاوہ خادموں کے الحاق کے راہ سے بھی عزت ملتی ہے اور ان کی شان میں اور زیادہ بلندی پیدا ہو جاتی ہے۔

اچھی طرح سنو کہ حدیث نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں آیا ہے "جس نے کوئی اچھا طریقہ نکالا تو اس کے لئے اس کا اجر بھی ہے اور جو اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی"۔ پس سُنّتِ حسنہ میں متبوع کے جتنے بھی تابع زیادہ ہوں گے تو اس کو ان کے اجر کی مثل اور زیادہ ملے گا اور اس کی منزلت کی زیادتی کا باعث ہوگا۔ پس تابعین کو اپنے متبوع سے کیا شرکت ہوگی اور کونسی مساوات متوہم ہوتی ہے۔

---

[۱] جو نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق کہا ہے وہ چھوڑ دے اور اس کے علاوہ تو ان کی جو تعریف کرنا چاہے وہ کر اور اس پر مضبوط رہ ۱۲۔

سنو سنو! جائز ہے کہ کچھ لوگ ایک ہی مقام میں ہوں اور ایک ہی دولت میں شریک ہوں لیکن ان میں سے ہر ایک کے ساتھ معاملہ الگ الگ ہو اور ایک کو دوسرے کی کوئی اطلاع نہ ہو۔ ازواج مطہرات بہشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی مقام میں ہوں گی اور ایک ہی کھانے اور پانی سے تناول کریں گے لیکن وہ معاملہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گا وہ اُن سے نہ ہوگا اور وہ لذتیں سرور جو اُن کو حاصل ہو گا وہ اِن کو حاصل نہ ہوگا اور اگر ان کو اس جگہ تمام امور میں شرکت ہو تو ان کی فضلیت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کی طرح سب پر لازم آئے گی اور اس جگہ افضلیت کا معنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثرت ثواب ہے۔

سوال :- یہ تعین حُبّی جو کہ تعین اوّل ہے اور حقیقت محمدی ہے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام ممکن ہے یا واجب؟ اور حادث ہے یا قدیم؟ صاحب فصوص تعین اوّل کو کہ جس کو حقیقت محمدی کہا ہے۔ اور اس کو وحدت سے تعبیر کیا ہے اور اسی طرح تعین ثانی کو کہ اس کو واحدیت کہا ہے اور اعیان ثابتہ کہ جن کو حقائق ممکنات کہتا ہے اس مرتبہ میں ثابت کیا ہے اور وہ ہر دو تعین کو تعین وجوبی کہتا ہے اور قدیم جانتا ہے اور دوسرے تین تنزلات کو کہ روحی اور مثالی اور جسدی ہیں تعین امکانی تصور کرتا ہے آپ کا اس مسئلہ میں کیا عقیدہ ہے؟

جواب :- اس فقیر کے نزدیک کوئی تعین اور متعین نہیں ہے وہ کونسا تعین ہوگا جو لا تعین کو متعین کرے۔ یہ الفاظ حضرت شیخ محی الدین اور اس کے تابعین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مذاق کے موافق ہیں اور اگر اس فقیر کی عبارت میں کہیں اس قسم کے الفاظ ہوں تو ان کو صنعت مشاکلہ کے قبیل سے سمجھنا چاہیئے بہر حال میں کہتا ہوں کہ وہ تعین تعینِ امکانی ہے اور مخلوق اور حادث ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے) اور دوسری احادیث میں اس نور کی پیدائش کے وقت کا تعین بھی آیا ہے جیسا کہ فرمایا قَبْلَ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ بِاَلْفَیْ عَامٍ (آسمانوں کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے) اور اس کی مثل اور روایات بھی ہیں اور جبکہ وہ مخلوق ہے اور مسبوق بعدم ہے۔ ممکن اور حادث ہے اور جبکہ حقیقت الحقائق جو کہ اسبق حقائق ہے ممکن اور مخلوق ہو تو دوسروں کے حقائق بطریقِ اولیٰ مخلوق ہوں گے اور امکان وحدوث رکھتے ہوں گے۔

تعجب ہے کہ شیخ قدس سرہٗ نے حقیقت محمدی کو بلکہ تمام ممکنات کے حقائق کو اعیانِ ثابتہ کہا ہے وہ کہاں سے ان کے وجوب کا حکم کرتے ہیں اور کیسے ان کو قدیم جانتے ہیں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کے برخلاف کیسے التزام کرتے ہیں ممکن اپنے اجزا کے ساتھ بھی ممکن ہے اور اپنی صورت اور حقیقت سے

بھی ممکن ہے تعین وجوبی ممکن کی حقیقت کس لئے ہوگا۔ ممکن کی حقیقت یقیناً ممکن ہونی چاہیئے کیونکہ ممکن کو واجب تعالیٰ کے ساتھ کوئی اشتراک اور نسبت نہیں ہے سوائے اس کے کہ ممکن اس کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے خالق ہیں۔ اور شیخ چونکہ واجب اور ممکن میں تمیز نہیں کرتے اور خود فرماتے ہیں کہ "ان دونوں میں تمیز نہیں ہے"۔ اگر وہ واجب کو ممکن کہے اور ممکن کو واجب کہے تو اُسے کوئی خطرہ نہیں ہے اگر ان کو معذور سمجھیں تو کمال کرم اور عفو ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کھا جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

سوال:۔ تو نے خود اپنے رسائل میں اللہ تعالیٰ اور ممکن کے درمیان اصل اور ظل کی نسبت ثابت کی ہے اور ممکن کو واجب کا ظل کہا ہے اور واجب کو باعتبار اصل ممکن کی حقیقت کہا ہے کہ وہ اس کے ظل کی طرح ہے اور اس پر بہت سے معارف کو متفرع کیا ہے اگر اس اعتبار سے شیخ قدس سرہٗ نے بھی واجب تعالیٰ کو ممکن کی حقیقت کہہ دیا ہو تو اس میں کیا استحالہ لازم آتا ہے اور اسے کیوں ملامت کی جاتی ہے؟

جواب:۔ اس قسم کے علوم جو واجب تعالیٰ اور ممکن میں نسبت کا اثبات کریں اور شریعت ان کے ثبوت کے لئے وارد نہیں ہوئی یہ تمام معارف سُکر یہ سے ہیں اور حقیقت معاملہ کی نارسائی کی وجہ سے۔

ع ممکن[1] چہ بود کہ ظلِّ واجب باشد

واجب تعالیٰ کا سایہ کیوں ہوگا کیونکہ مثل کی تولید کا مُوہم ہے اور عدم کمال لطافت کے شائبہ کی خبر دیتا ہے۔ جبکہ رسُول اللہ کا لطافت کی وجہ سے سایہ نہ تھا تو خُدائے محمدؐ کا سایہ کیوں ہوگا۔ خارج میں موجُود بالذّات اور بالاستقلال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور یا پھر اللہ تعالیٰ کی صفات ثمانیہ حقیقیہؐ اور ان کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجُود ہُوا ہے اور ممکن اور مخلوق اور حادث ہے اور کوئی مخلوق اپنے خالق کا ظِل نہیں ہے اور مخلوقیّت کے سوا خالق سے کوئی نسبت سوائے اس نسبت کے جس کو شرع نے ثابت کیا ہو نہیں رکھتا۔ یہ عالم کی ظلّیت کا علم سالک کو راہ میں بہت کام دیتا ہے اور اسے کشاں کشاں اصل تک لے جاتا ہے اور جب کمال عنایت سے منازل طے کر کے اصل تک پہنچتا ہے تو محض خُدا تعالیٰ کے فضل سے وہ ایسا پاتا ہے کہ اصل بھی ظلّ کا حکم رکھتا ہے اور یہ مطلوبیّت کے لائق نہیں ہے کیونکہ امکان کے داغ سے داغدار ہے اور مطلوب ادراک کے احاطہ اور وصل و اتصال سے ماورا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

فصل:۔ فضائل مآب کمالات دستگاہ مولانا حسن کشمیری دہلوی نے اللہ تعالیٰ ان کے احوال کو

---

[1] ممکن کی کیا حیثیت ہے کہ وہ واجب کا ظلّ ہو۔ ۱۲

اچھا کرے اور ان کی آرزوئیں بر آئیں ایک خط لکھ کر فقیر کو بھیجا تھا اور اس میں چند ایک سوالات درج کر کے ان کے حل کا مطالبہ کیا تھا اور چونکہ اُن کا حل بعض اسرار کے اظہار کا متضمن ہے اور کچھ اور بھی رکاوٹیں تھیں۔ فقیر ان کے جواب میں جرأت نہیں کرتا تھا اور حیلہ بہانہ سے وقت گذار رہا تھا۔ چونکہ مشارٌالیہ کا اس فقیر پر بہت بڑا حق ہے کہ انہی کی اچھی راہنمائی سے میں حضور ولایت پناہ ہادی راہ اندراج نہایت فی البدایۃ کی دولت سے مشرف ہُوا ہوں اور اس راہ کی الف، با کا سبق بھی انہی سے لیا ہے اور ان کی خدمت میں بے اندازہ برکات و فیوض کا استفادہ بھی کیا تو مجبوراً بعض سوالات کا حل جو کہ اس رسالہ کے علُوم سے مناسبت رکھتے ہیں اس رسالہ کے ذیل میں ان کو درج کر دیا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالےٰ ہی بھلائی کی راہ کی ہدایت دینے والے ہیں۔

آپ نے پُوچھا تھا کہ کمالات صوری و معنوی اور ظاہری اور باطنی اور علمی و عملی اور دنیوی اور اُخروی جو کچھ بھی نوع بشر میں ممکن ہے وہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام الی یوم الحشر کو بالفعل حاصل اور متمکن ہیں جیسا کہ حدیث نفیس اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں اور میں فخر نہیں کرتا) اور اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (آدم اور ان سے نچلے تمام نبی قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے) اور فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ (پس میں نے پہلوں اور پچھلوں کا علم علوم کر لیا) اور ان جیسی اور بھی احادیث سے مفہوم ہوتا ہے اور جو کسی چیز سے مشروط یا کسی وقت پر موقوف ہوگا وہ بھی اپنے وقت پر باحسن وجوہ جلوہ دکھائے گا پس اس صورت میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حزُن جو دوام اور کثرت سے موصوف و معروف ہے کیوں ہے؟ اور اس کا سبب کیا ہے؟ کیونکہ حزُن و اندوہ کا سبب کسی چیز کا فقدان ہوتا ہے جس کو وُہ چاہتا ہے۔

میرے مخدوم! حزُن کا استبعاد اور حضرت خاتمیّت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال کا فقدان جب جاہ و جلال محمدی پر نظر کی جائے اور خداوندی عنایات کو دیکھا جائے جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ہیں تو مسلّم اور مستحسن ہے اور جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عبدیّت اور عبودیّت اور عجز اور بشریّت کو دیکھا جائے اور اللہ تعالےٰ کے ذاتی استغناء اور کبریائی اور عظمت و جلال و عزّت کو ملاحظہ کیا جائے تو حزُن کا حصُول اور اللہ تعالےٰ کے بے نہایت کمالات میں سے کسی کمال کا فقدان رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حق میں بھی مستبعد نہیں ہے بلکہ بندگی کے حال کے لائق ہے آیت وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا (وُہ اس کے علم میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے) اور آیت لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) یہ دونوں اس معنی پر گواہ عدل ہیں اور ہر ایک کے متعلّق فقدان کا اثبات کرتی ہیں۔ ہاں ممکن اگرچہ کتنے ہی بلند

مراتب تک پہنچ جائے واجب کی حقیقت کو کیا معلوم کر سکتا ہے اور حادث قدیم سے کیا لے سکتا ہے اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے اور وہ جو آپ نے لکھا ہے کہ ہر کمال جو نوع بشر میں ممکن ہے وہ حضرت خاتمیتؐ میں بالفعل حاصل ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ہاں فضل کلی اور ہر ایک پر فضیلت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے لیکن وہ کمال جو جزوی فضیلت رکھتا ہو وہ جائز ہے کہ بعض انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علی نبینا علیہم الصلوات والتسلیمات سے مخصوص ہو اور وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل کلی میں کوئی قصُور پیدا نہیں کرتا۔

صحیح احادیث میں آیا ہے کہ امتیوں کے بعض کمالات ایسے ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم والصلوٰۃ والسلام بھی رشک کرتے ہیں حالانکہ امتوں کے تمام افراد پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کلی فضیلت حاصل ہے اور یہ بھی احادیث میں آیا ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے چند چیزوں سے انبیاء پر بھی فضیلت رکھتے ہیں۔ شہداء کو غسل کی حاجت نہیں ہے اور انبیاء کو غسل دینا چاہیئے اور شہداء پر نماز جنازہ نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور انبیاء پر نماز جنازہ پڑھنا چاہیئے اور قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ شہداء کو مُردے نہ سمجھو کہ وہ زندہ ہیں اور انبیاء کو مُردے فرمایا ہے یہ تمام فضائل جزئیہ ہیں انبیاء کی کلی فضیلت میں یہ کوئی قصور پیدا نہیں کرتے۔

پس ہو سکتا ہے کہ ان فضائل جزئیہ میں سے بعض کا فقدان رسُول اللہ علیہ وسلم کے حُزن واندوہ کا سبب ہو کہ وہ ان فضائل تک پہنچنے اور استعداد کے حاصل ہونے کا سبب بن جائے مثلاً نبوت کے ساتھ شہادت کا درجہ بھی جمع ہو جائے اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ تمام انسانی افراد کے تمام کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بالفعل موجود ہیں تو میں کہتا ہوں کہ چونکہ آنحضرت کی ہمتؐ بلند واقع ہوئی ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام لہٰذا ان کمالات پر اکتفا نہیں کرتے اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (کیا کچھ اور بھی ہے) کہتے ہُوئے بلندی کا شوق فرماتے ہیں اور چونکہ اوپر کے کمالات کا حصُول امکان بشری سے خارج ہے تو لازماً آپ ہر وقت اندوہگین اور حزین رہتے۔

اِس بحث کی تحقیق یہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو خوب جانیں کہ طریقت وحقیقت اور قرب اور معرفت میں تمام کام کا دار ومدار فنا اور صفات بشری اور احکام امکان کے زوال پر ہے ؎

ہیچ کس را تا نہ گردد او فنا نیست راہ در بارگاہ کبریا[1]

جس قدر بھی بشریت کے وجوہات باقی ہیں اسی قدر اس راہ کے حجاب بھی موجود ہیں اور کلی طور پر

---

[1] کسی کو بھی جبتک کہ وہ فنا نہ ہوجائے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں راہ نہیں ہے ۱۲

بشریّت کی صفات کا ارتفاع تمام افراد انسانی میں ممکن نہیں ہے کیا خواص اور اخصّ خواص۔ شیخ عطار فرماتے ہیں ؎

نمی بینی کہ شاہے چوں پیمبر ۔۔۔ نیافت او فقر کل تو رنج کم بر[1]

اور فقر کلّی سے کلّی طور پر امکانی اور بشری صفات کا زوال مراد لیا ہے کہ اس کا حصوُل متصوّر نہیں ہے کیونکہ وہ حقائق کے منقلب ہونے کو مستلزم ہے کیونکہ ممکن اگر ترقی کر کے اپنے امکان سے علیحدہ ہو جائے تو یقیناً وہ واجب ہو جائے گا اور یہ عقلی اور شرعی محال ہے۔ اور وُہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے ؎

چوں[2] ممکن گرد امکان بر فشاند ۔۔۔ بجز واجب درو چیزے نہ ماند

یہ تشبیہ اور تمثیل پر محمُول ہے تقریب اور تحقیق پر محمول نہیں ہے کہ وہ غیر واقع ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

سیاہ[3] روئی ز ممکن در دو عالم ۔۔۔ جدا ہرگز نہ شد واللہ اعلم

سوال :۔ امکان کے آثار و احکام کا بقا مقام قاب قوسین میں ظاہر ہے کہ قوسِ امکان و قوسِ وجوب اس جگہ برپا ہے لیکن مقام اَوْ اَدْنٰی جو کہ اصل میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے امکان کے احکام کا بقا کیا معنی رکھتا ہے ؟

جواب :۔ وجوب اور امکان میں مابہ الامتیاز چیز عدم ہے جو کہ امکان کی ایک طرف ہے کیونکہ امکان کی دوسری طرف وجوُد ہے جو قدر مشترک ہے۔ درمیان وجُوب اور امکان کے اور مقام اَوْ اَدْنٰی میں اس عدم کے احکام زوال پذیر ہو جاتے ہیں اور قوسین کا امتیاز رفع ہو جاتا ہے نہ کہ امکان بالکل مرتفع ہو جاتا ہے اور وجوب سے بدل جاتا ہے کہ وُہ محال ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ البتہ اس قدر ضرور ہے کہ مقام قاب قوسین میں ظلمانی حجابات سے باہر نہیں آتا ہے کہ وہ عدم کے آثار ہیں اور مقام اَوْ اَدْنٰی میں اگر حجاب ہیں تو نورانی ہیں اور وہ وجود امکانی کی راہ سے آتے ہیں اور اسی توجیہ پر اس بزرگ کے بیت کے معنی کو محمول کیا جا سکتا ہے جو کہ اُوپر گذرا اور امکان کی گرد جھاڑنے کا مطلب عدم کے احکام کا زوال ہے جو کہ سراسر کدورت ہے۔

سوال :۔ جب امکان کے عدم کی طرف زائل ہوئی اور وہ مابہ الامتیاز جو کہ امکان اور وجُوب کے درمیان تھا اُٹھ گیا اور وجُود کے سوا جو کہ امکان کی دُوسری طرف ہے اور وجوب اور امکان میں قدر مشترک ہے

---

[1] کیا تو نہیں دیکھتا کہ پیغمبر جیسے بادشاہ نے بھی کلّی فقر نہ پایا لہٰذا تو رنج کم اُٹھا ۱۲

[2] جب ممکن امکان کی گرد جھاڑ دیتا ہے تو واجب کے سوا کوئی چیز اس میں باقی نہیں رہتی۔ ۱۲

[3] ممکن سے دونوں جہانوں میں سیاہی ہرگز دُور نہیں ہو سکتی اور اللہ ہی خوب جانے

اس جگہ نہ رہا تو درست ہُوا کہ امکان اپنی حقیقت سے الگ ہو کر وجُوب کے ساتھ ملحق ہو گیا جو کہ وجود صرف ہے اور حقیقت میں تبدیل ہونا لازم آیا تو اس بزرگ کے بیت کا معنی جو کہ ذکر ہو چکا ہے کہ "اُس میں واجب کے سوا کوئی چیز نہیں رہتی"۔ حقیقت پر محمول ہُوا۔

جواب:۔ یہ وجُود جو ممکن کی طرف میں ثابت ہے اس وجود کا ظل ہے جو کہ وجُوب میں ثابت ہے نہ کہ اس وجود کا عین اور یہ وجوب جو طرف عدم کے زوال سے ممکن میں پیدا ہُوا ہے وجوب بالغیر ہے جو کہ ممکن کی ایک قسم ہے نہ کہ وجُوب بالذّات تاکہ حقیقت کا منقلب ہونا لازم آئے کیونکہ اس عدم کا ارتفاع ذات ممکن کی طرف سے نہیں آیا ہے کہ واجب بالذات ہو جائے اور محال لازم آئے بلکہ ممکن میں اس عدم کا ارتفاع حضرت واجب الوجود کے غلبہ کی وجہ سے ہے اور یہ ممکن کی ذات پر حضرت واجب الوجود کی حکومت ہے اور وجُوب سے جو کہ مصرعہ سابق میں واقع ہُوا ہے متبادر فی الذہن وجوب ذاتی ہے نہ کہ وجوب بالغیر اور وجُود کو وجوب و امکان کے درمیان قدر مشترک کہنا اشتراک لفظی کے قبیل سے ہے نہ کہ معنوی اگرچہ اس کو کُلّی مشکّک کہتے ہیں کیونکہ ممکن کے وجود کو واجب تعالےٰ کے وجُود سے حقیقت میں کوئی شرکت نہیں ہے تاکہ کلیّہ اور جزئیہ کا تصوّر کیا جا سکے۔

سوال:۔ فنا و بقا جو صوفیاء علیہ نے کہا ہے اور ولایت کو اس سے عبارت سمجھا ہے اس کا کیا معنی ہے جب صفات بشریت کا ارتفاع متصوّر نہیں ہے تو فنا کی کیا گنجائش ہے؟

جواب:۔ وہ فنا جو ولایت میں معتبر ہے وہ شعور اور شہود کے اعتبار سے ہے جو کہ ماسوائے حق کے نسیان سے عبارت ہے نہ کہ ماسوٰی کا ارتفاع۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس فنا والا غلبات سکر میں اشیائ کے عدم شعور کو عدم اشیاء سمجھتا ہے اور اس کو ماسوی کا ارتفاع جانتا ہے اور اس سے تسلّی پاتا ہے اور اگر محض فضل سے اس کو ترقّی دے کہ دولت صحو سے مشرف کریں اور صاحب تمیز بنا دیں تو جان لیتا ہے کہ وہ فنا اشیاء کا نسیان تھا نہ کہ اشیاء کا اعدام، اور اس نسیان سے اگر زائل ہُوا ہے تو اشیا کی گرفتاری ہے جو کہ ثابت اور مذموم ہے نہ نفسِ اشیاء کہ اشیا اپنی صرافت پر قائم و ثابت اس اور اس کے اِعدام اور نفی سے ان کی نفی نہیں ہو سکتی ہے ؎

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است[1]

اور جب فضل و کرم سے یہ دید اور یہ تمیز عطا ہوئی تو وہ تسلّی زائل ہوئی اور اس کی جگہ حزن و اندوہ و بے آرامی بیٹھ گئی اور اس کو معلوم ہو گیا کہ اس کا "نہ ہونا" ایک ایسا مرض ہے جو اس کی کوشش اور

---

[1] حبشی سے سیاہی کیسے دُور ہو سکتی ہے کہ وہ اس کا اصلی رنگ ہے ۱۲

اہتمام سے نابُود نہیں ہو سکتا اور یافت (پالینا) جو کہ مور کے پاؤں کی طرح ہمیشہ ان کے لئے جانگاہ ہیں امکان کا نقص اور حدوث کا قصور ہے جو ہمیشہ اس کے لئے جانکاہ ہوتا ہے عجیب معاملہ ہے کہ عارف جتنا بھی اوپر چلا جاتا ہے اور زیادہ ترقیات و عروج حاصل کرتا ہے اتنا ہی نقص کا دیدہ اس میں زیادہ ہوتا جاتا ہے اور قصور زیادہ اس کی نظر میں آتا ہے اور بے آرام اور بے قرار کر دیتا ہے اور وہی رسّی بٹنے والے کے شاگرد کا قصہ ہے جو اس نے تعجب سے اپنے استاد سے کہا تھا کہ "میں جتنا بھی کام زیادہ کرتا ہوں اتنا ہی دُور ہوتا جاتا ہوں"۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے کاش ربِّ محمدؐ محمدؐ کو پیدا نہ کرتا"۔ اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا "جتنی مجھے ایذا دی گئی ہے اتنی کسی نبی کو ایذا نہیں دی گئی"۔

شاید اس ایذا سے مُراد یہی نقص اور قصور کا دیکھنا ہو جو کہ کمال حزن و اندوہ کا سبب ہے کیونکہ دُوسری ایذائیں دُوسرے انبیاء میں کہی جا سکتی ہیں کہ زیادہ تھیں علی نبینا علیہم الصلوات والتسلیمات۔ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نو سو پچاس سال اپنی قوم میں رہے اور اُن کو دعوت دیتے رہے اور طرح طرح کی ایذائیں برداشت کرتے رہے کہ ان کی قوم دعوت کے وقت ان پر اس قدر پتھر برساتی کہ وہ پتھروں کی بہتات کی وجہ سے بے ہوش ہو کر لوٹنے لگتے اور گر پڑتے اور پتھروں کے نیچے دب جاتے اور پھر جب اپنی حالت میں آتے تو ان کو دعوت شروع کر دیتے اور قوم پھر ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتی یہاں تک کہ خُدا کی تحریر اپنے وقت کو پہنچی۔

جاننا چاہئیے کہ یہ نقص و قصور کا دیکھنا دُوری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ قرب اور حضوری کی وجہ سے ہے کیونکہ روشن اور صاف مقام میں تھوڑی سی کدورت بھی زیادہ نظر آتی ہے اور تاریک اور مکدّر جگہ میں بُہت سی کدورت بھی تھوڑی معلوم ہوتی ہے اور وہ جو پہلے کہا جا چکا ہے کہ معرفت اور قربت کے کام کا دار و مدار فنا پر ہے کیونکہ جب تک سالک اپنے آپ سے فانی نہ ہو اور پوری طرح اپنی صفات بشریت و امکان سے باہر نہ جائے اپنے مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ان کا مطلوب کے ساتھ جمع ہونا دو نقیض کے جمع ہونے کی جنس سے ہے کیونکہ امکان میں ثبوت عدم ضروری ہے اور وجوب میں مطلوب عدم ضروری ہے اور جب تک مطلوب تک نہ پہنچے مطلوب کے کمالات کو کیا پائے اور اس کے کمال کو اپنے کمال کے مماثل کے سوا کیا ادراک کرے کیونکہ "ہر کسی چیز کا ادراک اس کی ضد اور اس کے غیر سے نہیں کیا جا سکتا"، یہ ارباب معقول کا مقررہ قضیّہ ہے۔

وہ بچّہ جو جماع کی لذّت کو نہیں پہنچا ہے اگر اس جماع کا کمال بیان کرے گا تو اُسے میٹھا کہے گا نہ کہ تلخ۔ اور پھر اس کی مٹھاس کو کھانڈ کی مٹھاس کی طرح جانے گا کہ اس کے وجدان میں اس کے علاوہ اور کُچھ

نہیں ہے اور یہ کمال اس جماع کا کمال نہیں ہے بلکہ ایسا کمال ہے جو بچے کی اختراع ہے جو کہ حقیقت میں اسی کی طرف راجع ہے نہ اس جماع کی طرف۔ پس جو کچھ مطلوب سے بغیر اعلام کے اپنی طرف سے کہے گا وہ اس کا اپنا کہنا ہوگا اور جو کچھ اس کی تعریف کرے گا وہ اس کی اپنی تعریف ہوگی اسی لئے ایک عارف نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ (اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف نہ بیان کرتی ہو) میں حَمۡدِهٖ کی ضمیر شئے کی طرف راجع ہے یعنی کوئی چیز تسبیح و تقدیس و تعریف نہیں کرتی مگر اپنی یہی وجہ ہے کہ بسطامی نے کہا سُبۡحَانِیۡ (میں پاک ہوں) تسبیح کو اپنی طرف لوٹانے کے لئے کیا خوب کہا ہے ؎

(۱) اے[1] شدہ ہم در جمال خویشتن ‌‌‌ مے پرستی ہم خیال خویشتن
(۲) قسم خلقاں زاں جمال وزاں کمال ‌‌‌ ہست گر بر ہم نہی مشت خیال،
(۳) گر ز معشوقت خیالے در سر است ‌‌‌ نیست معشوق آں خیال دیگر است

صاحب فصوص فرماتے ہیں کہ تجلی ذات صرف متجلّٰی لہٗ کی صورت میں ہوتی ہے پس متجلّٰی لہٗ حق کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا اور اس نے خدا تعالےٰ کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ممکن ہے کہ اس کو دیکھ سکے۔ عدم امکان رویت تو مبالغہ کے طور پر کہا ہے نہ کہ حقیقی طور پر کیونکہ رویت دُنیا میں جائز ہے اور آخرت میں واقع ہے جب سالک کی پوری فنا ممتنع ہوئی اور مطلوب سے اتصال و وصول اس کے بغیر ممنوع ہوا اور بغیر وصول کے معرفت کی کوئی صورت نہیں تو لازماً معرفت سے عجز لازم آیا اور معرفت سے عجز عین معرفت ہوئی یہ نہ کہا جائے کہ معرفت سے عجز معرفت کیونکر ہوا جو کہ اس کا نقیض ہے کیونکہ معرفت سے عجز اس معرفت سے عبارت ہے کہ "وہ پہچانا نہیں جا سکتا۔"

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا "ادراک کو پا لینے سے عاجز آنا ادراک ہے۔" پس پاک ہے وہ اللہ جس نے خلقت کے لئے اپنی طرف کوئی راہ نہیں بنائی سوائے اس کے کہ اس کی معرفت سے عاجز آ جاتے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

سُبۡحَان[2] خالقے کہ صفاتش ز کبریا ‌‌‌ بر خاک عجز مے فگند عقل انبیاء

جبکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صفات کبریا کی معرفت میں عاجز آجائیں اور ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کہیں کہ "ہم نے تجھے جیسے پہچاننے کا حق تھا نہیں پہچانا" اور صدیق اکبر جو کہ اس خیر الامم کے

---

[1] (۱) اے وہ کہ اپنے جمال میں محو ہے تو اپنے خیال ہی کی پرستش کرتا ہے (۲) اس جمال و کمال سے مخلوق کی قسمت اگر تو غور کرے تو خیالات کی ایک مشت ہے (۳) اگر معشوق کا خیال تیرے سر میں ہے تو وہ معشوق نہیں ہے بلکہ کوئی اور خیال ہے ۱۲۔

[2] پاک ہے وہ خالق کہ جسکی صفات اپنی کبریائی سے انبیاء کی عقل کو خاک پر ڈال دیتی ہیں ۱۲۔

کے رئیس اور سردار ہیں وہ اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں تو دُوسرا کون ہے جو معرفت سے دم مارے شاید کہ اپنے جہل مرکب کو معرفت سمجھے اور غیرِ حق کو حق جانے اور یہ معرفت سے عجز عروج کے مراتب کی نہایت کی نہایت ہے اور قرب کے مدارج کی غایت کی انتہا ہے اور جب تک وہ آخری نقطہ تک نہ پہنچے اور تجلیات اور ظہورات کے مراتب طے نہ کرے اور وصل اور اتصال کو کہ کتنی ہی مدت اس کے ساتھ خوش رہا اس کو عین فصل و انفصال نہ پائے اس عجز کی دولت سے مشرف نہیں ہو سکے گا اور خدا ناشناسی سے آزاد نہیں ہو سکے گا۔ اور غیرِ حق کو حق جانے گا۔

سوال:۔ پس خُدا تعالیٰ کی معرفت کے واجب ہونے کا کیا معنی ہے؟

جواب:۔ وجوب معرفت اس معنی سے ہے کہ شریعت میں خُدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا پہچاننا واجب ہے۔ اور ہر وُہ معرفت جو شریعت کے علاوہ مستفاد ہو اس کو اس فقیر کے نزدیک خُدا کی معرفت کہنا جرأت ہے اور ظن و تخمین سے خدا تعالیٰ پر حکم لگانا ہے۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (کیا تم اللہ پر وُہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے) شاید اسی لئے کہ سراج الامت اور امام الائمہ امام اعظم کوفی رضی اللہ عنہ نے یہ قول کہا ہو "پاک ہے تو ہم نے تیری عبادت جس طرح تیرا حق تھا نہیں کی ہے لیکن جس طرح تیرے پہچاننے کا حق تھا ہم نے تجھے پہچان لیا ہے" اگرچہ یہ قول اکثر لوگوں پر گراں ہے لیکن معقول توجیہ کے قابل ہے کیونکہ حق معرفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام چیزوں سے جن کو شریعت نے بیان کیا ہے یعنی کمالات و تنزیہات و تقدیسات وغیرہ سے پہچانا جائے۔ کہ ان سے باہر معرفت کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ جو کہ حقِّ معرفت کو مانع ہو۔

سوال:۔ اس معرفت میں تو عوام و خواص شرکت رکھتے ہیں بلکہ مساوات رکھتے ہیں اور لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کی معرفت خواصِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی معرفت کی طرح ہو کہ سب کو حقِ معرفت حاصل ہے اور یہ مسئلہ اسی طرح کا ہے کہ حضرت امام اعظم نے فرمایا ہے اَلْاِيْمَانُ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ (کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی) اور اس جگہ کہا ہے کہ اس عبادت سے لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کے ایمان کی طرح ہو۔

جواب:۔ اس قوی شبہ کا حل ایک دقیقہ پر مبنی ہے کہ اس فقیر کو محض اپنے فضل سے اس کی راہنمائی کی گئی ہے اور وہ باریک نکتہ یہ ہے کہ حقِّ معرفت یہ ہے کہ ان معارف شرعیہ سے عارف کو معرفت سے عجز لاحق ہو مثلاً شریعت میں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علم کا اثبات کیا گیا ہے اور وُہ علم اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہے اور ہمارے ادراک کے احاطہ سے باہر ہے۔ اگر اس علم کو اپنے علم پر

قیاس کر کے پہچانا جائے تو نہیں پہچانا جائے گا بلکہ اس جگہ شناخت اپنی اختراع کی ہوگی نہ کہ اللہ تعالےٰ کے علم کی معرفت جو کہ اللہ تعالےٰ کے کمال کی صفت ہے ۔

پس اس صورت میں سرے سے معرفت ہی نہیں ہے حقِ معرفت کیا ہوگا اور اگر اس کا معاملہ قیاس اور تخمین سے نکل کر عجز میں آجائے اور وجدان اور حال سے پائے کہ اس کو نہیں پہچانا جا سکتا اور جان لے کہ اس سے حصہ سوائے ایمان لانے کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے کمال کی صفت ہے اس وقت معرفت بھی حاصل ہوگی اور حق معرفت بھی پس حقیقت میں اصل معرفت یہی حق معرفت ہوا اور جو حقِ معرفت نہیں ہے وہ اصل معرفت بھی نہیں ہے پس عوام کو حق معرفت میں خواص سے شرکت نہ ہوئی ۔ مساوات کی کیا گنجائش ہے ؟

سوال :- جب حق معرفت نفس معرفت ہوا تو چاہیئے کہ عوام کو نفس معرفت بھی نہ ہو کیوں کہ اُن کو حقِ معرفت بھی نہیں ہے ؟

جواب :- معرفت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ۔ وُہ معرفت جو عین حق معرفت ہے وہ حقیقت معرفت ہے جو کہ معرفت سے عجز کے ساتھ مربوط ہے اور اس کی صورت وُہ ہے جو کہ اس عجز کی حد تک نہ پہنچے اور امکان کی صفات کے قیاس کرنے کے شائبہ سے آزاد نہ ہو جیسا کہ گذرا ۔ یہ کمال درجہ کی مہربانی ہے کہ صورت معرفت کو بھی نفس ایمان کی طرح معتبر سمجھا ہے اور نجات کو اس کے ساتھ مربوط کیا ہے جیسا کہ صورتِ ایمان کو بھی معتبر سمجھا ہے اور جنّت کا داخلہ اس پر مترتب کیا ہے ۔ صورتِ ایمان میں صورت معرفت کافی ہے اور حقیقت ایمان میں حقیقت معرفت سے چارہ نہیں ہے ۔

پس اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی دو فرد ہیں صورت[۱] اور حقیقت[۲] اور وہ جو عوام کا حصہ ہے وہ صورت ہے اور وہ جو خواص کو عطا ہوا ہے وہ حقیقت ہے پس عوام کا ایمان انبیاء کے ایمان کی طرح نہ ہوا جو کہ اخصّ خواص ہیں علیہم الصلوات والتسلیمات ۔ کیونکہ وہ ایمان اور ہے اور یہ ایمان اور ہے اور یہ آپس میں کوئی مماثلت نہیں رکھتے ۔

اور ایمان کی حقیقت میں چونکہ عجز معرفت سے ماخوذ ہے اور معرفت یہ کہ " وُہ پہچانا نہیں جاتا " موجود ہے تو لازماً اس جگہ نہ زیادتی اور نقصان مفقود ہوگا کیونکہ سلبِ معرفت میں درجات کا تفاوت نہیں ہے اور ثبوت ہے کہ اس جگہ درجات میں تفاوت ہے پس ایمان کی حقیقت میں زیادتی اور نقصان کا احتمال نہ ہوگا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو خوب جانتے ہیں ۔

سوال :- اس تقریر سے لازم آیا کہ صوفیہ علیہ کے کشفی علوم و معارف اعتبار کے مقام سے ساقط

ہیں اور اللہ تعالےٰ کی معرفت ان کے ساتھ کچھ بھی وابستہ نہیں ہے کہ حق معرفت شرعی علوم و معارف سے حاصل ہوا اور وہ معرفت نہ رہی جس کو صوفیہ کسب سے تلاش کرتے ہیں پس صوفیہ کو علماء سے اللہ تعالےٰ کی معرفت میں کچھ بھی بزرگی ثابت نہ ہوئی۔

جواب: ۔صوفیہ کے کشفی علوم و معارف اس عجز کے لئے اسباب ہیں جو کہ ان کے منتہی لوگوں کو آخر میں میسّر ہوتا ہے اور یہ بزرگوار اس کشفی معارف کے زینہ سے اس عجز کی دولت سے مشرف ہو جاتے ہیں پس ان بزرگواروں کے معارف معتبر ہوں گے کہ حق معرفت کے حصول کا وسیلہ ہیں اور ایمان حقیقی کے وصول کا ذریعہ ہیں۔

سوال: ۔جب معرفت سے عجز ثابت ہوا اور کمال عجز میں منحصر ہوا پس صوفیہ علیہ نے جو تین مراتب اعتبار کئے ہیں ان کا کیا معنی ہے اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین سے کیا مراد ہے؟

جواب: ۔اس فقیر کو اس مسئلہ میں قوم سے اختلاف ہے ان بزرگواروں نے ان مراتب سہ گانہ کو خدا تعالےٰ کی ذات کی نسبت سے اعتبار کیا ہے اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین اللہ تعالےٰ کی ذات میں ثابت کئے ہیں اور مثال جو لائے ہیں کہ آتش کے علم کو جو دھوئیں کے استدلال سے حاصل ہو آتش کے متعلق علم الیقین کہتے ہیں اور آتش کو دیکھنا عین الیقین تصوّر کرتے ہیں اور آتش سے متصّف ہونا حق الیقین۔ اور یہ فقیر ان مراتب سہ گانہ کو ان نشانیوں میں جو کہ اللہ تعالےٰ کی ذات پر دلالت کرنے والی ہیں منحصر سمجھتا ہے اور علم اور عین اور حق یہ تینوں دلالت کرنے والوں کے مراتب قرار دیتا ہے نہ کہ مدلول کے وُہ علم اور عین اور حق سب سے بلند ہے اور علم اور عین اور حق تمثیل میں دھوئیں کے متعلّق جانتا ہے نہ کہ آتش کی نسبت کیونکہ اگر دھوئیں کا علم استدلال سے حاصل ہُوا ہے تو دھوئیں کی نسبت علم الیقین ہے جو کہ آتش کو مستلزم ہے اور اگر دھوئیں کو دیکھا ہے اور اس جگہ سے آتش کے وجود کا استدلال کیا ہے تو دھوئیں کی نسبت سے عین الیقین ہے اور اگر دھوئیں سے متصّف ہُوا ہے اور اس جگہ سے آتش کے وجود کا استدلال کیا ہے تو دھوئیں کی نسبت سے حق الیقین ہے اور یہ استدلال پہلے استدلال کی نسبت زیادہ پُورا ہے کہ وہ استدلال آفاق سے ہے اور یہ استدلال اَنفُس سے کہ دھوئیں سے متصّف ہُوا ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ عین الیقین میں دھواں ایک واسطہ ہے اور حق الیقین میں واسطہ نہیں ہے بلکہ وہی نسبت جو دھوئیں کو آتش سے ثابت ہے اس کو بھی وہی نسبت حاصل ہوتی ہے اور قرب کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ جاتا ہے جو علم اور یقین اور حق سے ماورائے ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ جب واسطہ اُٹھ گیا تو

رویت ثابت ہوگئی کہ عین الیقین، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ واسطہ کا اٹھ جانا رویت کے ثبوت میں کفالت نہیں کرتا کچھ اور چیزیں چاہئیں کہ جن کا وجود مفقود ہے اور جب یقین کے تمام مراتب نشانات کی طرف راجع ہوئے اور کوئی معرفت نہ رہی جو مدلول کی طرف راجع ہو تو لازماً مدلول کی معرفت میں عجز لازم آیا اور سلب معرفت کے علاوہ کوئی معرفت اس جگہ ثابت نہ ہوئی اور اگر یقین کے ان مراتب سہ گانہ کو آیات کی طرف راجع نہ کیا جائے بلکہ مدلول کی طرف راجع ہوں تو معرفت سے عجز کی کیا صورت ہوگی اور سلب معرفت کے کیا معنی ہوں گے۔

مکتوب نمبر ۱۲۳

(نور محمد تہاری کی طرف صادر فرمایا)

(اس بیان میں کہ جو راہ اللہ تعالےٰ کی طرف پہنچانے والے ہیں وہ دو ہیں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ وہ راہ جو اللہ تعالےٰ کی طرف پہنچانے والے ہیں دو ہیں ایک وہ راہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتی ہے علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام اور اصل الاصل تک پہنچانے والی ہے اس راہ سے واصل ہونے والے اصل میں تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں اور ان کے صحابہ اور باقی امتوں میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوتے ہیں بلکہ بہت ہی تھوڑے ہوتے ہیں

اور اس راہ میں توسط و حیلولت نہیں ہے جو بھی ان واصلین میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی کے وسیلے کے اصل سے حاصل کرتا ہے اور کوئی بھی دوسرے کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔

اور ایک وہ راہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب و اوتاد اور بدلا اور نجباء اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ سے عبارت ہے بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط اور حیلولت ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور ان کے سردار اور ان کے بزرگواروں کے منبع فیض حضرت علی المرتضیٰ ہیں کرم اللہ تعالےٰ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان منصب ان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدم مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مبارک سر پہ ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔

مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچی کہ ان کے ذریعے سے پہنچی کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت امیر کا دُور ختم ہُوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنین کو سپرد ہوا اور ان کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک کے ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر ہوا اور ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی فیض اور ہدایت پہنچتا ہے ان بزرگواروں کے ذریعہ اور حیلولہ سے پہنچا ہے اگرچہ اقطاب و نجبائے وقت ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے ملجا و ماویٰ یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کرنے سے چارہ نہیں ہے۔

یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ تک پہنچی اور جب اس بزرگوار تک نوبت پہنچی تو منصبِ مذکور آپ کے سپرد ہُوا اور ائمہ مذکورین اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی بھی اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا اور اس راہ میں فیوض و برکات کا وصول جس کو بھی ہو خواہ وہ اقطاب و نجبا ہوں آپ کے واسطہ ہی سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز ان کے علاوہ اور کسی کو میسّر نہیں ہُوا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے ؎

أَفَلَتْ شُمُوسُ الْاَوَّلِيْنَ وَشَمْسُنَا أَبَدًا عَلٰى اُفُقِ الْعُلٰى لَا تَغْرُبُ[1]

شمس سے مراد فیضان ہدایت و ارشاد کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے کا مطلب فیضان مذکور کا عدم ہے اور جب حضرت شیخ کے وجود سے وہ معاملہ جو پہلے لوگوں سے تعلق رکھتا تھا مقرر ہُوا اور وہ رشد و ہدایت کے وصول کا واسطہ ہوئے جیسا کہ ان سے پہلے پہلے لوگ تھے اور پھر یہ بھی ہے کہ جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے انہی کے وسیلہ سے ہے تو لازماً درست ہُوا کہ اَفَلَتْ شُمُوسُ الْاَوَّلِيْنَ وَشَمْسُنَا الخ

سوال:- یہ حکم مجدد الف ثانی سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ مجدد الف ثانی کے معنی کے بیان میں جلد ثانی کے ایک مکتوب میں درج ہُوا ہے کہ جو کچھ بھی فیض کی قسم سے اس مدت میں اُمتوں کو پہنچتا ہے وہ اسی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اگرچہ وہ اقطاب و اوتاد ہوں یا نجباء و بدلاء وقت ہوں۔

جواب:- مَیں کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی اس مقام میں حضرت شیخ کے نائب ہیں اور حضرت شیخ کی نیابت ہی سے یہ معاملہ اس سے وابستہ ہے جیسا کہ کہا ہے نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُّوْرِ الشَّمْسِ۔ (چاند

[1] پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے کناروں پر رہے گا وہ غروب نہ ہو گا ۱۲

کا نُور سورج کے نور سے مستفاد ہے) تو اب کوئی استحالہ نہ رہا۔

سوال :۔ مجدد الف کا معنی جو اُوپر مذکور ہوا مشکل ہے کیونکہ اس مدت مذکورہ میں حضرت عیسٰی علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نزول فرمائیں گے اور حضرت مہدی علیہ الرضوان بھی ظاہر ہوں گے اور ان بزرگواروں کا معاملہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی کے ذریعہ سے فیض حاصل کریں۔

جواب :۔ مَیں کہتا ہوں کہ دو راہوں میں سے دُوسرے راہ میں توسّط کا معاملہ پیش آتا ہے جو کہ قرب ولایت سے عبارت ہے اور پہلی راہ میں جو کہ قرب نبوت سے عبارت ہے توسّط کا معاملہ مفقود ہے جو بھی اس راہ سے واصل ہوا ہے کوئی بھی اس میں حائل اور وسیلہ نہیں ہے وہ کسی کے وسیلہ کے بغیر فیوض و برکات حاصل کرتا ہے۔ توسّط اور حیلولت صرف آخری راہ میں ہے اور اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے جیسا کہ گذر چکا اور حضرت عیسٰی علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان پہلی راہ سے واصل ہیں جیسا کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما پہلی راہ سے واصل ہیں اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ہیں اور وہ اپنے مختلف درجات میں اس جگہ ایک خاص شان رکھتے ہیں۔

تنبیہ :۔ جاننا چاہیئے کہ جائز ہے کہ کوئی شخص قرب ولایت کی راہ سے قرب نبوت تک پہنچے اور دونوں معاملات میں شریک ہو اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی طفیل اس کو اُس جگہ بھی جگہ دیدیں اور کارخانہ کو اس سے وابستہ کر دیں اور اس جگہ بھی معاملہ اس سے متعلق ہو ؎

خاص کند بندۂ مصلحت عام را

یہ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ سُبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین

مکتوُب نمبر ۱۲۴

شیخ محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ شیخ محمد طاہر بدخشی نے استفسار کیا ہے، کہ رسالہ مبدأ و معاد میں لکھا ہے کہ "جیسے صورت کعبہ صورت محمدی کی مسجود ہے اسی طرح حقیقت کعبہ بھی حقیقت محمدی کی مسجود ہے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات" اس عبارت سے حقیقت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ

لہ وہ عام لوگوں کی مصلحت کے لئے کسی بندہ کو خاص کر لیتا ہے ۱۲

والسلام سے حقیقت کعبہ کی افضلیت لازم آتی ہے حالانکہ مقرّر یہ ہے کہ عالم کی پیدائش سے مقصود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضرت آدم اور تمام آدمی ان کے طفیلی ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور نہ ربوبیّت کو ظاہر کرتا۔

جاننا چاہیئے کہ صورت کعبہ اینٹ اور پتھر سے عبارت نہیں ہے کیونکہ اگر بالفرض یہ اینٹ اور پتھر درمیان میں نہ ہوں تو بھی کعبہ کعبہ ہے اور خلائق کا مسجُود ہے بلکہ صوُرتِ کعبہ باوجود اس کے کہ عالَمِ خلق سے ہے لیکن دُوسری اشیاء کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ وُہ ایک مستوُر امر ہے جو حس وخیال کے احاطہ سے باہر ہے وہ عالم محسُوسات سے ہے اور کچھ بھی محسوس نہیں ہے اور تمام اشیاء کا متوجہ الیہا ہے اور کوئی بھی توجہ نہیں ہے۔ وہ ہستی ہے جس نے نیستی کا لباس پہنا ہے اور نیستی ہے جس نے ہستی کے لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے وہ جہت میں بے جہت ہے اور سمت میں بے سمت ہے۔

مختصر یہ کہ یہ صورت حقیقت منش ایک عجیب چیز ہے کہ عقل اس کی تشخیص میں عاجز ہے اور عقلاء اس کے تعین میں حیران ہیں گویا کہ وُہ عالم بے چونی وبے چگونی کا نمونہ ہے اور بے شبہی اور بے نمونی کا نشان اسمیں پوشیدہ ہے۔ ہاں اگر ایسا نہ ہوتا تو مسجودیت کے لائق نہ ہوتا اور بہترین موجودات علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام شوق وآرزو سے اس کو اپنا قبلہ اختیار نہ فرماتے۔ فِيهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ (اس میں کھلے کھلے نشان ہیں) اس کی شان میں نصّ قاطع ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (اور جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہو گیا) اس کے حق میں قرآن مجید مدح کرنے والا ہے۔

وہ بیت اللہ ہی ہے کہ جس میں صاحب خانہ جل شانہٗ کی بے کیف بود وباش ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالٰے کی بے چوں وبے چگون مجہوُل الکیفیّت نسبت واتصال ہے وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ کے لئے بلند مثل ہے) عالم مجاز میں جو کہ حقیقت کا پُل ہے بیت (گھر) شب باشی کی خبر دیتا ہے جو کہ صاحب خانہ کے آرام اور قرار کی جگہ ہے اہل دولت کے لئے اگرچہ بیشمار نشست گاہیں ہیں اور بیٹھنے اُٹھنے کے لئے بہت سے مقام ہیں لیکن گھر پھر بھی گھر ہے جو کہ اغیار کی مزاحمت سے بیگانہ اور دوست کے آرام کے لئے مکان اور جگہ ہے۔ اگرچہ بحکم حدیث قدسی وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ (لیکن میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہُوں) مومن بندے کا دل بے چونی ظہور کی گنجائش پیدا کرتا ہے لیکن گھر ہونے کی نسبت جو کہ بود وباش کی خبر دیتا ہے وہ کہاں سے پیدا کرے۔ اور اغیار کی مزاحمت جو کہ گھر کے لوازمات سے ہے کہاں سے لائے اور جب غیر اور غیریت کو اس مقام میں دخل نہ ہو گا تو لازماً وہ مخلوق کا سجدہ گاہ ہو گا کہ غیر کو سجدہ نہ ہو اور غیریت مسجودیّت کی منافی ہوتی ہے۔ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی طرف سجدہ

تجویز نہ فرمایا اور بیت اللہ شریف کی جانب شوق اور رغبت سے سجدہ کرتے رہے فرق کا راز اس جگہ سے معلوم کرو کہ ساجد اور مسجود میں کتنا بڑا فرق ہے۔

اے بھائی جب آپ نے کچھ صورت کعبہ کے متعلق معلوم کر لیا تو اب کچھ حقیقتِ کعبہ کے متعلق بھی سنو حقیقت کعبہ ذاتِ بے چون واجب الوجود سے عبارت ہے کہ ظہور اور ظلب کی گرد بھی وہاں تک راہ نہیں پا سکتی اور وہ مسجودیت و معبودیت کے لائق ہے اس حقیقت کو اگر حقیقت محمدی کا مسجود کہیں تو اس میں کیا استحالہ لازم آتا ہے اور آپ کی افضلیّت میں کیا قصور واقع ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حقیقت محمدی عالم کے تمام افراد کے حقائق سے افضل ہے لیکن کعبہ معظمہ کی حقیقت عالم کی جنس سے نہیں ہے تا کہ اس کے ساتھ یہ نسبت ظاہر کی جائے اور اس کی افضلیت میں توقف کیا جائے۔

تعجّب ہے کہ ان دو صاحب دولت کی ساجدیّت اور مسجودیّت کی صورتوں کے فرق نے بھی ذو فنون عقلمندوں کو ان کی حقیقت کے فرق کا سراغ نہ دیا کہ انہوں نے مُنہ پھیرنے کا مقام اختیار کیا اور طعن و تشنیع کی زبان کھولی حضرت حق سُبحانہٗ و تعالےٰ ان کو انصاف عطا کریں کہ نہ سمجھتے ہُوئے ملامت نہ کریں۔ اے ہمارے ربّ ہمارے گناہ اور ہمارے اپنے کام میں ہماری زیادتیاں معاف فرما اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد عطا فرما۔ والسّلام علی من اتبع الھدیٰ ؕ

تیسرا دفتر ختم ہُوا اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے یہاں کتاب ختم ہوگئی۔

اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اختتامیہ

عرضِ مترجم غفراللہ

بلاشُبہ اسلام کامل دین ہے جو انسان کی تمام دنیوی واُخروی سعادتوں کا کفیل ہے۔ لیکن ان سعادتوں سے انسان اسی وقت بہرہ ور ہو سکتا ہے جبکہ اس دین کو اپنا دستورِ حیات بنائے اور اس کے ظاہری وباطنی محاسن سے آراستہ ہو۔ کما حقہٗ یہ مقام، تزکیہ نفس کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ تزکیہ نفس کیلئے تصوّف وسلوک کی منازل طے کرنا شرط ہے۔ حدیث میں عبادت کے جس درجے کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اس تک پہنچنے کا ذریعہ یہی تصوف وسلوک ہے۔

نیک کام کی قبولیت، اس کے نتائج وثمرات سے متمتع ومستفید ہونے کا مدار صدقِ نیت خلوص اور للّٰہیت پر ہے۔ اور اخلاص اور للّٰہیت کے تقاضوں کی تکمیل بدون تزکیہ نفس ناممکن ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم وفاضل، مفکر وعلّامہ کیوں نہ ہو تزکیہ کے بغیر بشری ونفسانی رذائل وحجابات سے نجات نہیں پا سکتا۔

محققین صوفیائے کرام اور بزرگان دین نے اپنی تصانیف میں سلوک کے منازل ومقامات کی نہایت شرح وبسط سے نشاندہی کی ہے اور مروجہ غلط فقر وسلوک اور صحیح فقر وسلوک کو پوری طرح ممتاز کر دیا ہے انہی مبارک وعمدہ تصانیف میں سے امام ربّانی حضرت مجدّد الف ثانی سرہندی قدس سرہٗ کے مکتوبات ہیں۔ جن میں خالص اسلامی تصوّف کی حقیقت وماہیت۔ اس کے معارف ورموز اور اس کے فوائد وثمرات پر نہایت

جامع انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور سلوک سے متعلق ہر طرح کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ آپ کے مکتوبات قلبی و روحانی امراض کیلئے نسخۂ شفا ہیں۔

اس دورِ الحاد میں خام صوفیوں اور جاہل پیروں نے فقر و سلوک کا حلیہ جس بُری طرح بگاڑا ہے۔ اور فقر کے نام پہ گمراہی و ضلالت کا جو بازار گرم کر رکھا ہے۔ وہ ارباب فہم و دانش سے پوشیدہ نہیں۔ اس صورت حال نے فقیر کو اس امر پہ آمادہ کیا کہ حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ کے مکتوبات قدسی آیات جو فارسی میں تھے، اردو زبان میں منتقل کئے جائیں۔ حسن اتفاق سے تائید ایزدی نے بہت جلد یاوری کی کہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی کے مالک جناب محترم الحاج حکیم محمد تقی صاحب دہلوی اشرفی دام فیضہٗ وعمّ احسانہٗ و زید مجدہٗ لاہور تشریف لائے اور ترجمے کی فرمائش کی۔ فقیر نے حکیم صاحب موصوف کے ارشاد کے مطابق ترجمے کا کام شروع کر دیا۔ جنوری ۱۹۷۰ء میں یہ مبارک کام شروع کیا اور جون ۱۹۷۲ء کے اواخر میں کم و بیش ساڑھے سولہ سو صفحات پر پھیلا ہوا یہ ترجمہ مکمل ہوا۔ خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر جس نے اس ناکارہ اور ہیچ مدان سے یہ عظیم کام پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

حکیم صاحب موصوف کی خواہش تھی کہ ترجمہ سال ڈیڑھ سال کے اندر اندر مکمل ہو جائے مگر افسوس کہ مرض شوگر کے باعث مسلسل نقاہت، دربار شریف میں افتاء کا کام، ملاقاتیوں کا ہجوم، جامعہ حنفیہ غوثیہ حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے انتظام و اہتمام کی ذمہ داریاں، سُنّی تبلیغی جماعت پاکستان کی تبلیغی مصروفیات اور گھریلو مشاغل وغیرہ کی بنا پر قبلہ حکیم صاحب موصوف کی خواہش پوری نہ کر سکا جس کے لئے فقیر قبلہ حکیم صاحب مدظلہ العالی اور مدینہ پبلشنگ کمپنی کے اراکین سے تہ دل سے معذرت خواہ ہے کہ انہیں انتظار کی شدید زحمت اٹھانا پڑی۔ ناچیز اپنی جگہ مجبور تھا اور وہ اپنے مقام پر سچے تھے، بلکہ میں یہ عرض کروں گا کہ صحت کی ناسازی اور بے پناہ مصروفیات کے باوجود قریباً ساڑھے سولہ سو صفحات کا ترجمہ اڑھائی برس میں مکمل ہو جانا

تا ابد توفیق ایزدی کا کرشمہ اور بزرگانِ دین کی نظرِ کرم کا نتیجہ ہے۔

آخر میں تمام اصحاب علم و عرفان کی خدمت میں عرض ہے کہ ترجمے میں اگر خطا اور غلطی پائیں تو عفو و درگزر سے کام لیں اور بندہ کو آگاہ کریں کہ آیندہ اس کی صحت ہو سکے تمام پڑھنے اور فائدہ اٹھانے والوں سے استدعا ہے کہ اپنی دعاؤں میں اس عاصی کو یاد رکھیں۔ رب تعالےٰ کے حضور میں التجا اور دعا ہے کہ اس حقیر کوشش کو قبول کرے اور میرے لئے اسے ذریعۂ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین۔

بحمد اللہ کہ بر رغمِ زمانہ بپایاں آمد ایں دلکش فسانہ
زدیوارِ فراغت یافت پشتی براہِ نرمی افتاد از درشتی
سرم برداشت از زانو گرانی
سبک شد خاطر از بارِ نہانی

وصلے اللہ تعالےٰ علےٰ خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمّد
وعلےٰ آلہ واصحابہ واھل بیتہ وجمیع امتہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین

محمد سعید احمد نقشبندی غفر اللہ لہٗ
خطیب و امام مسجد حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، لاہور۔ پاکستان
۲۔ جولائی ۱۹۷۲ء